زر سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ---- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 6000 روپے

اکتوبر 2014

جلد 37 شمارہ 7

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37، اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

اکتوبر کا کرن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں عرب بتوں کے سامنے قربانی کرتے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی جو عظیم الشان نظیر قائم کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے جگر گوشہ کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور سعادت مند فرزند نے بخوشی سر تسلیم خم کر دیا۔ ایثار و قربانی اور تسلیم و رضا کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ روز قیامت تک اس کی یاد تازہ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ دنیا بھر کے مسلمان عیدالاضحیٰ کے موقع پر تین دن تک قربانی کر کے اس عظیم واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔
حج ہو یا قربانی اسلام کی کوئی بھی عبادت بے مقصد نہیں۔ حج بھی مساوات، بھائی چارے اور قربانی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور قربانی ایثار و محبت، طاعت و تسلیم اور خیر خواہی کا پیغام۔
خوشیوں کا لطف تب ہی ہے جب ان میں دوسروں کو بھی شریک کیا جائے۔ اپنے ارد گرد نظر ڈالیں۔ آپ کی ذرا سی اعانت سے کچھ لوگوں کو عید کی خوشیاں میسر آسکتی ہیں اور اصل عید وہی ہے جس میں سب کے دل مسرور ہوں۔
ادارہ کرن کی طرف سے قارئین کرام کو عید کی دلی مبارک باد۔

محمود بابر فیصل،

کچھ لوگ مختصر عمر لے کر آتے ہیں اور طویل زندگی پاتے ہیں۔ محمود بابر فیصل کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے مختصر سی زندگی میں کئی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ محبتیں بانٹیں، خوشیاں بانٹیں۔ ذوالقرنین کے روپ میں اپنے برجستہ جواب سے سکرا ہٹوں کے پھول کھلانے والے محمود بابر فیصل 25 اکتوبر 1993ء کو دنیا سے رخصت ہو کر ہزاروں لوگوں کو اشک بار کر گئے۔ ان کی برسی کے موقع پر بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔ (آمین)

اس شمارے میں،

- یاد محمود بابر فیصل،
- "یہ روز عید قرباں" مشہور شخصیات سے عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے دلچسپ سروے،
- گلوکارہ عابدہ پروین "کہتی ہیں" میری بھی سنیے"
- "دراز" کی بھابھی "منشا پاشا" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اس ماہ آسیہ آفتاب کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "عیدالاضحیٰ اور آپ" قارئین سے دلچسپ سروے،
- "پیغام دوست" قارئین کے پیغامات پر مبنی نیا سلسلہ،
- نفیسہ سعید اور فرحانہ ناز ملک کے سلسلے وار ناول،
- فقید ملک، عز الہ جلیل راؤ اور عائشہ ناز کے مکمل ناول،
- "خالہ، سالا اور بردالا" فاخرہ گل کی دلچسپ مزاحیہ تحریر،
- میمونہ صدف، ام ثمامہ، مصباح علی، سائرہ رضا اور صفیہ احمد کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت تحفہ،

گوشت کے مزےدار پکوان کی تراکیب پر مشتمل کرن کتاب "عید اسپیشل" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ مفت پیش خدمت ہے۔

ذات و صفات میں ہے یکتا صرف تو ہی
حاضر ہیں تیرے دربار میں خدایا ہم بھی

معلوم و نا معلوم تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں
شکر گزار ہیں تیری نعمتوں کے خدایا ہم بھی

مالک ہے تو کائنات کے اک اک ذرّے کا
مالک ہے تو باسی ہیں جہاں کے خدایا ہم بھی

تجھ سا دوسرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا مالک
ٹھہراتے نہیں تیرا کوئی شریک خدایا ہم بھی

ساحل ہے فقط تیرے ہی در کا بھکاری
المدد المدد کہ تیرے ہی بندے ہیں خدایا ہم بھی

خالد ایاز ساحل

میں بھی دیار شاہِ اُمم تک پہنچ گیا
اِک تشنہ کام بحر کرم تک پہنچ گیا

پہنچی تھی داستاں مہ کنعاں کی مصر تک
شہرہ مہِ عرب کا عجم تک پہنچ گیا

اب مجھ کو غمگسار کی حاجت نہیں رہی
اب میرا حال شانِ کرم تک پہنچ گیا

کیا رحمت تمام کا یہ معجزہ نہیں
مجھ سا غریب اُن کے حرم تک پہنچ گیا

بیٹھا جو نعت لکھنے میں خیر الانام کی
جبریل لے کے لوح و قلم تک پہنچ گیا

اب جادہ آشنا بھی ہے منزل شناس بھی
مظہر کہ ان کے نقش قدم تک پہنچ گیا

حافظ مظہر الدین

پردہ شب میں چھپ گیا خورشید

ساجدہ حبیب

آج 25 اکتوبر ہے بابر بھائی!

ہجر کا یہ سال بھی ٹھہر ٹھہر کر گزر گیا۔ بہتے آنسو، دلوں سے اٹھتی آہیں، لبوں سے اندر دل کے پھیلے صحرا تک پکارتی آوازیں، شب و روز کے چکر میں گزرتے موسم، سب ہی کچھ تو بیت گیا۔

اور یہ لمحات پھر آ گئے۔

آفس کے در و دیوار آج تک نوحہ کناں ہیں۔ وہ خالی کرسی منتظر ہے جہاں ایک درویش منش، لفظوں کا جادوگر چہرے پر دانش مندی کا چشمہ سجائے ہماری تحریروں کا انتظار کیا کرتا تھا۔

مگر۔۔۔ سب ہی کچھ خاک نشین ہو گیا۔

ان گزرتے لمحوں کے بیچ آپ کی جانب سے جو محبتیں ہمارا نصیب بنیں، جو خلوص ہماری زندگی کو گل رنگ کر گیا۔ برسوں ہماری آنکھوں کو برساتا رہے گا۔

ہاں سچ ہی تو کہا تھا محمود خاور نے کہ "چار اکتوبر بھلا اب کیا کرنے آئے گا۔"

آپ کی جانب سے محبتوں کا جو قرض ہم پر واجب الادا ہے وہ بھلا کیوں کر ادا ہو گا۔ مگر اک ستم آپ نے بھی تو کیا۔

اس طویل ہجر کی صورت میں جو سود آپ نے وصول کیا، وہ بڑا اذیت ناک ہے۔

اب کی بار اکتوبر کے اوائل میں وہ شام یاد آئی جب

محترمہ بشریٰ رحمان کے لیے آپ کے ہاں "کرن شام" منائی گئی۔

چاند نگر کی کھلی چھت پر کیسی حسین محفل جمی تھی۔ اور اپنی بہنوں کے درمیان کتنے زیادہ خوش گوار موڈ میں آپ میزبانی کے تمام فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

ریاض صاحب نے اس موقع پر محترمہ بشریٰ رحمان کے لیے تعریفی کلمات ادا کرتے ہوئے دعوے کے ساتھ کہا۔

"بشریٰ میری بہن ہیں۔"

"بہن کا بوجھ اٹھا سکیں گے؟" بشریٰ رحمان نے فوراً سوال کیا۔

"کتنا ہے؟" بابر بھائی نے آواز لگائی۔

محفل میں مسکراہٹ کے شگوفے پھوٹنے لگے اور بشریٰ جی نے اپنے مخصوص بے تکلف لہجے میں خاص پنجابی زبان میں آپ کو پیار بھری ڈانٹ پلائی۔

"حس مزاح بہت تیز ہے۔" میں نے تبصرہ کیا۔

"جی ہاں۔" آپ نے اعتراف کیا۔

"مگر تیز رو سے زیادہ نہیں۔"

تو اب۔۔۔ بس یادیں ہی یادیں رہ گئیں۔

قدرت بھی کبھی کبھی بڑے ستم کر جاتی ہے۔

ہجر کے ان سالوں میں ہماری زندگی جاری و ساری رہی، مگر اک خلش، اک تشنگی کا وہ احساس بھی ساتھ ساتھ رہا، جس سے ہم کبھی آشنا تھے۔ بہت سے احباب کے ساتھ، میں بھی ان خطوط کی منتظر رہی۔ جو میرے نام آیا کرتے تھے۔

خطوط تو بہت آئے بابر بھائی، احباب نے یاد بھی کیا۔ خیریت بھی پوچھی، مگر وہ دونوں تحریریں تو کھو گئیں، نا جن کے لیے آج بھی نظریں ترستی ہیں۔ آپ کی تحریر، اور خالدہ اسد کے طویل خطوط۔

"سنئے! آپ خاک نشین سہی اور ہم اس دنیا کے باسی، لیکن جب ہماری جانب سے دعاؤں کے انمول تحائف لے کر فرشتے آپ تک پہنچاتے ہوں گے تو عالم بالا میں آپ کی روح کس قدر خوش ہو گی۔۔۔ بس یہی احساس ہمیں اس زندگی میں اب تک مطمئن اور خوش رکھے ہوئے ہے۔

☆ ☆

عیدالاضحیٰ ہمارا مقدس مذہبی تہوار ہے۔ عیدالاضحیٰ صرف اجتماعی خوشی کا تہوار ہی نہیں بلکہ اس میں جذبہ قربانی کا احساس بھی شامل ہے۔ اس عید کا پیغام ہی قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے احکام کی تعمیل میں اپنی عزیز ترین شے اور ذہنی خواہشات کو قربان کرنے کا جذبہ ہی قربانی کا اصل مفہوم ہے۔ بحیثیت مسلمان کیا ہم قربانی کے اس مفہوم کو سمجھتے ہوئے قربانی کرتے ہیں یا قربانی کا مقصد محض نمود و نمائش ہے اسی حوالے سے ہم نے مشہور شخصیات سے کچھ سوال کیے ہیں آیئے دیکھتے ہیں انہوں نے ان سوالات کے کتنے "سچے اور دلچسپ" جوابات دیے ہیں۔

سوالات

1۔ عیدالاضحیٰ کے دن اگر آپ کو اپنی عزیز ترین "ہستی" کی قربانی دینے کو کہا جائے تو آپ کس کو قربان کریں گی / گے؟

2۔ جب بکرا چھری تلے ہوتا ہے تو آپ کا کیا دل چاہتا ہے کہ اس کے "نیچے" کس کو ہونا چاہیے؟

3۔ آپ کے خیال میں "قربانی" گھر کے باہر ہونی چاہیے یا مذبح خانے میں؟

بہ روزِ عیدِ قرباں

شاہین رشید

عیشا نور (آرٹسٹ)

1۔ "عزیز ترین ہستی" مجھے اس دنیا میں جو شخصیت سب سے زیادہ عزیز ہیں وہ میری "امی" ہیں۔۔۔ میں انہیں کھونا نہیں چاہتی لیکن جب اللہ کی راہ میں قربانی کی بات ہے تو میں اپنی امی کو قربان کردوں گی۔

2۔ قہقہہ۔۔۔ آج کل جو ملک کے حالات ہیں ان کو دیکھتے ہوئے تو یہ ہی کہوں گی کہ "تمام سیاست دان" چھری تلے آجائیں۔ تو کیا ہی بات ہوجائے۔

3۔ سب کا اپنا اپنا خیال ہوتا ہے۔ اور میرے خیال میں تو گھر کے باہر ہی قربانی ہونی چاہیے۔ ہاں صفائی ستھرائی کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے اور رکھنا بھی چاہیے۔ کیونکہ ثواب بھی ملتا ہے اور اچھا بھی لگتا ہے۔

ردا آفتاب (شیف)

1۔ میں تو خود ہی قربان ہوجاؤں گی لیکن اپنی کسی عزیز

ترین ہستی کو قربان نہیں کروں گی۔ میں تو ایک چیونٹی کو بھی قربان نہ کرسکوں تو قریب ترین ہستی تو بہت دور کی بات ہے۔ خود اپنے آپ کو قربان کردوں گی کہ نہ میں ہوں گی اور نہ ہی اتنا بڑا قدم اٹھانے کی نوبت آئے گی۔

2۔ نہ۔ یہ کس طرح کا سوال ہے توبہ توبہ۔۔۔ میں تو اس کا جواب بالکل بھی نہیں دے سکتی۔

3۔ جی قربانی گھر کے اندر ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ قصائی آپ کے سامنے قربانی کرتا ہے آپ خود دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مذبح خانے میں تو پتا بھی نہیں چلتا کہ کس طرح گوشت بنا۔ تو میرے خیال میں گھر ہی بہتر رہتا ہے۔

مسعود عالم (میوزک ڈائریکٹر، فلم میکر)

1۔ میں تو اپنی "انا" کی قربانی دوں گا۔ اگرچہ یہ مشکل کام ہے مگر کرنا پڑے گا۔

2۔ ہنستے ہوئے۔ میرے دل میں کسی کے لیے تعصب نہیں ہے اس لیے میں ایسا کچھ نہیں سوچتا اور سب اپنے اعمالوں کے خود ذمہ دار ہیں اور میں تو لوگوں کو اپنی میوزک کے ذریعے زندگی دیتا ہوں تو کسی کو چھری تلے کیسے دے سکتا ہوں۔

4۔ گھر کے باہر بھی نہیں اور گھر کے اندر بھی نہیں۔ بلکہ مذبح خانے میں ہونی چاہیے۔ اس طرح نہ گھر کے باہر گندگی ہوتی ہے نہ گھر کے اندر۔

عظمیٰ رزاق (کونٹینٹ منیجر اور ریڈی پکچرز)

1۔ یہ تو بہت ہی مشکل سوال ہے۔ عزیز ہستی قربان کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔ بلکہ عمر بھر ساتھ رہنے یا ساتھ رکھنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے ہی تو کسی عزیز ہستی کی قربانی نہیں دے سکتی۔

2۔ ایمانداری سے بتاؤں۔ ایک زمانہ ہوگیا ہے بکرا کٹتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ دوسری بات کہ میری کسی سے اگر اس حد تک دشمنی ہوئی بھی تو اس کے مرنے کی خواہش کبھی نہیں کروں گی۔ کیونکہ ہم کو بھی اور ہمارے پیاروں کو بھی ایک دن مرہی جانا ہے۔۔۔۔

3۔ اس سوال کے میں آپ کو دو جواب دوں گی۔ ایک تو یہ کہ مخصوص جگہ یا مذبح خانے میں جانور کی قربانی سے ایک تو صفائی ستھرائی رہتی ہے اور نمائش کا عنصر بھی کم ہوجاتا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مذبح خانے میں قربانی کرنے سے عید 'عید' نہیں لگے گی اور آج کی "نئی نسل" جو ویسے ہی اپنے کلچر اور اپنے مذہب سے ناواقف ہے۔ اس تہوار کی اہمیت کو محسوس کرنے سے محروم ہوجائے گی۔

عطاالرحیم (Concept Writer)

1۔ میری ایک بہت اچھی دوست ہے۔ کانسیپٹ رائٹر صحافی ہے' میں چاہوں گا کہ عید کے دن اس کی قربانی دے دوں۔ آپ کے ادارے میں ہی کام کرتی

ہیں۔
2 ۔ چھری تلے "دبابا" کو دیکھنا چاہتا ہوں۔
3 ۔ قربانی گھر میں ہی ہونی چاہیے۔ لیکن صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

صائمہ اکرم چوہدری (رائٹر+ڈرامہ نگار)

1 ۔ اف پہلا سوال تو اتنا دل ہلا دینے والا آپ نے کیا ہے کہ جواب دینے سے پہلے بندہ ہزار دفعہ سوچے' ہم عام انسانوں کی کیٹیگری سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ جو اپنے رشتے ناتوں اور چیزوں کے معاملے میں بہت Possessive ہوتے ہیں۔ ہمارا تعلق تو اس قوم سے ہے جو بیکار چیزوں کو بھی گھر سے پھینکنے سے پہلے ہزار دفعہ سوچتی ہے۔ میری زندگی میں سب سے قیمتی مجھ سے وابستہ میرے پیارے رشتے ہیں جن میں سرفہرست میرے والد صاحب' قابل احترام سسر صاحب اور میاں جی' ان کو کھونے کا تصور کرنا ہی میرے لیے تکلیف دہ امر ہے۔ اس لیے پلیز اس سوال کا جواب مجھ جیسے چھوٹے دل کے لوگوں سے نہ ہی کریں تو اچھا ہے۔
2 ۔ جب بکرا چھری تلے ہوتا ہے تو بہت سی شخصیات ذہن میں آتی ہیں کہ کاش ان کی قربانی اس طرح سے کی جاسکتی' ان میں سرفہرست تو ہمارے محب وطن سیاست دان ہیں جن کی وجہ سے ہمارا ملک اس نہج تک پہنچ گیا ہے کہ عنقریب ملک سے بجلی نام کی چیز ہی ناپید ہوجائے گی' کاش ان سیاست دانوں کو قربان کرکے میں ان کا گوشت امریکا کو بھجوا سکتی۔
3 ۔ قربانی جب تک گھر میں نہ ہو عید کا اصل لطف ہی نہیں آتا جانور جسے اتنے دن پہلے آپ نے اتنی محبت سے رکھا ہوتا ہے اس کا اتنا تو حق بنتا ہے کہ آپ اسے اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہوئے اپنے ہی گھر میں اس کا اہتمام کریں۔ میں تو اس حق میں ہوں کہ قربانی آپ کے اپنے گھر میں ہی ہونی چاہیے' لیکن اس قربانی کی باقیات کو گلی میں نہیں سجانا چاہیے یہ انتہائی غلط حرکت ہے جو ہم میں سے بے شمار لوگ کرتے ہیں۔

سمیرا حسن (آرٹسٹ)

1 ۔ بہت مشکل سوال ہے' اگر لازمی ہے قربانی دینی تو انسان کی اپنی جان ہی عزیز ترین ہوتی ہے تو میں اپنی جان کو ہی قربان کرسکتی ہوں اور کسی عزیز ترین ہستی کو قربان کرنے کا تصور تک نہیں کرسکتی۔
2 ۔ چھری کے نیچے سیاست دانوں اور دہشت گردوں کو ہی ہونا چاہیے' کیوں کہ وہ پاکستان کے لیے بوجھ بن گئے ہیں۔
3 ۔ سو فیصد مذبح خانے میں قربانی ہونی چاہیے' اتنا خوب صورت تہوار گندگی کی وجہ سے برا لگنے لگتا ہے اور ایسے میں اگر بارش ہوجاتی ہے تو پھر بیماریاں پھیلنے کا بھی خطرہ ہوجاتا ہے۔ گورنمنٹ کو گھر کے باہر یا گھر کے اندر قربانی کرنے پر پابندی لگانی چاہیے اور مذبح خانے میں قربانی کو لازمی قرار دینا چاہیے اور صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھیں۔

ظفر معراج (ڈرامہ رائٹر+شاعر)

1 ۔ میں کوئی پیغمبر نہیں ہوں۔ بلکہ ایک انسان ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ادنیٰ سا بندہ کسی کو قربان کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔
2 ۔ نہیں کسی کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ جب دوست اور عزیز ترین ہستی کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تو اپنے دشمن کے بارے میں کیوں سوچوں۔
3 ۔ جن کے لیے قربانی تماشا ہے وہ تو "دکھاوا" کریں گے ہی۔

بنت ارسلان (فوٹوگرافر+رائٹر)

1 ۔ بکرا عید کے دن مجھے اپنی عزیز ترین ہستی کو قربان کرنے کے لیے کہا جائے تو میں یہ "حوصلہ ابراہیمی" نہیں کرسکتی۔ کیوں کہ جو مجھے عزیز ہے میں اس پر تو قربان ہوسکتی ہوں اسے قربان کرہی نہیں سکتی۔
2 ۔ جب بکرا چھری تلے ہوتا ہے تو میں اس کا دم نکلتے دیکھنے کی کوشش کرتی ہوں' مگر ایسا بہت ہی کم ہوا ہے' اتنی مقدس قربانی پہ یہ سوچنا کہ اس قربانی کے وقت کوئی اور ہو' سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قربانی تو منتخب جانداروں کی ہی ہوسکتی ہے۔ ہاں مگر عام روٹین میں یہ پوچھا جاتا تو بہت نام ہیں جنہیں "صدقے" میں قربان کردوں اور کس کس کا نام لیں کہ کہیں ہم بھی کسی کے نام کی ہٹ لسٹ میں شامل نہ ہوں۔
3 ۔ قربانی ایک اہم فریضہ ہے' حکم ربی اور احکام

شریعت میں بھی یہی ہے کہ قربانی کے جانور کو کچھ عرصہ اپنے گھر میں رکھو' اسے پیار دو تاکہ جب قربانی کرو تو اس پیار کا احساس رہے۔ ہمارے یہاں تو قربانی گھر کی دہلیز پر ہوتی ہے' مگر کچھ عرصے سے ٹرینڈ بدلا ہے کہ مذبح خانے میں جانور قربان کروایا جاتا ہے کہ قصائی کی کھال اتروائی' فیس سے بچت ہوجاتی ہے اور ان کے نخرے جو کسی سیاست دان اور ایکٹریس سے کم نہیں ہوتے کون اٹھائے۔ مذبح خانے میں قربانی کا فائدہ یہ بھی ہے کہ گوشت صرف بن جاتا ہے۔ بلکہ قربانی کی کھال مانگنے والوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے اور گوشت کی اور خون کی بو گھر میں نہیں پھیلتی۔ مجھے تو قربانی کے بعد کی Smell بہت اچھی لگتی ہے۔ میں ہوں ہی نہیں ایسی دنیا کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گھر کی صفائی کون کرے۔ مجھے تو یہ خوامخواہ کے نخرے لگتے ہیں بس۔ میں نے کون سا سب کچھ خود کرنا ہوتا ہے۔

شبنم ثانی (آرٹسٹ)

ہمارا اتنا حوصلہ کہاں۔ یہ تو عظیم پیغمبر کی دی ہوئی قربانی ہے جو ہمیں یاد رکھنی چاہیے۔
2 ۔ ہاہاہا ۔۔۔۔ ملک کے سیاست دانوں کو جو اس پاک سرزمین پر بوجھ ہیں اور جو اس پاک فریضے کے قابل تو نہیں مگر ان پر کوئی چھری پھیر ہی دے تو بہتر ہے۔
3 ۔ مذبح خانے میں ہو تو بہتر ہے۔ اس طرح گھر اور گھر کے باہر گندگی سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

امبر ارشد (آرٹسٹ)

1 :۔ بھئی سچ پوچھیں تو پہلا سوال تو بہت عجیب سا اور مشکل بھی ہے۔ جو پیارے ہوتے ہیں 'عزیز ہوتے ہیں بھلا ان کو کون قربان کر سکتا ہے۔ ان پر تو قربان ہوا جاسکتا ہے۔

2 :۔ جناب چھری تلے جانور کو ہی ہونا چاہیے۔ قربانی اللہ کے نام کی ہوتی ہے۔

3 :۔ گھر کے باہر قربانی ہونی چاہیے اور گھر کے تمام افراد کو قربانی دیکھنی چاہیے سنت ابراہیمی کے مطابق۔ مذبح خانے میں نہیں۔

عاصمہ جہانگیر (آرٹسٹ)

1 :۔ اپنے علاوہ میں کسی اور کو ہرگز قربان نہیں کرنا چاہوں گی۔

2 :۔ ایسا کوئی نہیں کہ جو میں چھری تلے لانا چاہوں گی۔ چھری تلے صرف بکرے کو ہی ہونا چاہیے۔

3 :۔ گھر کے اندر ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ قربانی اللہ کے لیے ہی کی جاتی ہے۔ دکھاوے کے لیے نہیں۔

میکال ذوالفقار (آرٹسٹ)

1 :۔ اف۔۔۔ یہ کیا سوال ہے۔ تصور کرنا محال ہے۔ قربانی تو بہت دور کی بات ہے۔ اپنے پیاروں پر خود نہ قربان ہو جائیں۔

2 :۔ ہاہاہا۔۔۔ یہ بھی ایک مشکل سوال ہے اور نام تو لینا بھی نہیں چاہیے۔ ویسے ایسا سوچنا گناہ ہے۔ کیونکہ بہ

حیثیت ایک مسلمان کے ہمیں کسی کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

3 :۔ یہ تو آپ کے اپنے اوپر منحصر ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ گھر کے اندر یا باہر ہی ہو' مذبح خانے میں نہیں۔۔۔ ہاں صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں۔ کیونکہ گندگی بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ مذبح خانے میں بھی اس مذہبی تہوار کا تصور نہیں آتا۔

آر جے صارم (FM)

1 :۔ اپنی قربانی دے سکتا ہوں مگر اپنی عزیز ترین ہستی کی نہیں۔ کیونکہ انسان کو اپنی ذات سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہوتا۔

2 :۔ کرپشن کو۔

3 :۔ مذبح خانے میں۔۔۔ اس طرح گھر اور گھر سے باہر ہونے والی گندگی سے بچ سکتے ہیں۔

منشا پاشا سے ملاقات

شاہین رشید

کم کام کرکے زیادہ شہرت حاصل کرنے والی فنکارہ "منشا پاشا" کو۔ آپ "دراڑ" میں دیکھ رہے ہیں۔ اس سے قبل آپ نے انہیں "میری صبح کا ستارہ" اور "میرے اپنے" میں دیکھا ہوگا اور ان دونوں میں ان کے کردار بہت مختلف تھے۔ منشا پاشا نے اپنی خوب صورت پرفارمنس سے اس فیلڈ میں اپنی جگہ بنائی ہے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ منشا بہت بڑی اور منجھی ہوئی فنکارہ کہلائیں گی۔

کرن کے لیے ہونے والی گفتگو آپ بھی پڑھیے... منشا پاشا نے مصروفیات کے باوجود ہمیں ٹائم دیا اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

* "جی کیسی ہیں منشا پاشا صاحبہ؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

* "آپ کا نام منشا پاشا ہے تو منشا تو عموماً" لڑکوں کا نام ہوتا ہے؟"

☆ "ہاں جی لڑکوں کا نام ہوتا ہے... لیکن میرے والدین نے میرا نام منشار کھا' مگر میں لڑکی ہوں... اصل میں میری امی میرا نام "نارشا" رکھنا چاہتی تھیں لیکن نارشا کا ساؤنڈ انگریزی نام کی طرح ہے تو اس لیے منشا رکھا کیونکہ منشا کے معنی بھی بہت اچھے ہیں اور پاکستان میں یہ نام لڑکیوں کا نہیں ہوتا مگر بیرون ملک بہت سی لڑکیوں کا نام "منشا" ہوتا ہے جیسے تحسیم لڑکوں کا نام بھی ہوتا ہے اور لڑکیوں کا بھی تو نام تو نام ہی ہوتا ہے۔"

* "بالکل... نام تو نام ہی ہوتا ہے... کچھ مزید اپنے بارے میں بتائیں کہ کب کہاں جنم لیا وغیرہ وغیرہ؟"

☆ "جی 19 اکتوبر 1987ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئی۔ میری تین بڑی بہنیں ہیں اور میرا نمبر آخری ہے اور میں نے میڈیا سائنس میں بیچلر کیا ہے اور ذہلسٹ میں بھی تو ایک سال کی اسکالر شپ ملی تو امریکہ سے گریجویٹ مکمل کیا جبکہ میری بنیادی تعلیم "ویکن ہاؤس" سے ہوئی ہے۔"

* "آپ کی تین بڑی بہنیں ہیں اور پھر آپ... بہنیں بھی اس فیلڈ میں ہیں؟"

☆ "نہیں وہ اس فیلڈ میں نہیں ہیں۔ میری دو بہنیں ملک سے باہر رہتی ہیں اور تینوں کام کرتی ہیں۔ ایک لائر ہیں۔ ایک ڈاکٹر ہیں اور ایک بنکر ہیں جبکہ میں واحد اس فیلڈ میں ہوں... یعنی ٹیلی وژن انڈسٹری میں۔"

* "آپ کا دل نہیں چاہا کہ میں بھی ڈاکٹر بن جاؤں یا لائر بن جاؤں' یا کچھ اور؟"

☆ "نہیں نہیں ایسا کچھ نہیں تھا اور نہ سوچا تھا کیونکہ میرے والدین نے کبھی کسی پروفیشن کے لیے فورس نہیں کیا بلکہ یہی کہا کہ جو پروفیشن آپ کو پسند ہو

اسی کی تعلیم حاصل کریں اور ہم بہنوں نے ایسا ہی کیا۔"

* "امریکہ جاکر تعلیم مکمل کی... واپس آنے کو دل چاہا تھا؟"

☆ ہنستے ہوئے "ایسا نہ دل چاہا اور نہ ہی سوچا کہ وہیں رہ جاؤں۔ اگرچہ وہ ملک اچھا ہے مگر جہاں آپ کا کام ہے جہاں آپ کے گھر والے ہیں تو وہیں رہنے کو دل چاہتا ہے اور چونکہ میں گئی بھی اس نیت سے تھی کہ مجھے جانا ہے۔ تعلیم مکمل کرنی ہے اور واپس آنا ہے۔ اس لیے میں واپس آگئی۔"

* "اور شادی؟"

☆ "جی الحمد للہ تقریباً" ڈیڑھ سال ہوگیا ہے شادی کو۔"

* "آج کل کیا کیا چل رہا ہے اور کیا کیا بن رہا ہے؟"

☆ "کچھ تو چل کر ختم ہوگئے ہیں کچھ چل رہے ہیں "دراڑ" تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں اور آج کل جو ڈرامے بن رہے ہیں وہ لڑکیوں کی نفسیات پر ہی بن رہے ہیں کہ وہ شادی سے پہلے کیا سوچتی ہیں شادی کے بعد کیا سوچتی ہیں اور کس طرح ان کی زندگی میں تبدیلیاں آتی ہیں۔"

* "تھوڑا پیچھے کی طرف جاتے ہیں "صبح کا ستارہ" میں ایک بہت چالاک اور بولنے والی لڑکی دکھایا گیا تھا آپ کو' تو آپ جیسی لڑکیاں تو بہت ہوتی ہیں' کیا رومیسہ (صنم جنگ) جیسی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں؟"

☆ "پتا نہیں ہوتی ہیں یا نہیں لیکن میں ایسی لڑکی سے کبھی نہیں ملی' مگر ہو سکتا ہے کہ آج کے معاشرے میں اتنی معصوم لڑکیاں بھی ہوں اور وہ زیادہ معصوم اس لیے بھی لگی کہ اس کے اردگرد کچھ زیادہ ہی چالاک لوگ تھے جس کی وجہ سے اس کی معصومیت زیادہ ابھر کر سامنے آئی۔"

* "ڈراموں کی کہانیاں ملتی جلتی ہوتی ہیں' آپ محسوس کرتی ہیں اس بات کو؟"

☆ "جی ہوتی ہیں کیونکہ تمام کہانیاں اس معاشرے کی ہوتی ہیں۔ ڈرامہ سیریل "میرے اپنے" جو کافی

ہٹ گیا تھا اور اس میں سینئر سٹیزن کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ جب ان کے بچے جوان ہوتے ہیں تو ان کی زندگی کس طرح بدل جاتی ہے۔ بہت اچھی اور دل کو چھو جانے والی کہانی تھی۔"

* "ہم ڈراموں سے کچھ سیکھتے ہیں؟ کہ کہیں ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو جائے یا ہمیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔"

☆ "بالکل سیکھتے ہیں۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر آپ کے دل میں کوئی درد ہے کوئی احساس ہے یا اپنے اردگرد کچھ دیکھتے ہیں اور مسائل کو سلجھانا چاہتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ آپ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور صرف ڈراموں سے ہی نہیں آپ ہر اچھے پروگرام سے کچھ نہ کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ خاص طور پر وہ خواتین اور وہ لڑکیاں جو گھر سے باہر زیادہ نہیں نکلتیں وہ بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں۔ ان کے لیے تو ٹی وی ایک دروازہ یا کھڑکی ہے جس سے وہ باہر کی دنیا کو دیکھ سکتی ہیں۔"

* "ہمارے ڈراموں میں بہت گلیمر دکھایا جاتا ہے۔ محل نما گھر دکھائے جاتے ہیں تو مڈل کلاس کے لوگوں خاص طور پر لڑکیاں فرسٹریشن کا شکار نہیں ہو جائیں گیا؟"

☆ "ایسا نہ کہیں کہ صرف گلیمر اور محل نما گھروں کی ہی کہانیاں ہوتی ہیں۔ مڈل کلاس کی کہانیاں بھی ہوتی ہیں اب "میری صبح کا ستارہ" میں مڈل کلاس کی ہی لڑکیاں دکھائی گئی تھیں۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ دونوں طرح کی کہانیاں پیش کی جا رہی ہیں اور ہمارے ملک میں محل نما گھر بھی ہیں اور بہت چھوٹے گھر بھی ہیں اور ڈراموں کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صرف کہانیاں ہی دیکھیں۔ ڈراموں میں انجوائے منٹ کا پہلو بھی رکھنا پڑتا ہے کچھ ایسے ایلیمنٹ بھی رکھنے پڑتے ہیں کہ آپ دیکھیں تو حیران رہ جائیں۔ اگر انسان سیکھنے والا ہو تو ہر چیز سے سیکھ سکتا ہے۔"

* "مشکل کہاں پیش آتی ہے ریکارڈنگ کی چھوٹے گھروں میں یا بڑے گھروں میں؟"

☆ "مشکل تو خیر شوٹنگ کے دوران پیش آتی ہی ہے۔ چھوٹے گھروں کا یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ اس میں گھر والے بھی رہ رہے ہوتے ہیں آپ شوٹ بھی کر رہے ہوتے ہیں تو تھوڑا مسئلہ ہوتا ہے اور میرا اپنا یہ خیال ہے کہ سب سے اچھا شوٹ چھوٹے گھروں کا ہی ہوتا ہے کیونکہ بہت دلچسپ باتیں نکل کر سامنے آتی ہیں۔۔۔ اور مجھے مزا آتا ہے چھوٹے گھروں میں شوٹ کرنے کا' کبھی درخت کے پاس کھڑے ہو گئے' کبھی کسی کونے میں' بہت اچھے انداز میں بنے ہوئے ہوتے ہیں چھوٹے گھر۔"

* "آپ کے کرداروں میں غصے کا ایلیمنٹ ضرور ہوتا ہے اصل زندگی میں بھی غصہ ہے؟"

☆ "نہیں میں کافی نارمل قسم کی لڑکی ہوں تھوڑی سنجیدہ ہوں' فرینڈلی بھی ہوں' لیکن غصہ نہیں آتا مجھے اور آپ یقیناً" یہ پوچھیں گی کہ پھر میں ایسے رول کیسے کر لیتی ہوں۔۔۔ تو کبھی کبھی آپ کوئی ٹی وی اسکرین پہ وہ چیز نہیں دکھائی ہوتی جو آپ ہیں اور میں تو بہت دور بھاگتی ہوں ان کرداروں سے جو میری شخصیت کے قریب ہوں اور "صبح کا ستارہ" میں میرا کردار میری شخصیت سے بالکل برعکس تھا اور میرے لیے بہت مشکل تھا وہ کردار کرنا اور آپ یقین کریں کہ پروڈکشن ہاؤس کے سب لوگ بہت حیران تھے کہ میں نے یہ کردار کس طرح لے لیا کیونکہ سب مجھے ریئلی جانتے تھے۔ تو آپ کو وہ کردار کرنا پڑتا ہے جو آپ کی شخصیت سے مختلف بھی ہو اور دلچسپ بھی ہو۔"

* "اس فیلڈ میں آمد کیسے ہوئی؟"

☆ "میں اپنی تعلیم کی وجہ سے اس فیلڈ میں آئی پہلے میں موول پروڈکشن میں پروڈیوسر تھی' پھر مجھے اداکاری کی آفرز آنے لگیں تو میں اداکاری کی طرف آ گئی۔"

* "تو جب آفرز آئیں تو لگا کہ میں کر لوں گی یا نہیں کر پاؤں گی اور بہ حیثیت پروڈیوسر کے کیا کام کیے؟"

☆ "جی مجھے اندازہ تھا کہ میں کر لوں گی اور میرا پہلا ڈرامہ سیریل "زندگی گلزار ہے" تھا اور اس نے مجھے شہرت سے ہمکنار کیا اور پروڈیوسر کا بنیادی کام پروڈکشن کا ہینڈل کرنا ہوتا ہے اور شروع سے آخر ہر کام میں پروڈیوسر آگے آگے ہوتا ہے۔"

* "اپنے کام میں پنکچوئل ہیں؟"

☆ "الحمد للہ جس دن شوٹ ہو اور صبح کے وقت جانا ہو تو پھر صبح پانچ بجے یا چھ بجے اٹھ جاتی ہوں اور وقت پر پہنچ جاتی ہوں اور جس صبح شوٹ ہوتی ہے تو کوشش کرتی ہوں کہ رات کو جلدی سو جاؤں۔"

* "اپنے کام سے اپنی زندگی سے خوش ہیں یا کچھ کمی محسوس کرتی ہیں؟"

☆ "بالکل جی اپنے کام سے بھی بہت خوش ہوں اور اپنی زندگی سے بھی بہت خوش ہوں اور کبھی نہیں سوچتی کہ یہ کمی ہے یا وہ کمی ہے میں یہ نہیں کہنا چاہتی کہ ہر چیز مکمل ہے مگر کیا فائدہ سر پر چڑھانے کا اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے آپ اس کا شکر ادا نہیں کرتیں میں تو بہت سے لوگ دیکھتی ہوں کہ جن کے پاس جسمانی اور مالی بہت سی نعمتیں نہیں ہیں تو سوچتی ہوں کہ اللہ نے ہمیں ہر نعمت سے نوازا ہوا ہے۔"

* "تنقید ہوتی ہے؟ برا لگتا ہے؟"

☆ "مجھ پر تنقید بھی ہوتی ہے اور تعریف بھی اور ایسا نہیں ہے کہ تعریف سن کر بہت خوش ہو جاتی ہوں اور تنقید پہ غصہ آتا ہے اور شکر الحمد للہ مجھ پر زیادہ تنقید نہیں ہوئی ہے۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ ایک آرٹسٹ کے لیے تنقید بھی بہت ضروری ہے۔"

* "بالکل۔۔۔ ویسے ماشاء اللہ سے آپ کافی فنکاروں کے ساتھ کام کر چکی ہیں پھر بھی کوئی آرٹسٹ ہیں ایسے جن کے ساتھ خواہش ہو کام کی؟"

☆ "شکر الحمد للہ میں نے بہت اچھے اچھے آرٹسٹوں کے ساتھ کام کیا ہے جیسے سینئر آرٹسٹ بشریٰ آپا جاوید شیخ صاحب کے ساتھ کام کر چکی ہوں اور میں بہت لکی رہی ہوں اس معاملے میں کہ بہت اچھے اچھے لوگوں کے ساتھ کام کیا ہے "میرے اپنے" میں ندیم بیگ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔"

* "کون سا کردار کرنے کی خواہش ہے اور کوئی کردار ایسا ہے جو کر کے پچھتائیں؟"

☆ "نہیں کر کے تو نہیں پچھتائی' کیونکہ بہت سوچ سمجھ کر کردار لیتی ہوں البتہ جہاں تک خواہش کی بات ہے تو پرانے زمانے کے ڈراموں اور فلموں کے جو کردار ہوتے تھے وہ کرنا چاہتی ہوں۔"

* "ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آرٹسٹ کا کوئی کردار ہٹ ہو جاتا ہے تو پھر اسے مسلسل ویسے ہی کردار ملنے لگتے ہیں تو آپ کے ساتھ ایسا ہوا؟"

☆ "بالکل ہوا جب میں نے "زندگی گلزار ہے" کیا تو اس کے بعد مجھے بہنوں کے کردار ہی آفرز ہوئے لیکن میں نے انکار کر دیا کہ جب ایک چیز اچھی ہو گئی ہے تو اسے بار بار کر کے پہلے رول کی اہمیت کو بھی کم نہ کر دوں۔۔۔ تو کردار کا انتخاب کرتے وقت اپنی پسند کا تو خیال رکھتی رہی ہوں ساتھ یہ بھی سوچتی ہوں اور اپنے ویژن میں دیکھتی ہوں کہ لوگ بھی اسے پسند کریں گے یا نہیں۔"

* "ہنشا آپ نے پوزیٹو' نگیٹو اور رومینٹک تینوں قسم کے رول کیے۔۔۔ مشکل کہاں پیش آئی؟"

☆ "ہر رول اپنے ساتھ مشکل چیزیں لے کر آتا ہے تو رول کو حقیقت کا رنگ دینا ایک مشکل کام ہوتا ہے اور یہ ہی ہمارے لیے چیلنجنگ ہوتا ہے اور رومینٹک اور پوزیٹو رول بھی اس طرح کریں کہ وہ انسان لگے فرشتہ نہ لگے۔ اس طرح "صبح کا ستارہ" میں میرا نیگٹو رول تھا مگر اس کردار سے نفرت نہیں ہوئی۔ بلکہ ہنسی آئی تھی اور چڑی ہوتی تھی کہ کس قسم کی لڑکی ہے۔ ٹوٹل نیگٹو نہیں ہونا چاہیے بلکہ

کردار کے شیڈز ہونے چاہئیں۔"

* "پلاننگ دور تک کرتی ہیں یا سال دو سال کی؟"

☆ "زیادہ دور تک نہیں کی پلاننگ۔ اس سال کے لیے کچھ ڈرامے پلان کیے ہوئے ہیں۔ کچھ کام پلان کیے ہوئے ہیں۔ بہت زیادہ اگر فیوچر میں رہیں تو پھر حال پہ دھیان نہیں رہتا۔"

* "گھریلو امور سے دلچسپی ہے؟"

☆ "ہاں بالکل ہے۔ اچھے اچھے کھانے پکا لیتی ہوں اور زیادہ تر کانٹی نینٹل کھانے پکا لیتی ہوں۔ پھر اپنے میاں صاحب کے بھی زیادہ تر کام میں ہی کرتی ہوں مجھے اچھا لگتا ہے ان کے کام کرنا۔"

* "اب تک کتنے کمرشلز کر چکی ہیں اور کمرشل لیتے وقت کن چیزوں کو اہمیت دیتی ہیں؟"

☆ "اب تک 15 کے قریب کمرشلز کر چکی ہوں اور یہ دیکھتی ہوں کہ ڈائریکٹر کون ہے اور ایجنسی کون سی ہے۔ پیسے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔ ویسے کام تو دو دن میں ہو جاتا ہے۔ بے شک پیسہ زندگی کے لیے بہت ضروری ہے مگر کچھ اور باتوں کو بھی مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔"

* "مارننگ شو ہونے چاہئیں اور اس کو بگاڑنے سنوارنے میں کس کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ہوسٹ کا یا ڈائریکٹر کا؟"

☆ "ہاں ہونے چاہئیں اچھے ہوتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی تھوڑے روٹین سے ہٹ جاتے ہیں ریٹنگ کے چکر میں اور میں سمجھتی ہوں کہ اس کو بگاڑنے میں ہوسٹ کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا' چینل کی غلطی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے کنٹریکٹ سائن کیا ہوا ہوتا ہے اور انہیں پھر وہ ہی کچھ کرنا ہوتا ہے جو ان سے کہا جاتا ہے۔"

* "ویلنٹائن ڈے منانا کیسا لگتا ہے؟"

☆ "میں تو کہتی ہوں کہ انسان کو ہر دن منانا چاہیے۔۔ اور جن لوگوں سے وہ محبت کرتا ہے خواہ وہ آپ کے شوہر ہوں' بیوی ہو' بچے ہوں' ماں باپ ہوں ایک اسپیشل دن بنا ہوا ہے تو ضرور منائیں' مگر لوگ اس کو غلط انداز میں بھی لیتے ہیں اور غلط استعمال بھی کرتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ یہ انسان کے کردار پہ ہے سب کچھ کہ آپ کس چیز کو کس طرح لیتے ہیں۔"

* "فلم کے لیے لالی ووڈ' بالی ووڈ یا ہالی ووڈ میں جانے کا سوچتی ہیں؟"

☆ "کردار دیکھوں گی کہ کس کا اچھا ہے اسٹوری کیسی ہے پھر ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔

اس کے ساتھ ہی ہم نے منشا پاشا سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

☆ ☆

میری بھی سنیے

عابدہ پروین

شاہین رشید

1 "میرا نام؟"
"عابدہ پروین۔"

2 "پیدائش؟"
"سندھ کے شہر لاڑکانہ میں پیدا ہوئی اور دن ماہ اور سال بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

3 "بہن بھائی؟"
"میرے والد صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ میں ان کی پہلی بیگم میں سے ہوں اور اپنے والدین کی اکلوتی ہوں۔ جبکہ دوسری والدہ سے دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔"

4 "سوتیلے سگے کا فرق؟"
"کبھی نہیں ہوا۔ ہم سب بہنیں اور بھائی سگے بہن بھائیوں کی طرح ہی رہے ہیں۔"

5 "گھر کا ماحول؟"
"مذہبی مگر دوستانہ۔ مگر پردے کی پابندی تھی۔"

6 "میری تربیت؟"
"میرے والدین نے تو کی ہی ہے۔ مگر ان کے علاوہ "پھپھو اماں" نے بھی میری تربیت کی ہے۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔"

7 "تعلیم؟"
"بی اے۔"

8 "گانے کا آغاز کب کیا؟"
"گھر والے کہتے ہیں کہ تین سال کی عمر میں میں نے گانا شروع کر دیا تھا۔"

9 "پبلک میں فن کا مظاہرہ کب کیا؟"
"جب میں تقریباً" بارہ سال کی تھی اور مجھے شاہ عبداللطیف بھٹائی ایوارڈ بھی ملا تھا۔"

10 "پہلی پرفارمنس پہ تاثرات؟"
"بہت گھبرا رہی تھی اور اتنے سال گزر گئے گاتے ہوئے گھبراہٹ اور خوف آج تک سر پر سوار رہتا ہے۔ ہر بار نئی بات لگتی ہے۔"

11 "ایوارڈز کی تعداد؟"
"بے شمار ایوارڈز مل چکے ہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی ایوارڈز تو کافی مل چکے ہیں ان کے علاوہ حضرت شاہ قلندر شہباز ایوارڈ' پرائڈ آف پرفارمنس' ہلال امتیاز' گریجویٹی ایوارڈ اور انڈیا والوں نے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ بھی دیا ہے۔"

12 "میک اپ میں کتنی دیر لگاتی ہوں؟"
"میک اپ؟ اپنے لیے کبھی استعمال نہیں کیا نہ ابھی نہ کبھی نوجوانی میں ہاں ٹی وی پروگراموں میں ضرورت کی وجہ سے ہلکا میک اپ کروا لیتی ہوں۔"

13 "شادی؟۔۔۔ بچے؟"

"الحمد للہ شادی ہوئی ہے اور میرا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں ۔۔۔ بیٹے اور ایک بیٹی کی شادی ہو چکی ہے۔"

14 "میوزک کے علاوہ مشاغل؟"

"فلمیں دیکھتی ہوں۔"

15 "انڈین یا پاکستانی؟ پسندیدہ فلمی فنکار؟"

"دونوں دیکھتی ہوں۔ جس کی تعریف زیادہ سنو وہ تو ضرور دیکھتی ہوں مگر کبھی کبھار کیونکہ ٹائم نہیں ملتا پاکستانی فنکاروں میں تو زیبا اور شان' انڈیا میں کافی فنکار ہیں جو بہت پسند ہیں۔ فہرست لمبی ہے۔" (قہقہہ)

16 "کتنی زبانوں میں گا لیتی ہوں؟"

"سندھی' اردو اور پنجابی میں با آسانی گا لیتی ہوں۔ باقی مجھے عربی اور فارسی سیکھنے کا بہت شوق ہے۔ کیونکہ حضرت رابعہ بصری کا کلام عربی زبان میں ہے۔ جو کہ بہت خوب صورت ہے۔ تو کوشش کر رہی ہوں سیکھنے کی۔"

17 "اللہ سے قربت؟"

"بہت زیادہ ہے اور قربت کی وجہ سے ہی تو میں صوفیانہ کلام گاتی ہوں کیونکہ یہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔"

18 "نماز روزے کی پابندی کرتی ہیں؟"

"بالکل کرتی ہوں۔ ہر وقت تسبیح میرے ہاتھ میں رہتی ہے اور رات کا زیادہ تر وقت عبادت میں ہی گزرتا ہے۔"

19 "آواز کی حفاظت کس طرح کرتی ہوں؟"

"کھٹائی سے پرہیز کرتی ہوں۔"

20 "کون سے کھانے شوق سے کھاتی ہوں؟"

"مجھے براؤن بریڈ بہت پسند ہے۔ یہ کھانا تو نہیں ہے مگر میں کھاتی ہوں۔ اگرچہ چاول مجھے پسند نہیں۔ لیکن پھر بھی چاول شوق سے کھاتی ہوں۔"

21 "اور مشروب؟"

"صرف اور صرف سادہ پانی اور وہ بھی نیم گرم۔"

22 "بچوں کے ساتھ میرا رویہ؟"

"ہمیشہ دوستانہ رہا ہے۔ کبھی ڈانٹ مار نہیں کی' بلکہ بچوں کی شرارتیں مجھے بہت پسند ہیں۔"

23 "بچوں کی رائے کو کتنی اہمیت دیتی ہوں؟"

"بہت زیادہ' اندازہ ہے کہ آج کل کی نسل میں سوچنے سمجھنے کی زیادہ صلاحیت ہے اور ان سے بہت کچھ سیکھتی بھی ہوں کبھی یہ نہ سمجھا کہ چونکہ میں بڑی ہوں تو میں ٹھیک ہوں اور بچے غلط ہیں۔"

24 "پسندیدہ لباس؟"

"گھر میں سادہ سا کرتا شلوار' گھر سے باہر بھی سادہ لباس ہی پہنتی ہوں البتہ "اجرک" ضرور لیتی ہوں چادر کے طور پر یا دوپٹے کے طور پر۔"

25 "انسان اپنی کس برائی پہ قابو نہیں پا سکتا؟"

"جھوٹ اور غیبت پر ۔۔۔ اللہ سب کو ان برائیوں سے دور رکھے کہ یہ بہت بری عادتیں ہیں۔"

26 "فیس بک اور انٹرنیٹ سے دلچسپی؟"

"بہت ہے فیس بک اور ٹوئیٹر کا استعمال اور مطالعہ کرتی ہوں۔"

27 "کتابی مطالعہ؟"

"وہ بھی بہت شوق سے کرتی ہوں' کیونکہ مطالعہ کے بغیر تو انسان ادھورا ہے۔ مجھے تو جب فرصت ملتی ہے میں کتابیں لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ مجھے اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کو پڑھنا اچھا لگتا ہے۔"

28 "شاعری سے لگاؤ؟"

"بہت زیادہ ہے اگر شاعری سے لگاؤ نہ ہو تو پھر کلام کا انتخاب کیسے کروں گی۔"

29 "پسندیدہ شاعر؟"

"مجھے زیادہ تر صوفی شعراء پسند ہیں کیونکہ مجھے صوفیانہ کلام پڑھنا یا گانا ہی اچھا لگتا ہے۔ احمد فراز' فیض احمد فیض' عبید اللہ علیم اور نصیر ترابی' پروین شاکر بھی بہت پسند ہیں۔"

30 "ڈرائیونگ کے وقت کس کو سنتی ہوں؟"

"سچ بتاؤں ۔۔۔ اپنا ہی میوزک سنتی ہوں۔ ویسے تو سننے کا موقع نہیں ملتا مگر ڈرائیونگ کے دوران تو اپنے آپ کو ہی سنتی ہوں۔"

31 "آج کل کی میوزک؟"

"زیادہ پسند نہیں ہے۔ کبھی کبھار سن لیتی ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ آج کل کی میوزک سے واقفیت رکھ سکوں۔"

32 "آج کل کے گلوکاروں کو کہنا چاہتی ہوں کہ؟"

"کہ وہ اچھا گا رہے ہیں لیکن وہ ٹریننگ بھی ضرور لیں کہ گلوکاری کی لمبی عمر پانے کے لیے سیکھنا بہت ضروری ہے۔"

33 "میری کامیابی کا کریڈٹ؟"

"پہلے میرے والدین پھر شوہر اور اب بچوں کو کریڈٹ دوں گی۔"

34 "تنہائی میں کس سے ہم کلام ہوتی ہوں؟"

"تنہائی میں اپنے رب سے ہم کلام ہوتی ہوں اور اکیلی کب ہوتی ہوں۔ میرا خدا میرے ساتھ ہوتا ہے۔"

35 "ایک واقعہ جو میں سنانا چاہتی ہوں؟"

"وہ یہ کہ ایک بار جب انڈیا گئی تو وہاں ایک خاتون مجھ سے ملنے آئیں اور کہنے لگیں کہ میں بیمار رہتی ہوں۔ لیکن اب میں ٹھیک ہوں۔ میں نے پوچھا کیا علاج نہیں کرایا تھا؟ جو اتنا ٹائم لگا ۔۔۔ کہنے لگیں میں نے بہت علاج کرایا مگر صحت یاب نہ ہو سکی۔ کسی نے مجھے کہا کہ آپ عابدہ پروین کا کلام سنیں تو آپ کو شفا ہو گی اور ایسا ہی ہوا میں نے آپ کا کلام سننا شروع کیا اور خدا نے مجھے صحت دی اور آج میں اس قابل ہوں کہ آپ سے ملنے آ گئی ۔۔۔ تو شفا تو اللہ ہی دیتا ہے بس وسیلہ انسان کو بناتا ہے۔"

36 "گھر کو بنانے میں زیادہ ذمہ دار کون ہوتا ہے؟"

"اس کے لیے یہ کہنا کہ مرد ذمہ دار ہوتا ہے یا عورت ذمہ دار ہوتی ہے تو غلط ہو گا۔ مرد ہو یا عورت جو سمجھ دار ہو گا وہ ہی ذمہ دار بھی ہو گا۔"

37 "کس کام میں دیر کرتی ہوں؟"

"کسی کام میں دیر نہیں کرتی ۔۔۔ وقت کی پابند ہوں۔"

38 "محبت کا اظہار کرنا چاہیے؟"

"بالکل کرنا چاہیے ۔۔۔ یہ جذبہ دوسروں پر ضرور عیاں ہونا چاہیے۔"

39 "خدا کی حسین تخلیق؟"

"پوری کائنات' حسین تخلیق ہے۔"

40 "دنیا کا حسن کس سے وابستہ ہے مرد یا عورت؟"

"دونوں سے ۔۔۔ دونوں کے بغیر دنیا نامکمل ہے ۔۔۔ پھر بھی خدا کی حسین تخلیق میں عورت کا پہلا نمبر ہے۔"

41 "موجودہ ملکی حالات کو کیسا دیکھتی ہوں؟"

"باخبر رہتی ہوں اور ان شاء اللہ ملک کے حالات جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

42 "افسوس ہوتا ہے؟"

"کہ میں نے بہت سا وقت خدا کی یاد کے بغیر گزارا ہے اپنی مصروفیات کی وجہ سے۔"

43 "زندگی کا بہترین وقت؟"

"جب میں کوئی پروگرام کر رہی ہوتی ہوں یا خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتی ہوں۔"

44 "یادگار وقت؟"

"وہ وقت جب برطانیہ کے موسیقار نے میرے لیے ایک "دھن" بنائی جس کا موضوع "حج" تھا اور اس شو میں تقریباً ڈیڑھ دو سو کے قریب میوزیشنز اور دو سو کے قریب ہی قوال بھی شریک ہوئے تھے جس میں

وہاں رہنے والے ہر مذہب کے لوگ بھی شریک ہوئے تو مجھے یاد ہے کہ جب پروگرام ختم ہوا تو وہاں کی لڑکیاں دیوانہ وار دوڑتی ہوئی میرے پاس آئیں اور آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولیں، ہم نے اسلام قبول کیا اور اس وقت میری حالت دیکھنے والی تھی۔"

45 "بہت خوشی ہوئی ہے؟"

"اس وقت جب میرے پروگرام شروع ہونے سے دو تین گھنٹے پہلے ہی لوگ آنا شروع ہو جاتے ہیں۔"

46 "میرا مشن ہے؟"

"میں نے اسلام آباد میں ایک آرٹ گیلری بنائی ہے، جس کا افتتاح فہمیدہ مرزا (سابق اسپیکر قومی اسمبلی) نے کیا تھا۔ اس آرٹ گیلری میں کافی شعبے قائم کیے ہیں ہم نے جس میں کافی کام ہو رہا ہے تو اس گیلری سے خواتین کو بہت اچھا روزگار مل رہا ہے تو میرا مشن ہے کہ میں اس آرٹ گیلری میں موسیقی کی کلاسز بھی شروع کروں اور پوری دنیا سے قابل پروفیسرز کو لیکچر دینے کے لیے بلاؤں۔"

47 "میرے بچے اور یہ فیلڈ؟"

"باقاعدہ تو کوئی نہیں آیا۔ مگر رجحان ہے ان کا اور میری بیٹی کو تو ہر طرح کی ڈیزائننگ کا شوق ہے اور ہماری آرٹ گیلری کو سنوارنے نکھارنے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔"

48 "مزاج میں نرمی ہے یا گرمی؟"

"گرمی نہیں ہے خوش مزاج ہوں غصہ کم آتا ہے۔"

49 "سنجیدہ کب ہوتی ہوں؟"

"جب اپنے کام میں مگن ہوتی ہوں۔"

50 "خوش کب ہوتی ہوں؟"

"جب لوگ تعریف کرتے ہیں میری گائیکی پہ تالیاں بجاتے ہیں اور مجھے آکر گلے لگاتے ہیں۔"

51 "موسم جو پسند ہے؟"

"سردی اور بہار۔"

52 "دعائیں قبول ہوتی ہیں؟"

"بالکل ہوتی ہیں۔ اگر سچے دل سے مانگی جائیں تو۔"

53 "ماضی کیا ہے؟"

"جو کھو جائے واپس نہ آئے وہ ماضی ہے۔"

54 "زندگی میں کیا کھویا؟"

"جو وقت خدا کی یاد کے بغیر گزارا وہ کھویا۔"

55 "اور کیا پایا؟"

"جو اس کی یاد میں گزارا وہ پایا اور صوفیانہ کلام گا کر جو پذیرائی ملی وہ پایا۔"

56 "میری آئیڈیل شخصیت؟"

"شخصیت نہیں شخصیات ہیں۔ حضرت رابعہ بصری، حضرت بی بی فاطمہؓ اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔"

☼ ☼

عید الاضحی اور آپ

ادارہ

اسلام کی کوئی بھی عبادت بے مقصد نہیں۔ حج ہمیں مساوات، بھائی چارے اور قربانی کی تعلیم دیتا ہے اور قربانی ایثار و محبت، طاعت و تسلیم اور خیر خواہی کا پیغام۔ اس اجتماعی تہوار کا حقیقی مفہوم تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب ہم اس کی روح کو سمجھیں اور صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہوں۔ کیا ہم قربانی کی اصل روح سے واقف ہیں عید الاضحی کی آمد کے موقع پر قارئین کرن سے کچھ سوالات اسی حوالے سے کیے گئے ہیں۔ دیکھیں قارئین اس بارے میں کیا کہتی ہیں۔

سوالات

1۔ عید الاضحی کا تہوار ہمیں ایثار و قربانی کی یاد دلاتا ہے۔ آپ نے زندگی میں کبھی ایسا ایثار کیا یا قربانی دی جو آپ کے خیال میں بارگاہ الٰہی میں بے حد پسندیدہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

2۔ عید الاضحی پر گوشت کے پکوان تو بہت بنتے ہیں۔ کوئی ایسی خاص ڈش جو گوشت کی نہیں ہو اور اس عید پر آپ سے فرمائش کی جاتی ہو۔

3۔ گوشت کا ذائقہ برقرار رکھنے اور اسے زیادہ عرصے محفوظ رکھنے کے لیے خاص ٹوٹکے جو آپ استعمال کرتی ہیں۔

4۔ قربانی کے جانور سے متعلق کوئی خاص واقعہ جو آج بھی آپ کے لبوں پر مسکراہٹ لے آتا ہے۔

کائنات خالد..... کراچی

1۔ مجھے یاد تو نہیں پڑتا کہ کبھی ایسی قربانی یا ایثار میں نے دیا ہو، لیکن ہاں یہ یاد ضرور پڑتا ہے کہ میں نے کام بہت کیے ہیں جیسے کہ سب سے بڑا کام "گوشت کو ہاتھ لگانا" میرے نزدیک یہ میرے نفس کی قربانی ہے (کیونکہ پہلے مجھے گوشت کو ہاتھ لگاتے ہوئے بہت ڈر لگتا تھا) اور دوسری قربانی نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی خالہ تائی کے کلیجی کے برتن دھونا (مطلب یہ کہ میں کلیجی گردہ وغیرہ ان سب چیزوں کے قریب بھی نہیں جاتی)

2۔ ہاہاہا... کیا سوال پوچھ لیا، مجھے لگتا ہے کہ ہمارا گھر عید الاضحی میں وہ واحد گھر ہوتا ہے جہاں عید کے دن گوشت کا کچھ بھی نہیں بنتا، اصل میں بات یہ ہے کہ میرے ابو، تایا ابو اور بڑی بہن (جس کی اب شادی ہو گئی ہے) کے علاوہ کوئی بھی گوشت، گردہ، کلیجی پسند نہیں کرتا، اسی لیے خالہ کلیجی بناتی ہیں تو وہ لوگ الگ کمرے میں بیٹھ کے کھاتے ہیں اور ہمارے گھر والی چاول بنتے ہیں وہ بھی کوئی نہیں کھاتا، کیونکہ دماغ پہ گوشت کی بو سمائی ہوتی ہے اور اس دن تو مجھ سے کچھ کھایا ہی نہیں جاتا۔

3۔ کوئی خاص ٹوٹکا تو نہیں گوشت کو محفوظ رکھنے کا سوائے اس کے گوشت کے کباب بنا کر یا کوفتے بنا کے اسے فریزر میں رکھ دیں تاکہ لمبا عرصہ چل سکے۔ ہاں یاد آیا گوشت کو ابال کر بھی فریز کر سکتے ہیں۔

4۔ ہاہاہا، اس سوال پہ ہنسی اس لیے آئی کیونکہ مجھے جانوروں سے بہت ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ مار نہ دیں، جب بھائی لوگ قریب ہوں تب بکرے کو گھاس کھلا دیتی ہوں، ڈر ڈر کے وہ بھی، جس پہ سب مذاق بھی اڑاتے ہیں اور جانور کو ذبح ہوتے ہوئے تو میں دیکھ ہی نہیں سکتی، مجھے خوف آتا ہے۔ ویسے واقعے تو بہت ہیں پر زیادہ کچھ یاد نہیں آ رہے، لیکن ایک واقعہ

تھی' بڑی بہن (صبا جہانزیب) اس وقت میٹرک کی طالب علم تھی' درحقیقت یہ واقعہ پیش بھی انہی کے ساتھ آیا ای ابو حج کے لیے سعودی عرب گئے ہوئے تھے اور ہم بچے صبا' زبیر' عائشہ 'عمیر' تایا اور تائی کے پاس تھے۔ جی جناب تایا ابو بکرا لے کے آئے انہوں نے ہمارے گھر باندھ دیا۔ ہمارا گھر ایک ہی ہے پورشن آمنے سامنے بنے ہوئے ہیں بڑی بہن جب صبح سو کر اٹھی تو دیکھا کہ بکرا غائب' بہت پریشان ہوئی' صحن میں دیکھا تو محترم بکرا صاحب مزے سے ٹہل رہے تھے پتا نہیں کیسے اس کی رسی ڈھیلی ہو گئی اور بکرے کے مزے ہو گئے پھر کیا تھا بکرے کو قابو میں کرنے کے لیے اس نے تایا ابو کو آوازیں دیں' (حالانکہ وہ بڑی جی دار ہے ماشاء اللہ) پھر تایا ابو نے بکرے کو قابو کیا لیکن اس کے بعد ہمارا پورا صحن' گیلری بکرے کے گند کی وجہ سے گندا ہو گیا تھا' جیسے ہی وہ بکرا گیا میں بھی کھسک گئی (صفائی نہ کرنی پڑے اسی وجہ سے) خیر جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہنسی بہت آتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کا شکر ادا بھی کرتی ہوں کہ بکرے کو چور نہ لے اڑا' کیونکہ بہ قول تایا ابو کے انہوں نے بکرے کو صحیح طرح باندھا تھا۔ میری طرف سے تمام مسلمانوں کو "عید مبارک"

ثناء شہزاد..... کراچی

1 ۔ آپ کے پہلے سوال نے تو ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ویسے تو مجھ میں ایثار و قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا ہے اور ایک بار قربانی دی بھی ہے اپنی محبت کی (میری محبت میرے منگیتر تھے) اپنے والدین کے لیے اور اس کا اجر میرا رب مجھے ضرور دے گا کیونکہ مجھے اس پر کامل یقین ہے۔ اگر میں چاہتی تو اپنی محبت کے لیے لڑ بھی سکتی تھی اپنے ماں باپ سے مگر اس انسان کے لیے کیسے لڑتی جس نے مجھے بیچ راہ میں چھوڑ دیا۔ میرے والدین مجھے اس دنیا میں لانے کا ذریعہ بنے جنہوں نے میری ہر خواہش پوری کی مجھے اتنا پیار اتنی اہمیت دی ان سے جھگڑا کر کے خدا کے پاس کس منہ سے جاتی اور اچھی بیٹیاں تو ماں باپ اور بھائیوں کا غرور ہوتی ہیں۔ یہ بات میں نے کرن کی کہانیوں سے سیکھی ہے اس سوال کا اتنا جواب کافی ہے۔

2 ۔ دیکھیں جی عید الاضحیٰ پر سب کے گھروں میں گوشت کے ہی پکوان بنتے ہیں کیونکہ جس طرح میٹھی عید سویوں کے بغیر ادھوری ہے۔ اسی طرح بکرا عید کلیجی اور گوشت کے بغیر ادھوری ہے۔ ہمارے یہاں کلیجی' گھی والی روٹی' بریانی' زردہ تو لازمی بنتا ہے ہر سال ۔ لیکن اس بار میرے چھوٹے بھائی نے کوکونٹ رول کی فرمائش کی ہے کیونکہ یہ اسے بہت پسند ہیں اس کے علاوہ میٹھے کا وہ بہت شوقین ہے۔ کسٹرڈ' گلاب جامن' لب شیریں یہ چیزیں اسے روز مل جائیں تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔

3 ۔ پہلے زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ گوشت کو محفوظ کرنے اور اس کا ذائقہ برقرار رکھنے کے لیے الگ الگ ٹوٹکے اپنائے جاتے تھے۔ گوشت کو نمک لگا کر بوائل کر کے رسی پہ سکھایا جاتا تھا اور بھی پتا نہیں کیا کیا کرتے ہوں گے لیکن آج کے دور میں تو فریج اور ڈیپ فریزر نے ان ٹوٹکوں کی جگہ لے لی ہے تو لوگ گوشت کو محفوظ کرنے کے لیے ان ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ ویسے میں نے ابھی بھی دیکھا ہے جن کے گھروں میں فریج جیسی سہولت نہیں ہوتی وہ اب بھی ان ٹوٹکوں کا استعمال کرتے ہیں اور گوشت کو زیادہ عرصے تک محفوظ کر لیتے ہیں۔

4 ۔ اوہو یہ سوال پڑھ کر تو خود بخود ہنسی نے ہمارے ہونٹوں کو چھو لیا۔ ہمارے دادا کے چھوٹے بھائی ہیں ان کے یہاں ہر سال ایسا ہوتا ہے کہ ان کی گائے گاڑی سے اترتے ہی بھاگ جاتی ہے اور جس دن قربان کر رہے ہوتے ہیں اس دن گائے گرنے کا نام ہی نہیں لیتی ایک بار تو ایسا ہوا کہ یہ لوگ گرانے میں کامیاب ہو گئے چھری بھی پھیر دی مگر گائے میڈم اپنے پیچھے کے دو پیروں پر کھڑی ہو گئیں ہم اپنی چھت پر سے دیکھ رہے تھے پہلے تو ہم لوگ ڈر گئے۔ مگر پھر بعد میں ہنسی بھی خوب آئی۔

ثمینہ اکرم..... بہار کالونی کلیاڑی۔ کراچی

1 ۔ عید الاضحیٰ کا تہوار سنت ابراہیمی علیہ السلام ہے۔ یہ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایثار اور قربانی کی یاد دلاتا ہے۔ یہ دن ہمیں سچی قربانی کا درس دیتا ہے مگر آج کل عید الاضحیٰ ایثار و قربانی کے بجائے جانوروں کی نمود و نمائش کا تہوار بن گیا ہے۔ نیتوں سے اخلاص مفقود ہو گیا ہے اور محض مقابلہ بازی رہ گئی ہے۔ اب تو اکثر کی سوچ یہ رہ گئی کہ میں ایسا مہنگا جانور خریدوں کہ دور دور تک دھوم مچ جائے۔ اللہ پاک ہمیں اخلاص سے قربانی کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری نیت صرف اور صرف قربانی کے طفیل رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ (آمین) اکتوبر 2012ء کی عید الاضحیٰ کے فوراً" بعد میرا پیارا شہزادہ معیز اکرم ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گیا تھا۔ یہی وہ ایثار ہے جو اللہ کی رضا پانے کے لیے میں نے صبر کی صورت میں کیا۔ وہ 2012ء کی عید قرباں کا منظر میری آنکھوں میں ٹھہر سا گیا ہے۔ اب ہر سال عید الاضحیٰ مجھے شہید معیز اکرم کی شدت سے یاد دلاتا ہے۔ میرا ایسا کوئی ایثار و قربانی جس پر مجھے یہ گمان ہو کہ یہ بارگاہ الٰہی میں مستجاب ہوئی ہے میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ کبھی میں نے ایسا کچھ کیا ہو۔ مگر میں زندگی میں چھوٹی چھوٹی نیکیاں کرنے کی قائل ہوں جیسے کہ اگر میں ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے جاؤں تو اپنی باری ایسے مریضوں کو دے دیتی ہوں جو بہت زیادہ بیمار ہوں اور زیادہ دیر بیٹھ نہ سکتے ہوں۔ اکثر اپنی اشد ضرورت کی اشیاء دوسرے ضرورت مندوں کو دے دیتی ہوں۔ اپنے لیے کچھ بھی خاص چیز رکھی ہو کوئی اچانک آجائے تو اس کے سامنے پیش کر کے خوشی محسوس کرتی ہوں۔ اپنا ناشتا اکثر اپنی کام والی کو کھلا دیتی ہوں۔ یہ وہ کام تھے جو میں چھپ کر کرتی ہوں آج مجبوراً" زیر قلم لانے پڑے۔ ان جیسے بہت سے دوسرے کام بھی اکثر و بیشتر میرے قلب سکون کا باعث بنتے ہیں اور اجر کی امید تو بہرحال ہوتی ہے۔

2 ۔ عید الاضحیٰ پر لوگ تو مزے مزے کے گوشت کے پکوان شوق سے کھاتے ہیں۔ مگر میرے بچے پہلے دن عید پر گوشت بالکل نہیں کھاتے انہیں تو ہر چیز میں خون کی بو آتی ہے۔ دوسرے دن باربی کیو شوق سے کھائیں گے اس لیے پھر یہ ۔۔۔ میکرونی بنانے کی فرمائش کرتے ہیں اور اسود کے لیے فروٹ ٹرائفل کسٹرڈ بنانا پڑتا ہے۔ عید کی صبح چنے والی پوری بنانے کی فرمائش بھی پوری کرنی پڑتی ہے جب تک کلیجی فرائی ہو تب تک لذت کام و دہن کے لیے کچھ نہ کچھ تو چاہیے ہوتا ہے ہلکا پھلکا کچھ نہ کچھ۔

3 ۔ گوشت کا ذائقہ لذت برقرار رکھنے کی ایک یونیک ٹپ..... کہ آپ گوشت کو جلدی جلدی پکا کر کھالیں (ہا.... ہاہاہا....) زیادہ عرصہ گوشت کو اگر محفوظ رکھنا مقصود ہو تو گوشت بغیر دھوئے پیکٹ بنا کر فریز کر دیں۔ دوسرے گوشت دھو کر اس میں نمک ڈال کر چولھے پر چڑھا دیں۔ یہ اپنے ہی پانی میں گل جاتا ہے اور گوشت کے ساتھ موجود چکنائی میں بہت اچھا فرائی بھی ہو جاتا ہے اور زیادہ عرصہ بغیر فریج کے بھی رکھ سکتے ہیں بس دن میں ایک مرتبہ گرم کرنا پڑتا ہے اور میرے سسرال میں تو گوشت کا اچار ڈال کر اسے محفوظ کیا جاتا ہے۔ مگر زیادہ عرصہ گوشت رکھنے سے اس میں بیکٹریا پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اصل ذائقہ اور لذت کے لیے ۔۔۔ مختلف ڈشز بنا کر جلدی استعمال کر لیں۔

4 ۔ قربانی کے جانور سے متعلق واقعہ معیز اکرم کی آخری عید قرباں سے متعلق ہے۔ اس عید پر وہ بہت خوش تھا اور اپنے نئے ڈیجیٹل کیمرے سے ہر ذبح ہونے والی گائے کی ویڈیو بنا رہا تھا بلکہ ساتھ ساتھ کمنٹری بھی کر رہا تھا۔ ایک گائے کا منہ قربانی کے وقت جب بھی کعبہ کی طرف کیا جاتا وہ فوراً" اپنا رخ موڑ لیتی۔ اس پر معیز کے کمنٹس' جب عمیر کی گائے پر بلی کا بچہ مزے سے بیٹھا تھا یہ لمحات بھی اس کے کیمرے میں محفوظ ہیں۔ جب بھی دیکھوں بے ساختہ (اداس آنکھوں اور دل کے ساتھ) مسکراہٹ لبوں پہ

آجاتی ہے۔ اس نے یہ سب اس طرح فنی ویڈیوز بنائیں کہ ہر جانور کے ساتھ کچھ نہ کچھ الگ سے دیکھنے کو ملا اور یہی بات اداس کر دیتی ہے کہ اسے کیسے پتا چلا کہ یہ میری آخری عید ہے جو اس نے اسے اتنا یادگار بنا دیا اپنی پھپھو کی گائے بھی خود کھڑے ہو کر قربان کرائی اس کا گوشت بنایا اور اپنی شرارتوں سے سب کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا۔

ہمارے گھر ہر سال بکرے کی قربانی ہوتی ہے۔ قربانی کی گائے میں حصہ بھی لیا جاتا ہے۔ قربانی کا بکرا کافی دنوں پہلے آجاتا ہے تاکہ بچے خوش ہو کر اس کی دیکھ بھال کریں۔ ایک عید پر ہم نے جو بکرا خریدا وہ کسی کے گھر کا پالتو تھا۔ بڑا ہی شاہانہ مزاج کا بکرا تھا۔ اس کو کمرے میں اندر باندھ کر سب اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے میں اندر کسی کام سے گئی تو دیکھا کہ بکرے صاحب صوفے پر براجمان ہیں اور نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ بے ساختہ ہی مجھے ہنسی آگئی کہ یہ بے زبان جانور کتنا سمجھ دار ہے۔ جتنے دن بھی وہ ہمارے گھر رہا صوفے پر ہی سوتا تھا۔ ٹی وی دیکھتا اور چارہ پانی ہاتھوں میں لے کر کھلانا پڑتا۔ جب حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی اتر کر باہر چلا جاتا۔ صوفے پر اس نے کبھی گندگی نہیں پھیلائی۔ اس کی انسانوں جیسی عادتیں مسکرانے پر مجبور کر دیتیں۔ جب وہ قربان کیا گیا تو بچے بہت اداس ہو گئے۔

افشین فاروق۔ کراچی

1 ۔ نیکی ہمیشہ چھپا کر کرنی چاہیے۔ جی ہاں میں نے بھی ایثار و قربانی کی ہے اللہ قبول فرمائے لیکن اگر نیکی بتا دیں تو اجر و ثواب میں کمی کا ڈر ہوتا ہے۔

2 ۔ جناب یہ ڈش میرے شوہر اور بچے فرمائش کر کے عیدالاضحیٰ پر بنواتے ہیں قربانی کی گائے کی ہڈیاں خوب گلا کر ان کا سوپ نکال لیتی ہوں پھر اس میں رات بھر کی بھیگی ہوئی چنے کی دال ڈال کر پکاتی ہوں اس میں مسالا بھون کر مکس کر دیتی ہوں پھر اوپر سے ہرا مسالا ڈال کر سرو کرتی ہوں آپ بھی ٹرائی کیجیے۔ بہت بہترین ڈش ہے قربانی کا گوشت دیکھ کر اور کھا کر دل بھر جاتا ہے اس کو کھا کر آپ کو بہت مزا آئے گا اوپر سے گرم مسالا اور بھنا پسا زیرہ بھی چھڑک کر لیموں ڈال کر تناول فرمائیں۔

3 ۔ گوشت کا ذائقہ برقرار رکھنے کے لیے اسے دھو کر نہیں رکھتی دھو کر رکھنے سے اس میں بیکٹیریا بن جاتے ہیں اسے زیادہ عرصے محفوظ رکھنے کے لیے اس ابال لیں۔ اس کے کباب بنالیں اس کا اسٹیم روسٹ بنالیں۔ کوفتے کی بائٹس بنا کر فریز کر دیں۔

4 ۔ قربانی کے جانور سے متعلق یہ واقعہ یاد کر کے میرے لبوں پر فوراً" ہنسی آجاتی ہے۔

یہ واقعہ میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ میرے چاچا اور ان کے دو تین دوست مل کر بکرا منڈی جانور دیکھنے گئے ساتھ ہی میرے بھائی کو بھی لے گئے جو کہ اس وقت میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا۔

کافی دیر تک وہ لوگ منڈی میں گھومتے رہے اپنی پسند کا جانور دیکھنے کے لیے کافی اندر جانے کے بعد ایک جگہ آئی جہاں جانور بہت قریب قریب بندھے ہوئے تھے وہ لوگ جہاں جانور دیکھ رہے تھے وہیں بیچ میں چھوٹی سی ٹوٹی ہوئی دیوار بھی تھی اچانک ان لوگوں نے کیا دیکھا کہ ایک بیل جہاں میرا بھائی عاصم کھڑا تھا اس نے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں سینگ ڈالا اور اسے اٹھا لیا سب لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے بھائی بہت پریشان ہوا پھر اس بیل نے اس دیوار کی طرف پھینک دیا وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گرا جلدی سے سب نے اس کو اٹھایا اللہ کا شکر ہوا کوئی چوٹ نہیں آئی اس کے بعد سب کے منہ سے ہنسی کے فوارے ابل پڑے ہوئے۔

قرۃ العین بنت یوسف...... فیصل آباد

1 ۔ ہم تو اللہ کے بڑے گناہ گار سے بندے ہیں یاد نہیں کبھی کوئی ایثار کیا ہو جو ہمیں بارگاہ خداوندی میں سرخرو کرتا سوائے اس کے کہ گوشت کے مکمل منصفانہ تین حصے بناتے ہیں اور ہمیشہ اپنے حصے میں سے بھی بلا جھجک گوشت بانٹ دیتے ہیں۔ نتیجتاً" تین دن میں حصہ ختم۔

2 ۔ عیدالاضحیٰ پر تو گوشت کی ڈشز سے فرصت نہیں ملتی۔ مگر پھر بھی کئی ڈشز ایسی ہوتی ہیں جو ہم سے فرمائش کر کے پکوائی جاتی ہیں۔ جن میں سرفہرست ہمارے ہاتھ کے مشہور و معروف خستہ سموسے اور "لڈو کھٹیاں" شامل ہیں۔ لڈو کھٹیاں کی ترکیب لکھ رہی ہوں۔

لڈو کھٹیاں

ضروری اجزا :

بیسن	ایک پاؤ
املی کا گودا	آدھی پیالی
خوبانی (اچھی طرح نرم)	ایک پیالی
چاٹ مسالا	ایک پیکٹ
نمکو	ایک پیالی
باریک کٹا پیاز	ایک عدد

ترکیب :

بیسن کو چھان کر پانی اور حسب پسند نمک مکس کر کے گاڑھا سا آمیزہ بنالیں فرائنگ پین میں آئل گرم کر کے چمچے کی مدد سے چھوٹے چھوٹے لڈوؤں کی شیپ کی طرح آئل میں بیسن کا آمیزہ ڈالیں سنہری ہونے پر نکالیں یونہی سارے آمیزے کے لڈو بنالیں نیم گرم پانی میں ڈالتے جائیں نرم ہونے پر پانی میں سے نکال کر ٹرے میں رکھتے جائیں۔

(کھٹے کے لیے)

املی اور خوبانی کا گودا اچھی طرح بلینڈ کر کے پانی اور برف ڈال کر قدرے گاڑھا کھٹا تیار کر لیں۔ دو چمچے چاٹ مسالا ایک چمچہ نمک ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب ایک گہری پلیٹ لیں اس میں 4، 5 لڈو ڈال کر کھٹا اتنا ڈالیں کہ اس کے اندر لڈو بھیگ جائیں اوپر ذرا سا چاٹ مسالا دو چمچے نمکو اور تھوڑا سا کٹا ہوا پیاز چھڑک کر سرو کریں اور یونہی سب کے لیے پلیٹیں تیار کر لیں۔ سب انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے۔

3 ۔ گوشت کو اچھی طرح دھو کر شاپروں میں ڈالنے کے بعد چھری کی نوک یا کسی بھی نوکدار چیز سے شاپروں کے پیندے میں باریک باریک سوراخ کر دیں سارا اضافی پانی نچڑ جائے گا گوشت بدبو سے پاک تر و تازہ رہے گا۔

اس طریقے کے علاوہ ہم گوشت "ڈکس" بھی لیتے ہیں۔

ایک دیگچے میں گوشت بغیر پانی کے (دھلا ہوا) نمک کالی مرچ، دار چینی کا ایک ٹکڑا، بڑی الائچی ڈال کر پکنے دیں گاہے بگاہے چمچے چلاتے رہیں ایک دو گھنٹوں میں گوشت کا پانی مکمل خشک ہو کر گوشت نمکین خستہ اور کرارا ہو جائے گا۔ بعد ازاں جتنے دن رکھنا ہو اس گوشت کو دھوپ لگواتی رہیں بے حد اعلا ذائقہ ہو گا۔ مگر پھر بھی گوشت محفوظ رہنے کا دعوا نہیں کرتے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ آپ بھی ہم سب کی طرح گوشت پکنے کے ساتھ دیگچہ اتارتے ہی اس کے گرد بیٹھ کر اسے منٹوں میں چٹ کر جائیں ہاتھوں میں بوٹیاں پکڑے، جیسا کہ ہم کرتے ہیں۔

4 ۔ یہ واقعہ بہت پرانا تو نہیں مگر جب بھی یاد آتا ہے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ چاند رات کو ابو اور چھوٹا بھائی صحت مند سا چھترا لے کر آئے جسے دیکھ کر ہم سب کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔ سیڑھیوں کی گرل کے ساتھ اسے باندھ دیا ابو لوگ قصائی کا پتا وغیرہ کرنے چلے گئے۔

سارے دن کی صفائی ستھرائی کے بعد ہم اب فارغ ہوئی تھیں آنٹی (چچی) اپنے کمرے میں تھیں۔ پورے گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی چھترے کے پاس کوئی نہیں تھا۔ ہم نے اس کا ایک دیدار کرنے کے لیے پردہ اٹھایا تو وہ متفکر بکرا بنا خاموش سر جھکائے کھڑا تھا۔ ایک دم سے ہی ہمارا دل اس کی تنہائی پر دکھی ہوا تھا۔ ہم نے کمرے کے اجلے فرش کو نظر انداز کرتے ہوئے ادب سے کہا کہ کوئی بات نہیں اسے کھول کر اندر لے جاؤ تاکہ بے چارے کا دل بہل جائے وہ اسے

بقیہ صفحہ نمبر 264

نفیسہ سعید

ایسا گر ہے زندگی کا

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کرلیا۔ شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی نفسہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۴

چوتھی قسط
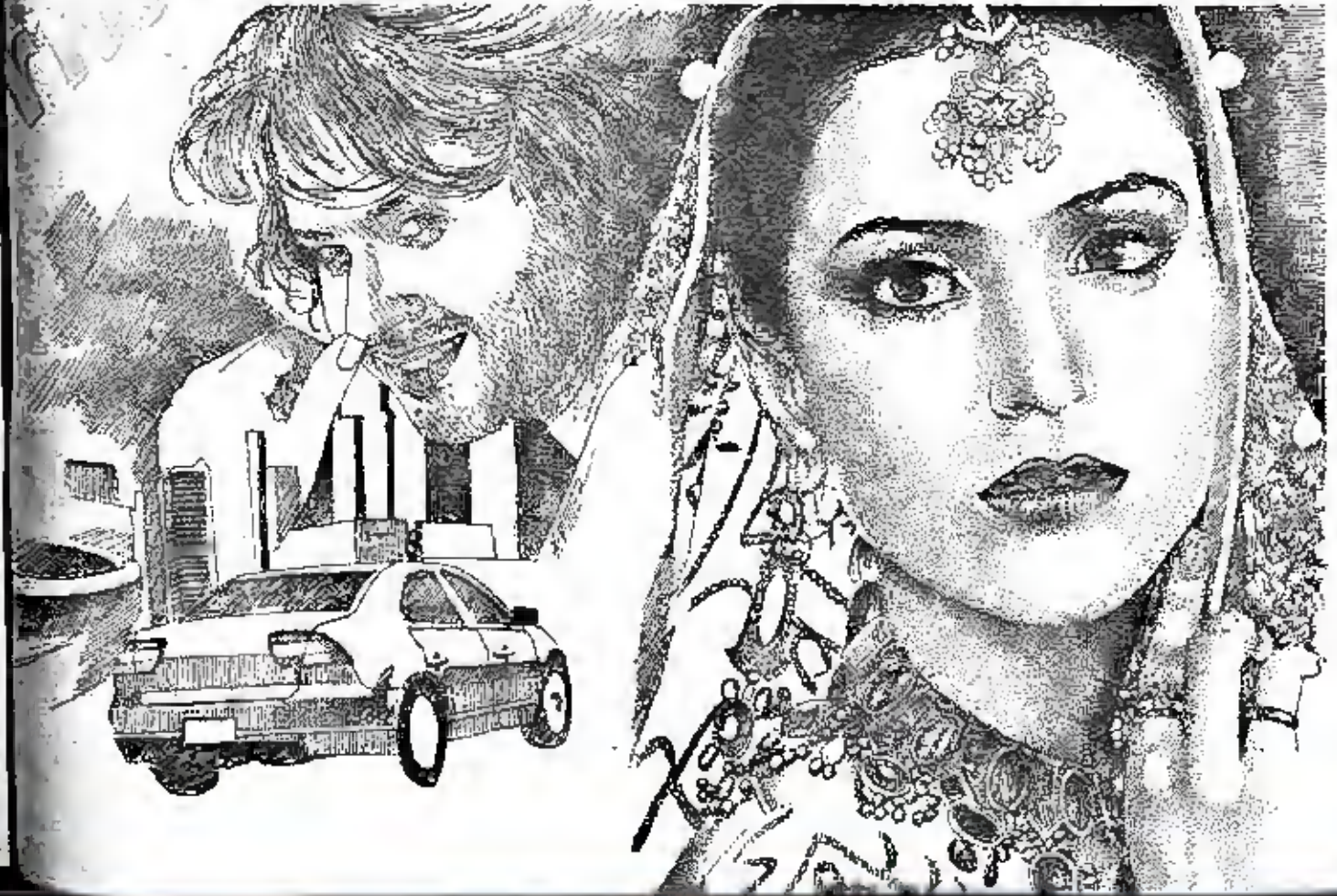
آج کل ایشال کچھ عجیب سی کیفیات کا شکار ہو رہا تھا۔ آگے کو بڑھتا وقت اسے دھیرے دھیرے تمام رشتوں کی نزاکتوں سے آگاہ کرتا جا رہا تھا وہ جو ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہا کہ پاپا کا بہ حالت مجبوری جوڑا جانے والا رشتہ کوئی اہمیت کا حامل نہیں ہے یا وہ جب چاہے اپنی مرضی سے کوئی دوسرا نیا رشتہ استوار کر سکتا ہے۔ وقت نے اس کی اس سوچ کو قدرے تبدیل کر دیا۔ اب اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ مجبوری میں باندھا گیا ایک بندھن اس کی ساری زندگی پر محیط ہو گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی تعلیم کے مکمل ہونے سے وہ خوف زدہ تھا۔ اسے لگتا وطن واپس جاتے ہی نکاح کا آکٹوپس اسے ڈس لے گا

وہ اس نکاح کو اتنا اپنے اوپر حاوی نہ کرتا جتنا اس کی مما نے بار بار ذکر کر کے کیا تھا وہ مہینے میں ایک بار ضرور اسے سمجھایا کرتیں کہ تم نے کبھی زندگی میں اس لڑکی سے شادی نہیں کرنی' جس سے تمہارا نکاح ہوا ہے۔ کیونکہ وہ ایک بدچلن ماں کی بیٹی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ بیٹی ہمیشہ اپنی ماں کی خصلت لے کر دنیا میں آتی ہے۔ اس لیے یاد رکھنا' تمہاری بیوی کبھی بھی تمہاری وفادار نہ ہوگی۔ یہ سب باتیں اس کے نزدیک غیر اہم ہو سکتی تھیں۔ اگر اسے عریشہ سے محبت نہ ہوتی۔ وہ لڑکی کون تھی؟ اس کی ماں کا ایسا کون سا فعل تھا جو اس کی مما آج تک نہ بھولی تھیں۔ اسے ان سب باتوں سے کچھ لینا دینا نہ تھا۔

اس کا اصل مسئلہ صرف یہ تھا کہ اسے عریشہ کے علاوہ کسی اور سے شادی ہی نہیں کرنا تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے پاپا سے اس مسئلہ پر کس طرح بات کرے۔ کیسے انہیں سمجھائے کہ مجھے آپ کی بھتیجی سے شادی نہیں کرنی۔ لہٰذا پلیز میری خوشی کی خاطر آپ اس رشتہ کو ختم کر دیں۔ اس کا کئی بار دل چاہا کہ وہ پاپا کو فون کرے اور ان سے رو رو کر درخواست کرے کہ پلیز مجھے اس طوق سے نجات دلا دیں جو آپ نے میری لاعلمی میں میرے گلے ڈالا تھا۔ مگر وہ کبھی ایسا کرنے کی ہمت ہی نہ کر سکا۔ اے کاش میں اس دن ان پیپرز پر سائن ہی نہیں کرتا۔

کئی بار کا سوچا ہوا یہ خیال پھر سے اس کے ذہن میں آ کر اسے بے چین کر گیا۔ اسی پل جب وہ انتہائی کرب کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ اس کے آس پاس ایک مدھم سی روشنی پھیل گئی۔ اس کے کانوں میں کچھ عرصہ قبل کے کہے ہوئے اپنی ماں کے الفاظ گونجے۔

"دیکھو ایشال انسان کو زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔ لہٰذا یہ اس کا حق ہے کہ وہ اسے اچھی طرح سوچ سمجھ کر گزارے' اپنی زندگی دوسروں کی خوشی کے لیے برباد کرنا بالکل بھی عقل مندی نہیں ہے۔ اگر تم اپنے پاپا کے جوڑے گئے رشتے سے مطمئن نہیں ہو تو انہیں صاف صاف لفظوں میں یہ بات سمجھا دو یقین جانو آج تمہارا انکار ان کے دل کو دکھی ضرور کرے گا۔ مگر کل اس کا نتیجہ کئی زندگیوں کو تباہ ہونے سے بچا لے گا۔ سب سے پہلے تو تم خود ایک ناپسندیدہ زندگی گزارنے کے عمل سے بچ جاؤ گے۔ اس لیے میری مانو تو اپنے پاپا سے بات کر کے جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس لڑکی کو طلاق دے دو۔ اس کے پاؤں میں پڑی اپنے نام کی زنجیر سے اسے بھی آزاد کر دو۔ اس سے نہ صرف تمہارا بلکہ اس کا بھی بھلا ہوگا۔ آج اس کی عمر ہے جو بھی کوئی اچھا لڑکا اس کے نصیب میں ہوگا اسے مل جائے گا اور تم بھی اپنی زندگی اپنے من پسند ساتھی کے ساتھ گزار سکو گے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔"

اسے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب وہ اپنے پاپا کے ساتھ اس ٹوٹے ہوئے اندھیرے گھر میں گیا تھا جہاں وہ بیمار آنٹی اپنی سبز دوپٹے والی بیٹی کے ساتھ رہتی تھیں۔ اسے آج بھی یہ سوچ سوچ کر حیرت ہوتی کہ اس حبس زدہ گھر میں وہ دونوں سانس بھی کس طرح لیا کرتی تھیں۔ اس گھر کی سیلن زدہ بو وہ اتنے سالوں میں بھی نہ بھولا تھا اس کے لیے اس گھر میں ایک ایک پل گزارنا نہایت مشکل امر تھا' جبکہ اس کے پاپا نہایت اطمینان اور سکون سے ان

آنٹی کے قریب بیٹھے تھے جن کی شکل دیکھتے ہوئے بھی ایشال کو خوف محسوس ہو رہا تھا۔

اسے آج احساس ہوتا کہ اس کے پاپا کا اس وقت کا کیا ہوا فیصلہ جذباتی نہ تھا۔ بلکہ نہایت سوچ سمجھ کر کیا جانے والا ایک ایسا عمل تھا جس کی مکمل تیاری وہ پہلے سے کر کے اس گھر میں گئے تھے۔ اپنے پاپا کی اس وقت کی کیفیت وہ کبھی نہ بھول پایا اور جب جب وہ یہ سب سوچتا اسے لگتا اپنی ماں کی سمجھائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھیں۔ یہ تو سو فیصد طے تھا کہ وہ اپنی زندگی اس لڑکی کے ساتھ نہیں گزار سکتا تھا یا شاید گزارنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ مگر یہ بات اپنے پاپا کو کس طرح سمجھائے یہ فی الحال ایک قدرے مشکل امر تھا۔

"بہر حال جو بھی ہو پاپا مانیں یا نہ مانیں مجھے اس لڑکی سے کبھی شادی نہیں کرنی۔ جسے نہ میں جانتا ہوں اور نہ ہی کبھی دیکھا ہے۔ میری زندگی میں اگر کوئی لڑکی بیوی کی حیثیت سے داخل ہوگی تو وہ صرف عریشہ ہو سکتی ہے اور کوئی نہیں۔"

اور یہ اس کا کیا جانے والا آج کا آخری فیصلہ تھا جسے کرنے کے بعد اس کا دل قدرے مطمئن ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"تم جانتی ہو آج میں نے سالار کے ساتھ شاپنگ سینٹر میں کسے گھومتے دیکھا ہے۔"

صباحت کے فون اٹھاتے ہی وہ بنا کسی سلام دعا کے شروع ہو گئیں۔ ان کے لہجے میں دبا جوش و خروش کسی بہت ہی اہم خبر کی اطلاع دے رہا تھا اور ویسے بھی صباحت کو دبئی رہتے ہوئے پاکستان کے تمام حالات سے آگاہی صرف اور صرف فضا بھابھی کے دیے گئے خبرنامہ کی بدولت ہی ہوتی تھی جس کا اعتراف وہ اکثر بڑی صاف گوئی سے ان کے سامنے کیا کرتی۔

"کسے دیکھ لیا آپ نے سالار کے ساتھ' اب بھلا بتائیں اتنی دور بیٹھ کر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ وہ پاکستان کے کسی شاپنگ مال میں کس کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ جب تک آپ نہ بتائیں گی۔" یہ جان کے کہ فضا بھابھی کے پاس سالار کے حوالے سے کوئی اہم خبر ہے' وہ سر تاپا گوش ہوتے ہوئے بولی۔

"زینب کے ساتھ تھا وہ دونوں اتنے مزے سے گھوم رہے تھے کہ مانو مجھے تو یقین ہی نہ آیا۔"

بنا کوئی تجسس پھیلائے وہ کھٹ سے بولیں۔ اس بات میں کتنی مبالغہ آمیزی کا عنصر شامل تھا۔ یہ وہ خوب اچھی طرح جانتی تھیں اور ان کے اس جواب نے صباحت کے کسی نئی خبر کو جاننے کے جوش و خروش کو مکمل طور پر تہس نہس کر دیا۔

"یقین جانو مجھے تو دیکھ کر یقین ہی نہ آیا کہ وہ زینب ہے اتنی تیار کہ بس' میرا دل تو بہت چاہا کہ جا کر پوچھوں بی بی یہ تم یہاں کیا گلچھرے اڑا رہی ہو' کیونکہ تمہیں تو میرا پتا ہے کہ میں ہر بات منہ پر کہہ دینے کی عادی ہوں۔ دل میں بات رکھنے کی عادت نہیں ہے میری۔"

ہر بات بنا سوچے پیچھے لوگوں کے منہ پر کہہ کر ان کے دل خراب کرنے والی ان کی یہ عادت فضا بھابھی کے نزدیک ایک ایسی خوبی تھی جس کا ذکر وہ ہمیشہ بڑے فخر سے کیا کرتیں۔ صباحت کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ انہیں ان تمام باتوں کا کیا جواب دے۔

"تو تم تو اس خبر کو سن کر اتنی حیران ہوئی ہو کہ تمہاری تو لگتا ہے زبان ہی بند ہو گئی۔"

صباحت کی خاموشی سے انہوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔

"دراصل میں بھابھی شاید میں آپ کو بتانا بھول گئی تھی کہ تازیہ پچھلے دنوں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ جس کے باعث اس کا ابارشن ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ شادی کے تین سال بعد انہیں اولاد سے نوازنے لگا تھا کہ یہ حادثہ ہو گیا۔ مگر

چلیں جو اللہ کو منظور جب اس کی مرضی ہوئی ضرور دے گا۔

بہرحال' آپ کو تو شاید یہ بھی علم نہیں کہ نازیہ کی والدہ خاصی عمر رسیدہ ہیں' جبکہ اس کی بھابھی اور بہن بھی یہاں پاکستان میں نہیں' سالار کی اپنی والدہ کا انتقال بھی کئی سال قبل ہی ہو گیا تھا۔ ایسے میں جب اس نے انتہائی پریشانی کے عالم میں مجھے فون کیا تو میں نے ہی اسے زینب کا مشورہ دیا تھا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ پریشانی کے ان لمحات میں نازیہ کے لیے اس سے بہتر ساتھی کوئی اور نہ ہو گا اور اپنے اس فیصلے کے درست ثابت ہونے کی حقیقی خوشی مجھے اصل میں کل اس وقت ہوئی جب نازیہ نے فون کر کے میرا شکریہ ادا کیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس نے بتایا کہ بیماری کی حالت میں زینب نے اس کی اس قدر خدمت کی کہ کیا ہی کوئی سگی بہن کرے گی اور میرے ہی کہنے کے مطابق سالار نے اسے کچھ تحفے تحائف بھی دیے ہیں۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی تمام خدمات کا بدلہ اس سے بہترین اور کوئی نہ تھا اور شاید اسی سلسلے میں سالار اسے ایک' دوبار بازار بھی لے گیا تھا۔ وہیں آپ نے اسے دیکھ لیا ہو گا۔

ویسے بھی بھابھی اس نے نازیہ کی خدمت بڑے ہی خلوص اور محبت سے کی ہے اور اس طرح کے خلوص کا بدلہ کبھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ بدلے میں ہم بھی پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ کوئی اچھا سا تحفہ دے دیں۔"

صباحت نے مکمل وضاحت کے ساتھ انہیں ہر بات سمجھانے کی کوشش کی کیونکہ وہ فضا بھابھی کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔ جانتی تھی کہ اگر انہیں یہاں ہی نہ روکا گیا تو یہ خبر مرچ مسالے کے ساتھ خاندان بھر میں نشر ہو جاتی ہے۔

"تو ضروری تھا کہ تحفہ لے کر دینے کے لیے اسے تن تنہا بازار لے جایا جائے۔"

وہ قطعی ہار ماننے کو تیار نہ تھیں۔

"ویسے بھی خوب صورت عورت ایک سانپ کی مانند ہوتی ہے' جہاں موقع ملا ڈسنے سے گریز نہیں کرتی۔ یہ بات تم اچھی طرح نازیہ کو بھی سمجھا دینا۔"

ان کا یہ بیان کردہ فلسفہ صباحت کی سمجھ میں بالکل بھی نہ آیا۔

"چلیں بھابھی چھوڑیں ہمیں کیا جب ان دونوں کے اس طرح بازار جانے پر فہد یا نازیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر ہم کون ہوتے ہیں بلاوجہ کی انگلیاں اٹھانے والے' دفع کریں اتنی فضول باتیں سوچ سوچ کر آپ کیوں اپنا بلڈ پریشر ہائی کرتی ہیں۔"

صباحت کے جواب نے ہر بات کو یکسر ختم کر دیا۔ فضا بھابھی تو ان دونوں کو ایک ساتھ شاپنگ سینٹر میں دیکھ کر جانے کون کون سی کہانیاں سوچے بیٹھی تھیں جو انہوں نے صباحت کو سنائی تھیں۔ مگر یہاں تو صباحت نے سرے سے کسی بات میں دلچسپی ہی نہ لی۔ فی الحال تو اس مسئلے پر خاموشی اختیار کرنا ہی انہیں زیادہ بہتر لگا۔ مگر ان کا دل کسی بھی طرح یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ کوئی عام سا منظر تھا۔ اس عام سے منظر کے پیچھے کوئی خاص بات ضرور تھی۔ انہیں لگ رہا تھا کہ سالار اور زینب کی یہ غیر معمولی دوستی جلد ہی کوئی رنگ دکھائے گی۔ جس کا احساس ان دونوں سے منسلک لوگوں کو آہستہ آہستہ ہی ہو گا۔

"چلو جب چاند چڑھے گا کل عالم دیکھے گا۔"

صباحت کی پیش کردہ تمام وضاحت کا جواب انہیں اس سے بہتر کوئی اور نہ ملا۔ انہیں امید تھی کہ جس بات پر آج صباحت ان سے اختلاف کر رہی ہے آنے والے کل میں وہ خود انہیں ایسی ہی کوئی خبر ضرور دے گی' جانے

کیوں وہ زینب سے منسوب کوئی نہ کوئی غلط بات سننے کے لیے ہمیشہ تیار رہتیں۔ حالانکہ انہیں اپنی اس کوشش میں فی الحال کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

زندگی پیار کا گیت ہے اسے ہر دل کو گانا پڑے گا
زندگی غم کا ساگر بھی ہے جس کے اس پار جانا پڑے گا
زندگی ایک احساس ہے ٹوٹے دل کی کوئی آس ہے
زندگی ایک بن باس ہے کاٹ کر سب کو جانا پڑے گا
زندگی بے وفا ہے تو کیا اپنے روٹھے ہیں ہم سے تو کیا
ہاتھ میں ہاتھ نہ ہو تو کیا ساتھ پھر بھی نبھانا پڑے گا
زندگی پیار کا گیت ہے اسے ہر دل کو گانا پڑے گا
زندگی ایک مسکان ہے درد کی کوئی پہچان ہے
زندگی ایک مہمان ہے چھوڑ سنسار جانا پڑے گا

گانے کا ایک ایک بول اس کے دل میں اتر رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش چت لیٹی اوپر چھت کو یک ٹک گھورے جا رہی تھی۔

"زندگی کیا ہے۔" اس کی بہتر عکاسی اس گانے سے بہتر نہیں ہو سکتی تھی یا شاید یہ گانا اس کی زندگی کا مکمل عکاس تھا۔ اسی لیے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جو بھی تھا گانے کا ایک ایک بول اس کی ہر رگ میں درد بھر رہا تھا۔ اسے پتا بھی نہ چلا کب اس کی آنکھوں کے کونے پانی سے بھر گئے۔ پھر اس بہتے پانی نے پورا تکیہ بھگو دیا۔ وہ آہستہ آہستہ بے آواز رونے لگی۔ اپنے دل کا بوجھل پن اس طرح رو کر دور کرنا کبھی کبھی اسے بہت اچھا لگتا' جانتی تھی کہ کھل کر رونے کے بعد اس کے اگلے چند دن سکون سے گزر جائیں گے۔ وہ اپنی زندگی کے ایسے دوراہے پر کھڑی تھی جہاں سے آگے جانے والے سارے راستے بند تھے۔ اس کی ساری طنابیں وقت کے ہاتھ میں تھیں۔ وقت جس طرف چاہتا اسے لے جاتا۔ ایسے میں جب اسے اپنے چاروں طرف پھیلے اندھیرے میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی تو وہ اسی طرح یاسیت کی کیفیت کا شکار ہو جاتی اور پھر رو' رو کر اپنے دل کا بوجھ اسی طرح ہلکا کرتی جیسے اس وقت کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن میں کام کر رہی تھی۔ جب باہر سے آتی سالار کی آواز سن کر اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا' جہاں اگلے ہی پل وہ آن کھڑا ہوا تھا۔

"کیا پکایا ہے؟" اس کا سر تا پا جائزہ لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"آلو قیمہ۔" سالن میں چمچہ چلاتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"آپ کو کھانا دوں۔" سالار کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے پیچھے مڑ کر خود ہی پوچھ لیا۔

"ہاں۔" وہ ایک عجیب بے خودی کی کیفیت میں گرفتار اسے دیکھے ہی جا رہا تھا۔ وہ سالن والا چولہا بند کر کے سنک کی جانب آ گئی۔ تاکہ نل سے اپنے ہاتھ دھو سکے۔ جب وہ آہستہ آہستہ چلتا بالکل اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا اتنا پیچھے کہ اگر وہ مڑتی تو سر اس کے سینے سے ٹکرا جاتا۔

"آج جب آفس میں کام کرتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ تم میرے گھر ہو تو دل چاہا پر لگا کر اڑتا ہوا آجاؤں اور تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر اس وقت تک دیکھتا رہوں جب تک جی نہ بھرے' جانتی ہو اب تو مجھے اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک دن میں ایک بار تمہارا دیدار نہ کرلوں۔"

اس نے آہستہ سے بڑے پیار کے ساتھ اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے ہٹایا۔ زینب نے ایک گہری سانس کے ساتھ سالار کے جسم سے آتی کلون کی مخصوص خوشبو کو اپنے اندر اتارا' وہ آنکھیں بند کیے بے خود کھڑی اس کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو اپنے دل میں اتارنا چاہتی تھی کہ ایسے میں باہر سے آتی نازیہ کی آواز سنتے ہی جیسے وہ ہوش میں آگئی' کرنٹ کھا کر پلٹی' تیزی سے آگے بڑھ کر دروازے پر لٹکا اپنا دوپٹا اتار کر کندھے پر ڈالا اور سلیپ پر رکھے برتنوں کی جانب آگئی۔ سالار بھی فوراً" دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا' جب نازیہ کچن کے دروازے پر نمودار ہوئی۔

"یہ بشریٰ پونچا مارنے میں اس طرح ڈنڈی مارتی ہے۔ آدھا فرش سوکھا پڑا ہے۔" اس نے اپنے زور' زور سے بولنے کی وضاحت کی۔

زینب نے بنا کوئی جواب دیے پاس رکھے ڈونگے میں سالن نکالنا شروع کردیا۔

"آپ کب آئے؟" نازیہ نے سالار کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی ابھی آیا ہوں' سوچا تم سو رہی ہوگی۔ اسی لیے سیدھا کچن کی طرف آگیا۔ تاکہ زینب سے کہہ کر کھانا لگوالوں۔" زینب کو اس کا لہجہ عجیب شرمندہ سا لگا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"اب تو اللہ کا شکر ہے کافی بہتر ہوں۔ آپ چل کر ٹیبل پر بیٹھیں۔ میں کھانا لاتی ہوں۔"

سالن ڈونگے میں نکالتی زینب نے اپنا ہاتھ وہیں روک دیا۔

"بشریٰ ہاتھ دھو کر اندر آؤ' صاحب جی کے لیے روٹی بنانی ہے۔"

بشریٰ کو آواز دیتی وہ فریج کی جانب بڑھ گئی۔

"میں نے روٹیاں پکادی ہیں۔ تم جاؤ اپنا کام مکمل کرو۔"

بشریٰ کے کچن میں آتے ہی زینب نے اسے واپس کردیا۔

"تم نے روٹیاں کیوں پکائیں۔ بشریٰ کو کہتیں وہ بنادیتی۔"

نازیہ فریج سے دہی نکال کر سلیپ کی طرف آگئی۔

"لاؤ مجھے دہی دو' میں رائتہ بنادیتی ہوں' تم باہر چل کر بیٹھو' ابھی تمہیں ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔"

زینب نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑا باؤل تھام لیا اور ایک نظر کچن سے ذرا دور رکھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے سالار پر ڈالی جو جانے کس سوچوں میں گم تھا' کچھ دیر قبل اس کے دل میں پیدا ہونے والی شرمندگی اب کافی حد تک کم ہوچکی تھی۔

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتی' زینب تم نے اس موقع پر جس طرح میرا ساتھ دیا ہے کوئی سگی بہن بھی ہوتی تو شاید کبھی نہ دیتی' تمہاری وجہ سے ہی میں اپنے دکھ اور درد کو برداشت کرنے کے قابل ہوئی ہوں۔"

وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ اظہار تشکر سے اس کا لہجہ قدرے بوجھل ہوگیا تھا۔ زینب کو ایسا لگا جیسے کسی نے اسے تپتے صحرا میں پھینک دیا ہو' وہ ایک بار پھر شرمندگی میں ڈوب گئی۔

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا' بلکہ انسانیت کے ناتے جو میرا فرض تھا اسے پورا کرنے کی ایک ہلکی سی کوشش ضرور کی ہے۔"

دہی پھینٹ کر اس نے جلدی جلدی رائتہ تیار کیا۔

"تم اندر چل کر لیٹو میں تمہارا دلیہ لے کر آتی ہوں۔"

وہ چاہتی تھی کہ نازیہ جلد از جلد وہاں سے ہٹ جائے۔ نازیہ کی موجودگی اسے بلاوجہ کی شرمندگی سے دوچار کررہی تھی۔

"نہیں میں لیٹ لیٹ کر تھک چکی ہوں۔ اس لیے ابھی باہر سالار کے ساتھ بیٹھتی ہوں تم بشریٰ کے ساتھ مل کر وہیں کھانا لگادو ہم سب آج ایک ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے۔"

اپنی ازلی سادگی سے جواب دیتی وہ کچن سے باہر نکل گئی' مگر زینب کو ایسا لگا جیسے وہ سالار اور اس کے دل میں چھپے چور کو بھانپ چکی ہے۔ شاید اب اس کے اور سالار کے درمیان کھیلا جانے والا گیم جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔

"چلو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

سالار نے چند دنوں میں ہی اسے خاصا بہادر بنادیا تھا اور اب اس نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرانا چھوڑ دیا تھا۔ بنا یہ جانے کہ آنے والا وقت اسے کن مشکلات سے دوچار کرنے والا ہے۔ فی الحال وہ اپنے حال میں مست تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کٹہرے میں کھڑی تھی۔ اس کے سامنے پوری ایک عدالت سجی ہوئی تھی۔ پھر بھی اس کے چہرے پر چھایا اطمینان انتہائی قابل دید تھا۔ عدالت کیا فیصلہ سنانے والی ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہ تھی اور نہ ہی کسی قسم کا خوف اس پر سوار تھا۔ وہ بالکل مطمئن تھی' کیونکہ اپنا فیصلہ وہ خود کرچکی تھی۔ اب اسے کسی کے فیصلے کا کوئی انتظار نہ تھا۔

"اس جیسی فاحشہ کو تو سرعام پھانسی دے دینی چاہیے' تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ استغفراللہ اتنا دھوکا اس قدر بے حیائی۔"

اپنے عقب سے ابھرنے والی آواز وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بنا بھی پہچان سکتی تھی کہ کس کی ہے۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ اس نے ایک نظر اپنے سامنے موجود ڈائس پر رکھی اونچی سی کرسی پر ڈالی' جس پر بیٹھا شخص یقیناً" اس عدالت کا جج تھا جو اپنے دونوں ہاتھوں کی کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے وکیل صفائی کا بیان سننے میں بری طرح محو تھا۔ سامنے موجود کالے کوٹ والا شخص ضرور سرکاری وکیل تھا۔

اتنے دنوں میں اس پر جانے کتنے الزامات عائد کیے جاچکے تھے۔ اس کے کردار کی دھجیاں اس بری طرح اڑائی گئیں کہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ خود پر لگائے گئے کسی بھی الزام کا جواب دینے کے لیے بالکل بھی راضی نہ تھی۔ اسے اگر کوئی جواب دینا تھا تو اس عدالت میں جو روز محشر لگائی جانے والی تھی اور جہاں موجود منصف کا ہر فیصلہ اسے منظور تھا۔ اس نے اپنی سزا و جزا کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دیا تھا۔

سرکاری وکیل نے دوبارہ اس کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کا نام پکارتے ہوئے کچھ کہا۔ مگر اس کی کوئی بھی آواز اس کے کانوں تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ اس نے ذرا سی گردن ترچھی کرکے اپنے دائیں ہاتھ پر کھڑی پولیس والی پر ایک نظر ڈالی جو چہرے پر انتہائی سخت تاثرات لیے بالکل سیدھا سامنے دیکھ رہی تھی۔ اب اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی عدالت میں موجود حاضرین پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی' بالکل سامنے والی پہلی رو میں

بیٹھے ہوئے ہر فرد کو وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی یہ تمام وہ لوگ تھے جنہیں کبھی اس کے رشتے دار ہونے کا شرف حاصل تھا۔ مگر آج ان کے اجنبی چہروں پر اس کے لیے سوائے نفرت کے کچھ نہ تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں اپنے لیے حقارت ہی حقارت نظر آئی۔ سوائے ایک شخص کے جس کی آنکھیں پانی سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کے جھکے کندھے اپنی شکست کا اعتراف کر رہے تھے۔

ساری زندگی وہ اس ایک شخص کی اک ایک نظر کرم کی پیاسی رہی۔ مگر شاید وہ عورت کے نازک جذبات و احساسات کو سمجھنے کے قابل بھی نہ تھا۔ روپیہ پیسہ سینت کے رکھنا اس کے نزدیک دنیا کا سب سے بہترین فعل تھا۔ جب تک وہ اس کی دسترس میں تھی بالکل خالی دامن اور تہی دست رہی اور اب جب وہ یہ سب کچھ بہت پیچھے چھوڑ کر اندھا دھند آگے کی جانب نکل آئی تو وہ شخص اس کی محبت کا طلب گار بن کر راہ میں آگیا۔

واہ ری تقدیر تونے سب کچھ تب دیا جب میری ضرورت ہی ختم ہو گئی۔

اس نے اپنے ہاتھ کی لکیروں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوچا۔ اس سوچ کے آتے ہی وہ بے اختیار ہنس دی۔ یہ سوچے بنا کہ وہ کہاں اور کس حال میں کھڑی ہے۔ وہ جو ہنسنا شروع ہوئی تو ہنستی ہی چلی گئی۔

"شاید پے در پے صدموں نے میری موکلہ سے ان کا دماغی توازن چھین لیا ہے۔"

جانے یہ کون بے وقوف تھا، جو اس قسم کے گھٹیا تجزیے پیش کر کے خود کو عقل مند ثابت کر رہا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے رک گئی۔

"میرا خیال ہے وکیل صاحب آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ورنہ الحمدللہ میں دماغی طور پر بالکل ٹھیک ہوں۔"

اس کی پر اعتماد آواز عدالت میں گونجتے ہی ہر طرف ایک سناٹا سا چھا گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ اریشہ کے ساتھ گے ان ٹاور آیا تھا اسے ہمیشہ یہاں کی بلندیوں میں بیٹھ کر لنچ کرنا اچھا لگتا دن کے وقت اس ریوالونگ ریسٹورنٹ کے شیشے کی دیوار کے عین قریب بیٹھ کر پورے لندن کا نظارہ اتنا حسین لگتا کہ ایشال کا جی چاہتا کہ ہمیشہ یوں ہی یہاں بیٹھا رہا اور زندگی گزرتی جائے، وہ واپس جانے سے قبل اچھی طرح پورا لندن گھومنا چاہتا تھا ان دونوں کے ساتھ سریش اور دیویتا بھی تھے پر تکلف ماحول میں ایک اچھا سا لنچ کر کے جیسے ہی وہ باہر نکلے اریشہ ایک جیولری شاپ کے سامنے رک گئی، ایشال جانتا تھا اچھی جیولری ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہی ہے وہ بھی اس کے قریب ہی جا کھڑا ہوا جبکہ دیویتا اور سریش آہستہ آہستہ چلتے آگے کی جانب بڑھ گئے۔

"اف ایشال یہ رنگ کس قدر حسین ہے۔"

اپنے قریب ایشال کی موجودگی محسوس کرتے ہی اریشہ نے اسے مخاطب کیا۔ ایشال نے دیکھا سامنے نظر آنے والے شیشے کے باکس میں موجود سفید نگ والی انگوٹھی نے اریشہ کی پوری توجہ اپنی جانب مبذول کروا رکھی تھی۔

"تمہیں پسند ہے؟"

ایشال نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"آف کورس اسی لیے تو تمہیں دکھا رہی ہوں۔"

جواباً وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے قیمت پوچھ لو کتنے کی ہے؟" ایشال کی بات سنتے ہی وہ شیشے کا ڈور دھکیلتی شاپ کے اندر داخل ہو گئی ایشال نے اس کے پیچھے جانے کے لیے جیسے ہی اپنا قدم اٹھایا اس کا سیل بج اٹھا، پاکستان کا نمبر دیکھتے ہی اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم"

یس کا بٹن دبا کر سیل اپنے کانوں سے لگا کر وہ وہیں دروازے کے باہر رک گیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا کیسے ہیں آپ؟"

دوسری طرف ملک صاحب تھے، غیر متوقع طور پر اپنے بابا کی آواز سنتے ہی وہ خوش ہو گیا عام طور پر پاپا سے اس کی بات کم ہی ہوا کرتی تھی جبکہ مما سے تو وہ تقریباً" روز ہی بات کیا کرتا تھا اگر کسی دن کبھی کسی وجہ سے ان سے بات نہ ہو پاتی تو اسے ساری رات نیند ہی نہیں آتی تھی۔

"بالکل ٹھیک اور فٹ آپ سنائیں طبیعت کیسی ہے؟"

وہ بولا تو خوشی اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں یہ بتاؤ واپس کب آرہے ہو، میرا خیال ہے تمہارا لاسٹ سمسٹر ختم ہوئے بھی کافی دن ہو گئے۔ آجاؤ یار ہم سب تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں۔"

جواباً" وہ ہلکا سا ہنستے ہوئے بولے۔

"آپ کو مما نے نہیں بتایا۔" وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔

"میں نے انہیں بتایا تھا کہ ہم لندن گھومنے کے بعد واپس آئیں گے آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مجھے لندن ہمیشہ سے بہت پسند رہا ہے میرے خوابوں کا شہر ہے لندن۔"

"چلو اب واپس آجاؤ دوبارہ پھر چلے جانا لندن کون سا کہیں بھاگا جا رہا ہے۔" پاپا کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔

"پتا نہیں کیوں پاپا مجھے لگتا ہے کہ عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد انسان شاید زندگی کو اتنا انجوائے نہیں کر سکتا جتنا اس وقت ہم کر رہے ہیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"اچھا تو پھر ایسا کرتے ہیں تمہارے واپس آتے ہی تمہاری شادی کر دیتے ہیں اور تم اپنا ہنی مون لندن جا کر منانا
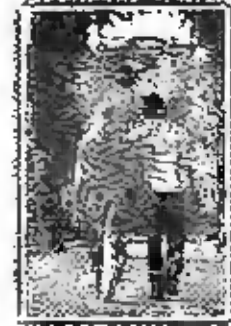
پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ شادی کے بعد کا سفر زیادہ انجوائے فل ہوتا ہے اور یقیناً تمہیں اس سے زیادہ اچھا لگے گا جتنا اس وقت تم محسوس کر رہے ہو۔"

ان کی سرسری انداز میں کی جانے والی گفتگو اس کے آس پاس ایک خطرے کی گھنٹی سی بجا گئی اس نے نظریں اٹھا کر شاپ کے اندر جھانکا سامنے کاؤنٹر کے قریب کھڑی اریشہ منتظر نگاہوں سے اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

"کہیں ایسا نہ ہو میرے واپس جانے سے قبل ہی یہ میری ڈیٹ فکس کردیں اور میرے پہنچتے پہنچتے کارڈ بھی تقسیم ہو چکے ہوں۔"

آج کی گفتگو نے یک دم ہی اسے کئی طرح کی منفی سوچوں میں پھنسا دیا۔

"فی الحال بابا مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اور میں آپ کو کچھ دیر بعد کال بیک کرتا ہوں اللہ حافظ۔"

ان کا جواب سنے بغیر ہی اس نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کر کے فون بند کردیا اسے اندازہ تھا کہ اندر موجود اریشہ کا موڈ اس وقت کافی خراب ہو چکا ہوگا یہ ہی سوچ کر اس نے تیزی سے شیشے کا دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا ہی تھا کہ باہر آنے والی کسی شخصیت سے بری طرح ٹکرا گیا۔

"اوہ سوری آئی ڈڈنٹ سی یو۔"

آواز کسی لڑکی کی تھی ایشال نے ناک رگڑتے ہوئے اپنا سر اٹھایا گرین ٹی شرٹ پر گرین ہی پرنٹڈ اسکارف گلے میں ڈالے ایک گوری چٹی لمبی سی لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اٹس اوکے۔" اس نے بمشکل جواب دیا' بابا کی بات ختم ہوتے ہی سبز لباس والی ایک لڑکی سے ٹکرا وا سے وہم میں مبتلا کر گیا ایسا لگا جیسے یہ رنگ اس کے اور اریشہ کے درمیان حائل ہو گیا ہو حالانکہ وہ توہم پرست نہ تھا پھر بھی جانے کیوں اس عجیب و غریب سوچ نے اس کے دماغ کو بالکل ماؤف سا کردیا اور وہ بنا کچھ کہے اریشہ کا بازو تھامے دکان سے باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

وہ جیسے ہی آفس میں داخل ہوا نگاہ ہال میں رکھی کرسی پر بیٹھی جیبہ پر پڑی جس کے بالکل سامنے بلنگ سیکشن کا عمیر لغاری اپنی ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا جانے ایسی کیا باتیں کر رہا تھا کہ جیبہ کی ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی' شاہ زین کا اچھا بھلا موڈ "فوراً" ہی آف ہو گیا وہ تیزی سے ان کے پاس سے گزرتا اپنے کمرے میں داخل ہوا اور آتے ہی گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جی سر۔ "فوراً" سے پیشتر ہی علی احمد حاضر ہو گیا وہ باہر ہی اپنے صاحب کے موڈ کا اندازہ لگا چکا تھا۔

"مس جیبہ کو بلائیں۔" کرسی کھینچ کر بیٹھنے سے قبل ہی اس نے حکم صادر فرمایا دوسرے ہی پل جیبہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا۔"

عام طور پر اسے کبھی بھی شاہ زین نے اس طرح نہیں بلایا تھا اسی لیے اس کی حیرانی بجا تھی جبکہ دوسری جانب شاہ زین خود بھی اپنی اس غیر اختیاری حرکت کو محسوس کرتے ہوئے کچھ نروس سا ہو گیا تھا اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جیبہ کو کیا جواب دے اس لیے خاموشی سے دراز کھولے اس میں مصروف ہو گیا جب جیبہ نے ایک بار اپنا سوال پھر سے دہرایا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا سر۔"

"لغاری صاحب کی فائل آپ کے پاس ہے؟" بروقت اس سے بہتر سوال اس کی سمجھ میں اور کوئی نہ آیا۔

"جی میرے پاس ہی ہے آپ کو چاہیے۔"

"پلیز اگر زحمت نہ ہو تو ابھی علی احمد کے ہاتھ بھیج دیں۔"

"اوکے سر۔" وہ جیسے ہی واپس پلٹی' شاہ زین کی آواز نے اس کے آگے بڑھتے قدم روک دیے۔

"ایک منٹ جیبہ۔"

"جی سر۔" اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔

"یہ عمر لغاری کو آپ کیسے جانتی ہیں؟"

"مطلب؟" شاہ زین کے سوال نے اسے تھوڑا سا حیران کردیا۔

"وہ یہاں ہمارے ہی آفس کا بندہ ہے سر یعنی میرا کولیگ تو پھر میں کیسے اسے نہیں جانوں گی۔" اس کا جواب خاصا معقول تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر چونکہ اس کا ڈیپارٹمنٹ بالکل علیحدہ ہے اس لیے پوچھ لیا اگر میرا سوال آپ کو برا لگا ہو تو معذرت چاہتا ہوں۔"

"برا تو لگا' کیونکہ کسی سے جان پہچان میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ اس کا تعلق میری جاب سے نہیں ہے مگر پھر بھی بتا دیتی ہوں' ہم دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں ہوتے ہیں۔ میں جاؤں اب۔" بات ختم کر کے اس نے سوالیہ انداز میں شاہ زین کی جانب دیکھا۔

"جی۔" اس نے آہستہ سے جواب دے کر سامنے رکھی فائل قریب کرلی۔

"میں آپ کی مطلوبہ فائل بھیجتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کے پیچھے شاہ زین کچھ خجل سا ہو گیا۔ اپنی جلد بازی میں کی جانے والی اس حرکت پر وہ خاصا شرمسار تھا۔

☼ ☼ ☼

"کتنے ہی دن ہو گئے زینب سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

اس نے کروٹ بدلتے ہوئے اپنے قریب بیٹھے سالار کو مخاطب کیا جو ٹیبل لیمپ کی روشنی میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔

"خیریت۔ یہ تمہیں اتنی رات گئے زینب کیسے یاد آگئی؟"

سائیڈ ٹیبل پر رکھی چھوٹی سی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے اس نے نازیہ پر اک حیرت بھری نظر ڈالی۔

"یاد تو خیر وہ ہمیشہ ہی رہتی ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"عام طور پر میری اس سے فون پر بات ہو جاتی ہے مگر اب ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا مجھے اس سے بات کیے ہوئے' شاید اس کا فون خراب ہے' آج صبح بھی کیا تھا مگر کوئی رسپانس ہی نہیں ملا۔"

"اچھا چلو تم بھی کیا یاد کرو گی' کل شام میں تیار رہنا' اس کے گھر جا کر مل آتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" خوشی سے جواب دیتے ہوئے وہ کہنیوں کے بل اٹھ بیٹھی۔

"سالار۔" اسے پھر شاید کچھ یاد آگیا۔

"ایک بات پوچھوں۔" وہ پرسوچ نگاہیں سالار کے چہرے پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"پوچھو یار کیا پوچھنا ہے' تمہیں کوئی بات پوچھنے کے لیے میری اجازت کی ضرورت کب سے پڑ گئی۔" وہ اپنی کتاب بند کر کے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ کے دل میں کبھی یہ خواہش نہیں جاگی کہ ہمارے بھی بچے ہوں جو ہم سے فرمائش کریں' چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کریں اور..." اس کی آواز بھیگ گئی اور اس سے آگے وہ بول ہی نہ پائی۔

"دیکھو نازیہ یہ ایک فطری خواہش ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی نہیں' کیونکہ مجھ سے زیادہ یہ خواہش تمہارے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ صحیح کہہ رہا ہوں نا۔"

اتنا کہہ کر وہ رکا اور نازیہ کی جانب تصدیق طلب نظروں سے دیکھا۔

"ہاں..." اس نے فوراً" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اعتراف کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی پلکیں بھی بھیگ گئیں۔ جسے سالار نے دیکھا ضرور مگر نظر انداز کر دیا۔

"دیکھو نازیہ یہ ان خواہشوں میں سے ایک ہے جسے پورا کرنا کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں اور جو خواہش ہم خود پوری کرنے میں ایک فیصد بھی قادر نہ ہوں اس کے لیے بھلا اپنے دل کو برا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس طرح زندگی اور موت پر ہمارا اختیار نہیں' بالکل اسی طرح اولاد بھی ہمارے اپنے اختیار کی چیز نہیں' اگر تمہارے نصیب میں ہوا تو یقیناً" وہ تمہاری اس خواہش کو ضرور پورا کرے گا اور اگر نہ کرے تو جان لینا اس میں بھی اس پروردگار کی کوئی مصلحت ہے۔ یہ ہی سوچ کر ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتی رہو' یاد رکھو وہ شکر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

نازیہ کے آنسو سالار کے دل کو دکھی کر گئے۔ اسی لیے وہ اسے اچھی طرح سمجھاتے ہوئے بولا۔

"ویسے میری ڈاکٹر ذکیہ عالم سے بات ہوئی ہے۔ وہ اگلے ہفتے پاکستان آرہی ہیں۔ پھر ہم ان سے ملیں گے تمہاری رپورٹس میں نے انہیں فیکس کر دی تھیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ضرور ہمیں کوئی اچھی خبر دیں گی۔ تمہاری خواہش پوری کرنے کی جس حد تک میں کوشش کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

اس نے نازیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے سارے بال بکھیر دیے۔

"پھر بھی سالار اگر کبھی آپ کو ایسا لگے کہ میرا وجود آپ کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے ادھورا ہے تو پلیز نا کوئی خیال دل میں لائے آپ دوسری شادی کر لیجیے گا۔"

اس نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کھلے دل سے مشورہ دیا۔

"اچھا چلو اب تم سو جاؤ' ہم اس مسئلے پر پھر کبھی بات کریں گے۔"

سالار جانتا تھا کہ اس وقت وہ کافی اپ سیٹ ہے اس لیے بہتر تھا کہ اس لمحہ اس سے کوئی بحث نہ کی جائے۔ نازیہ اس کی بات سن کر بغیر کوئی ضد کیے اپنا تکیہ سیدھا کرتے ہوئے لیٹ گئی۔ سالار بھی ٹیبل لیمپ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اماں اپنا پرانا باکس کھولے جانے اس میں کیا تلاش کر رہی تھیں۔ اس نے ایک' دوبار نظر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر سے اپنے ہوم ورک میں مصروف ہو گئی۔ آج صبح سے ہی گرمی بہت زیادہ تھی۔ سورج چھ بجے سے ہی سوا نیزے پر کھڑا تھا۔ جس کی برستی گرم کرنوں نے ان کے کچے آنگن کو خوب اچھی طرح تپانے کے بعد اس اکلوتے کمرے کا رخ بھی کر لیا تھا۔ جہاں چھت پر لگا پنکھا بالکل ہولے ہولے گھوں گھوں کرتا ایسے گھوم رہا تھا۔ جیسے گرم آگ ہوا کی صورت اندر پھینک رہا ہو۔ ایک' دوبار اس نے اپنا ہوم ورک روک کر دھیرے دھیرے گردش کرتے پنکھے کی جانب بھی دیکھا۔ مگر شاید یہ گرمی صرف اس کو ہی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ جبکہ اس کی ماں اس کی شدت سے بالکل بے نیاز اپنے کام میں بری طرح مصروف تھی کمرے میں چھائی خاموشی کا احساس ہوتے ہی وہ یک دم گھبرا

اٹھی اور اس خاموشی کو توڑنے کے لیے بے اختیار ماں کو پکار بیٹھی۔
خاموشی کو توڑتی اس کی آواز کچھ عجیب سی محسوس ہوئی۔
"کیا بات ہے؟" اماں نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے اپنا بکس بند کر دیا۔
"آج بہت گرمی ہے۔" وہ اپنی کاپی اٹھا کر بالکل پنکھے کے نیچے آ گئی۔ اس کی قمیص پسینے سے بھیگ کر کمر سے چپک سی گئی تھی۔
"مئی کے مہینے میں ہمیشہ اتنی ہی گرمی ہوتی ہے۔" اماں اپنا بکس بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"ہاں مگر آج شاید کچھ زیادہ ہی ہے یا پھر ہمارا پنکھا بہت سلو چل رہا ہے۔"
"ہو سکتا ہے۔" وہ ہمیشہ اتنی ہی مختصر بات کرنے کی عادی تھیں، جواب دے کر وہ کمرے کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔
"آپ کہاں جا رہی ہیں۔"
اتنی کڑکتی دھوپ میں ماں کو کمرے سے باہر جاتا دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر سکی اور فوراً ہی بول اٹھی۔
"صبح کپڑے بھگوئے تھے سوچ رہی ہوں انہیں دھو کر خود بھی نہا لوں۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔
"اماں نہا کر آئیں تو میں بھی نہا لیتی ہوں۔" یہ خیال دل میں آتے ہی وہ جلدی جلدی اپنا ہوم ورک ختم کرنے لگی اور جب فارغ ہو کر باہر نکلی تو دھوپ کی شدت میں خاصی کمی تھی۔ سامنے والی دیوار کا سایہ بڑھ گیا تھا۔ شاید آسمان پر بادل آ گئے تھے۔ اس نے ہاتھوں کا چھجا سا بنا کر اوپر دیکھا۔ سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ اس نے اپنی کاپی بند کر کے بیگ میں ڈالی اور خود دروازے کی چوکھٹ پر آ بیٹھی اس دم اماں دھلے ہوئے کپڑوں کی بالٹی ہاتھ میں تھامے باتھ روم سے باہر نکلیں۔ وہ عام طور پر گرمیوں میں نہانے کے بعد تولیہ استعمال نہیں کرتی تھیں۔ اس سبب ان کی قمیص پانی سے گیلی ہو گئی تھی۔ اس نے غور سے اپنی ماں کے چہرے کو تکا، زمانے کے سرد و گرم نے انہیں بہت بدل دیا تھا، مگر آج بھی انہیں دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا کہ یہ کھنڈر زدہ عمارت کسی زمانے میں بہت عالی شان رہی ہوگی۔ وہ خاموشی سے انہیں تار پر کپڑے پھیلاتے دیکھ رہی تھی کہ جانے کہاں سے ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔
"اماں۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک بار پھر انہیں پکارا۔
"اب کیا ہو گیا؟" اپنا دوپٹا اچھی طرح نچوڑ کر انہوں نے سارا پانی نکالا اور پھر اسے تار پر پھیلاتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا۔
"اماں آپ کی کوئی بہن نہیں ہے۔"
"نہیں۔" مختصر سا جواب دے کر وہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔
"اور بھائی۔" وہ پھر سے بول اٹھی۔
"نہیں۔" اماں نے بالٹی بھر کر پانی سارے صحن میں بہا دیا یا فرش کی گرمی پہلے سے کہیں کم ہو گئی۔
"ہمارا کوئی بھی رشتہ دار کیوں نہیں ہے؟"
کئی زمانے سے دل میں آئے سارے سوال دھیرے دھیرے اس کے لبوں پر آ گئے۔ اماں نے حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ انہوں نے شاید کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنے سالوں بعد اپنی اولاد کو ان تمام سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔ اچانک ہوا چلی تار پر پھیلایا ہوا دوپٹا نیچے گر کر خراب ہو گیا۔ انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنا دوپٹا اٹھایا۔
"اماں آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

بیٹی نے ایک بار پھر جواب طلبی کی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا وہ چوکھٹ پر بیٹھی ان ہی کی جانب متوجہ تھی۔
"کس بات کا جواب۔" وہ ایک دم ہی انجان بنتے ہوئے دوبارہ سے باتھ روم میں گھس گئیں۔ تاکہ دوپٹے کو ایک بار پھر سے صاف پانی سے نتھار لیا جائے، اور خوب دیر لگا کر واپس نکلیں۔ وہ ابھی بھی چوکھٹ پر بیٹھی شاید ان کے جواب کی منتظر تھی۔ ایک ایسا جواب جو دینے والے کے دل کے اندر ترازو ہو گیا تھا۔
"تم نے اپنا ہوم ورک ختم کر لیا۔" وہ اس کی توجہ ہٹانے کے لیے بولیں۔
"تھوڑا سا رہ گیا ہے، ابھی کر لیتی ہوں مگر آپ پہلے میری بات کا جواب دیں، ہمارا کوئی ماموں، خالہ، پھوپھی کیوں نہیں ہیں۔ جیسے دوسروں کے ہوتے ہیں ہمارے گھر کبھی بھی کوئی رہنے کیوں نہیں آتا اور نہ ہی ہم کہیں جاتے ہیں ہمارے گھر کبھی بھی کوئی مہمان عید، بقرعید پر نہیں آتا۔ ایسا کیوں ہے۔ جواب دیں اماں۔" وہ اپنا چہرہ ہتھیلی پر دھرے پرجوش انداز میں بولتی چلی گئی۔
"کیا ہمارا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" ماں کی خاموشی سے اس نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا، اک حسرت سی اس کے لہجے میں گھل گئی۔
"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل اٹھیں، ایسا لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے کر مسل دیا ہو۔ لاکھ چاہا ہر رشتے سے انکار کر دیں مگر ہائے دل مانا ہی نہیں کہ سب کے ہوتے ہوئے انہیں جھٹلا دیا جائے۔
"سب ہیں مگر ہم سے کوئی نہیں ملتا، سمجھو ہم ان سب کے لیے مر گئے۔"
انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گئیں۔
"کیوں ہم نے ایسا کیا کیا ہے اماں، جو جیتے جی سب کے لیے مر گئے۔" ایک اور سوال۔
اب وہ کیا بتاتیں کہ سب ان کے اعمال کا کیا دھرا ہے جو وہ ساری دنیا سے کٹ کر اس طرح بے سرو سامانی کی حالت میں تن تنہا زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ انہیں آج زندگی میں پہلی بار افسوس ہوا کہ وہ اسے اپنے ساتھ کیوں لے آئیں اور اگر لے ہی آئی تھیں تو جب اس کے باپ نے اپنی بیٹی کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا تو بلا چون چرا واپس کر دیتیں کم از کم آج وہ تو یہ زندگی نہ گزارتی جو ان کا مقدر بن گئی تھی۔ "اے کاش گزرا وقت ایک بار واپس آ جائے تو شاید یہ معصوم اس گندی دلدل سے نکل جائے جو میں نے خود اپنے لیے منتخب کی اور ساتھ اسے بھی گھسیٹ لیا۔"
انہوں نے ایک افسوس بھری نگاہ اپنے قریب موجود اپنی بیٹی پر ڈالی جس کا اس بھری دنیا میں ان کے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ ایک بار پھر پوری شدت سے پچھتائیں یہ ایک پچھتاوا ہی تو تھا جو روگ کی طرح ان کی پوری زندگی پر محیط ہو گیا تھا۔ ان کا دل بھر آیا اور وہیں گھٹنوں میں سر دے کر بے اختیار رونے لگیں۔
میں تو اسے اپنے ساتھ بھلے کے لیے لائی تھی کیا پتا تھا کہ وہ وقت میرے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل جائے گا، نہ میرے آگے کچھ رہے گا اور نہ ہی پیچھے کچھ باقی بچے گا، سب ملیامیٹ ہو جائے گا۔ اچھی زندگی کی خواہش سے میرا سب کچھ چھین لے گا۔ کاش میں جان جاتی کہ برائی کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ انسان بہت کچھ سوچتا ہے مگر ہمیشہ وہی ہوتا ہے، جو وہ سوہنا رب چاہتا ہے، جو اس کے نصیب میں لکھ دیا جاتا ہے۔"
"اماں۔" کندھا ہلانے پر انہوں نے اپنے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔
"بتائیں نا نہ اماں، ہم سے کوئی کیوں نہیں ملتا۔"
پھر وہ ہی سوال شاید وہ اپنی تنہائی سے تنگ آ چکی تھی مگر ابھی وہ خود اس قابل نہ تھیں کہ اپنی بیٹی کے اس سوال کا جواب دیتیں جانتی تھیں کہ ایک دفعہ انہیں اپنی بیٹی کے اس مشکل ترین سوال کا جواب ضرور دینا پڑے گا۔
"بتاؤں گی۔ ضرور بتاؤں گی مگر ابھی تم پڑھو اور ہاں کوشش کرنا کہ مجھ سے ایسا سوال دوبارہ کبھی مت کرنا تم نہیں

جانتیں ایسے سوال میرے دل کو اندر تک چیر دیتے ہیں۔"

آخری جملہ انہوں نے اپنے لبوں میں اس طرح ادا کیا کہ آواز قریب کھڑی بیٹی تک نہ جاسکے اور پھر گھٹنوں میں سر دبا کے سسکنے لگیں۔

"سچ ہے جیتے جی انسان کبھی بھی اپنے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا یہ ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے جسے سمجھانے کے وقت جیسا استاد درکار ہوتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

آج اس کا یونیورسٹی میں داخلہ انٹرویو تھا اور وہ خاصی نروس سی تھی اس سے پہلے اس نے کبھی اس قسم کا انٹرویو نہیں دیا تھا اس نے اچھی طرح تیار ہو کر قد آدم آئینہ میں اپنا جائزہ لیا ان کے بلیک اور وائٹ سوٹ کے ساتھ لمبے سے بالوں کی چوٹی میں اس کا چہرہ بالکل صاف اور شفاف نظر آرہا تھا۔ میک اپ کے نام پر صرف پنک لپ گلوس اس کے ہونٹوں پر تھا اپنے قریب رکھی کالی چادر اٹھا کر اس نے کھولی ہی تھی کہ یکدم سکینہ بول اٹھی۔

"ارے بچے تمہارے سوٹ کا دوپٹا بہت بڑا ہے اسے کھول کر اچھی طرح اوڑھ لو کیا ضرورت ہے اتنی بڑی چادر اوڑھنے کی ویسے بھی گاڑی میں جانا اور گاڑی میں ہی واپس آنا کون سا تم بس میں سفر کرنے جارہی ہو۔"

"اچھا....." اس نے چادر کھولتے کھولتے ہاتھ روک کر سکینہ کو دیکھا۔

"ہاں بیٹا اس بار تو ملک صاحب بھی ڈھکے چھپے کہہ گئے کہ ایشال کو فیشن کرنے والی لڑکیاں پسند ہیں اور بات بھی ٹھیک ہے ساری زندگی یورپ میں گزارنے والا تم جیسی لڑکی کو کیسے پسند کرے گا سو جو زادہ تو انگریزوں میں رہنے کا عادی ہو گیا ہے کچھ نہ سہی تو بچہ اپنے شوہر کی خواہش کے مطابق خود کو ڈھالو آخر ملک صاحب اسی لیے تو تم کو اتنی تعلیم دلا رہے ہیں ورنہ میٹرک کروا کے گھر بٹھا دیتے۔"

سکینہ خالہ اول تو بات ہی کم کیا کرتیں مگر جب کرتیں تو بنا مکمل وضاحت خاموش ہی نہ ہوتیں ابھی بھی ایسا ہی ہوا جانے ملک صاحب کی کہی ہوئی کس بات کو انہوں نے اپنی مرضی کے معنی پہنا کر ہر بات اسے سمجھا دی کیا سچ تھا اور کیا غلط وہ کچھ سمجھ نہ پائی مگر اتنا ضرور ہوا کہ ایشال کا نام سنتے ہی بنا کوئی بحث کیے اس نے خاموشی سے چادر اتار کر قریب رکھی کرسی پر ڈال دی' سوٹ کا دوپٹا استری اسٹینڈ سے اٹھا کر اوڑھتے ہوئے ٹیبل سے ہینڈ بیگ بھی اٹھالیا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی باہر کی جانب چل دی' سکینہ اس کے پیچھے پیچھے ہی تھیں تاکہ باہر کا دروازہ بند کرسکیں جب وہ دروازے کے باہر نکلتے نکلتے رک گئی۔

"اللہ حافظ آنٹی۔" آہستہ سے کہہ کر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ کامیاب کرے۔" اپنے پیچھے آتی سکینہ کی آواز اسے اپنی ماں کی یاد دلا گئی' وہ بھی ہمیشہ اس کے لیے اسی طرح دعا کیا کرتی تھیں اسے اچھی طرح یاد تھا وہ پانچ وقت کی نماز کے بعد ہمیشہ اماں کے سر پر جا کھڑی ہوتی۔

"اماں میرے لیے اچھی سی دعا کرنا۔"

"اللہ ہمیشہ میری بچی کو ہر امتحان میں کامیاب کرنا۔" ماں کا یہ جملہ ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔

"آمین۔" خالہ سکینہ کی دعا کا جواب دل ہی دل میں دیتی وہ سیڑھیاں اتر گئی۔

☼ ☼ ☼

اسے بریانی بے حد پسند تھی' اس لیے آج وہ صبح سے کچن میں گھسی بریانی کی تیاری کر رہی تھی ساتھ ہی اس نے فریج سے کھیرے نکال کر ٹوکری میں دھو کر رکھ دیے تاکہ پانی خشک ہونے کے بعد انہیں کاٹ لے' بریانی کے

ساتھ وہ ہمیشہ دہی میں کھیرے ڈال کر رائتہ تیار کرتی جو اسے بے حد پسند تھا' اس نے سالن میں چاولوں کی تہ لگا کر دم دے دیا' بریانی کی خوشبو اس کے نتھنوں میں گھس کر اس کی بھوک کو مزید بڑھا گئی' اب اس کا ارادہ جلدی جلدی نہا کر کپڑے تبدیل کرنے کا تھا تاکہ اس کے بعد اطمینان سے اندرلی وی کے سامنے بیٹھ کر اچھی طرح بریانی سے لطف اندوز ہوسکے کہ اچانک ہی کسی نے باہر کی بیل بجادی۔

"یہ اتنی گرمی میں اس وقت کون آگیا" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"مریم... مریم بیٹا دیکھو باہر کون ہے؟"

اس نے وہیں کھڑے کھڑے مریم کو آواز لگائی' دوسرے ہی پل مریم دوڑی دوڑی کچن میں داخل ہوئی اور پھولی ہوئی سانسوں میں بتایا۔

"ماں سالار انکل آئے ہیں۔"

"اس وقت....." وہ تھوڑا سا حیران ہوئی اور دروازے پر لٹکا اپنا دوپٹا اتار کر تیزی سے باہر دروازے کی جانب آگئی جہاں سالار کے ساتھ نازیہ بھی موجود تھی۔

"ارے آپ لوگ باہر کیوں کھڑے ہیں اندر آجائیں۔"

ان دونوں کو اچانک اس طرح اپنے گھر کے دروازے پر دیکھ کر وہ اس قدر حواس باختہ ہوئی کہ سمجھ ہی نہ آیا کیا کرے۔

"میں صرف نازیہ کو چھوڑنے آیا ہوں یہ تم سے ملنے کے لیے خاصی بے قرار تھی' اس لیے سوچا ابھی چھوڑ دوں شام میں واپس جاتے ہوئے لے لوں گا تم ڈسٹرب تو نہیں ہوئیں۔"

اسی طرح بنا بتائے بھری دوپہر زینب کے گھر آنے پر ہلکی سی شرمندگی کا احساس سالار کو بھی ہوا۔

"نہیں میں نے بھلا کیوں ڈسٹرب ہونا ہے بلکہ اچھا ہوا یہ آگئی میرا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔" وہ اس کی شرمندگی کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"چلو میں چلتا ہوں پانچ بجے تک تمہیں پک کرلوں گا۔"

اس دفعہ اس نے نازیہ کو مخاطب کیا جو بالکل خاموش کھڑی تھی۔

"اللہ حافظ" وہ دھیرے سے کہتی اندر داخل ہوگئی' زینب اس کا ہاتھ تھامے اپنے اپنے کمرے میں ہی لے آئی جہاں بستر پر سامنے ہی جگنو سو رہی تھی۔

"تم یہاں بیٹھو میں ابھی کھانا لے کر آتی ہوں۔"

اسے وہاں چھوڑ کر وہ واپس ہی پلٹی تھی کہ نازیہ نے آواز دے کر روک لیا۔

"ایسا کرو تم باہر برآمدے میں رکھی ٹیبل پر کھانا لگاؤ میں بھی وہیں کھاؤں گی۔"

نازیہ بنا تکلف کہتی اس کے پیچھے ہی باہر آگئی۔

زینب نے کھانے کے ساتھ اسکواش بھی بنالیا اور پھر دونوں نے نہایت خوشگوار ماحول میں مزے کے ساتھ خوب ڈٹ کر کھایا۔

"تم بریانی بہت لذیذ بناتی ہو۔"

کھانے کے دوران کئی بار نازیہ نے اپنا یہ جملہ دہرایا' اور ہر بار وہ اس جملے کو سن کر شرمندہ ہوتی گئی کیونکہ جانتی تھی کہ نازیہ بہت بہترین کوکنگ کرتی تھی' جس کی ہمیشہ سالار تعریف کیا کرتا اور پھر شام تک نازیہ اس کے ساتھ رہی تقریباً پانچ بجے جب سالار اسے لینے آیا تو خوب لدا پھندا تھا ڈھیروں ڈھیر بیکری کے سامان کے ساتھ ساتھ کئی طرح کا فروٹ' مریم اور جگنو کے لیے کچھ کھلونے جسے لا کر اس نے ٹیبل پر ڈھیر کردیا' زینب بنا کسی جرح

کے تمام سامان اٹھا کر اندر کچن میں لے آئی عرصہ ہوا اُس نے سالار کے ساتھ روایتی مکالمہ بازی کا عمل ترک کردیا تھا اس کی لائی ہوئی ہر چیز وہ پورے استحقاق سے استعمال کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات تو بتاؤ۔" سامان پیک کرتے کرتے جیسے اریشہ کو یاد آگیا۔

"کون سی بات۔"

ایشال جو پیکنگ میں اس کی مدد کر رہا تھا پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تم واپس جا کر اپنی اس کزن سے شادی کرلو گے جس سے کئی سال قبل نکاح کرکے آئے تھے۔"

دل میں دبا کئی سال پرانا خدشہ بالآخر اس کے لبوں تک آہی گیا کیونکہ دو دن بعد ان کی فلائٹ تھی اور وہ دونوں اپنی تعلیم مکمل کرکے واپس جا رہے تھے اسی لیے شاید آج وہ چاہتی تھی کہ اپنی ہر بات کی وضاحت کرے تاکہ بعد میں کسی قسم کا کوئی مغالطہ اس کی زندگی خراب نہ کرے اور اس سوال کا کیا جواب دے یہ خود ایشال کی سمجھ میں بھی نہ آیا۔

"میں نے کوئی اتنا مشکل سوال نہیں کیا جس کا جواب دینے میں ہی تم نے پندرہ منٹ لگا دیے ہاں یا نہ کہو اور بات ختم کرو۔"

ایشال کی خاموشی نے اریشہ کا موڈ یک دم ہی آف کردیا۔

"تمہیں کس نے یہ کہا کہ میں اس لڑکی سے شادی کرلوں گا جس کا آج تک مجھے نام بھی معلوم نہیں۔"

جواب دینے کے بجائے الٹا اس نے خود سوال کر ڈالا۔

"ظاہر ہے جب بنا نام پوچھے نکاح کے پیپرز پر سائن کر آئے تھے تو شادی بھی کرو گے ہی نا ویسے بھی اب تو صرف رخصتی باقی ہے باقی سب کچھ تو ہو گیا ہے۔"

وہ بیگ کی زپ بند کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے بولی۔

ایشال نے صرف ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی جو شاید غصہ کے باعث ہلکا سا سرخ ہو گیا تھا اور ایسا یقیناً "اس کے نکاح کے ذکر کے باعث ہوا تھا" وہ خاموشی سے آگے بڑھا' اریشہ کے سامنے رکھا بیگ اپنی جانب کھسکایا اور خاموشی سے زپ بند کردی۔

"ضروری نہیں ہے کہ اگر بچپن میں میری مرضی کے خلاف میرا نکاح کردیا جائے تو میں اب اسے رخصت کروا کے اپنے گھر بھی لے آؤں میں اب بالغ اور سمجھ دار ہوں' شادی کا فیصلہ کرنے کا اختیار مجھے میرے مذہب نے بھی دیا ہے تو پھر میں کیوں وہ زندگی اپنے لیے منتخب کروں جو مجھے پسند نہ ہو۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔

"میں فیصلہ کرچکا ہوں واپس جاتے ہی اسے طلاق دے دوں گا۔" وہ فیصلہ کن لہجہ میں بولا۔

"تم کیا سمجھتے ہو یہ سب کچھ بہت آسان ہے اور انکل تمہیں ایسا کرنے دیں گے۔"

وہ جانتی تھی کہ بہت مشکل ہے ایشال کا اپنے فیصلہ پر عمل در آمد کرنا اور اس سلسلے میں اسے ملک انکل کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ کبھی بھی یہ نہ چاہیں گے کہ ایشال ان کی بھتیجی کو چھوڑ کر اریشہ سے شادی کرے اس کے نزدیک جذبات سے زیادہ عقل ایسے تمام اعمال کے لیے ضروری تھی۔

"وہ بعد کی بات ہے فی الحال جو فیصلہ مجھے کرنا تھا میں نے کرلیا اور میرے اس فیصلے میں مما بھی میرے ساتھ کھڑی ہیں میں تنہا نہیں ہوں اور مجھے یقین ہے مما کے سامنے پاپا کی ایک نہیں چلنے والی۔"

باپ کے خوف پر ماں کی مدد کا جذبہ غالب آگیا ویسے بھی اسے اپنی ماں پر پورا بھروسا تھا کہ ان کی مرضی کے خلاف پاپا کبھی بھی اس کی شادی نہیں کرسکتے۔ "اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا تم فکر مت کرو میں تمام معاملہ حل ہونے کے بعد جلد ہی مما پاپا کو تمہارے گھر بھیج دوں گا بس اس مسئلے کے حل ہونے تک تمہیں تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا اور اگر کوئی مشکل پیش آئے تو میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

وہ اریشہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے ایک جذب کے عالم میں بولا۔

یہ پہلا عہد تھا جو آج اتنے سالوں میں اس نے کیا تھا اور یہ سب سننے کے لیے اریشہ کے کان جانے کب سے منتظر تھے وہ شروع سے جانتی تھی کہ ایشال اسے پسند کرتا ہے' ایشال بھی اس کی دل کی کیفیت سے آگاہ تھا مگر ایشال کے نکاح نے ان دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی دیوار سی کھڑی کر رکھی تھی۔ جسے آج ایشال نے گرا دیا "بولو اریشہ میرا ساتھ دو گی۔"

اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر وہ پھر سے پوچھ بیٹھا۔

"میں تو ہمیشہ سے ہی تمہارے ساتھ ہوں بے شک جیسے بھی حالات ہوں۔" اس اقرار نے اسے پرسکون کردیا۔

"ٹھیک ہے اب جو کچھ ہوگا اسے واپس جا کر اکٹھے' ایک ساتھ بھگتیں گے۔"

اس جواب نے ایشال کو ایک دم ہلکا پھلکا کردیا اور وہ جیسے شانت ہوتا ہوا بولا۔

"ویسے ایک بات کہوں ایشال یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا سمجھ رہے ہو تمہیں اس سلسلے میں انکل کی ایک زوردار مخالفت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"

اریشہ کا خدشہ سو فیصد درست تھا اور یہ بات ایشال خود بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

"جانتا ہوں اور اس کے لیے میں ذہنی طور پر تیار بھی ہوں اسی لیے یہاں ایک کمپنی میں اپنی جاب کے لیے پیپرز دے کر جا رہا ہوں تاکہ اگر مجھے اپنا گھر بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دوں مگر میں کسی بھی صورت ایسی لڑکی کو بیوی بنا کر اپنے گھر نہیں لا سکتا جس کی ماں کی بدچلنی کے قصے پورے خاندان میں مشہور ہوں۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا اور اریشہ کے منتظر چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ "اور اگر میں یہ سب کچھ بھول کر اسے اپنانے کا سوچ بھی لوں تو تمہاری محبت مجھے کبھی اس کا ہونے نہ دے گی اور یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتی ہو۔"

اریشہ کے چہرے پر اک اطمینان پھیل گیا' یہ ہی تو وہ جملہ تھا جسے سننے کی وہ ہمیشہ سے منتظر تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جب اسکول سے واپس گھر آئی تھی اماں کو اندر کمرے میں چارپائی پر بے سدھ ہی پڑے دیکھا بخار تو انہیں رات سے ہی تھا مگر شاید اس وقت اس کی شدت زیادہ ہو گئی تھی اب اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ ان حالات میں کیا کرے۔ جس سے اس کی بستر پر پڑی ماں فوراً" سے پیشتر چاق و چوبند ہو جائے' اسے ہمیشہ سے ہی گھر میں چھایا سناٹا کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا گھر میں پھیلی خاموشی سے اسے گھبراہٹ ہوتی تھی اب تو اس سے باتیں کرنے والی واحد ہستی بھی چپ چاپ آنکھیں موندے بستر پر نڈھال پڑی تھی آخر گھر میں چھائی ویرانی سے وہ گھبرا گئی اور ماں کی چارپائی کے قریب جا بیٹھی۔

"اماں۔۔۔ اماں۔"

ماں کا ہاتھ تھام کر اسے پکارتے ہوئے وہ بالکل روہانسی سی ہو گئی اور ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے

جب وہ ماں کے سرہانے بیٹھی بے اختیار ٗ بے آواز روتے چلی جارہی تھی کہ اچانک اس پل کمرے کا پردہ ہٹا کر رابعہ والی فاطمہ خالہ فرشتے کی صورت اندر داخل ہوئیں انہوں نے اپنے ہاتھوں میں ایک بڑا سا سلور کا کٹورا اٹھا رکھا تھا۔

"آ گئیں تم اسکول سے۔" اس پر نظر پڑتے ہی وہ بڑی محبت سے بولیں۔

"جی خالہ۔۔۔۔"

انہیں دیکھ کر وہ جلدی اپنی آنکھیں صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے جب سے آئی ہوں ایسے ہی پڑی ہیں نہ آنکھیں کھولتی ہیں اور نہ ہی میری کسی بات کا جواب دے رہی ہیں۔"

انہیں بتاتے بتاتے وہ ایک بار پھر سے رونے لگی۔

"ارے بیٹا رو کیوں رہی ہو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو وہ اپنا کرم ضرور کرے گا۔"

اسے خود سے لگاتے ہوئے خالہ نے بڑے پیار سے تسلی دی تھوڑی ہی دیر میں اس کے آنسو تھم سے گئے۔

"بیٹا یہ کٹورے میں برف ہے اسے کولر میں ڈال لو پھر کسی برتن میں ٹھنڈا پانی لاؤ تاکہ تمہاری ماں کی پٹیاں کریں اس سے ان شاء اللہ بخار کی شدت میں ضرور کمی ہوگی۔"

اس نے خالہ کے ہاتھ سے کٹورا اٹھا اور جلدی سے کچن میں جا کر ان کی تمام ہدایات پر عمل کرتی ہوئی ٹھنڈا پانی اور ساتھ ہی کپڑے کا ایک ٹکڑا لیے واپس آ گئی اور پھر جلدی جلدی پانی میں کپڑا بھگو کر ماں کے ماتھے پر رکھا۔

"تم نے کھانا کھایا؟" ٹھنڈے پانی سے اس کی ماں کے پاؤں گیلے کرتیں خالہ کو جیسے اچانک ہی یاد آیا اور وہ اس کے ستے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوال کر بیٹھیں۔

"نہیں۔۔۔" جواب کے ساتھ ہی اس نے نفی میں اپنا سر ہلایا۔

"معاف کرنا بیٹا تین بج گئے اور مجھے یاد ہی نہ رہا کہ تم بھوکی ہو۔" وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم لگاتار پٹیاں کرواپنی ماں کو یہ ابھی ہوش میں آجائے گی اتنی دیر میں میں تم لوگوں کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

"جی اچھا۔۔۔" اثبات میں جواب دے کر وہ پھر سے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اسے اپنی ماں کے بعد اگر کسی کا تھوڑا بہت بھی سہارا تھا تو وہ واحد فاطمہ خالہ تھیں جوان دونوں ماں بیٹی کا خیال بالکل اپنوں کی طرح رکھتی تھیں صرف پانچ منٹ بعد جب وہ واپس آئیں تو ایک بڑی سی پلاسٹک کی پلیٹ تھامے ہوئی تھیں۔

"یہ بریانی ہے رات میری بہن کے گھر دعوت تھی واپسی میں اس نے ڈھیروں ڈھیر ساتھ ہی دے دی اب جتنی تمہیں کھانی ہے سو کھالینا باقی سنبھال لینا رات میں کام آئے گی پھر بھی اگر تمہیں کچھ ضرورت پڑے تو میری دیوار بجانا میں آجاؤں گی۔"

انہوں نے اسے پلیٹ تھماتے ہوئے سمجھایا' بریانی کی خوشبو ناک میں جاتے ہی اس کی بھوک چمک اٹھی ذرا سی دیر میں وہ اپنی ماں کی بیماری بھی بھول گئی اسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ آخری بار اس نے بریانی کب کھائی تھی شاید کئی زمانے بیت گئے وہ تو اپنی ماں کے ساتھ روکھی سوکھی کھانے کی ہی عادی ہو چکی تھی جلدی سے پلیٹ تھام کر اس نے کچن کی جانب جانے کے لیے اپنا قدم اٹھایا ہی تھا کہ پیچھے سے آتی ہلکی سی ماں کے کراہنے کی آواز نے اسے پھر اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"ہائے۔۔۔" اس نے پلٹ کر دیکھا وہ تکلیف کی شدت سے آہستہ آہستہ تکیہ پر سر مار رہی تھیں وہ وہیں رک گئی ایک ہی پل میں اس کی بھوک پیاس سب ختم ہو گئی۔

"تم جاؤ کھانا کھاؤ میں اسے دیکھتی ہوں۔"
خالہ نے اسے اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر کہا اور خود جلدی سے ٹھنڈے پانی کا کٹورا اٹھاتے ماں کے سرہانے جا کھڑی ہوئیں۔
"میرا خیال ہے تمہاری ماں بھی بھوکی ہے۔"
شاید اس کی ماں کے چہرے پر چھائی زردی نے انہیں یہ احساس دلایا وہ کچن میں جاتے جاتے رک گئی اسے یاد آیا ماں نے رات سے کچھ نہ کھایا تھا۔ سوائے ایک کپ چائے کے جو بڑی مشکل سے ان کے حلق سے اتری تھی رات انہوں نے روٹی پکائی ضرور تھی مگر کھانے کو دل نہ چاہا بخار کی وجہ سے ان کا حلق کڑوا ہو گیا تھا اس لیے وہ کچھ بھی نہ کھا پا رہی تھیں۔
"ایسا کرو تم گلاس میں پانی لا کر اسے پلاؤ میں اس کے لیے بھی کچھ لاتی ہوں۔"
وہ ایک بار پھر پاؤں میں چپل پھنسا کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور اگلے ہی پل جب وہ واپس آئیں تو چائے کے ایک کپ کے ساتھ کچھ بسکٹ بھی تھے جنہیں چائے میں ڈبو ڈبو کر انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے ماں کے حلق میں اتارے دو ہی بسکٹ کھانے کے بعد اماں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا وہ کچن میں کھانا کھاتے ہوئے مسلسل دروازے سے باہر جھانک رہی تھی ماں کے کراہنے کی آواز کچھ ہی دیر میں قدرے کم ہو گئی شاید وہ سو گئی تھیں جب خالہ اندر سے باہر نکلیں۔
"میں گھر کا ایک چکر لگا آؤں بہو کو پکانے کے لیے کچھ لا دوں ورنہ وہ سارا وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی۔ سوچ رہی ہوں آج رات یہاں ہی سو جاؤں تمہارے پاس بھلا تم اکیلی بچی بیمار ماں کو کیسے سنبھالو گی۔"
وہ بات جو وہ کہنا چاہتی تھی خالہ نے خود ہی کہہ دی۔
"ہاں خالہ آپ رات یہاں ہی آ جائیں مجھے تو ویسے بھی اکیلے گھر میں بہت ڈر لگتا ہے۔" وہ ایک بار پھر روہانسی ہو گئی۔
"رومت بیٹا میں آتی ہوں۔" اسے تسلی دیتی وہ باہر نکل گئیں اور پھر اپنے وعدے کے مطابق عشاء پڑھ کر جب واپس آئیں تو ماں کے دلیہ بھی بنوا لائی تھیں۔ اس وقت تک ماں کا بخار بھی پہلے سے کم ہو گیا تھا انہوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنے ہاتھوں سے دلیہ بھی کھا لیا۔
"سچ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔" فاطمہ خالہ کو دیکھ کر ساری رات یہ ہی ایک خیال اس کے دل میں آتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اس کا انٹرویو بہت اچھا ہوا اور ملک صاحب کی منتخب کردہ ایک بہترین یونیورسٹی میں داخلہ بھی ہو گیا ویسے بھی اس کا کالج کو ایجوکیشن تھا دو سال وہاں لڑکوں کے ساتھ پڑھ کر اس میں خاصی خود اعتمادی پیدا ہو چکی تھی جسے وقت نے خاصا بڑھا دیا تھا اسے یاد تھا۔
شروع میں جب وہ اپنے محلے کا سرکاری اسکول چھوڑ کر شہر کے ایک بہترین اسکول گئی تھی تو خاصی ڈری سہمی رہا کرتی تھی مگر جب وہ اسکول کے دو سال مکمل کر کے باہر نکلی تو خاصی تبدیل ہو چکی تھی شاید اچھا لباس، اچھی تعلیم اور بہترین گاڑی کی سہولت نے اس کے اندر موجود ڈر اور خوف نکال دیا تھا دو سال اسکول کی تعلیم کے دوران وہ اسکول ہی کے ہاسٹل میں رہی اور پھر ملک صاحب نے اسے شہر کے ایک پوش علاقے میں فلیٹ لے دیا جہاں فضل دین اور اس کی بیوی سکینہ اس کے ساتھ تھے اب وہ مغل پورہ کی پرانی گلیوں سے نکل کر سمن آباد کی باسی بن

چکی تھی ماں جیسا عظیم رشتہ کھونے کے بعد وہ ایک معزز شہری کا اعزاز حاصل کرنے کے قابل ہو گئی تھی اسے اچھی طرح یاد تھا کالج میں پڑھنے کے دوران کس طرح کلاس کے لڑکے اس سے خائف رہا کرتے تھے کیونکہ وہ کبھی کسی سے زیادہ فری ہو کر بات ہی نہ کیا کرتی تھی۔
عام طور پر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کسی وڈیرے یا جاگیردار کی بیٹی ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر میں رہ رہی ہے اس نے کبھی بھی کسی کے اس خیال کی تردید یا تصدیق نہ کی یہاں تک کہ اس کی اکلوتی اور بہترین دوست حفصہ بھی اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہ جانتی تھی مگر اب یونیورسٹی آتے ہی اس نے اپنا رویہ تھوڑا سا تبدیل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ لوگوں میں تھوڑا بہت گھل مل جائے جس میں اسے خاصی کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

☼ ☼ ☼

اریشہ کا رشتہ آیا ہوا تھا شاہ زیب خان اس کے پاپا کے بزنس پارٹنر کا بیٹا تھا جو حال ہی میں لندن سے بینکنگ کی اعلا تعلیم حاصل کر کے وطن واپس لوٹا تھا اور یہ خبر اریشہ نے جب سے فون پر ایشال کو دی تھی وہ بے چین سا گھر میں پھر رہا تھا مما بازار گئی ہوئی تھیں ورنہ وہ ابھی انہیں ساتھ لے کر ماموں کی طرف چلا جاتا اس ساری ٹینشن میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ خود کسی کی ذات سے منسوب ہے اور جب تک اس کا نام اس انجان لڑکی کے ساتھ رہے گا ماموں کبھی بھی اریشہ کا رشتہ نہ دیں گے۔
اریشہ خود بھی پاکستان آتے ہی فوراً "سر پر پڑنے والی اس شاہ زیب نامی افتاد سے خاصی پریشان تھی جس کا اندازہ اس کی کچھ قبل آنے والی فون کال سے ایشال کو ہو چکا تھا اب یہ لازمی ہو گیا تھا کہ ایشال اپنی زندگی کے اس سب سے بڑے مسئلے کو فوری طور پر حل کرے اسے محسوس ہوا جیسے وہ ایک دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سے ایک راستہ اسے اریشہ کی طرف لے جاتا ہے جس کے ساتھ اس کی دنیا بھر کی خوشیاں جڑی تھیں اور دوسرا راستہ پاپا کے ساتھ چلتے ہوئے اس سبز دوپٹے والی لڑکی تک جاتا تھا جہاں پہنچ کر شاید زندگی کی ہر خوشی اس پر ختم ہو جاتی اور یہ دوسرا راستہ اپنانا اس کے نزدیک موت کو گلے لگانے کے مترادف تھا۔
اب وہ وقت آ چکا تھا کہ وہ اپنے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرے اور وہ راستہ کون سا تھا اس کا فیصلہ تو وہ بہت پہلے ہی کر چکا تھا اور اب یہ فیصلہ صرف اپنے پاپا تک پہنچانا تھا تاکہ وہ جلد از جلد اس قید سے رہائی پا سکے جس میں جانے کتنے سالوں سے اسے پاپا کی محبت نے جکڑ رکھا تھا اور پھر بہت سوچنے کے بعد اس نے اریشہ کا نمبر ملایا دوسری ہی بیل پر فون ریسیو کر لیا گیا وہ شاید اسی کے فون کی منتظر تھی۔
"ہیلو۔" اریشہ کی بھیگی ہوئی آواز یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ وہ رو رہی ہے۔
"پلیز اریشہ پریشان مت ہو میں آج ہی مما کے ساتھ تمہارے گھر آ کر ماموں سے بات کرتا ہوں۔"
یقیناً" وہ جو فیصلہ کر چکا تھا اب اس پر عمل درآمد کا وقت آ گیا تھا۔
"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔
اب اسے صرف مما کی واپسی کا انتظار تھا تاکہ انہیں ساری صورت حال سمجھا کر اپنے ساتھ ماموں کے گھر لے جانے پر آمادہ کر سکے اور اسے یقین تھا اس کی ماں کبھی بھی اسے انکار نہیں کرے گی۔

(باقی آئندہ)

ام ثمامہ

پیغام صبا لائی ہے گلزار نبیؐ سے
آیا ہے بلاوا مجھے دربار نبیؐ سے

پورے ہال کمرے میں نعت خواں کی آواز گونج رہی تھی جو حرف با حرف قدسیہ اور قدوس صاحب کے جذبات کا بخوبی اظہار کررہی تھی۔ جو حج پر جارہے تھے اور جانے سے پہلے انہوں نے تمام ملنے جلنے والوں کو اکٹھا کرکے میلاد کروایا تھا۔ بہت سارے لوگوں میں پیچھے ایک کونے میں خالہ آمنہ بھی بیٹھی تھیں جو پورے ذوق و شوق سے میلاد سن رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں خانہ خدا اور دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے کی لگن۔

میلاد پڑھنے والی نے دوسری نعت شروع کردی تھی۔ خالہ کے آنسو ہچکیوں میں بدل گئے تھے اور بدن کا ہر روم روم دعا کی صورت اختیار کرگیا تھا۔

سوئے طیبہ جانے والو مجھے چھوڑ کر نہ جانا
میری آنکھوں کو دکھا دو شاہ دیں کا آستانہ

جانے کب میلاد ختم ہوا، کب کھانا لگا، وہ بجھے دل سے اٹھیں اور چپ چاپ گھر کی جانب چل دیں۔

یہ نہیں تھا کہ انہیں پڑوسیوں کے جانے کی خوشی نہیں تھی۔ ان کے لیے تو وہ بہت خوش تھیں' بلکہ انہیں تو کہیں سے بھی پتا چل جاتا کہ کوئی حج یا عمرے پر جارہا ہے تو وہ دس دس بار اس کے گھر کے پھیرے لگاتیں' ان آنکھوں کو عقیدت سے تکتی رہتیں جن آنکھوں نے وہاں کی زیارتیں کرنی تھیں' ان ہاتھوں کو چومتیں جنہوں نے حجر اسود اور سنہری جالیوں کو چھونا تھا۔

سارے سال وہ ایک ٹین کے ڈبے میں تھوڑے تھوڑے پیسے ڈالتی رہتیں اور جیسے ہی پتا چلتا کہ کسی کا بلاوا آیا ہے وہ اس کے پاس ہار پھول لے کر جاتیں اور کبوتروں کے باجرے کے لیے پیسے دیتی اور دعا کے لیے کہتیں۔

"اماں میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ مت جائیں۔ آپ گھر آکر یوں ہی اداس اور نڈھال ہوجاتی ہیں۔" زینب نے دکھ سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جب سے ذیقعدہ کا مہینہ شروع ہوا تھا کسی نا کسی کے یہاں سے دعوت آجاتی اور اماں پہنچ جاتیں اور یہ تو پڑوس کا معاملہ تھا۔ میاں' بیوی دونوں حج پر جارہے تھے۔ وہ تھے تو ان کی طرح ہی غریب ہی' مگر قدوسی صاحب کا ایک ہی بیٹا تھا جو اچھی ملازمت پر تھا' شادی شدہ تھا اور گھر بھی اپنا تھا' اس لیے اب سرکاری ملازمت سے جو ریٹائرمنٹ کا پیسہ ملا تھا' دونوں میاں بیوی حج پر جارہے تھے۔

"ارے بٹی ایسے مت بول' یہ تو میری تڑپ ہے جو مجھے اداس کرتی ہے کہ جانے میرا بلاوا کب آئے گا۔ بٹی وہاں جاکر کوئی دعا رد نہیں ہوتی' اس لیے سب سے جاکر دعا کا کہتی ہوں کہ وہ رحمان کب سن لے اور میری بھی قسمت کھل جائے۔" آمنہ خالہ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

"اچھا پیاری اماں چلو' اب کھانا کھاتے ہیں' میں بھی آپ کا انتظار کررہی تھی' مجھے پتا تھا آپ وہاں سے کھانا کھاکر نہیں آئیں گی۔ آپ فکر مت کریں' میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر لگن سچی ہو اور نیت صاف ہو تو منزل خود بخود آسان ہوجاتی ہے۔"

زینب باورچی خانے میں کھانا گرم کرنے چل دی اور آمنہ خالہ صحن میں لگے نلکے سے ہاتھ دھونے کے لیے تخت سے اٹھ کر چل پڑیں۔

چار مرلے کے کچے مکان کی بے رنگ دیواریں اس کی کسمپرسی کی کہانی بیان کررہی تھیں۔ لکڑی کے ٹوٹے دروازے پر جھولتا بوسیدہ پردہ گھر کے مکینوں کی حالت زار فاش کررہا تھا۔ لال اینٹوں کا صحن جو کافی حد تک اکھڑا ہوا تھا۔

یہ خالہ آمنہ کا گھر تھا جہاں ان کی بیٹی زینب اور اس کا شوہر عامر ننھا احمد اور خالہ آمنہ یہ چاروں افراد رہتے تھے۔ خالہ ابھی جوان اور زینب ابھی کم سن ہی تھی کہ خالو ریاض کا انتقال ہوگیا۔ خالہ نے ساری عمر سلائی کڑھائی کرکے اپنا اور اپنی اکلوتی بیٹی کا پیٹ پالا' کچا پکا جیسا چھت اپنی تھی مشین کے پہیے کو گھماتے گھماتے جہاں آمنہ خالہ کے ہاتھوں میں جھریاں پڑنے لگیں وہاں زینب جوان ہوگئی۔

گزر بسر میں مشکل ہونے لگی تو زینب نے پاس ہی بنی فیکٹری میں ملازمت کرلی۔ وہیں اس کی ملاقات عامر سے ہوئی جو شیاری کے کسی گاؤں سے نوکری کی تلاش میں کراچی آیا تھا اور اب فیکٹری میں کام کررہا تھا۔ دونوں کے والدین کی مرضی سے ان کی شادی ہوگئی اور خالہ کے بے حد اصرار پر وہ ان کے ساتھ ہی رہنے لگا۔ اچھا سعادت مند اور نیک بچہ تھا۔ ایک سال بعد گھر میں ننھے احمد کا اضافہ ہوگیا تو خالہ کا دل بہل گیا۔ دونوں میاں' بیوی فیکٹری چلے جاتے اور خالہ کچھ نا کچھ کام

کرتی اور ننھے احمد کو سنبھالتیں۔

گھر کا ماحول شروع سے ہی دینی تھا۔ زینب اور خالہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتیں روزے رکھتیں اور شام کو خالہ آمنہ محلے کے غریب بچوں کو ناظرہ قرآن پاک بھی پڑھایا کرتی تھیں۔

خالہ آمنہ کو شروع سے ہی اللہ کا گھر دیکھنے کی بڑی لگن تھی۔ وہ بڑی مشکلوں سے پیٹ کاٹ کاٹ کر کچھ نا کچھ جمع کرتیں، مگر کبھی بیماری، کبھی مہنگائی اور کبھی کسی نا کسی ضرورت کے لیے وہ پیسے نکل جاتے۔ اب تو ان کے اختیار میں ایک دعا تھی جو وہ خود بھی کرتیں اور جب پتا چلتا کہ کوئی عازم سفر ہے تو اس سے بھی کرنے کو کہتیں۔

رجب کی آخری تاریخیں تھیں اور خالہ آمنہ کے دل کو بے قراری سی لگی تھی کہ جانے کتنے خوش نصیبوں نے درخواستیں جمع کروائی ہوں گی اور کتنوں کا نام نکلے گا۔ شام کے سائے صحن میں لگے چنبیلی کے بوٹے سے پیڑ کے آس پاس آن مارے بیٹھے تھے۔ چڑیاں بھیگی شاخوں پر ادھر ادھر پھدک رہی تھیں۔ آمنہ خالہ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ زینب باورچی خانے میں سالن پکا رہی تھی کہ رات کا کھانا وہ عشاء کے فوراً بعد کھا کر سو جاتے تھے۔ دروازے پر ہونے والی دستک پر آمنہ خالہ نے تسبیح تخت پر رکھی اور دروازے کی جانب چل دیں۔

"کون۔"

"آمنہ خالہ ہیں۔" باہر سے ایک مردانہ آواز آئی۔

"جی میں آمنہ ہی ہوں۔" آمنہ خالہ نے دروازے کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا۔ باہر ان کی ماموں زاد بہن ساجدہ کا باوردی ڈرائیور کھڑا تھا۔

"جی وہ بیگم صاحب نے کہا ہے کہ ان کا حج اسکیم میں نام نکل آیا ہے۔ کل اسی سلسلے میں ایک تقریب ہے، آپ بارہ بجے تک آجائیے گا۔"

"ارے زینب ادھر آ۔" وہ دروازے کے پاس ہی سے اسے آوازیں دینے لگیں۔

"ہاں اماں ایسا کیا ہو گیا میں نے سن لیا ہے۔"

"ارے پگلی مبارک ہو، تیری ساجدہ خالہ حج پر جا رہی ہیں۔ مالک تیرا شکر ہے، اب تو میں اپنی بہن سے جا کر دعا کراؤں گی، وہ تو ضرور وہاں میرے لیے دعا کرے گی۔ آخر کو میری ماموں زاد بہن ہے۔" وہ ایسے خوش ہو رہی تھیں، جیسے حج درخواستوں میں ان کا نام نکل آیا ہو۔

"اماں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔۔۔ پچھلے سال ان کا بیٹا اور بہو حج پر گئے تھے۔ اب کے بار ان کا نام آگیا۔ ساری نوٹوں کی کہانی ہے۔

اماں یاد ہے ان کے گھر سے کیسے سنہرے کین میں آب زم زم آیا تھا۔ جس پر اس قدر خوب صورت مکہ مدینہ بنا ہوا تھا اور تنکوں کی سی رنگ برنگی ٹوکری جس میں عجوہ کھجوریں تھیں۔ سچ میں نے تو وہ دونوں چیزیں اب تک سنبھال کر رکھی ہیں۔" غربت کی حسرتیں اور خوشیاں دونوں زینب کے لہجے میں بول رہی تھیں۔

"کل تم بھی چھٹی کر لینا دونوں چلیں گے۔"

"نا بابا نا، میں تو نہ جاؤں، ایک تو اتنی بڑی دعوت دوسرا میرے پاس کوئی ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں تیسرا تین بسیں بدل کر اتنی دور جاؤ اور سب سے بڑی وجہ ساجدہ خالہ کی باتیں۔۔۔ آپ ہی ہو آنا۔" یہ کہہ کر زینب واپس باورچی خانے کی طرف چل دی اور آمنہ خالہ کمرے میں بنی الماری میں رکھے ٹین کے ڈبے کی طرف تاکہ دیکھ سکیں کہ کتنے پیسے اس میں جمع ہیں۔ کچھ ہار پھول اور مٹھائی بھی منگوانی تھی۔ کرایہ بھی چاہیے تھا۔ ساجدہ کی کوٹھی اتنی دور تھی اور کچھ پیسے اور بھی چاہیے تھے۔

ساجدہ آمنہ خالہ کی ماموں زاد بہن تھیں۔ قسمتوں کا پھیر تھا۔ وہ نہایت امیر کبیر گھرانے میں بیاہی گئی تھیں۔ بچپن سے جوانی تک ساجدہ کی آمنہ آپا سے بڑی دوستی تھی۔ مگر پھر پیسے نے ساجدہ کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ ان کے شوہر کا بڑا کاروبار تھا۔ وہ ماموں کی اکلوتی اولاد تھیں۔ ماموں، ممانی تو عرصہ ہوئے فوت ہو گئے تھے۔ مگر غریب رشتہ داروں میں اپنی امارات کی دھاک بٹھانے کے لیے وہ انہیں ایسے موقعوں پر

ضرور بلاتی تھیں اور سدا کی بھولی آمنہ خالہ خوش خوش دعائیں دیتیں، ہر بار ضرور جاتی تھیں کہ بہن نے یاد کیا ہے۔

پیاری بہنو!

حج ایک فرض عبادت ہے۔ یہ ان لوگوں پر فرض ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی استطاعت دی ہے۔ حج قرض لے کر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے کچھ قواعد و ضوابط ہیں جنہیں پورا کرنا بے حد ضروری ہے۔ بوڑھا ہو یا جوان جس پر جب حج فرض ہو جائے تو اسے چاہیے کہ یہ اس میں تاخیر نہ کرے۔ حج نام ہے صبر کا، برداشت کا تمام ارکان کو باخوبی سمجھ بوجھ کے ساتھ پورا کرنے کا۔

یہ ایک بلاوا ہے۔ اس ذات کی طرف سے جو کل کائنات کا مالک ہے۔ وہ اپنے خاص بندوں کو میزبانی کا شرف بخشتا ہے۔ وہ دلوں کے حال سے باخوبی واقف ہے۔ آئیے ہم سب دعا کریں کہ اللہ پاک ہمیں بھی حاضری کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سامعین میں بیٹھی خالہ آمنہ نے بہت دل سے آمین کہا۔ ساجدہ نے بہت بڑی دعوت کی تھی لوگ بڑے بڑے تحفے اور پھولوں کے مہنگے مہنگے گلدستے لائے تھے۔ خالہ آمنہ نے چھوٹی سی تھیلی میں ڈالے اپنے دو ہاروں پر نظر ڈالی جن پر پھولی بھی کائی دور دور پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ تھیلی خاموشی سے قالین کے کونے پر رکھ دی۔

"ارے ساجدہ بیگم، ابھی تو درخواستیں جمع کروانے کا عمل شروع ہوا ہے، آپ کو ابھی سے کیسے پتا چل گیا کہ قرعہ اندازی میں آپ کا نام آگیا ہے۔" ساجدہ جیسی ایک اور بیگم ہنس کر ان سے پوچھ رہی تھیں۔

"اب کیا بتاؤں فاصل کے محکمہ حج کے سیکرٹری سے دیرینہ تعلقات ہیں اور پھر ہم درخواست دیتے اور وہ منظور نہ ہوا ایسا تو نہیں ہو سکتا آپ کو پتا ہے۔"

"آپ بھی ساجدہ بیگم حج دعوت کرنے میں بھی نمبر لے گئیں، پہلی دعوت آپ کے یہاں ہی ہوئی ہے۔" کوئی دوسری بیگم بولیں تو ساجدہ فخر سے مسکرانے لگیں۔

جلد ہی سب لوگ کھانا کھا کر واپس چلے گئے۔ ان کے لیے تو یہ تقریب بہانہ تھی مل بیٹھنے کا، باتیں کرنے کا اور اپنے کپڑوں اور دولت کی نمائش کرنے کا، مگر آمنہ خالہ کے دل میں تو عقیدت تھی، محبت تھی اور تڑپ تھی۔

"ساجدہ بہت بہت مبارک ہو، تم اللہ کا گھر دیکھنے جا رہی ہو، مجھے تو کل سے پتا چلا تو بے حد خوشی ہوئی۔" جب سب لوگ چلے گئے تو ساجدہ، آمنہ خالہ کو اپنے بیڈ روم میں لے آئیں، نیا فرنیچر بھی تو دکھانا تھا۔ انہوں نے حج دعوت سے پہلے سارے گھر کی نئی سیٹنگ کی تھی۔

"ہاں آمنہ آپا درخواست دی تھی، نام تو آنا ہی ہے۔" انہوں نے رعونت سے کہا۔

"ہاں ساجدہ تو تو میری بہن ہے، میرے لیے وہاں یاد سے دعا کرنا کہ میرا بھی بلاوا آجائے۔"

"ارے بھولی آپا نوٹوں کے بغیر کیسے بلاوا آسکتا ہے۔ پاسپورٹ، ٹکٹ، ویزا کئی چیزیں ہوتی ہیں، کیا اب جہاز کی دم پکڑ کر حج کرنے جاؤ گی۔" لہجے میں تمسخر نمایاں تھا۔

"مگر وہ جو ابھی مولانی جی بیان کر رہی تھیں۔ وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ جس کا بلاوا آجائے۔" خالہ آمنہ نے دکھی دل سے کہا۔

"آمنہ آپا دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، مگر آپ نہیں بدلیں۔ اب انہوں نے بیان میں بات ہی کرنی ہے۔ اب انسان کو خود عقل ہونی چاہیے۔ نوٹوں کے بغیر تو آپ میرے گھر تک نہیں پہنچ پاتیں، اللہ کے گھر کیا پہنچیں گی۔"

"اچھا آمنہ آپا اب مجھے اجازت دیں، چند مہینے رہ گئے ہیں اور ڈھیروں شاپنگ کرنی ہے مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا سب کیسے ہوگا۔"

"ہاں میں بھی چلتی ہوں، زینب انتظار کرتی ہوگی اور شام بھی ڈھلنے والی ہے۔ اور ہاں ساجدہ یاد آیا۔۔۔ یہ میری طرف سے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ

وسلم کو سلام دینا اور وہاں کبوتروں کو دانا ڈال دینا۔“ خالہ آمنہ نے دوپٹے کے پلو سے ہچکچاتے ہوئے ایک تڑامڑا سا پانچ سو کا نوٹ نکالتے ہوئے ساجدہ کی طرف بڑھایا۔

”ارے آمنہ آپا یہ اتنے سے پیسے میں کہاں سنبھالتی پھروں گی‘ آگے ہی رشتہ داروں اور دوستوں نے لاکھوں روپیہ اور شاپنگ لسٹیں تھمادی ہیں اور میرا خود کا ارادہ بھی عائشہ کے جہیز کی شاپنگ وہاں سے کرکے لانے کا ہے۔ سنا ہے وہاں سونا بہت سستا ملتا ہے اور جب اللہ نے پیسہ دیا ہے تو یہ بہانہ ہی سہی۔ تیا ڈرائیور سے کہنا وہ تمہیں نئی گاڑی میں چھوڑ آئے گا۔ کہاں بسوں میں دھکے کھاتی پھریں گی۔ اللہ جانے کیسے آپ لوگ ان بسوں میں سفر کرلیتے ہو۔“

”اچھا ساجدہ اللہ تمہارا حج قبول کرے۔“

وہ دعا دیتی کمرے سے باہر نکل آئیں۔ لان میں آکر انہوں نے عینک ہٹا کر آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے۔ نوٹ کو واپس پلو میں باندھا اور دھیمے قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف چل دیں کہ دھکے کھاکر ہی سہی گھر تو واپس جانا ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

سورج کی سنہری کرنیں چنبیلی کے بوٹے پیڑ پر اتنی روشنی بکھیر رہی تھیں۔ پتوں پر اوس کے قطرے اپنی چھب دکھا رہے تھے۔ چڑیاں رب رحیم کے ذکر کے بعد اب رزق کی تلاش میں اڑان بھر رہی تھیں۔ خالہ فجر کی نماز کے بعد صحن میں تخت پر بیٹھ کر تلاوت کرتیں اور پھر کوئی نا کوئی کام کرنے لگتیں۔ آج کل انہوں نے ایک دوپٹا کروشیا کرنے کے لیے لیا ہوا تھا۔ اب سلائی تو نہیں ہوتی تھی۔ مگر قریب کی نظر کا چشمہ لگا کر وہ کچھ نا کچھ کرتی رہتی تھیں۔ جس سے چار پیسے مل جاتے تھے۔

پاس ہی ننھا احمد خالی ریلوں سے کھیل رہا تھا۔ فجر کے وقت جب وہ اٹھ جاتا تھا تو وہ اسے اپنے پاس لے آتی تھیں‘ تاکہ زینب نیند پوری کرلے سارا دن۔

بچی فیکٹری میں محنت کرتی تھی۔

صاف ستھرے صحن برآمدے کے ستونوں کے گرد آمنہ خالہ کی آواز اک سماں باندھ رہی تھی۔

سوئے طیبہ جانے والو مجھے چھوڑ کر نہ جانا
میری آنکھوں کو دکھا دو شاہ دین کا آستانہ

دروازہ کب سے بج رہا تھا۔ خالہ اپنے خیالوں میں مگن نعت پڑھے جارہی تھیں۔ دروازہ ایک دم زور سے بجا۔ آمنہ خالہ نے کروشیا کی سلائی رکھتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اتنے سویرے کون آگیا۔ خدا خیر کرے۔ وہ دل میں دعا کرتی دروازے کی طرف گئیں۔

”السلام علیکم خالہ!“ کنڈی کھلتے ہی قدسیہ کے بیٹے نے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام۔ جیتے رہو بیٹا۔ خیر تو ہے‘ اماں ٹھیک ہیں تمہاری۔“

”جی خالہ اماں نے یہ ایک فارم بھیجا ہے ابا کی دکان کے ساتھ کمپیوٹر والے کی دکان ہے‘ اس نے جایا تھا تو ابا آپ کے لیے لے آئے رات دیر ہوگئی تھی تو اماں نے سویرے ہی بھیج دیا کہ ابھی عامر بھائی گھر پر ہوں گے۔ معلومات لے لیں۔ خالہ اماں نے کہا ہے ضرور بھروا کر بھیجے گا۔ کیا پتا آپ کا بلاوا آجائے۔“

لڑکا کاغذ آمنہ خالہ کے ہاتھ میں تھما کر کب کا واپس جاچکا تھا اور وہ بت بنی کھڑی تھیں۔ احمد کے رونے کی آواز نے ان کی سوچ اور قدموں کو جنبش دی۔ احمد کو فیڈر بنا کر دے کر خالہ نے فارم پڑھنا شروع کیا۔

وہ فارم کسی فاؤنڈیشن کی طرف سے تھا جو ایسے لوگوں کو حج کروا رہی تھی جن کی عمر 60 سال سے زیادہ ہو‘ آمدنی کم ہو‘ جو تندرست ہو اور پہلے حج پر نہ گئے ہوں۔ فارم کے ایک طرف جلی حروف میں لکھا تھا کہ بیواؤں اور مزدوروں کو ترجیح دی جائے گی۔

آمنہ خالہ کبھی فارم کو الٹ پلٹ کرکے دیکھتیں‘ کبھی آسمان کی طرف نظریں اٹھالیتیں‘ کیا ان کا بلاوا آگیا ہے؟ اب کروشیا کسے یاد تھا۔ انہوں نے دھاگا سلائی اٹھا کر سائیڈ میں رکھی احمد سو چکا تھا۔ جیسے ہی عامر

آئے جھٹ سے آمنہ خالہ نے فارم دکھایا اور زینب اور قدسیہ کے بیٹے کی ساری بات بتادی۔

”عامر تم ابھی اس کمپیوٹر والے کے پاس جاؤ اور یہ فارم بھروا کر جمع کروادو۔“ خالہ آمنہ کی بے تابی عروج پر تھی۔

”ارے پیاری اماں ابھی تو ڈیوٹی کا ٹائم ہورہا ہے۔ گھر واپس آکر سب سے پہلے وہاں جاؤں گا اور ساری معلومات لے کر آپ کو بتادوں گا۔“ عامر مسکراتے ہوئے منہ ہاتھ دھونے چل دیا۔ وہ اماں کی کیفیت سے بخوبی واقف تھا۔

☼ ☼ ☼

شام دھیرے دھیرے رات میں ڈھل رہی تھی۔ شام کی سلونی دلہن رات کا تاروں سے سجا آنچل اوڑھے بیٹھی تھی۔ چاند کی تیرہ تاریخ تھی۔ اجلی چاندنی لوئے صحن میں جابجا پھیلی ہوئی تھی۔ چنبیلی کے بوٹے سے پیڑ پر ڈھیروں پھول مسکرا رہے تھے۔ ان کی بھینی بھینی خوشبو سے سارا گھر مہک رہا تھا۔

آمنہ خالہ تسبیح ہاتھ میں لیے مسلسل درود کررہی تھیں۔ زینب‘ احمد کو سلا کر ان کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔

”زینب کیا میرا بلاوا آگیا ہے۔“ خالہ کے آنکھوں اور چہرے کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

”بس اماں دعا کریں‘ اب عامر آئے تو پتا چلے۔“

”السلام علیکم۔ اماں مبارک ہو‘ میں نے فارم بھر دیا ہے۔ بس صبح اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی دینا‘ وہ ساتھ لگا کر پوسٹ کروا دوں گا۔ پھر قرعہ اندازی میں جن جن لوگوں کے نام نکلیں گے انہیں وہ اپنے آفس انٹرویو کے لیے بلائیں گے اور وہاں طے ہوگا کہ کون کون حج پر جائے گا۔“

”مگر بیٹا حج تو محرم کے بغیر نہیں ہوتا اور تم تو صرف میرا فارم جمع کروا رہے ہو۔“ خالہ آمنہ دین کی بڑی سوجھ بوجھ رکھتی تھیں۔

”ہاں اماں میں نے پوچھا تھا‘ انہوں نے کہا کہ جس عورت کا نام نکلے گا اس کا محرم بھی اس فاؤنڈیشن کی طرف سے ساتھ جائے گا۔“

”مگر اماں آپ کا محرم۔“ زینب نے پریشان ہوکر پوچھا۔

”بیٹی اللہ زندگی دے‘ عامر میاں ہے نا جب تک بیٹی نکاح میں ہے داماد محرم ہوتا ہے۔“

آج چھٹی کا دن تھا۔ فارم کو گئے سات‘ آٹھ دن ہوگئے تھے۔ وہ سب بیٹھے اسی پر بات کررہے تھے۔ وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ آمنہ خالہ صبح شام عامر سے پوچھتیں‘ کیونکہ انہوں نے فارم پر عامر کا فون نمبر ہی لکھا تھا۔

آمنہ خالہ ادھورا چھوڑا دوپٹا پورا کررہی تھیں۔ زینب چنبیلی کے پیڑ کی گوڈی کررہی تھی۔ عامر‘ احمد سے کھیل رہا تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجنا شروع ہوگئی۔

”جی میں عامر بول رہا ہوں۔“

”جی سر۔ جی میں سمجھ گیا۔“

”ہم کل وقت پر پہنچ جائیں گے۔“ سلائی پر چلتے ہاتھ یکدم رکے اور ہر عضو کان بن گیا۔

”ارے اماں مبارک ہو۔ آپ کا قرعہ اندازی میں نام نکل آیا ہے اور اب کل انٹرویو دینے جانا ہے۔“ عامر نے خوشی سے اماں کے گرد بانہیں ڈالتے ہوئے انہیں خوش خبری سنائی۔ زینب بھی مٹی سے سنے ہاتھوں سمیت دوڑی آئی اور آکر خالہ آمنہ سے چمٹ گئی اور خالہ آمنہ تو بس روئے جارہی تھیں۔ انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ان پر کرم ہوگیا ہے۔ وہ ان خوش نصیب لوگوں میں شمار ہونے جارہی ہیں جنہیں خدا اپنی میزبانی کا شرف بخشتا ہے۔

خالہ آمنہ جلدی سے اٹھیں اور شکرانے کے نفل پڑھنے چل دیں‘ ابھی تو کل کے انٹرویو کے لیے دعا بھی کرنی تھی اور پھر قدسیہ کے گھر جاکر اس کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا۔ جس نے انہیں یہ راہ دکھائی تھی۔

آمنہ خالہ کا فائنل سلیکشن ہوگیا تھا۔ عامر اور ان کے پاسپورٹ بھی بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی سونے کی بالیاں بیچ دی تھی۔ پاسپورٹ صرف خود بنوائے

تھے۔ باقی سب خرچا فاؤنڈیشن والوں کا تھا۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا گیا۔ خالہ اور عامر آخری دنوں میں ہونے والے حج تربیتی کیمپ سے بھی ہو آئے تھے۔

انہوں نے بہت پیار اور طریقے سے ایک ایک بات سمجھائی تھی اور تحفتاً" ایک احرام ایک سفری بیگ ایک پانی کی بوتل' ایک چھوٹا پرس اور فون کرنے والی سم بھی دی تھی اور بڑی شاندار دعوت بھی۔

خالہ جھولیاں بھر بھر کر انہیں دعائیں دیتی تھیں۔

بس اب انتظار تھا تو ٹکٹ اور ویزے کا جس کے بعد یہ طے ہو جانا تھا کہ فلائٹ کب کی ہے۔

☼ ☼ ☼
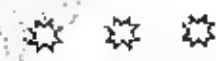
تقریباً" ایک مہینے ہونے والا تھا آفس والوں کی طرف سے کوئی فون نہیں آیا تھا۔ اب تو حج پرواز میں جانے میں گنتی کے دن رہ گئے تھے۔ بیچ میں عامر نے یہ بھی بتایا تھا کہ پرائیویٹ کمپنیوں پر کسی نے کیس کر دیا ہے۔ اس لیے ویزوں کا کام رک گیا ہے۔

خالہ آمنہ کو ہول اٹھنے لگے۔ عبادت اور تسبیحات میں اضافہ ہو گیا۔ اب تو منزل قریب آگئی تھی۔ خالہ نے حج کے متعلق بہت ساری کتابیں پڑھیں۔ ان لوگوں سے معلومات لیں جو حج کر کے آئے تھے۔ اب وہ چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کر رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ خانہ خدا میں بھرپور تیاری کے ساتھ حاضری دیں۔

ساجدہ کو بھی انہوں نے فون پر جتایا تھا وہ خود مصروف تھیں۔ اس لیے مبارک باد دینے تک نہیں آئیں۔ ہاں انہوں نے یہ ضرور کہا کہ یہ تنظیمیں ایسے ہی جھوٹی ہوتی ہیں۔ اپنے نام کے لیے یہ ایسے کام شروع تو کرتی ہیں لیکن ادھورے چھوڑ دیتی ہیں۔

خالہ آمنہ مجسم انتظار بنی ہوئی تھیں۔ دو بار فون کر کے پوچھ چکی تھیں۔ وہاں سے یہی جواب ملتا تھا۔ جیسے ہی ویزہ آئے گا آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔

"اماں آپ وہاں سے ہمارے لیے کیا لائیں گی؟" زینب نے اشتیاق سے پوچھا۔ حالات نے اسے جلدی بڑا کر دیا تھا۔ اس کے اندر کی بچی اب بھی اس میں کہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

"بیٹی میں تو آب زم زم اور کھجوروں کے علاوہ کچھ نہیں لاؤں گی' نہ تو میری بساط ہے اور اگر ہوتی بھی تو نہ لاتی بیٹی' ہم وہاں چیزیں لینے تھوڑا ہی جاتے ہیں۔"

خالہ آمنہ نے اپنے لیے دو نئے جوڑے سلوائے تھے۔ ایک عید کے دن پہننے کے لیے اور دوسرا جب رحمت اللعالمین کے روضے پر حاضری تھی۔ آج کل ماں بیٹی اسی تیاری میں لگی تھیں۔

خالہ کے پاس مختصر سا سامان تھا۔ چار عدد جوڑے' عبایا' اسکارف' ایک چادر' ایک پلاسٹک کا تکیہ جس میں ہوا بھری جاتی ہے' ایک جائے نماز' ایک نظر کی عینک وغیرہ۔

"اماں پھر جب آپ واپس آئیں گی تو ہم بھی سب ملنے والوں کے آگے آب زم زم اور کھجور کا تحفہ رکھیں گے۔" زینب نے خوش ہو کر کہا۔

"مگر ہاں اماں' ہم آب زم زم میں پانی ملا لیں گے پھر وہ زیادہ ہو جائے گا۔ میری دوست کے ابا جب گئے تھے تو انہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔"

"نہ بیٹی چاہے تھوڑا دوں میں تو خالص آب زم زم ہی سب کو پینے کو دوں گی۔ اس میں ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ پچھلے سال قدسیہ نے مجھے خالص آب زم زم دیا تھا۔ ماشاء اللہ جب سے میرے گھٹنوں کا درد کہاں گیا' کچھ پتا نہیں۔"

"لوگ اپنے لیے تو خالص آب زم زم کی بوتلیں بھر کر رکھ لیتے ہیں اور لوگوں کو پانی ملا کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پانی کی تو تاثیر ہے' چاہے جس میں ملا دو۔ اگر ایسی بات ہے تو اپنے لیے بھی پانی ملا آب زم زم کیوں نہیں رکھتے۔ ان کے لیے تاثیر نہیں ہوتی کیا۔ کھجوریں بھی کراچی سے لے کر بانٹ دی جاتی ہیں۔ حالانکہ وہاں کا تحفہ سمجھ کر ان چیزوں کو عقیدت اور عزت دیتے ہیں اور بعض لوگ تو کھجور کی گٹھلی

تک نہیں پھینکتے کہ یہ وہاں سے آئی ہے۔ میری نظر میں یہ جھوٹ اور دھوکا ہے' اللہ معاف کرے میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔"

زینب کو اپنی ماں پر ڈھیروں پیار آیا جو صوم صلوۃ کی پابند بچی اور ایمان دار عورت ہے۔ اس نے صدق دل سے اپنی ماں کے لیے دعا کی۔

دیر سے ہی سہی خالہ اور عامر کے ٹکٹ اور ویزے آگئے تھے۔ کل صبح کی ان کی فلائٹ تھی۔ صحن پر تخت اور چارپائی پر تینوں نفوس جاگ رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ نیند آج اس آنگن میں اترنے والی نہیں تھی' خالہ آمنہ کو پتا چلا تھا کہ ساجدہ کی بھی وہی فلائٹ تھی' جو ان کی تھی' انہیں خوشی تھی کہ بہن ساتھ ہی ہو گی۔ وہ ایسی ہی تھیں سب کا بھلا سوچنے والی۔

زینب نے اتنے دن اپنے سسرال میں جا کر رہنا تھا' فیکٹری سے اس نے چھٹی لے لی تھی۔ وہ اکثر وہاں جاتی رہتی تھی' اس کے سسرالی اچھے لوگ تھے۔ آدھی رات کے وقت زینب احمد کو سلاتے سلاتے خود سو گئی تھی۔ عامر بھی اندر کمرے میں کچھ دیر آرام کرنے چل دیا تھا۔ مگر آمنہ خالہ انہیں کہاں نیند آنی تھی۔ خوشی کے مارے ان کے قدم زمین سے نہیں لگ رہے تھے کہ اس ذات نے جو زمین آسمان کا مالک اور خالق ہے' ان کو اپنی میزبانی کا شرف بخش دیا تھا۔ بغیر پیسوں کے ان کا بلاوا آگیا تھا اور وہ صبح اس پاک سرزمین کی طرف پرواز کرنے والی تھیں۔

زینب اور عامر کو انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ ان کی بڑی آرزو ہے کہ میں جاؤں تو وہیں رہ جاؤں اور اگر میری یہ خواہش پوری ہو جائے تو مجھے وہیں دفن کر دیا جائے۔

فجر کی اذان میں کچھ ہی وقت باقی تھا۔ وہ تہجد اور شکرانے کے نفل ادا کرنے چل دیں کہ کتنا ہی شکر ادا کرتیں کم تھا۔

عامر' زینب' احمد اور خالہ آمنہ فجر کے بعد ٹیکسی میں ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں ایک ہی فرد کو اندر جانے کی اجازت تھی اور ان کے ساتھ تو زینب ہی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئے تو زینب تو ایئرپورٹ کی وسیع عمارت اور اصلی جہاز دیکھ کر بچوں کی طرح مچلنے لگی۔ ابھی گروپ بننے اور معلم کے آنے میں کچھ وقت تھا۔ آمنہ خالہ احمد سے کھیلنے لگیں۔

پارکنگ کے سامنے بنے چھوٹے سے ویٹنگ روم میں وہ سب بیٹھے تھے کہ سامنے دو' تین گاڑیاں آکر رکیں۔ ساجدہ بیگم بہت سارے لوگوں اور ساز و سامان کے ساتھ منی ویٹنگ روم میں داخل ہوئیں یہ پاکستان تھا۔ ایک فرد والی شرط شاید غریبوں پر ہی لاگو ہوتی تھی اور جو وسائل اور اثر و رسوخ رکھتے تھے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔

خالہ آمنہ بے تاب ہو کر ماموں زاد بہن کی طرف بڑھنے لگیں تو زینب نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا کہ وہ اتنے لوگوں میں مصروف ہیں' ابھی ملنے کو رہنے دیں۔

فلائٹ کا وقت قریب آرہا تھا۔ ساجدہ بیگم اپنے پوتے کے ساتھ ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ کپڑے' بیگ' سامان ایک ایک چیز سے امارت جھلک رہی تھی کہ اچانک جانے کس چیز سے ان کا پاؤں الجھا اور وہ آناً" فاناً" منہ کے بل زمین پر آگریں۔

چاروں طرف ایک شور مچ گیا۔ جلدی سے ایئرپورٹ پر موجود ڈاکٹر آیا۔ ساجدہ درد سے چلا رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے آکر بتایا کہ ان کے پاؤں کی ہڈی مکمل طور پر فریکچر ہو گئی ہے اور یہ اگلے چھ ماہ تک چل نہیں سکیں گی۔

ایمبولینس منگوائی گئی اور اب وہ انہیں اسٹریچر پر ڈال کر ہسپتال لے جا رہے تھے۔

آمنہ خالہ کو اندر بلایا جا رہا تھا۔ ان کا دل ابھی بھی بہن کے لیے دکھی ہو رہا تھا' جو حج پر نہ جا سکی تھی۔ اندر قدم رکھتے اور زینب کو ہاتھ ہلاتے ان کے کانوں میں مولانا صاحب کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"یہ تو بلاوا ہے اس ذات کی طرف سے جو دلوں کے حال بخوبی جانتا ہے۔"

☼ ☼

عائشہ ناز علی

ایک رشتہ

مکمل ناول

"اچھا... تو جناب نے بالآخر قربانی کا بکرا بننے کا پکا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔" اسد کے شانے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"جب گردن کٹنی ہی ہے تو مزید دیر کیوں یار؟ سوچا موسم بہار میں ہی اہتمام کیے دیتے ہیں۔" وہ بھلا کب چوکنے والا تھا' برجستہ بولا۔

"چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ آئے گا تو پھر اسی ناچیز کے پاس۔ ٹیوب لائیٹ مانگنے۔" اس نے چھیڑا۔

"تو دوست ہوتے کس لیے ہیں۔" اسد ڈھٹائی سے بولا۔

"میری جان! تو بھی چھری تلے آجا۔ قسم سے یار! یہ اکیلاپن' بوریت سب غائب ہو جائے گی۔" اسد نے اسے ترغیب دی۔

"مجھے اپنی آزادی بہت پیاری ہے۔ براہ مہربانی اسے ٹوک لگانے کی کوشش نہ کی جائے۔" شیر دل نے اعلانیہ انداز میں کہا۔

"ارے یار! بہت گزار لی آزاد زندگی اب سنجیدہ ہو جا۔" اسد کے انداز سے لگتا تھا کہ اس کی شادی کرا کے ہی دم لے گا۔

"بد کتا ہے تو شادی کے نام پر؟ کرنی تو ہے نا تو نے شادی۔"

"تو میرے پیچھے مت پڑ۔ اپنی خیر منا۔ فی الوقت تو یہ بی ڈی لگا جو گھنٹہ بھر سے گود میں رکھے بیٹھا ہے۔" اس نے بات اڑائی۔

"تعریف بہت سنی ہے میں نے اس موصوف کی۔" اسد نے کور دیکھتے ہوئے کہا۔

"سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتے ہیں ہم' جب تک آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔" شیر دل نے مسکراتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"کمینے! تو نے کبھی نہیں سدھرنا۔" اسد نے کشن کھینچ کر اسے مارا۔ جسے شیر دل نے نہایت مہارت سے کیچ کر لیا تھا۔

"پرسوں میچ ہے۔ تیاری کیسی ہے؟" اسد نے پوچھا اور ساتھ ہی سی ڈی بھی پلے کر دی۔

"دیکھ لینا آکر۔" شیر دل نے کشن سر کے نیچے رکھا اور دراز ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

شیر دل کا میچ تھا۔ گالف کلب میں میچ دیکھنے والوں کی تعداد اچھی خاصی تھی' تقریباً ساری ہی سیٹیں فل تھیں۔

"تم نے دیر کروا دی۔ میچ شروع ہو چکا ہے۔" نینال نے ایک خالی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا مگر نگاہیں بدستور گالف کورس کے کھلاڑیوں پر جمی تھیں۔

"مس تو نہیں ہوا ہے نا... ابھی تو خاصا کھیل رہتا ہے۔" نینال کی ناراضی اور ایکسائٹمنٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ لاپروائی سے بولی نینال نے اسے گھورا۔ جواب میں اس نے نینال کو نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"وہ دیکھو۔۔۔ وہ نمبر گیارہ' کھیلنے والا لڑکا شیر دل ہے۔ میں اسے پچھلے دو سالوں سے گالف کھیلتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ اس سے زیادہ اچھا کھلاڑی میری نظروں سے آج تک نہیں گزرا۔" نیناں نے انگلی کے اشارے سے بتایا۔

"تمہیں تو گلی ڈنڈا کھیلنے والا بھی بیسٹ پلیئر لگتا ہے۔" اس نے نیناں کی بات کو مذاق میں اڑا دیا۔

"وہ ہر میچ جیتتا ہے اور آئی ایم شیور۔ اس کی کیبنٹ ٹرافیز سے بھری ہوئی ہو گی۔" نیناں نے وثوق سے کہا۔ جواب میں اس نے صرف یہ کیا کہ اپنے سر پر رکھے سیاہ گاگلز اپنی آنکھوں پر چڑھا کر پشت سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گئی' گویا وہ یہاں میچ دیکھنے کے لیے نہیں صرف نشست پر آرام کرنے کے لیے آئی ہو۔

ہر اچھے شاٹ پر نیناں بھی دوسرے تماش بینوں کی طرح تالیاں بجا بجا کر کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہی مگر وہ اسی طرح ٹھس بیٹھی رہی۔ کھیل ختم ہونے کے بعد پہلی پوزیشن پر شیر دل کا نام پکارا گیا۔

"یس۔" نیناں نے خوشی کا اظہار کیا۔

"آئی ٹولڈ یو۔ دیکھا۔" نیناں نے فخریہ انداز سے اسے دیکھا۔

"ٹرافی وہ جیتا ہے اور خوش تم ہو رہی ہو۔۔۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟ ابھی اسد بھائی سے صرف منگنی ہوئی ہے۔" اس نے ذرا سا گلا کھنکارتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے معنی خیز انداز میں کہا' مگر اس کی سنجیدگی کے پیچھے چھپی شوخی کو نیناں جانتی تھی۔

"اگر اسد کے نام پر دل گھنٹیاں نہ بجاتا تو شیر دل بھی برا نہیں تھا۔" وہ بھلا کہاں باز آنے والی تھی۔

"ہوں اسد سے کہنا پڑے گا کہ خالی خولی منگنی نہیں محترمہ کی "رخصتی" کا انتظام کر کے آئے۔" اس نے بہن کو گھورا نیناں ہنسنے لگی۔

"جی جانو۔۔۔ تمہاری احسان مند رہوں گی۔ اس "میڈیکل" سے تو جان چھوٹے گی میری بچی۔ دواؤں' امراض اور مریضوں کے بارے میں پڑھ پڑھ کر میں خود کو ایک ٹیبلٹ سمجھنے لگی ہوں۔" وہ فوراً جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے بیٹھ گئی۔ روشانے ہنس پڑی۔

"تو مت لیتی نا یہ اور لائن چوز کر لیتیں۔"

"تمہارے تایا جی کی وجہ سے لینا پڑا اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔ تمہاری دیکھا دیکھی انہیں شوق چرایا تھا۔" وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"چلو اچھا ہے نا بے چارے اسد کی مرہم پٹی گھر میں ہی ہو جایا کرے گی۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" نیناں اس کی بات نہیں سمجھی تو حیرت سے پوچھنے لگی۔

"ظاہر ہے تم سے شادی کرنے والا غریب صحیح سالم کیسے رہ سکتا ہے۔ تایا جان نے دور کی سوچی ہے۔" روشانے نے اسے چھیڑا۔

"دیکھ لوں گی تمہیں بھی پھنسنے دو کوئی مرغا۔" دانت کچکچا کر بولی روشانے ہنسنے لگی۔

"چلو شیر دل سے ملواتی ہوں۔ اسد بھی وہیں جمگھٹے میں پھنسا ہوا ہے۔" نیناں نے دور ہی سے لڑکیوں کے غول میں گھرے اسد کو دیکھا۔

"اپنے ہونے والے منگیتر صاحب کو بلانے کے بہانے ہیں' صاف صاف کہتی کیوں نہیں کہ "خطرہ" محسوس ہو رہا ہے۔ ویسے خاصی اسمارٹ لڑکیاں ہیں تمہاری کالونی کی۔" اس نے پھر چھیڑا۔ جواباً" نیناں نے اسے گھورا۔

"جی نہیں۔۔۔ میں شیر دل کو دیکھ رہی ہوں۔" وہ فوراً" پینترا بدل گئی۔

"تم لڑکیاں کتنی کریزی ہوتی ہو سیلیبرٹی کے پیچھے مجھے تو آج تک یہ لوجک سمجھ میں نہیں آئی۔" اس نے شیر دل سے آٹو گراف لیتی ہوئی لڑکیوں کو دیکھا جو کہ ایک دوسرے پر تقریباً" گر رہی تھیں۔

"تم تو ہو ہی بورنگ۔" وہ چڑ کر بولی اور اسد کو دیکھ کر زور سے ہاتھ ہلایا اسد کی نظر اس پر پڑ چکی تھی' اس نے بھی جواباً" ہاتھ ہلایا۔ پھر قریب کھڑے ہوئے شیر دل کے کان میں کچھ کہا اور خواتین اور لڑکیوں کے

درمیان سے بمشکل راستہ بناتا ہوا ان کی طرف آگیا۔

"ہیلو گرلز۔۔۔" وہ خوش دلی سے بولا۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے؟ آٹو گراف تو شیر دل سے لے رہی تھیں لڑکیاں۔" وہ چھوٹتے ہی اس پر پل پڑی روشانے نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی۔

"بھئی۔۔۔ ویسے ہی کھڑا تھا۔" اسد بڑبڑا کر بولا۔

"ویسے کیوں' تم اس کے باڈی گارڈ لگے ہو یا اس کے ملنے والی آنٹیوں اور باجیوں پر نمبر لگا رہے تھے کہ فلاں پہلے نمبر پر آئیں اور آکر آٹو گراف لے جائیں۔" وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ اسد بے چارہ مسکین سا بنا اپنی جان کی امان طلب کرنے میں خشوع و خضوع سے مصروف ہو گیا۔ روشانے کا جی چاہا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دے مگر سچویشن ایسی نہیں تھی۔

"کم آن نیناں! کیوں بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔ ویسے بھی وہ لڑکیاں اسد کے لیے نہیں کسی اور کے لیے وہاں کھڑی تھیں کیوں اسد؟" اس نے اسد کی جان خلاصی کراتے ہوئے مداخلت کی۔

"بالکل بالکل۔" اسد نے فوراً" امدادی پارٹی کی طرف داری کی۔

"تھینکس۔ ورنہ آج تو بغیر تیر تلوار کے شہید ہو گیا تھا۔" اس نے روشانے کے کان میں سرگوشی کی۔

"اٹس او کے۔ ایک مسلمان ہی دوسرے مسلمان کے کام آتا ہے۔" اس نے بھی ویسے ہی جواب دیا۔

"کیا کھسر پھسر کر رہے ہو دونوں؟" وہ مشکوک نظروں سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

"تمہاری تعریف کر رہا تھا اسد۔" وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے بولی۔

"وہ دیکھو۔۔۔ تمہارے شیر دل صاحب ادھر ہی آ رہے ہیں۔" اس کے دوبارہ حملہ آور ہونے سے پہلے ہی اس نے دوسری سمت اشارہ کیا۔ نیناں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ شیر دل اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت بہت مضبوطی سے قدم اٹھاتا ان لوگوں کی طرف آ رہا تھا۔ سن گلاسز کے پیچھے سے اس نے بنظر غائر اسد کے قریب کھڑی ہوئی روشانے کا جائزہ لیا۔ نیناں کو تو وہ اچھی طرح سے جانتا تھا۔ روشانے نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی۔ صاف چمکدار گلابی رنگت' بالکل سیاہ چمکدار لہریہ بال جو کہ اسٹیپس میں کٹے ہوئے تھے اور کندھے سے نیچے تک تھے' سرو قد اور بے حد متناسب جسم' جیسے سانچے میں ڈھلا ہو۔ سیاہ چمکدار روشن آنکھیں' مسکراتے ہوئے گلابی ہونٹ' چھوٹی سی تیکھی ناک۔ گالوں پر پڑتے ڈمپل۔ اس کے پورے چہرے پر سب سے خوب صورت چیز اس کی مسکراہٹ تھی۔ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر عجیب قسم کی تمکنت اور ٹھہراؤ تھا۔ شخصیت میں عجیب سی کشش تھی۔ وہ جیسے جیسے اس کے قریب آ رہا تھا وہ اور زیادہ واضح ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں بھی بے حد نازک اور حسین تھے۔ بہت ہی ترتیب وار اور دلکش حسن تھا۔ مگر کچھ الگ اور عجیب سا تھا اس میں۔ وہ اسد کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی پوری گفتگو میں اس نے روشانے کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ یا تو اسے مسکرانے کی عادت تھی یا پھر وہ اسد کی باتوں پر مسکرا رہی تھی۔ اسد کی باتوں پر شاید ہی کوئی سنجیدہ رہ پاتا ہو۔

"ہیلو۔" وہ قریب پہنچ کر خوشدلی سے بولا۔ مخاطب وہ دونوں لڑکیوں سے تھا۔

"ہائے' کیسے ہیں شیر دل بھائی؟" نیناں بھی لڑائی "پوسٹ پونڈ" کرتے ہوئے خوش دلی سے بولی۔

"تمہارے سامنے ہوں۔" وہ بڑی ادا سے مسکرایا۔

"یہ روشانے ہے۔۔۔ میری فرسٹ کزن میری سسٹر۔ اور روشی! شیر دل سے تو تمہارا تعارف میں کرا ہی چکی ہوں۔" نیناں نے ان کا تعارف کرایا۔ کچھ دیر وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر نیناں نے روشانے کے اشارہ کرنے پر اس سے معذرت کی اور آگے بڑھ گئی۔

"مت گھور اسے۔ تیرے ٹاپ کی نہیں ہے اور سوچنا بھی مت۔ لیفٹیننٹ جنرل شہباز کی بھتیجی ہے۔" شیر دل کی نظروں کے تعاقب میں اسد نے اس کے لتے لینے والے انداز میں تنبیہہ کی۔

"سوواٹ؟ اتنی خوب صورت لڑکی کو چھوڑ دینا کفرانِ نعمت ہوگی۔" وہ عجیب انداز میں بولا۔

"جنرل صاحب نے تیرا کورٹ مارشل کر دینا ہے' ساتھ میں میرا بھی۔" اسد نے اسے ڈرایا۔

"کم آن۔۔۔ تو تو محبت کرکے اور شادی سے پہلے ہی "گیدڑ" بن گیا ہے۔" شیر دل نے طنز کیا۔

"مجھے گیدڑ بننا قبول ہے میرے بھائی۔۔۔ مگر نیناں کی جھاڑ کھانا نہیں' سمجھے۔ تو اس لڑکی کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا۔" اسد پر کہاں اثر ہونے والا تھا۔

"کیوں؟ ٹیکس لگتا ہے کیا؟" وہ ابرو چڑھا کر بولا۔

"ابے۔۔۔ وہ تیرے دام میں آنے والی لڑکی نہیں ہے۔ میں بچپن سے جانتا ہوں اسے۔" اسد نے کہا۔

"اچھا۔۔۔ گڈ تو مجھے بھی اس کے بارے میں بتانا۔" وہ اسد کے کاندھے پر بازو ٹکا کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

"وہ بے حد قابل اور قابلِ عزت لڑکی ہے۔ شہباز انکل کی جان اس میں بند ہے۔ جس طرح دیو کی جان توتے میں بند ہوتی ہے۔" اسد نے بتایا اسی وقت اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی۔ اسد نے جیب سے موبائل نکال کر ان باکس چیک کیا۔ پھر زیرِ لب مسکراتے ہوئے میسج ٹائپ کرنے لگا۔

"اب بک بھی چکو۔" شیر دل کو غصہ آگیا۔

"ابے صبر یار! نیناں کا میسج ہے' ابھی اگر رپلائی نہیں کیا تو خود پہنچ جائے گی۔ پھر میرے ساتھ ساتھ تو بھی گیا۔" اسد نے جلدی جلدی کچھ ٹائپ کرکے سینڈ کر دیا۔ شیر دل نے گہری سانس لیتے ہوئے اس کے شانوں پر سے ہاتھ ہٹا کر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونس لیے۔

"ہارورڈ کی گولڈ میڈلسٹ ہے۔ بچپن سے ٹاپ کرتی آئی ہے ہر کلاس میں۔ آٹھویں کلاس میں میرے ساتھ ہی تھی۔" اس نے "منقطع رابطہ" جوڑتے ہوئے بتایا "مگر وہ تو تجھ سے چھوٹی لگتی ہے۔ تجھ سے کیا مجھ سے بھی چھوٹی لگتی ہے۔" شیر دل نے کہا۔

"ہاں تو عمر میں تو چھوٹی ہی ہے۔ ہیں۔۔۔ ابے کیا بولا تو۔۔۔؟" اسد نے چونک کر کہا۔

"کیا ہم دونوں کی عمروں میں بیس سال کا فرق ہے؟" وہ اس پر چڑھ دوڑا۔ شیر دل ہنسنے لگا۔

"یہاں چھٹیوں پر آئی ہے؟" شیر دل نے استفسار کیا۔

"اس کی پیدائش پیرس میں ہوئی تھی۔ مدر کی ڈیتھ ہو گئی تھی' اس وقت یہ بہت چھوٹی تھی۔ فادر نے کسی انگریز عورت سے شادی کرلی' شہباز انکل اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ روشانے نے میٹرک کے بعد کے تعلیمی سفر کے بعد ہاسٹل ہی کو گھر بنا لیا۔ وہ صرف چھٹیوں میں گھر آتی تھی۔ ہر میدان کو مار لینا جیسا اس کے لیے حلوہ تھا۔ میرے ساتھ صرف تین سال پڑھی ہے۔ تینوں کلاسز میں اس سے زیادہ لائق اور قابل اسٹوڈنٹ کوئی نہیں تھا۔ وہ بے حد ذہین تھی۔ بہت بولڈ' بہت کھری مگر کبھی میں نے اس میں غرور نہیں دیکھا۔ ہم لڑکے اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اس سے فلرٹ کرنے کی جرات کسی کی نہیں ہوتی تھی۔

حالانکہ وہ سب سے نارمل بی ہیو کرتی تھی مگر اس کا انداز کچھ ایسا ہوتا کہ کسی کی ہمت نہ پڑتی اس سے فالتو بات کرنے کی بھی۔ وہ ہماری کلاس کی موسٹ ریسپکٹڈ لڑکی تھی اور سب سے کم عمر بھی۔ ہم سب اس سے بڑے تھے اور جہاں تک اس کی ذہنی میچورٹی کا تعلق ہے تو بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال۔" اس بار وہ شرمندہ شرمندہ سے لہجے میں بولا۔

"وہ اپنی حد تک تو تو نے بالکل ٹھیک ہی کہا۔ تو تو ہے ہی سدا کا نالائق۔" شیر دل نے ہنس کر اس کا مذاق اڑایا۔ تو اسد نے اس کی کمر پر دھول رسید کی۔ دونوں ہنسنے لگے۔

"ویسے میں روشانے شیر علی سے ایک بار اور ملاقات کرنا چاہوں گا۔" شیر دل نے کہا۔

"وہ تیرے ٹائپ کی نہیں ہے۔ پہلی بار میں چت کر دے گی۔" اسد نے اس کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے چمکارتے ہوئے کہا۔

"میں شیر دل ہوں بیٹا۔۔۔ مجھے آج تک کسی لڑکی نے انکار کرنے کی جرات ہی نہیں کی۔" شیر دل کے انداز میں غرور تھا۔

"مرضی ہے تیری۔ تجھے خود ہی "ٹھینے" کا شوق ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" اسد نے کندھے اچکائے۔ شیر دل کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بدرنگی سی جینز اور سفید ڈھیلے ڈھالے کرتے میں ملبوس تھی۔ آستینیں کہنیوں تک فولڈ تھیں۔ گریبان کے پورے بٹن بند تھے صرف اوپری بٹن کھلا ہوا تھا۔ بالوں کی ہائی پونی ٹیل بنی تھی اور وہ ٹریک پر جاگنگ کر رہی تھی۔ شیر دل ابھی ابھی ٹریک پر آیا تھا اور اس کی نظر دور سے ہی روشانے پر پڑی تھی۔ اس کے لبوں پر بڑی خوب صورت سی مسکراہٹ تیر گئی۔ اس نے ٹریک پر جاگنگ شروع کر دی اور کچھ ہی لمحوں میں روشانے کے برابر جا پہنچا۔

"ہیلو۔" شیر دل نے اس کے شانہ بشانہ جاگنگ

کرتے کرتے کہا روشانے نے گردن موڑ کر اسے سرسری سا دیکھا اور ہیلو کا جواب دیتے ہوئے نارمل انداز میں جاگنگ کرتی رہی۔

"لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہے۔" شیر دل نے کہا۔

"ٹھیک فرمایا... میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔" پتا نہیں روشانے پہچان چکی تھی یا واقعی اسے پہچان نہیں سکی تھی شیر دل نے وہ جملہ تکلفاً کہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ روشانے کی طرف سے ایسا کورا جواب آئے گا لحظہ بھر کو تو وہ چپ سا ہو گیا۔ مگر ہمت نہ ہاری حالانکہ اس کے ساتھ ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ کسی لڑکی نے پہلی ملاقات کے بعد اس کو پہچاننے سے انکار کیا ہو۔ وہ خجل سا ہو گیا تھا۔

"کل ہماری گالف کلب میں ملاقات ہوئی تھی۔" اس نے کچھ خجل سا ہو کر کہا۔

"او... یس۔" روشانے نے سر ہلایا۔

"اتنی کمزور یادداشت لگتی نہیں ہے آپ کی؟" اس نے کچھ مشکوک نظروں سے روشانے کو دیکھا۔

"یادداشت کمزور نہیں ہے میری مگر یاد رکھنے کی اور بہت سی قابل ذکر اور ضروری باتیں ہیں میرے پاس۔" روشانے نے مسکرا کر نرمی سے اسے جوتا مارا۔ شیر دل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"آپ یہاں روزانہ جاگنگ کرنے آتے ہیں؟" روشانے نے سادہ سے لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں... مگر آپ کو یہاں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔" شیر دل نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"جی میں یہاں کافی عرصے بعد آئی ہوں۔" اس نے بتایا۔ اس کا راؤنڈ پورا ہو چکا تھا وہ ستانے کو رکی تھی۔ شیر دل نے منرل واٹر پیتی روشانے کو گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ کل والے حلیے سے یکسر مختلف لگ رہی تھی۔ مگر اسے اعتراف کرنا پڑا کہ وہ اس حلیے میں بھی بے حد پرکشش لگ رہی تھی۔ روشانے کو اس کا دیکھنا محسوس ہو رہا تھا۔ مگر وہ چپ چاپ پانی پیتی رہی۔

"میرا راؤنڈ پورا ہو گیا ہے تو ایکسکیوز می۔" وہ خشک انداز میں بولی۔

"میرا راؤنڈ بھی پورا ہو گیا ہے چلیے ساتھ ساتھ ہی چلتے ہیں۔ کچھ باتیں بھی ہو جائیں گی۔" شیر دل بولا۔ پارک لوگوں سے بھرا تھا کچھ لوگ جاگنگ ٹریک پر تھے کچھ گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے، کچھ یونہی ہوا خوری کر رہے تھے۔ وہ ٹھہر کر پانی پی رہی تھی۔ شیر دل سے بے نیاز ادھر ادھر لوگوں پر بھی نظر ڈال دیتی۔ شیر دل کو لگا کہ وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہی ہے۔

"کچھ بات کرنی تھی آپ کو؟" وہ بوتل کا ڈھکن بند کرتی ہوئی براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہی تھی۔

"کرنی تو ہیں باتیں... مگر آپ کچھ جلدی میں لگ رہی ہیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جلدی میں تو نہیں ہوں البتہ بلا جواز یہاں ٹھہرنے کا مقصد بھی کوئی نہیں۔" وہ خالی بوتل قریبی ڈسٹ بن میں پھینکتی ہوئی بولی اور پھر پارک میں موجود لوگوں کو سرسری سا دیکھنے لگی۔

"ہم اجنبی ہیں... کیا باتیں کر سکتے ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"دو ملاقاتیں ہوئی ہیں ہماری۔" شیر دل نے جیسے اسے جتلایا۔

"صرف علیک سلیک۔" اس نے فوراً تصحیح کی وہ بلاشبہ بہت حاضر جواب تھی۔

"جو جان پہچان بڑھانا چاہتے ہیں، علیک سلیک ان کے لیے پہلا قدم ہوتا ہے۔" شیر دل بھلا کب ہار ماننے والا تھا۔

"جی، مگر جو میل جول بڑھانا چاہیں۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"اگر میں اسی طرح ہر ایک سے "علیک سلیک" کرتی رہوں تو آدھی سے زیادہ دنیا میں میرے میل ملاقاتی ہوں..." وہ مسکرائی۔ شیر دل اس کی مسکراہٹ کی دلدل میں اترنے لگا تھا۔ اس نے ربر بینڈ کی قید سے اپنے بالوں کو آزاد کیا۔ سبک ہوا کے

جھونکوں سے اس کے ریشمی بال بکھرنے لگے۔ "اگر یہ شیمپو کے کسی اشتہار میں ماڈلنگ کرے تو بہت کامیاب ہو۔" اس کی خوب صورت زلفوں کو دیکھ کر بے ساختہ اس نے سوچا۔

"یہ تو بہت انسلٹنگ ہے۔" وہ کچھ جز بز ہوا۔

"نہیں یہ میرے ذاتی خیالات ہیں۔ میں نے کسی کی انسلٹ کرنے کے خیال سے کچھ نہیں کہا۔ میں سوشل نہیں ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"حالانکہ سوشل ورکر تو ہیں آپ۔" شیر دل برجستہ بولا۔

"خاصی معلومات اکٹھی کر لی ہیں ایک ہی دن میں۔" وہ بولی۔

"سرسری سی بس۔" شیر دل مسکرایا۔

"تو اپنی معلومات میں اضافہ کر لیں کہ میں سوشل ورکر نہیں ہوں۔ وہ محض جاب ہے میری اور اس کا معاوضہ ملتا ہے مجھے۔" وہ ٹھہرے لہجے میں لیے بولی۔

"اور نمبر دو بات یہ کہ مجھے اپنے ارد گرد مجمع اکٹھا کرنے کا شوق نہیں ہے۔ بائے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیز انداز میں بولی اور شیر دل پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ چند لمحے کو یوں ٹھٹھرا گیا جیسے بچے اسے "فریز" بول کر چلے گئے ہوں۔ وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کے قدم بہت مضبوطی سے زمین پر پڑ رہے تھے۔

"لعنت ہو شیر دل۔ ایک لڑکی سے بے عزت ہو گئے۔" اس نے حواس کو قابو میں کرتے ہوئے خود کلامی کی۔

"کیا ہوا بھائی؟ اکیلے ہی اکیلے باتیں؟ خیر تو ہے؟" اسد کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"تو کب مرا؟" شیر دل نے جھنجلا کر پوچھا۔

"ٹھیک اسی وقت جب روشانے کے ہاتھوں تو بے عزتی کروا رہا تھا۔ بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔" اسد نے باہر جاتی ہوئی روشانے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے ان دونوں کو دور سے ہی باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔

"تو زیادہ قیاس آرائیاں مت کر۔ چل مجھے ناشتا کروا۔" شیر دل نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

"ارے... یار! ابھی تو آیا ہوں۔ جاگنگ تو کر لینے دے۔" وہ منمنایا۔

"وہ تو شادی کے بعد تجھے نیناں نے ویسے بھی کرواتے ہی رہنا ہے بیس گھنٹے۔" شیر دل بولا۔ اسد یقیناً "دوسرے گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا جبھی ان دونوں کی نظریں اس پر نہیں پڑی تھیں۔ مگر اسد دور ہی سے ان دونوں کو دیکھ چکا تھا۔ جب تک وہ ان کے پاس پہنچا تھا روشانے جا چکی تھی اور شیر دل کے چہرے سے اس نے ان دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو کا اندازہ لگا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

روشانے جس وقت گھر میں داخل ہوئی تھی لیفٹیننٹ جنرل شہباز شیر علی کو فون پر کسی سے بات کرتے دیکھا تو سلام کرتی ہوئی فریج کے پاس پہنچ گئی۔ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اس نے گلاس میں انڈیلا اور گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی۔ مگر وقتاً "فوقتاً" اس کی نگاہیں تایا کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ اندازہ لگانا چاہ رہی تھی کہ فون پر وہ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔"

اتنے میں ملازم نے آ کر ناشتے کا پوچھا۔

"ابا اور تایا جان نے ناشتا کر لیا؟" اس نے پوچھا۔

"جی نہیں... وہ دونوں آپ کے ساتھ ہی ناشتا کریں گے۔" ملازم مودبانہ لہجے میں جواب دینے کے ساتھ ہی خالی گلاس بھی اٹھانے لگا۔

"میں دس منٹ میں فریش ہو کر آتی ہوں۔ تم ناشتا لگاؤ۔" اس نے اٹھتے ہوئے شہباز پر پھر ایک نظر ڈالی۔ وہ ہنوز مصروف تھے... وہ ان کا چہرہ پڑھتے ہوئے اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا اور نیناں دونوں کے کمرے اوپر تھے۔

جب غسل کر کے وہ نیچے آئی تو اس کے تایا اور ابا میز پر موجود تھے۔ وہ دونوں کچھ بات کر رہے تھے۔ اس

نے خوش دلی سے دونوں کو سلام کیا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"روشنی! جاگنگ کرنے جاتی ہو تو نیناں کو بھی لے جایا کرو۔" انا نے کہا۔

"اسے سوتے سے اٹھانے میں اور پارک تک لے جانے کی کوشش میں جاگنگ ہم صبح نہیں ایوننگ میں کرسکیں گے انا۔" وہ مسکرائی اور ابلا ہوا انڈا چھیلنے لگی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" شہباز نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ بیگم شہباز نے جوس گلاس میں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ہوں۔ کہیے۔" وہ بولی شہباز نے کن انکھیوں سے بیگم شہباز کی طرف دیکھا۔ پھر ذرا سا کھنکھار کر گویا ہوئے۔

"یامین تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔ صبح اسی کا فون تھا۔" وہ دھیرے سے بولے نہ وہ چونکی نہ ہی غصہ ہوئی۔ بس ناشتا کرتی رہی۔

"دراصل کل رات کو بھی آیا تھا۔" اب کی دفعہ وہ ہچکچا کر بولے۔

"ویسے جوگنگ کرنے کا مزا ہی اور ہے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں انا۔ نیناں کو بھی کل سے لے جاؤں گی ساتھ۔" اس نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"روشنی۔" شہباز نے قدرے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اور آپ نے کس خوشی میں اتنے دنوں سے مارننگ واک نہیں کی۔ کل صبح سے ہم چاروں جایا کریں گے۔ صحت پر اور ذہن پر اچھا اثر پڑتا ہے۔" اسے جیسے اس موضوع سے زیادہ اہم کچھ لگ ہی نہیں رہا تھا۔

"روشنی۔۔۔ میں کچھ کہہ رہا ہوں۔" اس بار وہ قدرے جھلا گئے۔

"نیناں بہت لیزی ہوتی جارہی ہے انا۔ اسے صبح سویرے اٹھایا کریں۔ آج پھر چھٹی کرلی اس نے کالج سے۔ اس طرح تو بن چکی وہ ڈاکٹر۔" وہ اب دوسرا مسئلہ نکال کر بیٹھ گئی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو جیسے بے بسی سے دیکھا۔ پھر ایک دوسرے سے نظریں چرالیں۔

"وہ شرمندہ ہے۔ تم سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔" اس بار بیگم شہباز بولیں۔ اس کی قوت برداشت جیسے یکدم جواب دے گئی۔

"معافی۔۔۔ مائی فٹ۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی نمک دانی میز پردے ماری لمحہ بھر کو میز پر سناٹا چھا گیا۔ وہ ایسے تو کبھی ردعمل ظاہر نہیں کرتی تھی۔

"آئم ساری۔" وہ گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی بولی اور جوس کا گلاس ایک ہی سانس میں پی گئی۔

"ویسے آپ کس معافی کی بات کررہی ہیں انا۔ جس شخص کو میں جانتی نہیں جس سے میرا کوئی تعلق نہیں 'معافی کا کیا قصہ ہے؟'" وہ خود کو ریلکس کرتے ہوئے بولی۔ شہباز نے لب بھینچتے ہوئے بیوی کو دیکھا۔

"ایک بار اس کی بات سن لو تو۔۔۔" شہباز بولے۔

"نہیں تایا جان! ابھی نہیں۔۔۔ میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میرے ماں باپ آپ دونوں ہیں 'نیناں میری بہن ہے۔ یہی میری فیملی ہے 'میرا دنیا میں آپ تینوں کے سوا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ جس شخص کا نام آپ نے لیا تھا وہ میرے لیے کبھی تھا ہی نہیں۔ اب میں سکون سے ناشتا کرلوں؟" وہ قطعی لہجے میں کہتے ہوئے جیسے ان سے اجازت طلب کررہی تھی۔

دونوں میاں بیوی چپ ہوگئے۔ اسی وقت نیناں سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے اترتی نظر آئی مخصوص لاپروائی کے ساتھ سب کو مشترکہ گڈمارننگ کہہ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"تم نے چھٹی کسی خوشی میں کی؟" روشانے نے اس کی کلاس لی۔

"یار موڈ نہیں تھا۔" وہ ایک سیب اٹھا کر دانتوں سے کترنے لگی۔

"جی۔۔۔ ہوچکا اس کا میڈیکل۔" اس نے بیگم شہباز کو دیکھ کر کہا۔

"تم ہی کچھ سمجھاؤ اسے۔" انہوں نے سارا بوجھ

اس پر ڈال دیا۔

"سنجیدہ ہوجاؤ تم۔ ایگزمز قریب ہیں۔" روشانے نے اسے جھڑکا۔

"ہوجائے گی تیاری۔ آدھی تو کرلی ہے۔" اس نے جان چھڑائی۔

"تایا جان! مجھے ذرا کام سے جانا ہے۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"کہیں نہیں جانا ہے۔ تم چھٹیوں پر آئی ہو اور میری منگنی کی تیاری کروانے آئی ہو۔۔۔ ہمیں آج بہت سارے کام ہیں کیونکہ شام کو فنکشن ہے۔" ان کے بجائے نیناں نے گلا پھاڑ کر کہا۔

"یاد ہے یاد ہے۔ مجھے صرف دو گھنٹے چاہئیں۔ آج کا پورا دن تمہارے نام ہے بس تھوڑی سی دیر کی بات ہے 'تم مجھے صرف دو گھنٹے دے دو۔۔۔ آئی سوئر میں اس کے بعد تمہارے پاس سے ہلوں گی بھی نہیں۔ بس تھوڑی دیر کا کام ہے۔" اس نے نیناں کے رخسار پکڑ کر مروڑے۔ بے چاری کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ یہ روشانے کا پیار کرنے کا انداز تھا۔ اسے جب بھی نیناں پر بہت زیادہ پیار آتا تھا وہ یہی کرتی تھی۔

"اوکے اوکے۔۔۔ مگر صرف دو گھنٹے۔" نیناں نے اسے وارننگ دی۔

"کہاں جارہی ہو بیٹا؟" بیگم شہباز نے پوچھا۔

"انا! ایسینشل کام سے ہی جارہی ہوں۔" اس نے بتایا۔

"مگر تم تو چھٹیوں پر آئی ہو۔ تمہارے دفتر والے یہاں بھی چین سے تمہیں نہیں چھوڑ رہے ہیں؟" مسز شہباز نے ناگواری سے خفگی کا اظہار کیا۔

"اب کیا کریں۔ کام تو کام ہے 'کرنا ہی پڑتا ہے۔ مجھے یوں بھی پاکستان آنا تھا 'اللہ نے سبب بنا دیا۔ سوچا اچھا موقع ہے 'کام بھی نمٹالوں۔" اس نے مسکرا کر محبت سے انہیں دیکھا۔

"اوکے مجھے دیر ہورہی ہے۔" وہ اوپر جانے والے زینے کی طرف مڑی۔

"دو گھنٹے یاد رکھنا اور موبائل آف مت کرنا۔" نیناں نے تیز آواز میں اسے یاددہانی کرائی۔ اس نے پلٹے بغیر بازو اوپر کرکے انگلیاں گھمائیں۔ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ نیناں 'اوکے' کا اشارہ ملتے ہی پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ روشانے اپنے بیڈ روم میں جاچکی تھی۔ شہباز ناشتا کرنے کے بجائے نجانے کن سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بیگم شہباز نے ان کا شانہ ہلایا تو وہ چونکے۔

"کن خیالوں میں کھوگئے؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ نیناں بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئی "سوچ رہا تھا کہ یامین بہت بدنصیب نکلا۔۔۔ ہیروں کی قدر نہ کی اور خود بھی گھاٹے کا سودا کر بیٹھا 'ان دونوں کو سدا کا درد دے بیٹھا۔ سب سے زیادہ نقصان روشانے نے اٹھایا ہے اس سارے قصے میں۔" وہ گہری سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے بولے۔ نیناں خاموشی سے بریڈ پر بٹر لگانے لگی۔

"ہوں۔۔۔ بدنصیبی ہی تو ہے اس کی۔۔۔ اور کیا نام دیں؟ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ روشانے نے خود کو ضائع نہیں کیا۔ بہت باہمت بچی ہے۔" بیگم شہباز نے گہری سانس سینے سے خارج کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی۔۔۔ مجھے فخر ہے روشنی پر۔ پورا خاندان 'سب ملنے جلنے والے تعریفوں کے پل باندھتے ہیں۔۔۔ میرا تو سر فخر سے بلند کردیا ہے اس نے۔" جنرل شہباز نے کہا۔ ان کے لہجے میں روشانے کا ذکر کرتے ہوئے خود بخود ایک فخر 'ایک محبت کا سیلاب سا اُمڈ آیا تھا۔

"خدا اس کے نصیب بھی بہت اچھے کرے۔" بیگم شہباز نے دعا دی۔

"آپ اس سے ایک بار پھر بات کرنے کی کوشش تو کریں۔ وہ دونوں پرپوزل ابھی تک راہ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے انہیں ابھی کوئی صاف جواب نہیں دیا۔" لیفٹیننٹ جنرل شہباز نے بیوی سے کہا۔

"اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے۔ اسے کنوینس کرنے کی کوشش تو کریں۔"

"میں نے پہلے بھی بہت کوشش کی تھی۔ ایک بار پھر کرلوں گی۔ مگر وہ سنتے ہی بدک جاتی ہے۔ شادی کے

نام سے ہی خار کھاتی ہے۔" بیگم شہناز کے لہجے میں اس بار بے بسی تھی۔

"کوشش میں اگر نیت اور ارادے کی مضبوطی اور خلوص شامل ہو جائے تو بات بن جاتی ہے آپ کوشش کریں۔" انہوں نے متانت سے کہا۔

"دہرے رشتے ہیں میرے اس کے ساتھ آپ کو کیا میرے خلوص پر شک ہے؟" وہ شکوہ کناں ہوئیں۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔ بھئی میں نے یہ کب کہا۔ مجھے آپ کے خلوص پر بالکل بھی شک نہیں ہے۔ وہ جتنی میری ہے اتنی آپ کی بھی ہے۔" انہوں نے بیوی کی بات کاٹتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ نیناں کی منگنی سے فارغ ہو جائیں تو بات کرتی ہوں۔" انہوں نے کہتے کہتے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ نیناں بھی کسی سوچ میں گم تھی اور شہباز بھی جانے کیا سوچ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ دو کے بجائے ساڑھے چار گھنٹوں کے بعد گھر پہنچی تھی۔ نیناں بالکل تیار اس کے انتظار میں مووی دیکھ کر وقت گزار رہی تھی۔ جس وقت وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی تو نیناں نے اس کے سلام کا جواب دینے کی بجائے سر کے نیچے رکھا ہوا کشن کھینچ کر اسے دے مارا تھا۔

"ارے رے۔۔۔ یہ کیا سلام کا جواب دینے کا کوئی نیا اسٹائل ہے؟" اگر وہ فوراً ایک طرف نہ ہو جاتی تو کشن سیدھا اس کے منہ پر لگتا۔

"تم ٹائم دیکھو تم نے دو گھنٹے مانگے تھے مجھ سے۔" نیناں غرائی۔

"اب میں کیا کرتی' وہ منسٹر ایڈیٹ مجھے ٹائم دے کر مزے سے گھر بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ میں گھنٹہ بھر تو اس کا انتظار کرتی رہی پھر میٹنگ میں اتنا وقت لگ گیا۔" اس نے معذرت کرنے کے ساتھ وضاحت کی۔

"اچھا کیا اس نے تمہارے ساتھ بالکل۔" نیناں منہ پھلا کر بولی۔

"جناب! ہم بھی بخشنے والے نہیں تھے۔ خوب کلاس لی ان کی کہ سارا ناشتا ہضم کرا دیا۔ مذاق تھوڑی ہیں ہم۔۔۔ ان سے بھی "اونچی" کرسی ہے ہماری۔" وہ فرضی کالر جھاڑتے ہوئے بولی۔

"اب اپنے منہ میاں مٹھو بننا بند کرو اور چلو۔" نیناں پر رتی برابر بھی اس کی بات کا اثر نہ ہوا تھا۔ اسے تو اپنی منگنی کے جوڑے کی فکر تھی۔

"چلو' میں تو تیار ہوں۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل پر سے برش اٹھاتے ہوئے بولی اور پونی کھول کر بال برش کرنے لگی۔

"منہ تو دھو لو کم از کم۔" نیناں نے کہا۔

"دھلا دھلایا ہے بالکل۔ چلو اب۔" نیناں کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے اس نے لپ گلوز اٹھا کر ہونٹوں پر لگایا اور پھر ڈھکن بند کرتے ہوئے اسے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

وہ نیناں سے دو' اڑھائی برس ہی بڑی تھی۔ مگر نیناں کے مقابلے میں بے حد میچور اور سنجیدہ مزاج کی تھی۔ جبکہ نیناں کے مزاج میں بچپنا بہت تھا۔ شاید یہ اس لاڈ پیار کا نتیجہ تھا جو اسے اس کے والدین سے ملا تھا۔ جبکہ روشانے کی عمر کا زیادہ تر حصہ ہاسٹلز میں گزرا تھا۔ باوجود اس کے کہ شہباز اور بیگم شہباز اس سے بہت محبت کرتے تھے ہاسٹل میں رہنے کا فیصلہ سو فیصد اس کا اپنا تھا۔ بیگم شہباز کو اس کا ہاسٹل میں رہنا پسند نہ تھا مگر اس کی ضد کے سامنے مجبور تھیں۔ وہ نویں جماعت کے بعد سے ہاسٹل میں رہنے لگی تھی۔ شہباز کے گھر وہ صرف چھٹیوں میں رہنے کے لیے آتی تھی۔ اس لیے بھی اس کا مزاج دوسری لڑکیوں سے کچھ مختلف تھا۔

جس ڈیزائنر کے پاس نیناں کا سوٹ تھا' پہلے انہوں نے وہ سوٹ وہاں سے لیا۔ اس کے بعد جیولر کے پاس گئیں۔ پھر روشانے نے اسے حسب وعدہ لنچ کرانے کے لیے ایک ریسٹورینٹ کا رخ کیا۔ یہ ریسٹورنٹ نیناں کا پسندیدہ تھا۔ لنچ کے دوران وہ دونوں جوڑے اور جیولری پر تبصرہ کرتی رہیں۔ پھر روشانے نے اسے پارلر ڈراپ کیا' اس وعدے کے ساتھ کہ وہ ایک گھنٹے کے بعد اسی پارلر میں خود بھی تیار ہونے آجائے گی۔ نیناں کی منطق تھی۔ "بھئی دلہن کی اکلوتی بہن کو ڈھنگ سے تیار ہونا چاہیے۔ آفٹر آل موی بنے گی' تصاویر بنیں گی۔ شکل تو اچھی لگنی چاہیے۔" روشانے واپس گھر آ گئی تھی تاکہ کچھ دیر آرام کر لے اور پھر تازہ دم ہو کر پارلر کے لیے روانہ ہو۔

منگنی کی تقریب شہباز کے بنگلے پر ہی تھی۔ ان کا لان خاصا بڑا تھا' تقریب کے انتظامات روشانے نے ان کے ساتھ مل کر سنبھالے تھے۔ لان کی سجاوٹ' اسٹیج وغیرہ کی بناوٹ' نیناں کے سسرالیوں کے سواگت کے انتظامات' مہمانوں کی تمام تر ذمہ داری اسی پر تھی۔ پرپل اور اسکن شیڈز کے اسٹائلش سے کرتے اور پائجامے میں ملبوس وہ بے حد مصروف تھی۔ کبھی ادھر سے کوئی اسے کسی کام کے لیے بلا لیتا تو کبھی ادھر سے کوئی اس سے کچھ پوچھ رہا ہوتا۔ نیناں کی باقی کزنز بھی استقبالیہ "عملے" میں پیش پیش تھیں۔

وہ بیگم شہباز کے ساتھ ہی کھڑی مسکرا مسکرا کر مہمانوں کا استقبال کر رہی تھی۔ زیادہ لوگ مدعو نہیں تھے۔ صرف بہت ہی قریبی رشتہ دار اور احباب مدعو تھے۔ اسد کے گھر سے بہت ہی مختصر افراد آئے تھے' کیونکہ اسد کے زیادہ تر رشتہ دار دوسرے شہروں میں رہتے تھے۔

"ہیلو کیسی ہیں آپ؟" شیر دل بلیک کلر کے پینٹ کوٹ اور پرپل کلر کی شرٹ پہنے بہت تازہ دم لگ رہا تھا۔

"بہت اچھی ہوں۔" اس نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا' جس کے ساتھ وہ دوسرے مہمانوں کا استقبال کر رہی تھی۔

"شکر آج تو آپ ضرورت سے زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔" وہ شوخی سے بولا۔

"اس کمپلیمنٹ کے لیے تھینکس' مگر میں ہمیشہ اچھی لگتی ہوں۔" جواب اس کی توقع سے بالکل مختلف تھا۔ مہارت سے کیے گئے میک اپ' خوب صورت سے ہیئر اسٹائل کے ساتھ بنی سنوری وہ اسے بے حد مغرور اور خود پسند لگی۔

"اتنی خود پسندی۔" وہ ششدر رہ گیا۔ بیگم شہباز دوسری مہمان خواتین کی طرف متوجہ تھیں' لہٰذا ان دونوں کی باتیں نہ سن سکیں۔ روشانے نے مسکرا کر ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے بڑھنے کے لیے کہا اور خود دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ شیر دل نے خفت کے ساتھ اس پر ایک نظر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔

"کتنی بار اپنی بے عزتی کرائے گا بیٹے۔" اسد کے کان کھڑے ہوئے تھے' اس سے دو قدم آگے ہونے اور "دولہا" بننے کے باوجود اس نے ان دونوں کے مکالمات سن لیے تھے۔

"اس لڑکی سے بے عزتی کرانے کا بھی اپنا ایک مزا ہے یار۔" وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

"وقت ہے۔ سدھر جا۔ بڑے بڑے چاروں شانے چت ہو گئے ہیں اس کے ہاتھ سے۔" اسد نے اسٹیج کی طرف جاتے جاتے آہستگی سے کہا۔

"فی الحال تو تو اپنی خیر منا بیٹا۔۔۔ وہ سامنے اسٹیج پر تیری "ہتھکڑی" براجمان ہے۔" شیر دل نے دلہن بنی نیناں کی طرف اشارہ کیا۔

"ویسے اگر تو روشانے کے لیے سنجیدہ ہے تو بات آگے بڑھائی جا سکتی ہے۔" اسد نے تجویز پیش کی۔

"فی الحال تو اپنی خیر منا بکرے۔۔۔ تیری ہونے والی تجھے ہی دیکھ رہی ہے۔" شیر دل نے اس کے کان کھینچے۔ اسد' نیناں کے پاس رکھی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک ہا ہو کا طوفان شروع ہو چکا تھا۔ دونوں طرف کے "گروپس" شرارتیں کر رہے تھے۔ شیر دل بھی پیش پیش تھا۔ روشانے دوسری خواتین کے ساتھ ذرا پرے کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے اطمینان سے بیٹھی لڑکوں اور لڑکیوں کی شرارتوں پر مسکرا رہی تھی۔ شیر

دل کی نظریں بار بار اس کی طرف بھٹک جاتیں۔ وہ اس سے بے خبر سارے ملنے گلنے کو بہت مزے سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت لطف اٹھا رہی ہے۔

پورے فنکشن میں وہ صرف انگوٹھی پہنانے کی رسم میں ہی اسٹیج پر نظر آئی تھی۔ شیر دل نے اسے مہمانوں کے ساتھ ہی مصروف دیکھا تھا یا پھر اگر وہ فارغ ہوتی تو کسی نہ کسی کرسی پر بیٹھی نظر آتی۔ کھانے کے وقت بھی وہ مہمانوں کی خاطر داری میں ہی مصروف نظر آئی تھی۔

"آپ دوسروں کو ہی کھلاتی رہیں گی یا خود بھی کچھ کھائیں گی؟" شیر دل اس کی پشت پر خالی پلیٹ لیے کھڑا تھا۔

"فی الحال تو آپ کی پلیٹ بھی خالی ہے۔" اس نے شیر دل کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ سب ہمارے مہمان ہیں۔ فی الحال تو آداب میزبانی ہمیں نبھانا ہے۔ آپ کچھ لیجیے ناں۔" اس نے اخلاق سے مسکرا کر کہا۔

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ کہیں آج بھی آپ ناچیز کو پہچاننے سے انکار نہ کردیں۔ مگر صد شکر۔" شیر دل نے دوسری خالی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کہ آپ نے پہچان لیا۔" وہ اس کا طنز سمجھ گئی تھی مگر نظر انداز کر گئی۔

"آپ کھانا لیجیے۔ مہمان ہیں ہمارے آپ۔" اس نے کہا۔

"آپ ساتھ دیں تو۔۔۔" شیر دل نے بات جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی۔

"چلیے جناب! مہمان کی تو ماننی پڑے گی۔ یوں بھی کچھ بھوک محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے بریانی پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا۔ شیر دل اس کے پہلو میں کھڑا تھا۔

"اب بنی ہے نا بات۔" وہ مسکرایا۔ روشانے نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور کھل کر مسکرا دی۔ فوٹو گرافر نے اسی پل ان کی تصویر کو کیمرے میں قید کرلیا۔ ان دونوں کو خبر بھی نہ ہوئی۔

"اگلی ملاقات کی توقع کب رکھوں؟" شیر دل نے بریانی اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے پوچھا۔

"اگلی ملاقات کا اتنا انتظار کیوں ہے آپ کو؟ جبکہ یہ ملاقات تو ابھی جاری ہے۔" اس نے بات اڑائی۔

"آپ بہت عجیب ہیں؟" شیر دل بے اختیار کہہ اٹھا۔

"کیوں؟ کیا میرے سر پر سینگ ہیں؟" وہ بائیں ابرو اٹھا کر بظاہر سادہ لہجے میں بولی۔

"نہیں۔۔۔ آئی مین تو۔۔۔ دیٹ۔۔۔" وہ ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک لڑکی روشانے کے پاس آکر اسے بیگم شہباز کا پیغام دینے لگی کہ وہ اسے اسٹیج پر بلا رہی ہیں۔ وہ شیر دل سے معذرت کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی اور شیر دل کی نظریں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

وہ جس وقت تھکی ماندی اپنے کمرے میں آئی تھی تو وال کلاک ساڑھے بارہ بجا رہا تھا۔ وہ سیدھی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ پہلی فرصت میں اس نے تمام میک اپ، زیور اور بھاری لباس سے پیچھا چھڑایا۔ سفید رنگ کے بالکل ڈھیلے ڈھالے کرتے اور لوز پائجامے میں ملبوس وہ گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹے جب باہر نکلی تو اس کے موبائل کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے موبائل فون کو اٹھا کر نمبر چیک کیا۔ نمبر کو پڑھتے ہی اس کی صبیح پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "ڈسگسٹنگ" اس نے جھلا کر فون ہی آف کردیا۔

"میرا موبائل نمبر کہاں سے ملا؟" وہ سوچنے لگی۔ ساتھ ساتھ تولیے سے بالوں کو آزاد بھی کیا۔

"تایا جان یا انا۔۔۔ مے بی پاسبل۔" اس نے خود ہی اندازہ لگالیا۔

"مجھے ان سے بات کرنا پڑے گی۔ دس اس ٹو مچ۔"

اس کا موڈ بری طرح آف ہوچکا تھا۔ اس نے کوفت بھرے انداز میں بالوں کو سلجھایا اور تھکے ہوئے جسم کو بستر پر گرا دیا۔ کچھ دیر پہلے والی خوشگواریت ختم ہو چکی تھی۔ اب حافظے میں اب کچھ ایسا آچکا تھا جس نے اسے پھر سے ڈسٹرب کردیا تھا۔

رات بے سکونی میں گزری تھی لہٰذا صبح وہ دیر سے جاگی تھی۔ جس وقت فریش ہو کر نیچے آئی تھی بیگم شہباز ٹی وی لاؤنج میں کوئی نیوز چینل دیکھتی ہوئی ملیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

"آج بہت دیر تک سوئیں۔ تھک گئی تھیں؟ کل تم نے سب کچھ سنبھال جو رکھا تھا۔" انہوں نے مسکرا کر محبت سے اسے دیکھا۔ وہ ان کے پاس جا کر صوفے پر سکڑ سمٹ کر لیٹ گئی اور سر ان کی گود میں رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

"میری سسرالی خواتین کہہ رہی تھیں کہ روشانے نے بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ روشانے میرا بیٹا ہی ہے۔ سب تمہاری کل بہت تعریفیں کر رہے تھے۔" وہ اس کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں چلاتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

"تایا جان چلے گئے؟" اس نے پوچھا۔

"کب کے۔ اب تو ان کی ریٹائرمنٹ بھی قریب ہے۔ بس چند ماہ ہی رہ گئے ہیں۔ ارے۔۔۔ تم نے تو ناشتا بھی نہیں کیا ہوگا۔ عبدل۔۔۔ عبدل۔" انہیں باتوں کے دوران خیال آیا تو انہوں نے ملازم کو آواز لگائی۔

"جی بیگم صاحبہ؟" بوتل کے جن کی طرح عبدل حاضر ہوا۔

"روشنی کے لیے ناشتا لے آؤ اور نیناں بی بی کو بھی جگاؤ۔" انہوں نے آرڈر دیا۔ عبدل چلا گیا۔

"تایا جان ریٹائرمنٹ کے بعد کیا کریں گے انا؟" اس نے پوچھا۔

"یہ مکان تو آرمی والوں کی ملکیت ہے۔ انہیں دینا پڑے گا۔" اس نے ان کا چہرہ دیکھا۔

"تمہارے تایا اور میں نے سوچا ہے کہ اسی دوران نیناں کی شادی کردی جائے۔ ایک ہی تو سال رہ گیا ہے۔ شادی کے بعد وہ فائنل کر کے ہاؤس جاب کر لے۔ اسد اور اس کے پیرنٹس سے ہم نے بات کرلی تھی۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"دیٹس گریٹ۔ چلیں اچھا ہے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور ریموٹ لے کر چینل بدلنے لگی۔

"پھر ہم نے تمہاری بھی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے۔ اس فرض کو بھی تو نبھانا ہے ناں۔ تمہاری بھی شادی نیناں کے ساتھ کرکے ہم دونوں بے فکر ہو کر اپنے گاؤں والی حویلی چلے جائیں گے۔ بس باقی کے دن وہیں اطمینان سے گزارنا چاہتے ہیں۔" وہ آہستہ آہستہ مطلب کی بات پر آرہی تھیں۔

"میرا انٹرویو آرہا ہے انا۔ لیکن پرانا ہے۔" اس نے ایک غیر ملکی چینل پر خود کو دیکھا تو ٹیوننگ روک دی۔

"ماشاء اللہ تم نے اتنی چھوٹی عمر میں جو مقام پایا ہے وہ بہت ہی کم لوگوں کا نصیب ہوتا ہے۔" بیگم شہباز نے ممتا بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ٹی وی اسکرین پر نظریں جما دیں۔

"تمہارے تایا اور میں چاہتے ہیں کہ اب تم بھی شادی کرلو۔" وہ آہستہ آہستہ کہنے لگیں۔

"بیٹیاں بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہیں اور اپنے گھروں میں آباد ہی اچھی لگتی ہیں۔ تم اپنے کیریر کی پیک پر ہو۔ اسٹارٹنگ میں نہیں۔ اب تمہارے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے۔ جو پرپوزل تمہارے لیے پچھلے سال آئے تھے وہ اب بھی تمہارے منتظر ہیں۔ تم نے پچھلی بار انکار کردیا تھا، اب مت کرنا۔ دونوں گھرانے بہت اچھے ہیں۔ ہمارے دیکھے بھالے لوگ ہیں۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ یہ سب وہ باتیں تھیں جو وہ پچھلے دو سالوں سے اس سے کر رہی تھیں۔ الفاظ تبدیل ہو جاتے تھے، انداز بدلتا رہتا تھا "وقفہ" کم زیادہ ہوتا رہتا تھا مگر مدعا وہی رہتا تھا۔

"میں نے ابھی شادی کے بارے میں نہیں سوچا۔" اس نے چینل بدل دیا۔

"تو اب سوچو۔ اگر تمہیں کوئی پسند ہے تو۔" انہوں نے پوچھنا چاہا۔

"نہیں مجھے کوئی پسند نہیں ہے۔" اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔

"ماضی کے زخموں سے کھرنڈ نوچتی رہتی ہو' انہیں بھرنے نہیں دیتیں۔ جو ہو کر گزر گیا' اسے کیوں تھامے ہوئے ہو؟ جانے دو۔" وہ اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولیں۔

"بہت کوشش کرتی ہوں اماں... اسی لیے خود کو اتنا مصروف رکھا ہوا ہے۔ چوبیس میں سے بیس گھنٹے کام کرتی ہوں... اگر نہ کروں تو دماغ کی رگیں پھٹ جائیں۔ مگر جب بھی تنہائی ملتی ہے تو..." وہ لب کاٹنے لگی۔

"تمہارا دکھ مجھے جیتے جی مارتا ہے روشنی... خدا کی قسم' تم مجھے نیناں سے زیادہ عزیز ہو... مگر۔" وہ یکدم ہی رونے لگیں۔

"فار گاڈ سیک اماں... یہ مت کریں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" اس نے ان کے گالوں پر پھسلنے والے موتیوں کو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لیا۔

"آپ کی محبت پر مجھے کوئی شک نہیں ہے۔ آپ تو میری ماں ہیں۔" وہ محبت سے بولی۔

"تو کیوں اپنی ماں کی بات نہیں مان لیتیں؟ شادی کر لو روشانے... زندگی میں تبدیلی آئے گی تو ماضی کے کانٹے نہیں چبھیں گے۔ دھیان بٹ جائے گا۔ جو حل تم نے نکالا ہے وہ حل نہیں ہے دشمنی ہے تمہاری۔ تمہارے اپنے ساتھ۔ آج جوان ہو تو اتنا کام کر لیتی ہو' جب بڑھاپا آئے گا تب کیا کرو گی؟ جتنا کام آج کر لیتی ہو کل اتنا نہیں کر پاؤ گی۔ انسانی جسم کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ تم فطری تقاضوں کو ختم نہیں کر سکتیں۔ صرف کسی حد تک روک سکتی ہو... زندگی یہی کچھ سکھاتی ہے بیٹا کہ ماضی پر رونے کے بجائے حال کو بہتر بنایا جائے۔ کیا خبر... شادی کر لینے سے تم ماضی کے عذابوں سے پیچھا چھڑا سکو...." انہوں نے سمجھایا اور کافی دیر تک سمجھاتی رہیں۔ ان کی باتوں میں لوجک تھی اور کچھ سچی خیر خواہی اور اچھی نیت نے بھی کارکردگی میں تیزی پیدا کر دی تھی۔

"میں سوچوں گی۔" اس نے صرف ایک جملہ کہا۔ عبدل ناشتا وہیں لے آیا تھا۔ نیناں کا ابھی اور سونے کا ارادہ تھا۔ وہ ناشتا کرتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مائی گڈنیس... اوسم... یہ دیکھو اگر کسی آرٹ گیلری میں رکھوا دی جائے تو سب بس اسی کو دیکھیں۔" نیناں منگنی کی وہ تصویریں دیکھ رہی تھی جو اسد نے کاپی کرا کرا سے بھجوائی تھیں۔

"دکھاؤ۔" روشانے نے اشتیاق کے ساتھ اس کے ہاتھ سے تصویر لے لی۔

"گڈ گاڈ۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ تصویر میں وہ اور شیر دل قریب قریب کھڑے تھے۔ یہ وہ لمحہ تھا جب دونوں کھانے کی میز کے پاس کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پلیٹیں تھیں' دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ تصویر میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد ہم آہنگ نظر آ رہے تھے۔ روشانے کی لپ اسٹک اور جوڑے میں موجود پرپل کلر شیر دل کی شرٹ اور کوٹ میں لگے رومال کے رنگ سے (جو کہ گلاب کی طرح سے لگ رہا تھا) اس قدر ہم آہنگ تھے کہ جیسے دونوں نے باقاعدہ طور پر مشورے کے بعد یہ میچنگ کی ہو۔ دونوں اس قدر مکمل اور خوب صورت لگ رہے تھے جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔

"اچھی ہے۔" اس نے تصویر نیچے رکھتے ہوئے دوسری تصویروں کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"صرف اچھی..." وہ چلائی۔

"اور ہاں... اس رات تو شیر دل بڑا پیچھے پیچھے تھے محترمہ کے۔" اس نے مشکوک نظروں سے روشانے کو دیکھا۔

"تمہیں کیا پتا؟ تم تو دلہن بنی بیٹھی تھیں؟" وہ مسکرائی۔

"ہاں... مگر دلہن بننے کے بعد انسان اندھا یا کانا نہیں ہو جاتا... میرے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے یہ بات نوٹ کی ہے محترمہ۔" اس نے روشانے کو جتا لیا۔

"چکر کیا ہے؟" وہ اس کے سر ہو گئی۔

"کوئی چکر نہیں ہے وہ اس رات تمہارے سسرالی مہمانوں میں سے تھا' میں دوسرے مہمانوں کی طرح اسے بھی ڈیل کر رہی تھی۔ اب دیکھنے والوں کی نظریں اور سوچنے والوں کے دماغ تو میں اپنے بس میں نہیں کر سکتی نا اور تم یہ فضول باتیں چھوڑو... جانتی ہو اماں کہہ رہی تھیں کہ تمہاری شادی بھی جلدی کر دیں گے۔ خوش ہو جاؤ تم۔" اس نے بات بدلی۔

"روشنی! تم بھی اس بار کسی پر "ڈکرٹی" کا نشان بنا ہی دو یار! کتنا مزا آئے گا... سوچو... میرے بھی دل کے ارمان پورے ہو جائیں گے۔" وہ منہ بسور کر اولی۔

"تم لوگوں کو اس ایک موضوع کے سوا کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔" وہ سچ مچ جھنجلا گئی۔

"میری جان! زندگی کا اہم ترین موضوع ہی یہ ہے... اگر یہ موضوع نہ ہو تو سوچو دنیا "ترقی" کیسے کرے۔" وہ مسخرے پن سے بولی اور انتہائی جھلاہٹ کے باوجود روشانے کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اس نے البم اٹھا کر اسے دے مارا۔

☼ ☼ ☼

کتنی دیر سے وہ اس تصویر کو بغیر پلکیں جھپکے دیکھے جا رہا تھا۔ روشانے کا سائیڈ پوز تھا۔ اس کے رخسار کا ڈمپل اس کی مسکراہٹ سے نمایاں ہو رہا تھا۔ شیر دل کا قد اس سے لمبا تھا' وہ اپنے لانبے قد کے باوجود اس کے سینے تک پہنچ رہی تھی۔ وہ اسے آنکھیں اٹھا کر دیکھ رہی تھی' صراحی دار گردن ذرا سی اٹھی ہوئی تھی۔ دونوں مرمریں ہاتھوں میں سفید رنگ کی پلیٹ تھامی ہوئی تھی۔ پرپل شیڈ کی لپ اسٹک سے سجے لب ادھ کھلے تھے اور سفید موتی ایسے دانت نظر آ رہے تھے۔ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ مسکارے سے بوجھل پلکیں اور زیادہ نمایاں اور خوب صورت ہو رہی تھیں۔ وہ جیسے اس کے سحر میں گرفتار سا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"وہ فہد نہیں ہے..." اسد نے مووی پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے اس کی محویت توڑی۔

"کون؟" وہ چونکا اور اس کی طرف دیکھا۔ ڈی وی ڈی پلیئر پر منگنی کی مووی لگی ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر فہد..." اس نے کہتے ہوئے ٹی وی کا والیوم کم کیا۔

"ہوں... وہ میجر ڈاکٹر فہد کی بات کر رہے ہو؟ وہ تو تمہارا شاید دور کا کوئی کزن وغیرہ لگتا ہے نا؟" وہ دوبارہ تصویر پر نظریں جما چکا تھا۔

"ہوں... اس کا پرپوزل روشانے کے لیے آیا ہے۔" اس نے سرسری سا بتایا۔

"اچھا" شیر دل چونکا اس نے ٹی وی اسکرین پر متحرک لوگوں کے درمیان چلتی پھرتی روشانے کو دیکھا۔

"پھر کیا بنا؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"پتا نہیں۔ مجھے تو نیناں نے بتایا تھا کل فون پر' روشانے کے لیے پہلے بھی کافی رشتے آئے ہیں مگر وہ کہیں بھی ہاں نہیں بھر رہی۔ فہد کے لیے بھی کچھ کہہ نہیں سکتے۔" اس نے جواب دیا۔

"کہیں اور انوالو ہے؟" نجانے کیوں اس نے پوچھ لیا۔

"نیناں کے بقول تو بالکل بھی نہیں... بس شاید وہ ابھی کچھ ڈیسائیڈ نہیں کر پا رہی ہے۔" اسد نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہمارا کیل کیسا رہے گا؟" کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے بم پھوڑا۔

"واٹ؟" اسد اچھل پڑا۔

"کیا کہا تم نے؟" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

"میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ سکون سے بولا۔

"تم سنجیدہ ہو؟" اسد نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ شادی کے نام سے بدکنے والا آج خود اپنے منہ سے اپنی شادی کی بات کر رہا تھا۔

"سو فیصد۔" اس نے اسی اطمینان سے جواب دیا۔

"سوچ لو... یہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں ہے۔ تم ذرا رنگین مزاج ہو اور روشانے کا مزاج الگ ہے' بلکہ اس کی ہسٹری بھی... کچھ ٹریجڈی ہے اس کی لائف میں بھی۔" اسد نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔" اسد کی بات کے جواب میں اس نے صرف یہی کہا تھا۔

"اوہ..." اسد نے گہری سانس لی۔ وہ جان چکا تھا کہ شیردل جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ اس کی بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ دوستی تھی اور وہ دوستی میں "حدود و قیود" کی پابندی نہیں کرتا تھا مگر اس نے کبھی کسی لڑکی سے محبت کا دعوا نہیں کیا تھا اور نہ ہی کسی کو محبت کا فریب دیا تھا۔ وہ بہت کھلے عام سب کرتا تھا۔ اسد سے اس کی دوستی بہت پرانی تھی۔ کیڈٹ کالج میں دونوں کا وقت اکٹھا گزرا تھا' پھر ٹریننگ کے وقت بھی دونوں ساتھ تھے۔ اس کے بعد دونوں مختلف جگہوں پر پوسٹڈ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے مسلسل رابطے میں ہی تھے۔ وہ شیردل کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا... ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ دھوکے باز اور جھوٹا نہیں تھا۔

"تو نیک کام میں دیر کیسی؟ تم انکل سے بات کرو۔ مجھ سے جتنا ہو سکا میں اس کیس میں تمہارا ساتھ دوں گا۔" اس نے پورے خلوص سے کہا۔ شیردل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اسکرین پر روشانے کا کلوزاپ دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

شہباز اپنی اسٹڈی میں کسی فائل کے مطالعے میں ڈوبے ہوئے تھے' جب وہ کافی کا کپ لیے اندر داخل ہوئی۔ آہٹ سن کر وہ چونکے اور ریڈنگ گلاسز کے اوپر سے دیکھا۔ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"تم تک میرے احساسات کیسے پہنچ جاتے ہیں میں حیران ہو جاتا ہوں کبھی کبھی۔" وہ مسکرا کر بولے۔ "مجھے کافی کی طلب ہو رہی تھی۔" وہ بولے۔

"اور کافی حاضر۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"بزی ہیں؟" اس نے کپ ان کے قریب رکھی تپائی پر رکھ دیا۔

"کچھ خاص نہیں۔ تم کیا کر رہی تھیں!" انہوں نے فائل بند کر دی۔

"کچھ خاص نہیں۔" اس نے انہی کے انداز میں جواب دیا اور ان کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سوچا آپ کے لیے کافی بنا دوں اور کچھ گپ شپ بھی لگا لوں' پھر نجانے کتنے عرصے بعد اس طرح سے ملنا اور بیٹھنا نصیب ہو؟" وہ بولی اور دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں پڑے وائٹ گولڈ کے چھلے سے کھیلنے لگی۔

"ہاں... یہ تو ہے۔ تم نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے بڑی محنت کی ہے ورنہ میں کہتا کہ چھوڑ دو جاب اور ہمارے پاس ہی آجاؤ... مگر یہ خود غرضی ہو گی۔" انہوں نے ریڈنگ گلاسز اتارتے ہوئے کہا۔ وہ چپ رہی۔

"تمہاری اما نے تم سے کچھ بات کی؟" انہوں نے مطلوبہ موضوع چھیڑ دیا۔ وہ تجاہل برت گئی۔

"بہت باتیں کرتی ہیں وہ تو۔" وہ ہنسی۔

"تمہاری شادی سے متعلق۔" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ چپ رہی۔

"تمہارے لیے بہت ہی اچھے پرپوزلز موجود ہیں روشنی۔ اتنے اچھے رشتوں کو ٹھکرانا بھی کفران نعمت ہے... آج ایک اور رشتہ آگیا ہے۔" وہ ذرا سا رکے۔ روشانے خاموش بیٹھی رنگ سے کھیلتی رہی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"شیردل کو پہچانتی ہو؟ اسد کا دوست ہے' اس کا باپ میرا بھی بہت اچھا دوست ہے۔ بہت اچھی فیملی ہے۔ میں جانتا ہوں۔" انہوں نے زیادہ تمہید باندھنی مناسب نہ سمجھی۔ یوں بھی وہ زیادہ تمہید پر یقین نہیں

کرتے تھے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم واپس جانے سے پہلے کوئی فیصلہ کر لو۔ ویسے تمہارے جانے میں ابھی کتنے دن باقی ہیں؟" وہ کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"صرف چھ روز۔" اس نے جواب دیا۔

"روشانے! تم جانے سے پہلے کوئی فیصلہ کر لو... میں تمہارے لیے بہت فکر مند رہتا ہوں بیٹے۔" وہ کہہ رہے تھے اور روشانے جانتی تھی کہ وہ غلط نہیں کہہ رہے۔

"ذاتی طور پر مجھے فہد بہت پسند ہے۔ مختصر فیملی' برائٹ فیوچر اور خاصا سنجیدہ مزاج بھی۔ شیردل بھی اچھا لڑکا ہے' مگر میرے خیال میں اس کا اور تمہارا مزاج نہیں ملتا۔" وہ پرسوچ انداز میں کہہ رہے تھے۔

"باقی دونوں پرپوزل بھی اچھے ہیں اور خاصے وقت سے تمہارے جواب کے منتظر بھی۔" وہ کہتے رکے۔ انہیں یکدم احساس ہوا کہ روشانے کا دھیان ان کی باتوں پر نہیں ہے۔

"تایا جان! ان کی کال آئی تھی میرے موبائل پر۔" اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلتے ہوئے کہا۔ شہباز نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ انہیں اس کی بے چینی کا سبب پتا چل گیا تھا۔ انہوں نے کوئی سوال منہ سے نہیں کیا۔ ان کا سوال ان کی آنکھوں میں تھا۔

"میں نے فون آف کر دیا تھا۔ پھر اس نمبر کو فون پر بلاک کروا دیا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

"آپ نے انہیں میرا نمبر کیوں دیا؟" اب کی بار اس کے لہجے میں اور آنکھوں میں شکایت تھی۔

"وہ تمہارا..." انہوں نے کہنا چاہا۔

"میں جانتی ہوں... وہ کون ہیں۔" اس نے درشتی سے ان کی بات کاٹی۔ کرب کی ایک شدید لہر اس کے دل سے اٹھی اور اس کے وجود کو لپیٹ میں لے لیا۔

"میری ماں کے قاتل ہیں وہ... بس یہی ایک پہچان رہ گئی ہے... یہی ایک تعلق... ایک رشتہ رہ گیا ہے۔ باقی سب برسوں پہلے ختم ہو گیا تھا۔" اس کے ہونٹوں سے لفظ نہیں تیر نکل رہے تھے۔ زہر میں بجھے ہوئے تیر شہباز چپ سے ہو گئے۔

"وہ تم سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔" شہباز نے چند لمحوں بعد دھیرے سے کہا۔

"معافی اس شخص کو کبھی نہیں ملے گی تایا جان..." وہ چیخ کر بولی۔

"روشنی..." انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"میری ماں بے حد حسین تھیں۔ تایا جان! جب وہ ہنستی تھیں تو مجھے لگتا تھا کہ پوری دنیا' ساری کائنات جگمگا اٹھی ہے... مجھے ان کی ہنسی سے زیادہ کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ مجھے اس چہرے سے زیادہ خوب صورت کچھ بھی نہیں لگتا تھا۔ آپ کو پتا ہے... جب وہ سو جاتی تھیں یا نماز پڑھ رہی ہوتیں تو میں چپکے چپکے ان کا چہرہ دیکھتی رہتی تھی۔ ایسا چہرہ... جسے دیکھ دیکھ کر دل ہی نہ بھرے اس شخص نے لمحوں میں' چٹکیوں میں منوں مٹی تلے دبا دیا۔"

اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔ شہباز نے بہت دنوں بعد اس کی یہ کیفیت پھر سے دیکھی تھی۔

"جو اس نے کیا وہ بہت ہی غلط تھا... مگر جو صوفیہ نے کیا وہ بھی غلط تھا... یا میں اس کا قائل نہیں..." انہوں نے کہنا چاہا مگر روشانے نے ان کی بات کاٹ دی... بہت بے دردی سے' بہت غصے سے' بہت تکلیف دہ انداز سے۔

"بے قاتل ہے... تایا جان! وہ ہم ماں بیٹی کا قاتل ہے..." اس کی آنکھیں بھر آئیں شہباز نے بمشکل اپنی آنکھوں کی نمی کو اندر دھکیلا۔ وہ کچھ لمحے خاموش رہی۔

"تمہاری ان وحشتوں کا علاج شادی ہے بیٹا... دوسرا کوئی حل مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔" انہوں نے کچھ دیر بعد کہا۔

"سوچوں گی تایا جان... اور پرامس اس بار کوئی فائنل جواب دے ہی دوں گی آپ بس اس شخص کو منع کر دیں کہ وہ میرا نام بھی اپنی زبان پر نہ لائے۔ میرا

اس سے کوئی واسطہ نہیں۔" وہ جیسے تھک کر بولی' اس کے بعد وہ وہاں رکی نہیں۔ تیزی سے اٹھ کر اسٹڈی سے باہر نکل گئی۔ شہباز نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو انگلیوں کی پوروں سے وہیں جذب کرلیا۔

☆ ☆ ☆

وہ بیگم شہباز کو بتا کر کلب آگئی تھی۔ کلب میں زندگی کے ہنگامے زوروں پر تھے۔ وہ ایک کونے میں بیٹھ کر لوگوں کو دیکھنے لگی۔ کلب میں الگ ہی دنیا آباد تھی۔ وہ جوس کا گلاس ہاتھ میں لیے چپ چاپ یوں سب کو دیکھ رہی تھی' جیسے ٹی وی پر کوئی فلم چل رہی ہو۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اب واپس چلے جانا چاہیے۔ فرصت و فراغت کے لمحے اسے راس نہیں تھے۔ وہ فراغت و فرصت کے لمحوں میں درد کے اس دریا میں ڈوبنے لگتی تھی کہ اس کی سانسیں بند ہونے لگتی تھیں۔

"ہیلو......" شیردل کی آواز پر وہ بری طرح چونکی وہ بلیک جینز اور گرے کلر کی ٹی شرٹ میں نکھرا نکھرا سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے تو وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی ہی رہی۔ وہ بہت ہی گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس قدر کہ شیردل کی اچانک آمد نے اس کے ذہن کو جھٹکا دیا تھا اور چند لمحے تو اسے نارمل ہونے میں لگے تھے۔

"آر یو آل رائٹ؟" شیردل کے لہجے میں تشویش تھی۔ آج اس لمحے وہ اسے بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ "یس...... آئی ایم" اب وہ پوری طرح سے خود پر قابو پا چکی تھی۔ شیردل نے اس کی آنکھوں میں عجیب سا خالی پن دیکھا تھا۔ "ایکسکیوزی۔" وہ جوس کا گلاس لے کر وہاں سے اٹھ گئی۔ گلاس میں جوں کا توں جوس تھا۔ وہ صرف ہاتھ میں لے کر بیٹھی تھی۔ وہ تمبولہ کھیل رہا تھا جب اچانک ہی اپنے کسی دوست سے باتیں کرتے کرتے اس کی نظر روشانے پر پڑی تھی۔ وہ ایک طرف جوس کا گلاس لیے بیٹھی تھی۔ سی گرین کلر کے لباس میں ملبوس چپ چاپ' کھوئی کھوئی سی۔ پہلی نظر ڈالنے پر اس پر کسی مجسمے کا گمان ہوتا تھا۔ وہ سارے ہنگاموں سے ہٹ کر ایسی جگہ بیٹھی تھی جہاں روشنی قدرے مدہم تھی اور یہ گوشہ تقریباً" خالی تھا۔ شیردل کو اس کی آنکھوں میں کچھ غیر معمولی لگا تھا۔ وہ خود کو روک نہیں پایا اور اس کے پاس چلا آیا۔

"روشانے! آپ ڈسٹرب لگ رہی ہیں۔ اینی پرابلم؟" وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

"میں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں شیردل' پلیز......" وہ بدلحاظی سے بولی شیردل کو اس کا لہجہ ہی نہیں اس کا چہرہ بھی برف کی طرح لگا تھا۔ سخت اور ٹھنڈا۔

"اوکے۔" کہہ کر وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ اب وہ کاؤنٹر کے پاس رکھے ایک خالی اسٹول پر براجمان تھی۔ وہ گردوپیش سے بے نیاز نظر آرہی تھی۔ جوس کا گلاس اب بھی ویسے ہی اس کے سامنے دھرا ہوا تھا۔ شیردل کی نگاہیں مسلسل اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔ وہ مسلسل اس کو ہی سوچ رہا تھا...... ایسا کیا ہو گیا کہ وہ اتنی ڈسٹرب ہے؟ یہ سوال وہ اپنے آپ سے بہت بار دہرا چکا تھا۔ پھر اس نے نیناں سے مدد لینے کا فیصلہ کرلیا۔

☆ ☆ ☆

"تم تو ایک ہفتے بعد جانے والی تھیں...... کیا ہو گیا؟" سب ہکابکا اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔

"بس وہاں آفس میں کچھ ایمرجنسی ہو گئی ہے' اسی لیے جلدی بلایا ہے۔" سامان کی پیکنگ کرتے کرتے وہ ان سب سے نظر چرا کر بولی۔

"کیا فائدہ چھٹیاں لینے کا؟ وہاں تمہارے علاوہ بھی اور آفیسرز ہیں...... سارا یونیسف تمہارے دم سے ہی تو چل رہا ہے۔" نیناں کا موڈ سخت آف تھا۔

"اب کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ زبردستی مسکرائی "اور وہ جو رشتے آئے ہیں' ان کو کیا جواب دوں؟" بیگم شہباز نے خفگی سے پوچھا۔

"آپ کو جو ٹھیک لگے وہ کیجیے۔ مگر آپ ایک بات ان سے کہہ دیجیے گا' جس کو بھی ہاں کریں گی...... کہ شادی کے بعد میں جاب چھوڑ دوں گی۔" اس نے بغیر رکے اعلان کیا۔ اس کی اس بات پر تینوں ہی چونکے۔

"مگر بیٹا! اپنے کیریئر کے اس موڑ پر تم جاب چھوڑ دو گی؟ یہ احمقانہ فیصلہ ہے۔" شہباز نے اس کی بات کاٹی۔

"تایا جان! میں فی الحال جاب نہیں چھوڑ رہی ہوں' یہ فیصلہ میں نے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہے۔ آپ ان سب کو یہ بات بلکہ یہ میسج پہنچا دیں' ان لوگوں کا جو بھی جواب ہو آپ مجھے بتا دیجیے گا اور ان میں سے جسے آپ میرے لیے چنیں گے' وہی مجھے قبول ہوگا۔ مگر فیصلہ کرنے سے پہلے آپ لوگ میرا یہ میسج ان تک پہنچا دیجیے گا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیجیے گا کہ میری نہ ہی کوئی جائیداد ہے اور نہ ہی لمبا چوڑا بینک بیلنس۔ جو ہے وہ یہی تنخواہ ہے اور بس۔" اس نے متانت و سنجیدگی سے کہا ان لوگوں کو اس کی یہ بات یا یہ منطق سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے راتوں رات اپنی ٹکٹ بک کرائی تھی اور آج رات کو اس کی فلائٹ تھی اور صبح اس نے ان سب کو مطلع کیا تھا۔

"تم بہت عجیب ہوتی جا رہی ہو۔" نیناں نے تنہائی میں اس سے کہا۔

"دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ عجیب لوگ موجود ہیں نیناں۔" وہ مبہم مسکرائی۔ "کم از کم شیردل سے تو مل کر جاؤ۔" وہ بولی۔

"کیوں؟ اس سے کیوں مل کر جاؤں؟" اس نے تنک کر پوچھا۔

"مرتا ہے وہ تم پر اور تمہارے نخرے ہی ختم نہیں ہوتے۔" نیناں نے خفگی سے کہا۔

"میرے علاوہ بھی بہت سوں پر مرتا ہے۔ ذہن نشین کرلو۔"

"وہ لڑکیوں کے پیچھے نہیں جاتا ہے' لڑکیاں خود اس کے پیچھے مرتی ہیں۔"

"ہاں...... اور وہ بے چارہ ان لڑکیوں کا دل نہیں توڑنا چاہتا...... ہے نا؟" روشانے نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹی اور ٹکڑا جوڑا۔

"میں نے گھاس نہیں ڈالی اور نہ ہی اس کی ڈالی ہوئی گھاس کھائی' اس لیے وہ رشتہ لے کر آگیا۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی "کہ بیوی تو پاؤں کی جوتی ہوتی ہے' شادی ہو گئی تو پھر کر بھی کیا سکتی ہے؟" وہ اس کے بارے میں بے حد برے گمان رکھتی تھی۔ نیناں حیران سی اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ "اسے کوئی محبت وحبت نہیں ہوئی ہے' صرف بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اس کی مردانہ انا کو چوٹ جو پہنچی ہے۔" اس کی زبان زہر اگل رہی تھی۔

"وہ ایسا نہیں ہے روشانے وہ یہاں رہتا ہے' ہم اسے برسوں سے جانتے ہیں' اسد اس کا بچپن کا دوست ہے۔ تمہارے لیے جب اس کا رشتہ آیا تھا تب میری اسد سے بہت تفصیلاً" بات چیت ہوئی تھی شیردل کے بارے میں۔" نیناں نے لاشعوری طور پر شیردل کا دفاع کرنا چاہا۔

"نیناں! تم بہت معصوم ہو۔ تم نے اپنے اردگرد کی تنگ بندھی دنیا کے سوا کچھ نہیں دیکھا...... میں آدھی سے زیادہ دنیا گھوم چکی ہوں۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں میری۔ یہ جو شیردل کے بارے میں میرے انکشافات ہیں نا...... یہ یونہی نہیں ہیں۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"تم پہلے ہی سے ذہن بنالو گی تو کیسے اس کی اچھائیوں کو قبول کرو گی؟ گنجائش رکھ کر سوچو گی تو بات بنے گی۔ تم اس کے بارے میں اس قدر نیگٹو مت ہو۔" نیناں نے اسے سمجھایا۔ شاید وہ خود بھی چاہتی تھی کہ اس کی شادی شیردل سے ہو۔ وہ اسے ذاتی طور پر پسند تھا اور اس منگنی والی تصویر کو تو دیکھ کر وہ فدا ہی ہو گئی تھی۔ اس کے نزدیک یہ "کپل" بہترین تھا۔ وہ اسے سمجھا نہیں سکتی تھی کیونکہ نیناں کی شیردل کے لیے پسندیدگی سے وہ واقف تھی۔

"اچھا اچھا...... یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ تایا جان اور اتا کس کے نام کی پرچی نکالتے ہیں۔" اس نے اس لاحاصل بحث کو سمیٹا۔ نیناں نے

روشانے کی باتیں "سنسر" کر کے شیر دل تک پہنچائی تھیں۔ جاب سے استعفیٰ والی بات پر وہ قدرے اطمینان سے بولا تھا۔

"اگر وہ یہ نہ بھی کہتی تو میں خود اس سے کہہ دیتا کہ جاب چھوڑ دے شادی کے بعد۔ مجھے اس کی ضرورت ہے' اس کے کمائے ہوئے ڈالرز اور بنائے ہوئے کانٹیکٹس کی نہیں۔"

"نہمال کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں وہ صرف اتنا ہی بولا تھا۔

"شیر دل! کیا تمہیں اس کی خوب صورتی نے متاثر کیا تھا؟" نہمال نے پوچھا "ہاں ۔۔۔ وہ بلاشبہ بے حد خوب صورت ہے اتنی ۔۔۔ کہ اس سے زیادہ حسین لڑکی میری نظروں سے آج تک نہیں گزری۔" وہ بے حد وقار اور متانت سے بولا تھا' مگر اس کا انداز اور لہجہ ناقابل فہم تھا۔

شیر دل کے حق میں ووٹ زیادہ تھے۔ سب سے زیادہ تو نہمال پر زور تھی اور ماں باپ کو منانے میں لگی ہوئی تھی۔ جبکہ بیگم شہباز اور شہباز کو فہد پسند تھا۔ مگر روشانے کا پیغام بہرحال انہوں نے چاروں گھرانوں تک پہنچا دیا تھا۔ ان میں سے دو رشتے تو استعفیٰ والی بات سن کر ہی واپس پلٹ گئے تھے۔ ان میں فہد والا رشتہ بھی تھا۔ جبکہ شیر دل اپنی جگہ پر ڈٹا ہوا تھا۔ دوسرا رشتہ بھی اچھا تھا۔ لڑکا بینک میں اچھی پوسٹ پر تھا اور اسی شہر میں تھا۔ مگر اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ زیادہ تھا۔ چھ بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ لڑکے نے روشانے کو ٹی وی میں دیکھا تھا اور پسند کر بیٹھا تھا۔ کسی طرح اسے پتا چل گیا تھا کہ روشانے لیفٹننٹ جنرل شہباز کی بھتیجی ہے۔ وہ ان تک پہنچ گیا تھا۔ لڑکا سلجھا ہوا اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اسے روشانے کے جاب چھوڑنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر بیگم شہباز اس رشتے پر راضی نہیں تھیں۔ چھ بہنوں کے اکیلے کماؤ بھائی پر کس قدر بوجھ ہو گا' انہیں اچھی طرح اندازہ تھا۔ انہوں نے شہباز کے مشورے اور رضا سے شیر دل کا رشتہ قبول کر لیا۔ نہمال کے تو پیر ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اس نے فوراً" ہی روشانے کو فون کھڑکا دیا۔

"سارے کے سارے لالچی نکلے اور وہ چھ بہنوں کے اکلوتے بھائی بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ پرچی شیر دل کے نام کی نکلی ہے۔ اب تم بھی جلدی جلدی ریزائن دے کر وطن آنے والی فلائٹ پکڑ لو۔" وہ پرجوش انداز میں بول رہی تھی۔ روشانے خلاف توقع بے حد خاموشی سے اس کی ساری باتیں سن رہی تھی۔

"شیر دل نے کچھ اور تو نہیں کہا؟" بہت لمبی سی بات کے بعد اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

"جناب! اب تو وہ آپ سے ملنے کے بعد ہی کہیں گے سنیں گے۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔ وہ اتنی خوش تھی کہ روشانے کا سرد انداز اسے محسوس ہی نہیں ہوا۔

"تم مجھے شیر دل کا نمبر دو۔ مجھے اس سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی۔ جواب میں نہمال نے ایک خاصی طویل چھیڑ خانی کے بعد اسے شیر دل کا موبائل نمبر اور گھر کا نمبر بھی دے دیا۔ فون بند کرنے کے بعد روشانے وہیں کھڑی کچھ سوچنے لگی' وہ شش و پنج میں تھی۔

اس نے کافی سوچ و بچار کے بعد اس سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے موبائل نمبر پر کال کی تھی۔ کچھ دیر بیل بجتی رہی پھر دوسری طرف سے شیر دل کی نیند میں بھری ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہیلو ۔۔۔ جی کون؟" اس کی بھاری مخمور آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"میں ۔۔۔ روشانے بول رہی ہوں۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ شیر دل کی نیند بھک سے غائب ہو گئی۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی یہاں آدھی رات ہو رہی تھی' امریکہ میں دن ہو گا۔ اس نے سوچا۔

"زہے نصیب ۔۔۔ خوش قسمتی ہے ہماری جو آپ نے ہمیں یاد کیا۔ وہ بھی رات کے اس پہر جب خواب میں یا تو پریاں آتی ہیں یا بھوتنیاں ۔۔۔ ہائے ۔۔۔ اب آپ کو ہم کیا نام دیں؟" وہ شوخ ہو گیا۔

"کبھی کبھی بھوتوں کے خوابوں میں بھی پریاں آجاتی ہیں۔" وہ برجستہ بولی تو وہ کھل کر ہنس پڑا۔ بہت خوب صورت' ہنسی تھی۔

"بہت خوب۔"

"آدھی رات کو بھی آپ کو ہنسی آجاتی ہے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا "من چاہا ساتھی ہو' پھر اپنا ہو تو مزاج خود بخود خوشگوار ہو جاتا ہے۔" وہ بہکنے لگا۔ روشانے گڑبڑا گئی۔

"سوری۔ آپ کو نیند سے جگا دیا۔ مگر کیا کریں۔ ہماری ٹائمنگ ہی میچ نہیں ہوتیں۔" اس نے خود کو قابو کرتے ہوئے نارمل انداز میں جواب دیا۔

"فکر مت کریں' بس کچھ دن کی اور بات ہے' پھر ہمارا وقت ایک ہو جائے گا۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ روشانے لمحہ بھر کو چپ سی ہو گئی۔

"کچھ کہیے نا۔" وہ اس کی خاموشی پر بولا "ویسے آپ نے فون کیسے کیا؟" اسے دھیان آیا۔

"آپ تک تایا جان نے میری بات تو پہنچا دی ہو گی"۔ اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ لوگ کسی نہ کسی وجہ سے کسی سے شادی کرتے ہیں۔ آپ کیوں کر رہے ہیں؟ جبکہ پاکستان میں ہزاروں لڑکیاں ہیں' آپ ان میں سے بہت سوں کو جانتے ہوں گے ۔۔۔ بہت سی ایسی بھی ہوں گی جو آپ سے محبت کرتی ہوں گی' پھر میرا انتخاب کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک کہا آپ نے ۔۔۔ یہاں بہت لڑکیاں ہیں۔ ایک سے ایک حسین' مگر آپ جیسی نہیں ملی ۔۔۔ ہزاروں ہیں مگر روشانے جیسی کوئی نہیں۔" وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بول رہا تھا۔

"بہت سی ہیں جو مجھ سے محبت کی دعوے دار ہیں ۔۔۔ مگر شیر دل' روشانے سے محبت کرتا ہے۔"

"بغیر جانے ہی محبت ۔۔۔ یہ بے وقوفی نہیں؟ آپ جانتے ہی کیا ہیں میرے بارے میں؟ میری عمر کا بڑا حصہ ہاسٹل اور فارن کنٹریز میں گزرا ہے۔ میں اب بھی دیار غیر میں ہی ہوں ۔۔۔ مجھے جانے بغیر' میرے بارے میں جانے بغیر ۔۔۔ آپ نے اپنی زندگی کا فیصلہ کر ڈالا۔ یہ تو امیچورٹی ہے۔" وہ بہت سنجیدہ تھی۔

"اگر یہی سوال میں آپ سے کروں تو ۔۔۔؟" وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"میں نے فیصلے کا اختیار اپنے تایا اور اما کو دے دیا تھا۔ یہ فیصلہ انہی کا ہے۔" اس نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ "تو کیا آپ کا اپنا فیصلہ ان کے فیصلے میں شامل نہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"یہ میرے فیصلے کا نتیجہ ہے کہ میں آپ سے فون پر بات کر رہی ہوں۔" اس نے اسی سنجیدگی اور سادگی سے جواب دیا۔ بے ساختہ شیر دل خان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

"آپ خوش ہیں روشانے؟" وہ بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"پتا نہیں ۔۔۔" بہت دھیمی سی آواز آئی تھی۔

"روشانے! میں آپ کو شادی کے بعد اس سوال کا جواب دوں گا' جو آپ نے مجھ سے شروع میں کیا تھا۔" شیر دل بہت اطمینان سے بولا "آپ اب ریزائن دے کر آجائیں۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔" اس کا لہجہ گمبھیر ہو گیا تھا۔

"شیر! اگر میں ریزائن نہ دوں تو ۔۔۔؟" روشانے نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے پوچھا "تو میں ریزائن دے کر آپ کے پاس چلا آؤں گا۔" وہ ہنسا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" وہ بولی۔

"یقین کریں کہ آپ مسکراتی ہوئی بھی حسین لگتی ہیں اور سنجیدگی میں بھی۔" وہ پٹڑی سے اتر گیا تھا۔

"شیر دل ۔۔۔" وہ زچ آکر بولی۔

"مگر آپ تو شادی کے بعد ریزائن کرنا چاہتی تھیں۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں ۔۔۔ مگر اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ میں فی الحال ریزائن نہیں دے رہی۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"آپ اچھی طرح سوچ لیں۔" وہ پھر بولی۔

"میں آپ کو ہر صورت قبول کرنے کو تیار ہوں روشانے ___ میں کسی بھی قیمت پر آپ کو کھونا نہیں چاہتا۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"سوچ لیں شیر دل ___ میں بہت مشکل لڑکی ہوں۔" روشانے کا لہجہ ہنوز تھا۔

"کل ہی نکاح کرلیں۔" اس نے سوال چنا' جواب گندم دیا۔ روشانے نے گہری سانس لیتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ شیر دل کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ واپس آکر بے حد مصروف ہو چکی تھی۔ اسی مصروفیت میں اسے وہ خبر ملی جس نے کچھ دیر کے لیے اس کے حواس منجمد کر دیے۔ "اتنی جلدی ___ اتنی جلدی کیا ہے؟" وہ ہڑبڑا گئی تھی۔ "بھئی شیر دل کی پوسٹنگ کی خبریں سننے کو مل رہی ہیں۔ اسے کاکول پوسٹڈ کیا جا رہا ہے اور اس کے گھر والے چاہتے ہیں کہ اس سے پہلے اس کی شادی کر دی جائے۔ ہماری طرف سے تو ساری تیاری مکمل ہے۔ ان کی بھی تیاری ہوگی جبھی تو کہہ رہے ہیں۔ پھر تم نے بھی تو جاب چھوڑ دینی ہے' پھر کیا ہوا؟" شہباز پوچھنے لگے۔

"تایا جان! میں ذہنی طور پر اتنی جلدی شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"میں زبان دے چکا ہوں روشنی ___" شہباز نے جیسے کچھ محسوس کر لیا تھا۔

"جی ___ میں آپ کو کچھ سوچ کر بتاتی ہوں۔ ان کو کچھ انتظار کرنے کا کہیے۔ شادی تو کاکول میں بھی ہو سکتی ہے۔ کاکول کوئی پرستان میں تھوڑی ہے۔" وہ جھلا گئی۔

"اچھا اچھا ___ ٹھیک ہے۔ میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ ہفتہ دس دن بعد کی تاریخ رکھ دیں۔ مگر وہ نکاح کے لیے زور دے رہے ہیں۔" انہوں نے نیا شوشا چھوڑا۔ "تایا جان! نکاح کے لیے اب میں دو دن کی چھٹی لے کر نہیں آسکتی۔" وہ نہایت برداشت کے ساتھ بولی۔ بہت مشکل سے اس نے اپنے لہجے کو بگڑنے سے روکا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے' میں بات کرتا ہوں۔" وہ مان گئے۔ روشانے نے تلملاتے ذہن کے ساتھ فون بند کر دیا۔ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

وہ گہری نیند میں تھی کہ یکدم اس کے فون کی گھنٹی ایک تواتر سے بجنا شروع ہو گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے سائیڈ لیمپ آن کیا اور رسٹ واچ کو اٹھا کر وقت دیکھا۔ رات کے چار بج رہے تھے۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔ آفس سے فون تھا۔ اس لیے ذہن نے ایمرجنسی کی گھنٹی بجانی شروع کر دی۔ فون ریسیو کرتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑنا شروع ہو گیا تھا۔ فون بند کر کے اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے ٹی وی کے ریموٹ کو اٹھا کر ٹی وی آن کیا اور مختلف چینل کو ٹیون کرنے لگی۔ پھر ایک نیوز چینل پر آکر وہ رک گئی۔ اسکرین پر جو کچھ دکھایا جا رہا تھا وہ بے حد ہولناک تھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ اس نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ اسے ایئرپورٹ جانے کی تیاری کرنی تھی۔

نجانے اللہ کا قہر ٹوٹا تھا یا پھر اس قوم پر آزمائش کی گھڑیاں آگئی تھیں۔ نہایت ہی خوفناک سیلاب تھا علاقوں میں ایسا ہی تہلکہ مچایا تھا کہ ہر شخص حواس کھو بیٹھا۔ وہ اپنی ٹیم کے ساتھ متاثرہ علاقے میں موجود تھی۔ پاکستانی فوج کے جوان بھی سرگرم نظر آرہے تھے۔ ہزاروں افراد بے گھر ہو چکے تھے۔ عورتوں کے بین کرنے کی صدائیں' معصوم بچوں کے رونے کی آوازیں فضا کو قیامت خیز بنا رہی تھیں۔

اس کی ٹیم کے ممبران سمیت بہت سارے لوگوں نے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ وہ میڈیکل کیمپ میں ڈاکٹرز اور نرسوں کی مدد کر رہی تھی۔

"آپ یہ سب نہیں کر سکیں گی ___" آرمی ڈاکٹر نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"میں ایم بی بی ایس ہوں۔" اس نے ڈاکٹر کی بات کاٹی۔

"اوہ ___ مگر آپ تو یونیسف ___" ڈاکٹر نے تعجب سے پوچھنا چاہا۔

"میں نے پریکٹس نہیں کی تھی۔ یونیسف جوائن کر لیا تھا۔" وہ عجلت میں پھر اس کی بات کاٹ کر بولی تھی۔ مریض ٹولیوں کی شکل میں لائے جا رہے تھے اور ایسے کڑے وقت میں اسے ڈاکٹر کا انٹرویو لینا بہت کھل رہا تھا۔ وہ بے حد مصروف تھی۔ وہاں امدادی کیمپس لگائے گئے تھے۔ جو لوگ ذرا حواسوں میں تھے اور معمولی زخمی تھے وہ بھی اپنی مدد آپ کے تحت کچھ نہ کچھ کرتے نظر آرہے تھے۔

"روشانے ___" شیر دل کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ تھک کر کچھ دیر کے لیے سستانے کو بیٹھی تھی۔ یوں بھی دن ڈھل چکا تھا' شام کے اداس سائے پھیل رہے تھے۔ نیم روشنی میں فوجی یونیفارم میں شیر دل اسے نظر آیا۔ اس نے پی کیپ نہیں پہنی تھی۔ وہ بہت ہینڈسم مگر کچھ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ روشانے ایک بڑے سے چٹان نما پتھر پر بیٹھی سستا رہی تھی۔

"شیر دل ___ آپ کس وقت آئے؟ آپ کے ساتھی تو کب سے یہاں ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم لوگ پرسوں سے یہاں موجود ہیں۔" وہ اس کے نزدیک والے بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا۔ "ہم دو دنوں اور ایک رات سے ادھر ہی تھے۔" اسی وقت تین ساڑھے تین سال کا بچہ' جس کے بدن پر لباس کے نام پر صرف چیتھڑے ہی رہ گئے تھے' اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک انگلی منہ میں ڈالی ہوئی تھی وہ زور زور سے رو رہا تھا۔ اس کی ناک اور ماتھے سے خون نکل رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں بھی زخمی تھیں۔ وہ دونوں چونکے۔ اس نے اٹھ کر بچے کو گود میں لینے کا ارادہ کیا تھا مگر اس سے پہلے ہی شیر دل تیر کی طرح اٹھا اور بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ نہایت احتیاط کے ساتھ اور ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ذرا فاصلے پر کچھ لوگ زمین پر لٹے پٹے انداز میں سر پکڑ کر بیٹھے تھے۔

"یہ بچہ کس کا ہے؟" وہ چلا کر پوچھ رہا تھا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ سب وہاں اپنے اپنے نقصان پر سر پکڑ کر رو رہے تھے۔ اس بچے کی فکر کرنے والا کون تھا۔ "شیر دل" روشانے نے اٹھ کر اس کے بازو پر اپنا نازک سا ہاتھ رکھا۔ وہ چونکا۔

"اسے ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔" اس نے اشارہ کیا۔ شیر دل نے بچے کو گود میں اٹھائے اس کی تقلید کی۔ روشانے نے کیمپ (ڈسپنسری) میں جا کر بچے کے زخموں کو کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح چیک کرنا شروع کر دیا۔ "کوئی سیریس انجری نہیں ہے۔ معمولی سی ٹریٹمنٹ سے ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کے زخم صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ بچہ بہت رو رہا تھا۔ مجبوراً اسے اس کو نیند کا انجکشن لگانا پڑا۔

"تم ڈاکٹر بھی ہو؟" بچے کے سوتے ہی اس نے پوچھا۔ بڑا بے ساختہ انداز تھا۔ سرعت سے کوئی لمحہ گزرا تھا جس نے تکلف ___ کو بے تکلفی میں بدلا تھا۔

"ہاں۔" وہ اطمینان سے بچے کے چہرے اور جسم پر سے مٹی اور خون صاف کر رہی تھی۔

"کچھ چھوڑا بھی ہے تم نے۔" وہ مسکرایا۔ وہ چپ رہی۔

"کتنا پیارا بچہ ہے نا۔ نہ جانے کس کا ہوگا؟" اس نے بہت پیار سے بچے کی طرف دیکھا۔ سرخی مائل سنہری بال جو اس کی ننھی سی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے' گلابی گلابی سی سفید رنگت' بہت صحت مند بچہ تھا۔

"شکر ہے کوئی سیریس چوٹ نہیں لگی۔"

اس نے شیر دل کی طرف دیکھا۔ اس نے سر ہلا دیا اور دونوں باہر چلے آئے۔ شام بھی گہری ہو رہی تھی۔ ابھی شام ہی تھی اور اندھیرا رات کا سماں پیدا کر رہا تھا۔ امدادی کیمپوں کے کچھ ممبران رات کے کھانے بنانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ زیادہ تر لوگ جو "صحیح" حالت میں تھے وہ بھی فوجیوں اور کارکنوں کی مدد میں لگ گئے تھے۔ وہ نڈھال سی اپنے کیمپ میں جا کر لیٹ گئی۔ تھکن سے اس برا حال تھا۔ کب اس کی آنکھ لگی پتا ہی نہ چلا۔ بہت ہی گہری نیند سے شعور کی طرف سفر کرتے کرتے اسے لگا کہ کوئی اسے پکار رہا ہے۔ پہلے

اس کا ذہن جاگا اور پھر اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"ایزی ایزی...." شیر دل کی آواز پر اس نے دائیں جانب دیکھا۔ وہ بہت گہری نیند سے جاگی تھی اور چونکہ نیند بھی خاصی بے سکون تھی اس لیے وہ خاصی ہڑبڑائی ہوئی تھی۔

"تم کھانا کھائے بغیر سو گئی تھیں۔ سوری.... میں نے تمہاری نیند خراب کردی۔ مگر مجبوری تھی۔ اس بیابان میں اگر کھانا ختم ہو جاتا تو صبح کا انتظار کرنا پڑتا' کیونکہ میں اس پلیٹ کو کھلا نہیں رکھ سکتا تھا اور ڈھانپ بھی نہیں سکتا' کیونکہ یہاں رات کے وقت حشرات الارض وغیرہ نکلتے ہیں۔ لو کھانا کھالو۔" وہ کچھ شرمندہ سا ہو کر وضاحت پیش کرنے لگا۔

"نہیں' کوئی بات نہیں کون سا روٹین ڈنر ہے۔" اس نے نرمی سے کہا اور بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹنے لگی۔ "اس بچے نے کچھ کھایا؟ اب تک تو وہ جاگ بھی چکا ہوگا۔" اسے یکدم خیال آیا۔

"ہاں وہ کافی دیر پہلے جاگ گیا تھا۔ میں نے اسے کھانا کھلا کر نیند کی دوا دے دی ہے تاکہ وہ رات بھر آرام سے سو سکے۔" شیر دل نے بتایا۔

"تھینک گاڈ۔"

"تم بہت نرم دل ہو۔" وہ پہلی بار مسکرائی۔

"تم میری تعریف کر رہی ہو؟" وہ مصنوعی حیرانگی سے بولا تو روشانے نے اسے گھورا۔ وہ ہولے سے ہنس پڑا۔ کھانے کھانے کے بعد وہ دونوں باہر نکل کر چہل قدمی کرنے لگے۔ ہوا بہت ٹھنڈی تھی۔ اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

"یہاں پر خاصی ٹھنڈ ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے بولی شیر دل نے خود پہنی ہوئی سیاہ لیدر کی جیکٹ اتار کر اس کے کندھوں پر ڈال دی۔

"ارے نہیں یہ میں نہیں لے سکتی۔ تمہیں بھی تو سردی لگ رہی ہوگی۔" اس نے جیکٹ اتارنی چاہی۔ "اتنی نہیں لگ رہی' اس جیکٹ کی ضرورت تمہیں زیادہ ہے۔ ہم فوجیوں کو ہر قسم کے موسم کا عادی بنا دیا جاتا ہے۔ موسم ہمیں کچھ نہیں کہتے۔" وہ بولا۔

بے حد سناٹا تھا۔ شاید سبھی لوگ سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ کبھی کبھی کسی کی سسکی سناٹے کو توڑ دیتی۔ کبھی کسی بچے کے رونے سے ماحول میں ارتعاش پیدا ہوتا۔ کبھی کسی کے کھانسنے سے ماحول کی یکسانیت ختم ہو جاتی۔

"زندگی بہت عجیب ہے۔ بہت دکھ دیتی ہے اور کچھ لوگوں کو اتنا سکھ کہ وہ غم' اندوہ' دکھ' تکلیف کے معنی تک سے نا آشنا ہوتے ہیں۔" روشانے نے بہت ہولے سے کہا۔ "ہمارے ملک میں اتنی غربت ہے کہ لوگ اپنی اولاد' اپنے ایمان تک کو بیچ ڈالتے ہیں۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے پیٹ کے ایندھن کو بھرنے کے لیے اپنی اولادوں کے سودے کر دیے۔ کتنوں نے غیر مسلموں کے ہاتھوں اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر اپنے ایمان بیچ دیے اور مذہب ہی سے نکل گئے۔" شیر دل کہہ رہا تھا۔

"ہاں جب انسان اپنے مقام سے نیچے آتا ہے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔ کیمپوں میں گیس لیمپ روشن تھے اور ان کی ناکافی روشنی نے گھپ اندھیرے کو کسی حد تک کم کر دیا تھا۔ "میرے خیال میں کیمپ میں چلتے ہیں۔ یہاں سانپ وغیرہ خاصی تعداد میں ہوتے ہیں اور آج کل تو بے چاروں کا ٹھکانہ بھی اجڑا ہوا ہے۔ میرے کیمپ میں تو میرے کچھ ساتھی ہیں۔ چلو تمہارے کیمپ میں چلتے ہیں۔" اسے احساس ہوا کہ وہ کس قدر تھکا ہوا ہوگا۔ کتنی راتوں سے ٹھیک سے سویا نہیں ہوگا.... یا شاید سویا ہی نہ ہو۔

"تم فوجیوں کی زندگی بہت ٹف ہوتی ہے۔" اس نے کیمپ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر ہمیں ٹف نہ بنایا جائے تو کس بات کے لیے فوجی کہلائیں؟" وہ مسکرایا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے۔" وہ دونوں بنا دھیان دیے ایک دوسرے کو تم کہہ کر مخاطب کر رہے تھے اور دونوں کو اس بات کا احساس تک نہ ہوا تھا۔

"کچھ اچھا موضوع نہیں تھا۔ یہی حال انڈیا کا بھی ہے۔ دوبئی اور نجانے کن کن ممالک سے لوگ آکر ان معصوموں کو خرید کر لے جاتے ہیں۔" وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔

"ہماری این جی اوز میں بھی کافی چیزیں چھپائی جاتی ہیں۔ سیاست وہاں بھی چلتی ہے۔ حقائق کو پوری طرح سے سامنے نہیں لایا جاتا ہے' نہ ہی حقائق بسا اوقات اپنی اصل شکل میں سامنے لائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پرنٹ میڈیا بھی ان کھلے حقائق کو شو کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔ جو لکھنا چاہتا ہے اس کو یہ کہہ کر روک دیا جاتا ہے کہ جناب! یہ ہمارے ادارے کی پالیسی میں شامل نہیں ہے۔ "ربش...." وہ غصے و جذبات سے سرخ ہو رہی تھی۔

"تم نے یہ ادارہ کیوں چنا؟ اور بھی تو فیلڈز تھیں؟" شیر دل نے پوچھا۔

"میں خود کو بہت زیادہ مصروف رکھنا چاہتی تھی' مجھے یہی فیلڈ بہتر لگی۔" وہ بے حد اختصار سے بولی۔

"کیوں اتنا مصروف رہنا چاہتی ہو؟ تم اس قدر کام کرتی ہو' یہ نارمل نہیں ہے۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم شادی کے بعد سب کیسے مینیج کرو گی؟" شیر دل آہستگی سے بولا۔ وہ چپ چاپ اپنی کلائی میں بندھی گھڑی سے کھیلتی رہی۔

"تم خود سے بھاگ رہی ہو روشانے.... یا پھر کسی اور چیز سے.... اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتا دو.... جب دل چاہے۔" وہ دوستانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"میں کسی چیز سے نہیں بھاگ رہی.... تم جا کر سو جاؤ مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"نیند تمہیں آرہی ہے اور سونے کے لیے مجھے کہہ رہی ہو۔" شیر دل نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ بس خاموشی سے لیٹ گئی۔ شیر دل نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

"گڈ نائٹ۔" اس نے جاتے جاتے کہا۔ روشانے نے سر ذرا سا اٹھا کر دیکھا۔ وہ جا چکا تھا۔ اس نے تھک کر سر نیچے رکھ دیا۔ وہ اپنی نیند پوری کر چکی تھی۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ سر کے نیچے بازوؤں کا تکیہ بنائے کسی گہری سوچ میں گم ہو گئی۔

صبح اسے کسی نے جگایا نہیں تھا۔ وہ کسلمندی سے اٹھی مگر کچھ دیر یونہی پڑی رہی۔ رات کو نجانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وہ یہاں پکنک منانے نہیں آئی تھی بلکہ امدادی کیمپ لگانے آئی تھی۔ وہ جس وقت باہر آئی تھی تو چہل پہل تھی۔ فوجی اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے' کارکنان اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ اس کو زخمی بچے کا خیال آیا تو وہ اس سے ملنے چل پڑی۔

"کہاں بھاگی چلی جا رہی ہیں؟" اس کا کاندھا شیر دل سے بری طرح ٹکرایا تھا۔

"اوہ.... سوری میں نے تمہیں دیکھا نہیں.... وہ بچہ اسے دیکھنے جا رہی تھی۔" وہ سوئی سوئی سی کیفیت میں تھی۔

"اس بچے کی ماں اور باپ مل گئے ہیں خوش قسمتی سے۔" شیر دل نے بتایا۔

"اوہ شکر ہے تیرا یارب۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں جوڑے بہت الگ الگ سی لگ رہی تھی۔

"کہاں ہیں اس کے پیرنٹس؟" اس نے پوچھا۔

"انہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ دوسرے علاقوں میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ ہمیں بھی یہ علاقہ خالی کرنا ہے۔ رپورٹ ملی ہے کہ اگلے نو گھنٹوں میں یہاں مزید بارشوں امکان ہے۔ الس ٹو ڈینجرس۔ تم بھی تیاری کرو۔ تمہاری ٹیم بھی کچھ دیر میں چلی جائے گی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"اور تم....؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔ "ہمیں تو ظاہر ہے آخر میں ہی نکلنا ہوگا۔ شاید کسی کی زندگی کے امکان باقی ہوں۔" وہ مبہم مسکرایا۔

"سارا علاقہ تو ڈوب گیا ہے۔ بچا ہی کیا ہے اب؟ کون بچا ہوگا بھلا؟ اور پھر یہاں تم لوگوں کی جانوں کو بھی تو خطرہ ہے۔" وہ تفکر بھرے لہجے میں بولی۔

"خطرہ تو ہے۔ پر کیا کریں۔۔۔ ڈیوٹی از ڈیوٹی۔ جب آرمی جوائن کی تھی تبھی سے سر پر کفن باندھ لیا تھا۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ روشانے نے دہل کر اسے دیکھا۔ اونچا لمبا' وردی میں ملبوس' کسی مضبوط سائبان کی طرح کھڑا تھا۔

"خدا نہ کرے تمہیں کچھ ہو۔" اس نے دل ہی دل میں دعا کی۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی شیر دل۔" وہ آہستگی سے بول کر پلٹ گئی تھی۔ شیر دل کے تاثرات دیکھے بغیر وہ جانتی تھی کہ اس کے چہرے پر کیسے تاثرات ہوں گے۔ وہ بے انتہا خوش تھا۔

☆ ☆ ☆

پندرہ دنوں کے بعد اس کا گروپ واپس چلا گیا تھا مگر وہ نہیں گئی۔ اس نے اپنا استعفیٰ سیل کر دیا تھا۔ پھر ٹھیک ایک ماہ بعد وہ روشانے شیر علی سے روشانے شیر دل بن کر اس کے ساتھ کاکول کی طرف سفر کر رہی تھی۔

شیر دل بے حد خوش تھا اور وہ بہت مطمئن۔ اسے شیر دل کے ساتھ آج چوتھا روز تھا۔ یہ چار دن اس کی زندگی کے حسین ترین دن تھے۔ "زندگی اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے؟" وہ حیران ہو کر سوچتی۔ شیر دل کی فیملی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کے ریٹائرڈ والد اور دو عدد بھائی۔ بہن اس کی کوئی نہیں تھی اور بھائی بھی ملک سے باہر جاب کرتے تھے۔ اس نے شیر دل سے اس کی والدہ کے بارے میں پوچھا تو وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی خاموشی بہت پراسراری تھی۔ شیر دل کے والد ان کے آبائی گاؤں کی حویلی میں رہتے تھے۔ شیر دل اور روشانے نے انہیں بہت کہا کہ وہ ان کے ساتھ چل کر رہیں مگر ان کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔

"زندگی کے آخری دن میں اپنی مٹی کی خوشبو سونگھتے ہوئے گزارنا چاہتا ہوں تم دونوں کی نئی زندگی شروع ہوئی ہے' لطف اٹھاؤ۔ میں کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا۔" وہ شیر دل کی طرح خوش مزاج تھے۔

وہ ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل تھے۔ شیر دل ان کی ملازمت کے دنوں کے بہت سارے قصے سناتا تھا۔ جب وہ دونوں گاؤں آتے تھے تو کتنے مزے کرتے تھے۔ شیر دل کے والد نے اس کے بچپن کے کئی قصے سنائے تھے۔ وہ ان کی باتیں سن سن کر ہنستی رہی تھی۔ مسکراتی رہی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شیر دل اپنے والد سے اور اس کے والد اس سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ وہ دونوں آپس میں دوستوں کی طرح محسوس ہوتے تھے۔ عجیب سی بات تھی دونوں میں۔ ان کے رشتے میں۔ شیر دل میں اس کے والد کی بہت زیادہ مماثلت تھی۔

کاکول میں انہیں آفیسرز کالونی میں گھر مل گیا تھا۔ یہ جگہ اسے بہت پسند آئی تھی۔ سبزہ ہی سبزہ اور اتنی خوب صورتی کہ آنکھ سیر نہ ہو۔ وہ سارا دن گھر کے کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی تھی۔ شیر دل یہاں آ کر بہت مصروف ہو گیا تھا۔ یہاں اس کے کچھ پرانے دوست بھی موجود تھے۔ وہ بھی شادی شدہ تھے۔ انہوں نے نئے شادی شدہ جوڑے کی باری باری دعوت کی تھی۔ آخری دعوت طفیل اور اس کی بیگم نے کی تھی۔

وہ بہت دل سے تیار ہوئی تھی۔ شیر دل نے اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ وہ کبھی نظر بھر کر اسے نہیں دیکھتا تھا' بلکہ ایک گہری نظر ڈال کر نظر ہٹا لیتا تھا۔ یہ دعوت انہوں نے کلب میں کی تھی۔ میزبان خاتون نے بہت پرجوش انداز میں اس کا استقبال کیا تھا۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مدعو تھے۔

بہت اچھے ماحول میں ڈنر چل رہا تھا جب میزبان خاتون کی کسی بات پر مسکراتے مسکراتے اس کی نظریں شیر دل پر پڑیں۔ اس کے ہاتھ میں کوک کا گلاس تھا' جسے وہ پینے کے لیے لبوں تک تو لے آیا تھا مگر اس نے گلاس لبوں سے لگایا نہیں تھا۔ اس کی نگاہیں کسی دوسری سمت مرکوز تھیں۔ ایسے جیسے کوئی کسی بیٹری سے چلنے والے کھلونے کے سیل نکال دے تو وہ جس بھی پوزیشن اور اینگل میں ہو اسی وقت رک جاتا ہے۔ وہ بالکل "فریز" تھا۔ "شیر دل" روشانے نے

آہستگی سے اسے پکارا۔ مگر اس نے نہیں سنا' نہ ہی کوئی حرکت کی۔ روشانے نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ وہ بالکل سامنے والی میز کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر کی طرح دار عورت سلیولیس بلاؤز اور جارجٹ کی ساڑھی میں ملبوس کسی مرد کے ساتھ بیٹھی تھی جو کہ تقریباً" اسی کی عمر کا لگ رہا تھا۔ عورت بے حد حسین تھی مگر مرد اس کے مقابلے میں زیادہ خوب صورت تھا۔ وہ عورت بھی شیر دل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر سمجھ میں نہ آنے والے تاثرات رقم تھے' ناقابل فہم تحریر و زبان تھی۔

"شیر دل۔۔۔" اس نے میز پر رکھے شیر دل کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ذرا سا دباؤ ڈالا۔ وہ یکدم چونکا۔ اس نے اشارے سے پوچھا اسے کیا ہو گیا تھا' مگر وہ بجائے کچھ کہنے کے گلاس کو ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اپنے میزبان دوست کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ صد شکر کہ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا' ورنہ اس کی تھکی ہوئی حالت کے بارے میں سوال ضرور کرتا۔۔۔ باقی وقت وہ خود کو نارمل ظاہر کرتا رہا تھا مگر اس کی آنکھوں کے تاثرات بہت عجیب سے ہو گئے تھے۔ روشانے کو اس کی آنکھوں سے خوف سا محسوس ہوا تھا۔

گھر واپس آ کر وہ سیدھا چینج کر کے سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ روشانے جب تک لباس وغیرہ تبدیل کر کے آئی' وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔

"شیر دل۔۔۔ سو گئے ہیں کیا؟" اس نے اس کے پہلو میں لیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ میں بہت گہری نیند میں ہوں۔" وہ اسی طرح بند آنکھوں کے ساتھ بولا۔

"اچھا جی۔۔۔ تو پھر نیند میں ہی باتیں کر لی جائیں۔" وہ کھلکھلائی۔ اس نے ایک ہاتھ شیر دل کے چوڑے سینے پر رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کے بھاری ہاتھ پر دھر دیا۔

"مزا آیا تھا۔ اچھی گیدرنگ بن گئی ہے۔ بوریت نہیں ہوئی۔" وہ آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ کے روئیں کو اپنی شہادت کی انگلی سے چھیڑنے لگی۔

"ہوں۔" شیر دل نے بند آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"کافی پرانے دوست لگتے ہیں آپ کے؟" اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ کیڈٹ کالج سے ہم سب ساتھ ہیں۔ اسد سے البتہ زیادہ پرانی دوستی ہے۔" اس نے اس بار آنکھیں کھول کر جواب دیا۔ وہ اب چھت کے پنکھے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ روشانے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بہت محبت سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ شیر دل اپنے چہرے پر اس کی نگاہوں کو محسوس کر رہا تھا' مگر وہ دانستہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ نظریں چرا لے گی۔ اس کا یوں اپنی جانب دیکھنا اور محویت اسے پسند تھی۔

"وہ خاتون کون تھیں جنہیں دیکھ کر آپ اپ سیٹ ہو گئے تھے۔" اس نے ایک دم ہی سوال کیا تھا۔ شیر دل کو اس سوال کی توقع نہیں تھی شاید۔۔۔ اس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

"کون خاتون؟ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ روشانے اس کے اس طرح صاف مکر جانے پر حیران ہو گئی۔

"آپ جانتے ہیں کہ مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔" وہ حیران تھی کہ وہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔

"روشانے! سو جاؤ۔ رات بہت ہو گئی ہے۔" اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹایا اور کروٹ بدل لی۔

"کل چھٹی ہے۔ دیر ہو بھی جائے تو کیا حرج ہے؟ میرا دل باتیں کرنے کو چاہ رہا ہے۔" اس نے شیر دل کو بازو سے پکڑا اور اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

"باتیں صبح ہو جائیں گی۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"شیر دل! آپ کی ممی کی کوئی تصویر دیکھنے کو نہیں ملی۔۔۔" اسے خیال آیا۔

"روشنی! میرے سر میں درد ہو رہا ہے پلیز۔" اب کی بار وہ سخت لہجے میں بولا تھا۔ وہ چپ سی ہو گئی۔

"آپ۔۔۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا ہے شاید۔۔۔ آئی ایم سوری۔" وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے

ہوئے بولی اور خفگی سے منہ دوسری طرف کرکے لیٹ گئی۔ شیر دل اس کی طرف کمر کرکے لیٹا ہوا تھا.... تجسس از خود پیدا ہوتا تھا۔ شیر دل کی ماں مرگئی تھی مگر کسی کو ان کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ شیر دل کے والد کی زبان پر بھی کبھی ان کا تذکرہ نہیں آیا تھا' نہ ہی شیر دل نے کبھی ان کے بارے میں باتیں کی تھیں۔ اور تو اور ان کی فیملی البم میں سب کی تصاویر تھیں شیر دل کے والد کی' اس کے بڑے بھائیوں کی' ان کی بیویاں' ان کے بچے' سبھی لوگوں کو وہ ناموں اور چہروں سے جان چکی تھی۔ بس شیر دل کی ماں کی تصویر نہیں تھی۔ اس کے استفسار پر شیر دل کے والد نے تو کوئی جواب نہیں دیا تھا البتہ شیر دل نے بتایا تھا کہ انہیں تصویریں کھنچوانے کا شوق نہیں تھا' اس لیے ان کی کوئی فوٹوگراف نہیں ہے۔ اسے یہ بات اسی وقت کچھ عجیب سی لگی تھی۔ شیر دل کی فیملی زیادہ لمبی چوڑی نہیں تھی۔ زیادہ تر رشتہ دار دوسرے شہروں اور بیرون ممالک میں مقیم تھے اور وہ سب بھی دور پار کے رشتے دار تھے۔ شیر دل کے ایک چچا اور دو پھپھیاں تھیں جو سگے تھے۔ وہ لوگ طویل عرصے سے انگلینڈ میں مقیم تھے اور سالوں بعد کہیں ان سے ملاقات ہوتی تھی۔

شیر دل کے اس طرح کے غیر تسلی بخش اور غیر مبہم رویے نے اسے عجیب سے انتشار میں ڈال دیا تھا۔ اسے اس بظاہر عام سی بات میں کوئی داستان چھپی ہوئی نظر آرہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنے اندر خود بھی کوئی داستان لیے ہوئے تھی۔

صبح کو شیر دل جب جاگا تو وہ نارمل تھا۔ روشانے نے اس سے کل رات والی بات سے متعلق کوئی سوال نہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا موڈ پھر سے بگڑ جائے۔ مگر وہ حسین طرح دار عورت نجانے کیوں اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ اس کی ماں مرچکی تھی' ورنہ وہ سمجھتی کہ وہ اس کی ماں ہے اور وہ عورت اتنے جوان لڑکے کی "ماں" تو کم از کم بالکل ہی نہیں لگتی تھی۔ وہ عورت پینتیس' چھتیس برس کی لگتی تھی۔ پھر وہ عورت کون تھی؟ اور وہ بھی شیر دل کو دیکھ کر اسی طرح چونکی اور ٹھٹکی تھی جیسے کہ وہ.... کیا دونوں میں کوئی پرانی جان پہچان تھی؟ وہ سوچ سوچ کر تھک گئی تھی۔ کیا وہ عورت شیر دل کا کوئی "ماضی" تھی؟" اس سوچ نے اسے جیسے تکلیف دی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ شادی سے پہلے شیر دل کے کافی زیادہ افیئرز تھے اور ہر طرح کی حدود و قیود سے آزاد تھے۔

ایک عجیب سے احساس نے اس کے اندر جگہ بنانا شروع کردی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اب شیر دل اس کے علاوہ کسی لڑکی کو دیکھتا تک نہیں ہے اور نہ ہی رسمی علیک سے زیادہ کسی لڑکی کو آگے آنے کی اجازت دے رہا تھا۔ اس نے روشانے کے کہے بغیر ہی اپنے لیے حد بندیاں قائم کرلی تھیں۔ وہ روشانے سے کچھ نہیں چھپاتا تھا۔ مگر یہ ایک بات تھی جو پھانس بن گئی تھی۔

وقت ہولے ہولے سرک رہا تھا۔ ان کی شادی کو تین ماہ ہوچکے تھے اور ان تین ماہ میں اس نے شیر دل کو ہر لحاظ سے بہترین مرد پایا تھا۔ وہ بہترین شوہر تھا' بہترین دوست تھا' بہترین مرد تھا' بہترین ساتھی تھا۔ روشانے بہت مطمئن تھی۔ اس نے ایک بار شہباز سے کہا تھا۔

"تایا جان! آپ صحیح کہتے تھے.... میں بے حد خوش ہوں اور بے حد لکی کہ شیر دل جیسا ساتھی مجھے ملا۔" وہ بے حد مطمئن تھی۔ اس نے ایک مرتبہ شیر دل سے یونہی ذکر کردیا کہ وہ ٹائم پاس کے لیے جاب کرنا چاہتی ہے۔

"تم جاب کرنا چاہتی ہو تو میں روکوں گا نہیں۔ مگر میں اپنی بیوی کو اپنے گھر کے چپے چپے پر دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے صرف نرمی سے ایک جملہ کہا تھا۔ نہ کوئی لمبا چوڑا لیکچر دیا تھا اور نہ ہی منع کیا تھا۔ روشانے نے اس کی بات سے اس کے دل کا حال جان لیا تھا۔ اس نے پھر دوبارہ کبھی بھی جاب کی بات نہیں کی۔ وہ اس مرد کو اتنا سکھ دینا چاہتی تھی کہ وہ اندر تک سیراب ہوجائے۔

"مجھے تمہاری وفا کے علاوہ تم سے کچھ نہیں چاہیے۔" شادی کے شروع دنوں میں شیر دل نے

ایک بار اس سے کہا تھا اور وہ نہ بھی کہتا تو بھی اس نے یہی کرنا تھا۔ شیر دل اس سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتا تھا' البتہ اس سے اس کی مرضی 'پسند' فرمائش ضرور پوچھتا تھا۔ عموماً" وہ اس کی مرضی کے مطابق ہی کام کرتا تھا۔ اس کی پسند اور فرمائش کو اہمیت دیتا تھا۔۔۔ شادی کے بعد اسے لگنے لگا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے' بے حد حسین سپنا۔ وہ اس سپنے کو دیکھتے رہنا چاہتی تھی۔۔۔ انہی دنوں اس کی طبیعت بھی خراب ہونا شروع ہوگئی تھی۔ وہ خود ڈاکٹر تھی۔۔۔ مگر پھر بھی لیڈی ڈاکٹر سے مکمل چیک اپ کروا کر تسلی کرلینا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

انہی دنوں نیناں کی شادی کا غلغلہ اٹھا۔ اس نے فون اور ای میلز کرکرکے اس کی جان کھالی تھی کہ وہ شادی سے ایک ماہ پہلے آکر اس کے ساتھ تیاری کرائے۔ اس کو برائیڈل ڈریس اسی کی پسند سے منتخب کرنا تھا۔ وہ اس کی چوائس کی دیوانی تھی۔

"مگر پورے ایک ماہ پہلے کیسے آسکتی ہوں؟ شیر دل کو چھوڑ کر؟" اس نے تذبذب کے عالم میں کہا تھا۔ وہ اس وقت فون پر بات کررہی تھی۔ شیر دل لیپ ٹاپ پر کچھ کام کررہا تھا۔ لیکن اس کے کان اس کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ شیر دل کو اتنی لمبی چھٹی نہیں ملے گی اور میں انہیں تنہا چھوڑ کر نہیں آسکتی۔ تم ایسا کرو ناکہ ڈریس چوز کرکے مجھے اسکائپ پر بتادو۔" اس نے صاف منع کردیا۔

"تم شیر دل کو فون دو۔ تم سے تو بات کرنی بے کار ہے بدل گئی ہو تم۔۔۔" وہ سخت خفا تھی۔ روشانے نے مسکراتے ہوئے اسپیکر آن کردیا۔

"ہیلو۔۔۔ بھئی سالی صاحبہ! کیوں ہماری بیگم صاحبہ کو تنگ کررہی ہیں؟" شیر دل نے شوخی سے کہا۔

"بات مت کرو تم مجھ سے۔ کیا جادو کردیا اس لڑکی پر کہ جو شادی سے پہلے تمہاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی تھی اب' اپنی بہن کی شادی میں مہمانوں کی طرح آنے کی بات کررہی ہے۔" وہ شیر دل پر چڑ دوڑی۔

"بھئی اسے جادو نہیں محبت کہتے ہیں اسے ہونے والے سے پوچھ لو بے شک شادی کے بعد تم بھی ایسی ہی ہوجاؤ گی۔ قسم نہ کھاؤ۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"دیکھو ناشیر دل! میرا کتنا بڑا مسئلہ تمہاری بیوی حل نہیں کررہی اور مجھے تنگ کررہی ہے۔ اسے کہو کہ آجائے۔۔۔ سچی میری ماں کی چوائس دقیانوسی ہے اور مجھے شاپنگ میں ہمیشہ کنفیوژن ہوتی ہے۔ پھر میرے برائیڈل ڈریس اور جیولری کا معاملہ ہے۔ پلیز ہیلپ می۔" وہ روہانسی ہورہی تھی اور شیر دل کے منہ سے بڑا جاندار قہقہہ نکلا۔ روشانے بھی مسکرا رہی تھی۔

"بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟" وہ اس کی حالت انجوائے کررہا تھا۔

"جو مانگو۔" وہ فوراً" بولی۔

"تم میری بیگم کا خیال رکھوگی۔ اسے تنگ بالکل نہیں کروگی اور روزانہ میری ان سے فون پر بات کرواؤ گی اور جب ہم دونوں آپس میں باتیں کررہے ہوں تو تم وہاں سے بھاگ جاؤ گی۔ کان لگا کر باتیں نہیں سنو گی۔"

"اوکے اوکے۔۔۔ منظور ہے۔" وہ فوراً" بولی۔ روشانے نے کچھ کہنا چاہا تو شیر دل نے اس کو ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کا کہا۔

"اوکے۔۔۔ تو میں پکین کی ٹکٹ کنفرم کرکے فون کرتا ہوں۔" شیر دل نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟ میں اتنے دن پہلے نہیں جاسکتی بھی۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"کم آن روشنی! جان۔۔۔ وہ اتنے پیار سے بلا رہی ہے۔ چلی جاؤ ایک مہینے کی تو بات ہے' ویسے بھی آج کل میں ہم یہاں سے کوچ کرجائیں گے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلایا۔

"کیا مطلب؟" وہ اس کے پاس بیٹھتی ہوئی حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

"میں نے ٹرانسفر کے لیے آگے بات کی ہے۔ حالانکہ اتنی جلدی مشکل ہے' مگر ہوپ سو۔ ایک آدھ ماہ میں آرڈرز مل جائیں گے۔" اس نے اپنا مضبوط بازو اس کی کمر کے گرد حائل کرتے ہوئے بتایا۔

"اتنا اچانک فیصلہ کیوں؟ آپ نے بتایا تک نہیں؟ اتنی اچھی جگہ تو ہے یہ۔۔۔ مجھے بہت پسند آئی ہے۔" وہ کہہ رہی تھی اور حیران بھی تھی۔

"بس مجھے یہ جگہ بور کرنے لگی ہے۔ میں ایک جگہ ٹکنے کا عادی بھی نہیں۔ ہم فوجیوں کی زندگی ویسے بھی خانہ بدوشوں کی طرح ہوتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"یہی وجہ ہے؟ بس۔۔۔" اس نے گردن موڑ کر شیر دل کو دیکھا اس کے ذہن کے پردے پر چھم سے ایک حسین اور جاذب چہرہ ابھر آیا۔ وہ یکدم چونکی۔

"اوہ۔۔۔ ہے لی پاسبل۔" اس نے سوچا۔

"بس۔" شیر دل نے اسی کے سے انداز میں جواب دیا۔

"تم تیاری کرو۔۔۔ میں ٹکٹ کا پتا کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور نمبر پش کرنے لگا۔ وہ آہستگی سے اسے دیکھتی ہوئی اٹھی دل نجانے کیوں عجیب سا ہورہا تھا۔ "شیر دل! تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟" اس نے نجانے کیوں سوال کیا تھا۔ وہ نمبر پش کرتے کرتے چونکا اور اسے دیکھا۔

"تم میری زندگی ہو روشانے شیر علی۔ روح ہو میری۔ میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں۔" اس نے عجیب سے انداز میں جواب دیا۔ وہ چند لمحوں تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی عجیب جواب تھا۔ وہ اس جملے میں چھپے معنی تلاش کرنے لگی۔

"مجھے نجانے کیوں عجیب سا لگ رہا ہے؟" ایئرپورٹ پر وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"کم آن۔۔۔ ایک آرمی آفیسر کی بہادر بیوی یہ کس طرح کی باتیں کررہی ہے۔۔۔ کچھ دنوں کی بات ہے۔ پھر تو میں بھی وہیں آجاؤں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا۔ یہ سوچ کر تم میری امانت ہو۔" وہ آہستگی سے بولا۔ اس کے لہجے سے زیادہ اس کی آنکھوں میں وارفتگی تھی۔ وہ سرخ پڑ گئی۔

"اوں ہوں۔" اس نے جزبز ہوکر ادھر ادھر لوگوں کے ہجوم کو دیکھا۔ وہ ہنس پڑا۔

"خدا حافظ۔" اس نے اس کا نرم دودھیا ہاتھ ہولے سے دبا کر چھوڑ دیا۔

"خدا حافظ۔" وہ اندر کی طرف بڑھ گئی اور شیر دل تب تک اسے دیکھتا رہا' جب تک وہ اس کی نظروں کی حدود میں رہی۔ پھر وہ آہستگی سے پلٹ گیا۔ اسی پل اس کا موبائل بجا۔۔۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔ اس نے نمبر دیکھ کر فوراً" یس کا بٹن دبا دیا۔

"جی۔۔۔ جی باباجان! ابھی ابھی چھوڑا ہے۔۔۔ آپ لیٹ ہوگئے۔ جی میں نمبر سینڈ کردوں گا آپ کو۔۔۔ آپ انکل شہباز کے گھر فون کرلیجیے گا جی جی۔۔۔ اس کا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر تھا۔ جی جی میں نے اسے نہیں بتایا مگر اسے شک ہوگیا تھا۔ میں نے بہتر جانا کہ وہ فی الحال چلی جائے' اللہ نے بہانہ ہی کردیا۔ روز آتی ہیں۔۔۔ ایک ہی کالونی ہے' ظاہر ہے نظر تو آتا کوئی حیران کن بات نہیں۔۔۔ بتادوں گا بس۔۔۔ جی۔ اپنا خیال رکھیے گا۔۔۔ خدا حافظ۔" اس نے فون بند کردیا۔ وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھ رہا تھا' مگر اس کے چہرے پر بے حد سنجیدگی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہاں پہنچ کر اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی اور دوسرا کام یہ کیا کہ ایک مشہور ڈیزائنر کے پاس نیناں کو لے گئی جہاں اس کے عروسی لباس کا مسئلہ حل ہوا تھا۔ یہاں آکر وہ بہت مصروف ہوگئی تھی۔ کبھی جیولر تو کبھی درزی' کبھی کیا تو کبھی کیا۔۔۔ مگر اتنی مصروفیات میں بھی وہ شیر دل سے بات کرنا نہیں بھولتی تھی۔ رات کو وہ اپنا "اسے" ایک مخصوص وقت

پر فون کرتی تھی۔ اس روز اسے رپورٹ ملنی تھی۔ وہ بے حد مسرور تھی.... رپورٹ پازیٹو آئی تھی۔ اس کا شک دور ہو گیا تھا۔ وہ یہ خوشخبری پہلے شیر دل کو سنانا چاہتی تھی۔ اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی شیر دل کا موبائل نمبر ملایا۔ بیل بجتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد کسی نے فون اٹینڈ کر لیا۔

"ہیلو۔" کسی عورت کی آواز سن کر وہ لمحہ بھر کو گم سم ہو گئی۔ اس نے بے اختیار ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اس وقت تو شیر دل گھر پر ہوتا ہے یہ کون ہے؟ کس کی آواز تھی؟ وہ لرز گئی تھی۔

"ہیلو — جی کون؟" بہت خوب صورت آواز تھی۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر وہی عورت ابھر آئی۔

"کون ہے؟" اس نے شیر دل کی آواز سنی تھی۔

"پتا نہیں شاید سگنل نہیں آرہے۔" عورت نے جواب دیا تھا اور اس نے ایک دم سے فون کاٹ دیا۔ اسے چکر آنے لگے تھے۔ (تو کیا شیر دل نے مجھے دھوکا دیا۔ اس کا افیئر کسی اور عورت کے ساتھ ہے.... یا الٰہی۔) اس نے اپنا سر تھام لیا۔ پانچ ماہ سے وہ جس خوب صورت خوابوں کی دنیا میں سانس لے رہی تھی وہ ایک معمولی ذرے سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ اب وہ ڈرائیونگ کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ اپنا سر اسٹیرنگ پر گرا دیا۔ ہارن ایک تواتر سے بجنا شروع ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے میری بغیر اجازت میرا فون کیوں اٹھایا۔" اس نے جھپٹنے والے انداز میں اس کے ہاتھ سے فون چھینا تھا۔

"سوری تم کمرے میں نہیں تھے میں نے سوچا —" وہ شرمندہ سا لہجہ اور شرمندہ سا چہرہ اس کے سامنے تھا

"آپ کا میری کسی بھی چیز پر اور مجھ پر بھی کوئی حق نہیں ہے۔ ذہن نشین کر لیجیے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا اور لاگ میں نمبر چیک کرنے لگا۔ روشانے کی کال تھی۔ وہ جان چکا تھا۔

"شیر دل — مجھے معاف کر دو بیٹے۔" وہ عورت روتے ہوئے بول رہی تھی۔

"آپ کا بیٹا نہیں ہوں میں۔ صرف اپنے بابا کا بیٹا ہوں۔" وہ اس عورت کی بات کاٹتے ہوئے درشتگی سے بولا۔

"اپنی ماں کو اس طرح سزا مت دو میری جان — تم میری اولاد ہو۔" وہ رونے لگیں۔

"مسز فرخندہ جلیل اکبر! ماں کیا ہوتی ہے' اس کا مطلب کیا ہوتا ہے' آپ جانتی ہیں؟" وہ طنزیہ لہجے سے بولا۔

"آپ تب سے ہماری زندگی سے نکل چکی تھیں جب آپ اپنے پانچ سال کے بیمار بچے کو روتا ہوا مرتے حال پر چھوڑ کر اپنے عاشق کے ساتھ شادی کر کے نئی دنیا بسا چکی تھیں — ہم سب کے لیے آپ مر چکی ہیں مسز فرخندہ جلیل اکبر — ہم تینوں بھائی اور ہمارا عظیم باپ آپ کے بغیر جینے کے عادی ہو چکے ہیں۔ میری بیوی آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ وہ بہت پاک ہے۔ بہت معصوم اور وفادار ہے میں چاہ کر بھی اسے یہ گھناؤنی حقیقت نہیں بتا سکتا تھا۔ آپ جب تک اس جگہ پر رہیں گی تب تک میرے لیے ماضی کی اذیتیں اکٹھی کرتی رہیں گی — میرے دوست احباب کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ میرا آپ سے کیا رشتہ ہے.... بار بار میرے سامنے آکر میرا وقت خراب مت کریں۔ میں اس شکل کو کبھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ کیونکہ میں نے اس سے زیادہ مکروہ اور بدصورت چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔"

شیر دل کے ہونٹوں سے زہر نکل رہا تھا۔ فرخندہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس جوان مرد کی شکل دیکھ رہی تھی۔ وہ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد' وہ مضبوط جسم' وہ بے حد حسین چہرہ — یہ اس کا بیٹا تھا جو ذرا سے صبر اور برداشت اور قربانی سے اس کا سائبان بن سکتا تھا۔ ایسے ہی دو ستون اور تھے جنہیں اس عورت کی خود غرضی نے ڈھا دیا تھا۔

"نکل جائیں یہاں سے میں نہیں چاہتا کہ کسی کو پتا چلے اور میرا سر شرم سے جھک جائے۔ گھر سے بھاگ جانے والی بہت سی عورتیں ہوتی ہیں' ان کی کچھ اور مجبوریاں ہوتی ہوں گی۔ مگر گھر سے بھاگ جانے والی "ماں" میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔" شیر دل ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہا تھا۔

"بیویاں بے وفا ہو سکتی ہیں۔ مگر عورت جب ماں بن جائے تو وہ نہ عورت رہتی ہے' نہ بیوی — وہ صرف ماں ہوتی ہے — جائیے چلی جائیے میرا اور آپ کا معاملہ قیامت تک یونہی چلے گا اور فیصلہ روز محشر ہو گا۔ آپ نے قیامت کے قرض چڑھائے ہیں' قیامت کو ہی اتارنا پڑیں گے۔ اینڈلی آف ناؤ — گو گیٹ لاسٹ.... اس سے پہلے میں خود کو شوٹ کر دوں اور دوبارہ میرے سامنے غلطی سے بھی آنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ بہت مشکل سے سنبھالا ہے ہم لوگوں نے خود کو۔" وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا مگر اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں اتنی وحشت زدہ کہ فرخندہ خوفزدہ ہو گئیں۔ "میں جا رہی ہوں — ہو سکے تو تم سب مجھے معاف کر دینا۔ اپنے بابا سے کہنا مجھے معاف کر دیں۔ میں آخری بار تم سے مل رہی ہوں شیر دل — خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں اور پھر وہاں سے چلی گئیں۔

شیر دل نے اپنی بم کی طرح پھٹتی ہوئی کنپٹیوں کو پکڑا اور دونوں ہاتھوں سے بھینچا اور پھر نجانے کیا ہوا کہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بچوں کی طرح ہچکیوں سے رونے لگا۔ وہ اتنا بڑا افسر' اتنا کامیاب انسان ایک عورت کے دیے ہوئے گھاؤ کی وجہ سے رو رہا تھا۔ وہ آج پھر سے پانچ سال کا وہی بچہ بن گیا تھا جو اپنی ماں کا پلو پکڑ پکڑ کر اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور زور زور سے رو رہا تھا اور اس عورت نے بڑی بے دردی سے اس بچے کے ننھے ہاتھوں سے اپنا پلو چھڑایا تھا۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ بچہ سنبھل نہ سکا تھا اور برآمدے کی تین چار سیڑھیوں پر سے بری طرح گر کر سر پھوڑ بیٹھا تھا۔ اس کی دلخراش چیخیں اور اس کا خون سے لت پت چہرہ بھی اس عورت کے قدموں کی زنجیر نہ بن سکا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ عورت' ایک ہوس زدہ عورت تھی۔ ایک مادہ پرست عورت تھی' ایک خود غرض عورت تھی۔ اگر وہ ایک ماں ہوتی تو کبھی بھی اس روز اس سے وہ دہلیز نہ پار کرتی۔

☼ ☼ ☼

اس کے ذہن نے انگڑائی لی۔ پہلے ذہن جاگا اور پھر شعور کسمسایا۔ اس کے کانوں میں کسی کی باتیں کرنے کی آوازیں پڑیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ یہ کسی ہاسپٹل کا کمرا لگ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر دراز تھی اور اس کے اوپر سینے تک سفید رنگ کی چادر تھی۔ اس کی نظر بیگم شہباز اور نینال پر پڑی۔ وہ دونوں ہولے ہولے کچھ بات کر رہی تھیں۔ پھر اس نے نگاہیں گھمائیں' تو دوسری جانب شہباز اور سفید گاؤن پہنے وہی لیڈی ڈاکٹر کھڑی باتیں کر رہے تھے۔ یہ وہ ڈاکٹر تھی جس نے اس کے پریگننسی ٹیسٹ کیے تھے۔ اسے ہوش میں آتا سب سے پہلے شہباز نے دیکھا تھا۔ وہ لپک کر اس کے پاس آئے۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"اچھی ہوں — آپ لوگ؟ میں یہاں کیسے؟" وہ پوری طرح شعور میں ابھی نہیں تھی۔

"آپ بے ہوش ہو کر اسٹیرنگ پر گری ہوئی تھیں۔ متواتر ہارن بجنے کی آواز سن کر ہمارے کلینک کا چوکیدار گیٹ سے باہر آیا تو اس نے آپ کو بے ہوش پایا۔ اس نے مجھے آکر اطلاع دی۔ آپ کو فوری طور پر ٹریٹمنٹ کی ضرورت تھی۔ میں نے آپ کو ایڈمٹ کر لیا۔ آپ کے موبائل فون سے آپ کے انکل کو اطلاع دی گئی تھی۔" ڈاکٹر نے مختصراً اسے سارا حال بیان کیا۔

"لیکن روشنی بے ہوش ہوئی کیوں؟" شہباز نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا "ڈونٹ وری۔ ایسی کنڈیشن میں کچھ خواتین کمزوری کی وجہ سے بے

ہوش ہو جاتی ہیں یا پھر تھکاوٹ کی وجہ سے۔ آپ لوگ ان کا خیال رکھیے۔ اچھے سے کھلائیں پلائیں۔ فروٹنگ کروائیں اور ریسٹ کروائیں۔ ان کی صحت تو ماشاء اللہ ٹھیک ہے۔ بس کچھ کمزوری ہے۔ اچھی خوراک اور دودھ کے استعمال سے ان شاء اللہ وہ بھی نہیں رہے گی۔" لیڈی ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔ شہباز اور بیگم شہباز بغور ڈاکٹر کی ہدایات سن رہے تھے۔

"کیا ہم اسے گھر لے جاسکتے ہیں؟" بیگم شہباز نے پوچھا۔

"بالکل شی از پرفیکٹلی آل رائٹ۔" ڈاکٹر مسکرائی۔

"تو ٹھیک ہے پھر چلو بیٹا۔" شہباز بولے۔

"تایا جان! میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ میں کار ڈرائیو کرکے آجاؤں گی۔" اس نے اپنے اوپر سے چادر ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں۔ آپ ابھی ڈرائیو بالکل نہیں کریں گی۔" ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ڈاکٹر بول پڑیں۔

"آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی۔" شہباز بولے۔

"تمہاری کار ڈرائیور لے آئے گا۔ تم ہمارے ساتھ چلو۔" انہوں نے کہا اور اپنی بیگم کو اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"تم اب مکمل آرام کروگی۔ اس حالت میں بار بار کی بے ہوشی اچھی بات نہیں۔ تم نے شیردل کو بتایا؟" بیگم شہباز اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھیں۔

"موقع ہی نہیں ملا۔" اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی نظریں بھی چرالیں۔ "بتادینا اسے پہلی فرصت میں ہی۔ ایسی خوشخبریاں پہلے شوہر کو ہی سنائی جاتی ہیں۔ خیر تمہارا تو معاملہ ہی ذرا ہٹ کر ہوگیا!" وہ اس کے قریب والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"بتادوں گی۔" اس نے تھکے تھکے سے انداز میں تکیے سے سر ٹکادیا "مجھے نہنال کی شادی کے ہنگاموں میں تمہاری طرف دھیان ہی نہیں رہا۔ حالانکہ تمہارا رنگ مجھے پہلے کی نسبت پھیکا لگ رہا تھا اور کچھ کمزور بھی لگ رہی تھیں۔ تمہاری ڈائٹ بھی کم ہوگئی ہے... حد ہوگئی۔ مجھے دھیان ہی نہیں رہا۔" وہ جیسے اپنی کوتاہی اور بے خبری پر کڑھ رہی تھیں۔

"کیوں ٹینشن لے رہی ہیں۔ مجھے بھی کہاں پتا تھا۔" اس نے ان کو محبت سے دیکھا۔ دوہری رشتے داری تھی ان سے...

"ارے کیسے ٹینشن نہ لوں۔ اب تم کسی کی امانت ہو۔ تنہا نہیں ہو تم اور اب تو دوہری ذمہ داریاں ہیں تم پر بھی اور ہم پر بھی۔ تم شیردل کی امانت سنبھالے بیٹھی ہو بیٹی۔ اب اپنا خیال رکھنا اور زیادہ ضروری ہے۔" ماں کی طرح اسے سمجھا بھی رہی تھیں اور ڈانٹ بھی رہی تھیں۔ "اپنی ڈائیٹ کا خاص خیال رکھنا ہے... سمجھ گئیں۔ نہنال ابھی سیب کا جوس بنا کر لا رہی ہوگی۔ تمہیں پورا پینا ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔" اسے تھکاوٹ محسوس ہورہی تھی۔ اسی پل اس کے کمرے کا فون بجا۔

"ارے ہاں... وہ میں تمہیں بتانا بھول گئی۔" بیگم شہباز جاتے جاتے پلٹیں۔ تب تک روشانے فون کا ریسیور اٹھاچکی تھی۔

"یامین کے فون آتے رہتے ہیں۔ تمہاری بارات والی رات بھی آن دھمکا تھا۔ مگر تمہارے تایا نے اسے تم سے ملنے نہیں دیا۔ آج صبح پھر آن دھمکا تھا یہاں اس نے تو ناک میں دم کردیا ہے ہمارے ایک ہی بات کی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ تم سے بات کرنی ہے۔ صبح تو میں نے جھڑک بھی دیا تھا کہ اب ملنے کے کیا معنی و مطلب؟ اب تو اس کی شادی ہوگئی ہے... وہ خوش ہے اپنے گھر میں۔ اس کا پیچھا کرنا چھوڑ دو۔ مگر وہ اتنا ڈھیٹ... پیچھے پڑا ہوا ہے کہ تمہارا فون نمبر دوں یا تم سے بات کروادوں... روشی! میری صلاح ہے کہ تم اس سے مل کر دوٹوک بات کرلو۔ شیردل اس کے بارے میں

کچھ نہیں جانتا... اگر اس کی کسی حرکت کی وجہ سے تمہاری عائلی زندگی پر خدانخواستہ کوئی برا اثر پڑا تو میں قیامت کے دن تمہاری مری ہوئی ماں کو کیا جواب دوں گی؟ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟" وہ اس سے کہہ رہی تھیں اور دونوں میں سے کسی کو یہ خیال تک نہیں تھا کہ ریسیور روشانے کے ہاتھ میں ہے اور ماؤتھ پیس کے ذریعے دوسری طرف شیردل ان کی ساری باتیں حرف حرف سن رہا ہے۔

"جی آپ فکر نہ کریں۔ میں ہینڈل کرلوں گی۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"ارے فون تو سنو کس کا ہے۔" انہیں خیال آیا تو بولیں۔ روشانے نے ریسیور کان سے لگایا۔ مگر ٹوں ٹوں کی آواز ہی آئی۔

"کٹ گیا ہے۔ جس کا ہوگا پھر کرلے گا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"چلو تم آرام کرو اور یہ ایکسٹینشن کی تار نکال دو تاکہ تمہارے آرام میں خلل نہ پڑے۔" وہ ہدایت دیتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ روشانے آرام دہ حالت میں لیٹ گئی تھی۔ اس کے کانوں میں وہ ہی آواز گونج رہی تھی۔

"ہیلو جی کون...؟" وہ عورت کون تھی؟ مجھے ایک دم سے ایکشن نہیں لینا چاہیے... ایک شخص بے وفا تھا... ضروری نہیں ہر شخص بے وفا ہو۔ ایک شخص نے پاسداری وفا نہیں کی۔ ضروری نہیں کہ ہر کوئی ایسا ہی کرے... اس نے سوچتے ہوئے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنا شروع کردیے۔ دوسری طرف سے چند لمحوں کے بعد اس کے بیٹ مین نے فون ریسیو کیا۔ اس نے سلام کا جواب دینے کے بعد فوراً" ہی شیردل کا پوچھا۔

"وہ تو ابھی ابھی باہر نکلے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اکیلے تھے یا کوئی ساتھ میں تھا؟" اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"جی اکیلے تھے سر۔" جواب ملا۔

"اچھا... کوئی مہمان آیا تھا کیا آج؟" اس نے بظاہر عام سے انداز میں پوچھا تھا مگر اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

"جی ہاں... ایک خاتون تشریف لائی تھیں۔ کافی دیر بیٹھی تھیں۔ میں نے چائے وغیرہ دی تھی۔ سر تو آفس سے آج دیر سے آئے تھے' وہ خاتون ان سے ملنے آئی تھیں۔" بیٹ مین نے بتایا۔

"خاتون۔" اس کا دل لرزا...

"ہوسکتا ہے مسز علوی ہوں... اونچی لمبی سی تھیں سانولی سی؟" اس نے جان بوجھ کر بات بنائی۔

"جی نہیں... لمبی اونچی تو تھیں' مگر بہت خوب صورت اور گوری تھیں۔ بہت زیادہ فیشن ایبل تھیں اور غصے والی بھی لگ رہی تھیں۔ میں نے سلام کیا تو جواب تک نہیں دیا۔ تیس پینتیس کے لگ بھگ عمر تھی۔ ساڑی پہن رکھی تھی۔" اس نے تفصیلاً" بیان دیا۔

"اچھا' اچھا میں سمجھ گئی... تم گھر کا خیال رکھنا۔ میں صاحب کو موبائل پر ٹرائی کرتی ہوں۔" اس نے ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد اور کچھ ہدایات دینے کے بعد فون بند کردیا۔ بیٹ مین کے بتائے ہوئے حلیے اور اس کلب والی عورت کے حلیے میں بے حد مماثلت تھی۔ (اس رات شیردل کا یوں ٹھٹکنا... کچھ ایسی ہی کنڈیشن اس عورت کی بھی تھی... وہ میجر یاور اور ان کی فیملی کے ساتھ تھی۔ پھر شیردل کا مجھ سے جھوٹ بولنا... اس کا جھلانا... یہ سب کیا ہے) اس کے سر میں درد شروع ہوگیا۔ اس نے شیردل کے موبائل پر کال کرلی۔ کچھ دیر بیل بجتی رہی اور پھر شیردل کی آواز اسے سنائی دی۔ مگر یہ کیا... اس کی آواز میں نہ پہلے جیسا جوش تھا... نہ ہی وہ شدت و بے قراری... بہت سپاٹ لہجہ تھا اس کا۔

"میں نے گھر فون کیا تھا' آپ نہیں تھے۔ اس وقت کہاں ہیں؟" اس نے رسمی باتوں کے بعد پوچھا۔

"میں ذرا باہر آیا ہوں۔ تم کیسی ہو؟" بہت ہی فارمل سا سوال تھا اور سرد انداز۔

"ٹھیک ہوں۔ صنوبر بتا رہا تھا گھر میں مہمان آئے

تھے۔ کون تھا؟" اس نے یونہی پوچھا۔

"ہاں... وہ مسز اکرام آئی تھیں تم سے ملنے۔ میں نے بتا دیا کہ تم اپنی بہن کی شادی میں گئی ہو۔" شیر دل نے جواب دیا۔ اسے ایک اور جھٹکا لگا۔ مسز اکرام بڑی عمر رسیدہ اور عام سی شکل و صورت کی خاتون تھیں اور شاید ہی زندگی میں کبھی انہوں نے ساڑھی استعمال کی ہو۔ وہ انہیں ہمیشہ شلوار قمیص میں ہی دیکھتی تھی۔ شیر دل نے جھوٹ بولا تھا... وہ بے یقینی سے ریسیور کو دیکھتی رہ گئی...

"تم جھوٹے ہو۔ میں کل آرہی ہوں واپس۔" اس نے کہہ کر ریسیور نیچے رکھ دیا شیر دل کا ری ایکشن کیا ہوگا؟ اس نے کیا سوچا ہوگا؟ اس نے روشانے کے انداز اور اطلاع پر کتنا جھٹکا کھایا ہوگا اور ملاقات کے بعد اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ وہ کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ اس نے آن کی آن فیصلہ کیا تھا۔

"سوری سوری سیب گھر میں ختم ہوگئے تھے۔ میں نے عبدل سے کہہ کر منگوائے اسی لیے دیر ہوگئی۔" نینال کی بروقت آمد اسے بہت کھلی تھی۔

"نینال! میرا ایک کام کرو گی... تایا جان سے کہہ کر میری کل کسی بھی وقت کی ٹکٹ بک کروا دو۔" اس نے ازحد سنجیدگی سے کہا۔

"کیا... کل کی ٹکٹ... پاگل ہو گیا؟ اس حالت میں اور اب تو شادی میں دن بھی بس بارہ ہی رہ گئے ہیں۔" وہ چیخی۔

پلیز نینال! یا تو تایا جان سے کہہ کر سیٹ بک کروا دو ورنہ میں خود یہ کام کر رہی ہوں۔" وہ بگڑے ہوئے موڈ کے ساتھ بولی۔

"سب ٹھیک تو ہے نا روشانے؟ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" اس نے اس بار بہت سنجیدگی سے بہن کی صورت دیکھی۔

"مسئلہ حل کرنے ہی کے لیے جا رہی ہوں... مگر تم کسی سے کچھ مت کہنا... پلیز۔"

"مگر مجھے تو بتاؤ۔" نینال پریشان ہوگئی "ابھی تو مجھے خود بھی پتا نہیں ہے۔ بس اتنا اور تایا جان سے کہہ دینا میں گھر جانا چاہ رہی ہوں۔ مہندی سے پہلے آجاؤں گی۔" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اوکے تم جوس پیو۔ میں کہتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی اور وہ سوچنے لگی کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

شیر دل بار بار اسے کالیں کر رہا تھا مگر اس کا موبائل فون آف تھا اور گھر کے نمبر پر فون کرنے سے اسے جواب مل رہا تھا کہ وہ سو رہی ہے۔ مجبوراً اس نے نینال کو کال کی اور اس سے سوال جواب شروع کر دیے۔

"مجھے خود کچھ پتا نہیں اچانک ہی بولی کہ اسے گھر جانا ہے... میں تو خود پریشان ہوں... ویسے بھی اس حالت میں بار بار اتنی جلدی جلدی ٹریولنگ اچھی بات نہیں ہے... ڈاکٹر نے اسے ٹریولنگ سے منع کیا ہے۔" نینال نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے اپنی باتوں میں انکشاف کیا۔

"کیا مطلب؟ کیسی حالت؟ کیا ہوا ہے اسے؟" شیر دل کے لہجے میں تشویش تھی۔

"آپ کو نہیں پتا؟" وہ حیران ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"پتا ہوتا تو تم سے سوال نہ کرتا۔" وہ چڑ گیا۔

"جناب! میں خالہ بننے والی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا۔" شیر دل کو لگا کہ جیسے اس نے کچھ اور سن لیا ہے۔

"میں خالہ بننے والی ہوں۔" اس بار اس نے قدرے زور سے کہا۔

"او ریئلی... مگر روشانے نے مجھ سے یہ خبر کیوں چھپائی؟" وہ شاکی ہوا۔

"آپ زیادہ گہرائی میں مت جا کر سوچیں... یہ تو بڑی خوشخبری ہے۔" نینال نے مختصراً اسے ساری باتیں بتا دیں اور شیر دل کے پوچھنے پر وقت بھی۔

"اوہ... تم نے انکل سے ٹکٹ کے لیے تو نہیں کہا۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں میں ابھی انہیں کہنے ہی والی تھی۔"

"مت کہو... میں آج خود آرہا ہوں تم گھر پر کسی کو اطلاع مت دینا۔" اس نے کہا اور چند دوسری باتیں اس سے پوچھنے کے بعد فون بند کر دیا۔ تقریباً" ڈیڑھ گھنٹہ نینال سے بات چیت کر کے اب وہ بالکل ہلکا تھا۔ شک کے بادل چھٹ چکے تھے اور حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ اس نے ایک روزہ چھٹی کی ارضی لکھ کر اپنے افسر کم دوست کو دے دی تھی۔ وہ اب جلد از جلد روشانے کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ نینال نے اس کی ساری الجھنیں سلجھا دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک خوب صورت سا پارک تھا۔ اس وقت یہاں خاصی چہل پہل اور رونق تھی۔ وہ دھوپ کا چشمہ لگائے ایک بینچ پر بیٹھی تھی۔ اس کی نگاہوں کا مرکز دوڑتے بھاگتے بچے تھے جو آزادی سے اپنا بچپنا انجوائے کر رہے تھے۔ وہ بہت حسرت سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ان بچوں کو دیکھتے دیکھتے وہ ماضی کے ہنڈولے میں جھولنے لگی تھی۔ اس نے اپنا چشمہ اتار کر اپنے پرس میں رکھ لیا۔ آنکھوں میں آئی نمی کو اس نے ماضی کے کرب سمیت اندر دھکیلا۔

"روشانے..." ایک آواز اس کی سماعت میں اتری... گویا تیزاب اس کے اندر دوڑنے لگا... آواز عقب سے آئی تھی اور وہ پلٹے بنا جان سکتی تھی کہ یہ کس کی آواز ہے۔ اس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی آگئی۔ اس نے گردن موڑ کر اس وجود کو دیکھا... جس سے زیادہ نفرت اس نے کسی سے کی ہی نہیں تھی۔ ایسی نفرت کہ جس کے لیے نفرت کا لفظ ہی چھوٹا پڑ جائے۔

"کیسی ہو؟" یامین کے سوال نے اس کے اندر لگی آگ کو ہوا دی تھی۔

"میں نے یہاں آپ کو اپنا احوال سنانے یا آپ کا احوال دریافت کرنے نہیں بلایا ہے۔ مسٹر یامین شیر علی..." وہ لفظ نہیں تھے بم تھے جو یامین شیر علی کی ہستی کو بار بار دھماکوں سے اڑا رہے تھے۔

"بیٹی... مم..." اس نے کہنا چاہا مگر روشانے نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔

"چند باتیں ہیں... صرف چند باتیں... جو میں آپ سے کرنے والی ہوں... اور آپ اس کے درمیان میں نہیں بولیں گے... ان باتوں کے ختم ہوتے ہی میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ یہ ہماری آخری ملاقات اور آخری بات ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی مگر روشانے نے شیر دل کے الفاظ اور انداز ایسے تھے کہ یامین شیر علی لب بستہ رہ گیا۔

"جب میں پانچ سال کی تھی، تب آپ نے میری فرشتہ صفت ماں سے محبت کے نام پر دوسری شادی کرنے کا اجازت نامہ زبردستی حاصل کیا وہ آپ کی محبت میں اتنی اندھی تھیں کہ بغیر پڑھے ہی اجازت نامہ پر دستخط کر دیے بعد میں انہیں پتا چلا کہ ان کے عزیز از جان شوہر نے ان سے اجازت نامے پر نہیں بلکہ دھوکے سے خلع نامے پر دستخط لے لیے تھے، کیونکہ وہ دوسری شادی کرنا چاہتے تھے ایک مالدار، ادھیڑ عمر انگریز عورت سے... اس کی دولت کی لالچ میں!" وہ انتہائی سرد اور زہریلے لہجے میں بول رہی تھی۔

"میری بات تو سنو..." یامین نے کہنا چاہا۔

"آپ میری بات سنیں نہ" اس نے دھیمے مگر غضبناک انداز میں باپ کو وہیں ٹوک دیا۔ یامین شیر علی سہم کر چپ ہو گیا۔ وہ اسی کی اولاد تھی۔ اس کی صورت بالکل ویسی ہی تھی۔ بے حد حسین، پرکشش اور تیور بھی ویسے ہی تھے۔ اکھڑ، مغرور، سفاک۔ آج اس کا آئینہ اس کے سامنے تھا، جس میں سے اپنا ہی عکس دکھتا تھا۔

"آپ نے میری معصوم ماں سے محبت کر کے شادی کی تھی۔ پھر طلاق بھی دی اور سب جو کچھ میری ماں کے نام پر تھا...

وہ سب بھی اس سے لے لیا۔ خلع کا ڈرامہ آپ نے اس لیے کھیلا کہ اس طرح سے آپ کو وہ بھاری حق مہر ادا نہیں کرنا پڑتا جو میری ماں کے نام پر تھا... اور پہلی بیوی سے چھٹکارا بھی مل رہا تھا۔ سودا برا نہیں تھا۔ پرانی بیوی کے بدلے میں نئی بیوی اور پرانی بچی کے

بدلے میں نئی بچی۔" وہ طنز سے ہنسی مگر اس کی آنکھوں میں ایسی بے رحمی تھی کہ یامین کی زبان گنگ ہو گئی۔

"میری ماں سے سب کچھ چھین لیا تھا آپ کی ہوس و لالچ اور خود غرضی نے ۔۔۔ آپ میرے باپ نہیں تھے صرف گھر میں رہنے والے مہمان تھے' ایسا مہمان جس کے آنے پر کوئی خوش نہیں ہوتا۔ میرا اور آپ کا تعلق صرف اتنا ہے کہ میری پیدائش کے سرٹیفکیٹ اور دوسرے کاغذات پر آپ کا نام باپ کے کالم میں لکھا رہا تھا۔ آپ میری ماں کے قاتل ہیں۔" اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

"اس نے خودکشی کی تھی روشانے۔" یامین نے بمشکل کہا۔

"دنیا کی نظر میں۔" یامین شیر علی کی بات کاٹی۔

"آپ نے جو زخم انہیں دیا تھا وہ ان کی طاقت سے زیادہ تھا۔ وہ نیم پاگل ہو گئی تھیں۔ موت سے پہلے کے آخری چند ایام جو میں نے ان کے ساتھ گزارے تھے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی ۔۔۔ وہ خود کو دلہن کی طرح پور پور سجا کر بیرونی دروازہ کھول کر آپ کے آنے کے انتظار میں رات رات بھر کھڑی رہتی تھیں۔ وہ کھانے پکا پکا کر میزیں بھر دیتی تھیں۔ انہیں میں تک بھول گئی تھی۔ فون کا ریسیور ہاتھ میں پکڑ کر نجانے کس کس کو کالیں کر کے آپ کے بارے میں گھنٹوں باتیں کرتی رہتیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے پاکستان فون کیا۔ آپ ہی کے سگے بھائی شہباز شیر علی کو۔ وہ ان سے بھی بہکی بہکی باتیں کر رہی تھیں۔ تب تایا جان کو جھٹکا لگا تھا۔ انہوں نے فوراً" اپنی سیٹ پیرس کے لیے بک کرائی تھی۔ تایا جان سے باتیں کر کے ممی نے مجھ سے کہا تھا کہ روشنی ۔۔۔ میری جان! میں بہت دور جا رہی ہوں۔ ممی کے جانے کے بعد تم اپنے تایا اور اتا کے پاس چلی جانا وہاں نینال ہو گی۔ وہ تم سے کھیلے گی ۔۔۔ اور اسی رات انہوں نے ڈھیر ساری نیند کی گولیاں کھا لیں ۔۔۔ مجھے ان کا چہرہ بہت پسند تھا۔ میں گھنٹوں اپنی ماں کا چہرہ دیکھتی اور تھکتی نہ تھی۔ یہ گویا میرا پسندیدہ مشغلہ تھا ۔۔۔ اس رات آخری بار میں نے کتنی ہی ویران کا چہرہ دیکھا تھا ۔۔۔ اور پھر نجانے کب خود بھی سو گئی تھی۔" کہتے کہتے رکی یامین نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کو بمشکل اٹھا کر اس کو دیکھا ۔۔۔ وہ لبوں کو بھینچے ہوئے کھڑی تھی۔

"آپ نے مجھ سے میری ماں کو چھین لیا ۔۔۔ وہ میری ماں ہی نہیں میری کل کائنات تھی۔ میری دوست میری بہن' میرا باپ' میرا بھائی ۔۔۔ سبھی کچھ۔" اس نے پھر بولنا شروع کر دیا۔

"وہ بے حد خوب صورت تھیں ۔۔۔ اتنا حسین چہرہ میں نے اپنی زندگی میں پھر دوبارہ نہیں دیکھا ۔۔۔ وہ وفا کی پتلی تھیں ۔۔۔ حیادار اور پاک تھیں ۔۔۔ جو داغ آپ نے ان کے ماتھے پر لگایا تھا' وہ اسے سہہ نہ سکیں۔ آپ ان کے قاتل ہیں۔ میں اس دنیا میں صرف اور صرف ایک شخص سے نفرت کرتی ہوں اور میں اس دنیا میں ایک چہرہ پھر کبھی نہیں دیکھنا چاہوں گی ۔۔۔ حتیٰ کہ روز قیامت بھی نہیں' صرف پیٹھ کر کے کھڑی ہوں گی۔" وہ بے حد ٹھنڈے لہجے میں بولی۔ یامین شیر علی کا پورا بدن ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔

"پتا ہے آپ نے میرے ساتھ کیا دشمنی کی ۔۔۔؟" اس نے یامین کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں۔

"میرا بھروسہ دنیا کے ہر فرد سے اٹھا دیا۔ میں نے زندگی کے بیس سال ایسے گزارے جیسے ساٹھ سال کی بڑھیا گزارتی ہے۔ میں نے کتابوں میں پناہ لینی شروع کر دی۔ لوگ کہتے ہیں میں کامیاب عورت ہوں' مگر میں اس کامیابی کی اصل وجہ جانتی ہوں' شہباز آپ کے بھائی ہیں مگر میرے لیے وہی میرے باپ ہیں عالیہ میری ماں کی سگی بہن ہے مگر وہ میرے لیے میری تائی نہیں ہے بلکہ سگی ماں کی طرح ہے۔ نینال میری بہن ہے۔ میرا خاندان یہی ہے۔ مجھے اب مزید کسی رشتے کی ضرورت نہیں۔ خدا حافظ ۔۔۔ ہمیشہ کے لیے جائیے اپنی اسی سراب دنیا میں لوٹ جائیے۔ ہماری زندگیوں میں کسی یامین شیر علی کے لیے جگہ نہیں ہے۔" وہ بول کر آگے بڑھ گئی۔ چلتے چلتے اس نے نہایت بے دردی سے اپنی آنکھوں میں امڈنے والے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑا اور پرس میں سے گلاسز اور کار کی چابی نکال لی۔

یامین شیر علی وہیں بینچ پر بیٹھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"تم نے ٹھیک کہا میری بچی وہ سراب ہی تھا حقیقت نہیں ۔۔۔ جس کنکر کی خاطر میں نے ہیرے کو ٹھکرا دیا تھا' وہی کنکر پوری زندگی میں پورے وجود کو لہولہان کرتا رہا ہے ۔۔۔" وہ بڑبڑا رہا تھا اور رو رہا تھا اور آس پاس کھیلنے والے بچے رک کر اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے اور کچھ لوگ اسے دیوانہ سمجھ کر افسوس کر رہے تھے۔ مگر وہ دیوانہ نہیں تھا' وہ تو اناڑی تھا ۔۔۔ اس نے جنت کے بجائے دلدل کا انتخاب کیا تھا اور اس دلدل پر بچھے سبزے کو ہریالی سمجھ کر اس پر ایک نئی جنت بنانے چلا تھا۔

گھر سے وہ ڈاکٹر کے پاس جانے کا بہانہ کر کے نکلی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو بھی یامین کے ساتھ ملاقات کی خبر دے۔ وہ اس قصے کو پاک کرنا چاہتی تھی اور اس نے آج یہ کر ہی دیا۔

☼ ☼ ☼

گھر پہنچی تو شیر دل کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ یامین سے ہونے والی ملاقات کا زہر ابھی باقی تھا جو شیر دل کو دیکھ کر اس کے دماغ پر اثر کرنے لگا تھا۔ وہ بہت سرد انداز میں اس سے ملی تھی۔ شیر دل نے بہت ہی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔

"آپ اچانک کیسے آ گئے؟" اس نے نینال کو دیکھتے ہوئے سوال شیر دل سے کیا تھا۔ شہباز اور بیگم شہباز نماز ادا کرنے اٹھ کر جا چکے تھے۔ نینال نے بھی دونوں کو تنہائی فراہم کرتے ہوئے وہاں سے کھسکنا مناسب سمجھا۔

"یار! پہلے کچھ کھانے پینے کا پوچھو' تھک گیا ہوں آرام وارام کرواؤ پھر انٹرویو لینا۔" وہ خوشدلی سے مسکرایا۔

"ٹھیک ہے آیئے ۔۔۔ میرے کمرے میں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"سامان لائے ہیں؟" اسے یکدم خیال آیا۔

"ہوں۔ عدیل نے پہلے ہی تمہارے بیڈ روم میں رکھ دیا ہے۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"ابھی تو ڈنر کا وقت قریب ہے۔ ڈنر سے پہلے کچھ کھایا تو بھوک مٹ جائے گی۔" اسے دھیان آیا۔

"میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔ آپ چل کر چینج کر لیں۔" اس نے کہا۔ شیر دل اسے بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ آف موڈ کے ساتھ بھی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"چھوڑو کافی پہلے چل کر میرے کپڑے نکال دو۔" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ روشانے نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ سے چھڑایا۔

"سب ہیں گھر میں۔" وہ ہولے سے بولی اور زینہ چڑھنے لگی ۔۔۔ کمرے میں پہنچتے ہی شیر دل نے دروازہ بند کر دیا اور اسے اپنی مضبوط بانہوں میں لے کر سینے سے لگا لیا۔

"یہاں تو ہمارے سوا کوئی نہیں ہے ۔۔۔ میں تمہارا کس قدر عادی ہو چکا ہوں ۔۔۔ جیسے ہیروئنچی' ہیروئن پینے کا۔" وہ بول کر خود ہی ہنسا۔ عام دن ہوتے تو روشانے معمول کی طرح اس کے سینے پر سر ٹکا کر آنکھیں سکون سے موند لیتی۔ مگر وہ عام سے احساسات سے نہیں گزر رہی تھی۔

"شیر دل! آپ یوں اچانک کیوں آئے ہیں؟" اس نے خود کو اس کے حصار سے نکالتے ہوئے از حد سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیوں؟ تمہیں اچھا نہیں لگا میرا آنا؟" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"نہیں ۔۔۔ اس لیے کہ کل میں خود آ رہی تھی۔" وہ بے دھڑک بولی۔

”مجھے نیناں نے بتا دیا تھا۔۔۔ تم نے پریگننسی والی خبر مجھے کیوں نہیں دی؟ اور ہاں۔۔۔ تم اس وقت کہاں سے آرہی تھیں؟ کلینک ٹائمنگ یہ تو نہیں ہوتے۔“ شیر دل نے سوال کیا۔

”میں کلینک نہیں گئی تھی۔ کہیں اور گئی تھی۔“ وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔

”کہاں؟“ شیر دل نے بے ساختہ پوچھا۔

”کسی سے ملنے۔۔۔“ وہ اطمینان سے بولی ”کس سے؟“ شیر دل نے غور سے اسے دیکھا۔

”اپنے ”کاغذی“ باپ سے ملنے‘ کچھ ادھار تھے اس پر۔۔۔ وہ اتارنے ضروری تھے۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر سنگدلی سے بولی۔

”کاغذی باپ۔۔۔“ شیر دل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”ہاں۔۔۔ مگر اس شخص کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔۔ وہ ہم دونوں کا ذاتی معاملہ تھا۔ مجھے اس سے آخری مرتبہ ملنا تھا۔۔۔ یہ ضروری تھا۔۔۔ آپ نہ بھی پوچھتے تو میں آپ کو بتا دیتی کہ سچ کیا تھا میں میاں بیوی کے رشتے میں کسی قسم کی دراڑ کی قائل نہیں کسی قسم کی بے اعتباری کی قائل نہیں۔۔۔ شیر دل! یامین شیر علی میری زندگی کا ایک زہریلا سچ ہے۔ ایک بھیانک حقیقت۔۔۔ مجھے آپ کو آج نہیں تو کل یہ سب کچھ بتانا ہی تھا۔“ وہ کہتے کہتے رکی ”میاں بیوی کے درمیان معاملات بالکل فیئر ہونے چاہئیں۔۔۔ اللہ نے نکاح کا رشتہ اس لیے نہیں بنایا کہ دو انسان صرف اپنے نفسیاتی اور جسمانی تقاضے ہی ایک دوسرے سے پورے کریں۔ یہ رشتہ تو شروع ہی اعتبار و اعتماد سے ہوتا ہے۔ جس رشتے کی بنیاد ہی ”بھروسہ“ ہو تو وہاں کوئی دھوکے اور جھوٹ کی عمارت کیسے کھڑی کر سکتا ہے۔

شیر دل! جانتے ہو میں نے تم سے شادی کے لیے منع کیوں نہیں کیا؟“ اس نے یکدم کہا۔ شیر دل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”کیونکہ مجھے لگا تھا کہ جو کچھ تم کرتے ہو کھلے عام کرتے رہو۔۔۔ تمہارے افیئرز اور لڑکیوں کے ساتھ جس بھی قسم کے تعلقات تھے وہ سب کے سامنے تھے۔ یہ ایک عجیب بات ہے نا۔۔۔ کہ میں نے ان اچھے اور میچور رشتے ٹھکرا کر تمہارا انتخاب کیا۔“ وہ ہنسی۔

”نیناں ہمیشہ کہتی تھی کہ تم جو کرتے ہو کھلے عام کرتے ہو۔ تم جھوٹے اور دغاباز نہیں ہو۔ لڑکیاں خود تمہارے پیچھے آتی ہیں تم ان کے پیچھے نہیں جاتے۔“ وہ ذرا دیر کو سستانے کے لیے رکی اور بیڈ پر بیٹھ کر ٹانگیں اوپر کرلیں۔ اس کو بہت کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

”تم ٹھیک ہو؟“ وہ فکرمند سا اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

”ہاں۔“ روشانے نے گردن ہلائی۔

”تم جانتے ہو۔۔۔ میں تمہیں ”تم“ کیوں کہتی ہوں۔۔۔“ وہ پوچھنے لگی۔ شیر دل سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیونکہ اس طرح میں تمہیں خود سے باندھ لیتی ہوں۔ اور ”آپ“ اس لیے کہتی ہوں کہ میں تمہاری بہت زیادہ عزت کرتی ہوں۔“ وہ اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

”تم بہت خوب صورت ہو۔۔۔ میری ممی بھی بے حد حسین تھیں۔۔۔ میں تمہارا چہرہ بھی گھنٹوں دیکھ سکتی ہوں اور میں ان کا چہرہ بھی گھنٹوں دیکھتی رہتی تھی۔“ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

”شیر دل! مجھ سے جب تایا جان نے تمہارے لیے کہا تو میں نے تمہارے بارے میں بہت سوچا تھا۔ تم جو تھے‘ جیسے تھے میرے سامنے تھے۔ اگر شادی کے بعد بھی تم نہ بدلتے اور اپنی انہی ایکٹی وٹیز میں انوالو رہتے تو مجھے بس افسوس ہوتا‘ مگر میں پھر بھی نباہ کرتی۔۔۔ اور اگر تم بدل جاتے تو میں تمہاری عزت کرتی اور محبت بھی۔“ اس نے کہتے کہتے نظریں جھکالیں۔

”میں نے سوچا اگر بظاہر سوفسٹی کیٹڈ نظر آنے والے کسی مرد سے شادی کے بعد اگر اس کا کوئی

”کارنامہ“ سامنے آگیا۔ تو شاید میں ایک پل بھی اس کے ساتھ نہ رہ سکوں اور علیحدگی لے لوں۔ تو زیادہ بہتر کون ہوا؟ وہ جو کھلے عام سب کرتا ہے اور کسی کو دھوکے میں نہیں رکھتا یا پھر وہ جو شرافت اور پارسائی کا نقاب چڑھائے معصوم عورتوں کو دھوکہ دیتا ہے‘ جیسا کہ میرے باپ نے کیا تھا۔۔۔ میری ماں کے ساتھ۔۔۔ میرے ساتھ۔“ وہ پھر سانس لینے کو رکی۔

”شادی ایک جوا ہی تو ہوتی ہے۔۔۔ میں نے وہ بازی تم پر کھیلنے کا فیصلہ کرلیا۔۔۔ یوں سمجھو میں اپنے مقدر کو آزما رہی تھی۔۔۔ میں نے تم سے شادی کے بعد بہت سوچا‘ بہت دیکھا بھالا۔۔۔ تم نے اپنی وہ ساری ایکٹی وٹیز ختم کردی تھیں۔۔۔ نجانے کیوں مجھے تم بے حد پرسکون سے لگنے لگے۔۔۔ میں آہستہ آہستہ تم سے محبت کرنے لگی۔“ آخری فقرہ بولتے بولتے اس کا لہجہ حیا آمیز ہوگیا تھا۔

”میں نے پریگننسی کی خبر ملتے ہی پہلا فون تمہیں کیا تھا۔۔۔ مگر کسی عورت نے تمہارا پرسنل یوز کا موبائل اٹینڈ کیا تھا۔“ وہ کہتے کہتے شیر دل کی طرف دیکھنے لگی۔ شیر دل کو یاد آیا کہ فرخندہ نے فون اٹینڈ کیا تھا۔ جس پر وہ بگڑا تھا۔ پھر دوبارہ اسے کال بیک کرنے کی پوزیشن میں وہ کئی گھنٹوں کے بعد آیا تھا۔

”ہماری شادی شدہ زندگی کو زیادہ وقت نہیں گزرا‘ صرف چند ماہ گزرے ہیں شیر دل۔۔۔ ان چند ماہ میں تم نے مجھ سے تین موقعوں پر جھوٹ بولا۔۔۔ کیا مجھے دہرانے اور یاددہانی کرانے کی ضرورت ہے؟“ اس کا لہجہ و انداز بدل گئے تھے۔ شیر دل اب بھی مطمئن سا اسے دیکھ رہا تھا۔

”کون ہے وہ؟“ اس نے سلگتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”بیوی کسی بھی قوم‘ رنگ‘ نسل‘ مذہب سے تعلق رکھے۔۔۔ شوہر پر شک کرنا نہیں چھوڑ سکتی۔“ وہ بے ساختہ بولا۔

”یہ میری بات کا جواب نہیں۔“ وہ برا مان کر بولی۔

”جس طرح یامین تمہارا باپ اور تمہاری زندگی کے بیتے ہوئے لمحوں کا ایک بھیانک رخ ہے۔ اسی طرح وہ عورت فرخندہ بھی میرے گزرے ہوئے کل کا سیاہ باب ہے۔۔۔ وہ عورت میری سگی ماں ہے۔“ اس نے آہستگی سے نچلا لب کاٹتے ہوئے بتایا۔

”واٹ۔۔۔ ماں۔۔۔ مگر وہ تو بہت ینگ ہیں؟“ وہ حیرت سے اچھل پڑی۔۔۔ شیر دل کی عمر میں اور ان کی عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا۔

”وہ اتنی کم عمر نہیں ہیں‘ بس لگتی ہیں۔۔۔ بابا سے البتہ تقریباً“ بیس‘ اکیس برس چھوٹی ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”اتنا زیادہ عمروں کا فرق۔۔۔“ اب اسے سمجھ آئی کہ شیر دل کے والد اتنی بڑی عمر کے کیوں لگتے تھے اور اس کی ماں جس کی عمر تیس‘ بتیس برس ہی لگتی تھی‘ وہ تو شاید ابھی چالیس‘ بیالیس کی ہی ہوں۔

”عمروں کے تضاد کے علاوہ اور بہت سی باتیں تھیں جو ان دونوں میں اختلاف کا سبب بنی تھیں۔ بابا کا مزاج سنجیدہ اور دھیما تھا‘ جبکہ میری ماں بہت شوخ طبیعت کی تھی۔۔۔ اس کے علاوہ انہیں ڈھیروں دولت‘ زیور‘ کپڑا‘ جائیداد‘ بڑی گاڑی ہر چیز چاہیے تھی۔ جبکہ بابا حق حلال کی روزی کمانے والے ایک سپاہی تھے۔ گاؤں کی زمینوں سے آنے والی آمدن اچھی خاصی تھی۔ اگر ماں چاہتی تو اس میں ہی اچھا گزر کر سکتی تھی۔ مگر اس نے یہ نہ کیا۔۔۔ جلیل اکبر بابا کا بہت اچھا دوست تھا۔ شکل عام تھی مگر وہ بے حد امیر کبیر تھا‘ شادی شدہ بھی‘ وہ افریقہ میں رہتا تھا اور وہیں بزنس کرتا تھا۔ بابا کی شادی کے بعد وہ تب آیا جب میرے دوسرے نمبر والے بھائی میٹرک کر رہے تھے اور میں ایک سال کا تھا۔ اس نے میری ماں کو دیکھا اور اس کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے ماں کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ دوستی کا لحاظ پاس کیے بغیر اس نے ماں کو تحائف کی صورت میں ترغیب دینی شروع کردی۔ بابا کی ناک کے نیچے سارا کھیل جاری تھا اور بابا انجان تھے۔ پھر ایک بار بڑے بھیا کی نظر میں یہ سارا کھیل آگیا۔ اس روز گھر میں بہت ہنگامہ ہوا تھا۔ بابا کی سوالیہ نظروں

نے بھی ماں کی غیرت و حیا کو نہ جھنجوڑا۔

میں پانچ سال کا ہو چکا تھا اور ماں سے بہت اٹیچ تھا۔ انہوں نے بابا سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ بابا نے میرے بھائیوں نے انہیں بہت روکنے اور سمجھانے کی کوشش کی مگر ان کی آنکھوں پر سونے کی پٹی بندھ چکی تھی۔ میں بہت چھوٹا تھا ۔۔۔ مگر وہ منظر جیسے میری آنکھوں میں بس گیا تھا۔ ماں اس آدمی کے ساتھ جا رہی تھی۔ ہم سب کو چھوڑ کر کوئی بھی چیز ان کے قدموں کو روک نہ سکی تھی۔ میں نے ان کا دوپٹا پکڑ لیا تھا' مگر انہوں نے اپنا پلو چھڑا لیا تھا اور یہ دیکھے بغیر کہ میں سیڑھیوں سے گر کر بری طرح زخمی ہو گیا ہوں' وہ چلی گئیں۔ بابا مجھے لے کر ہاسپٹل بھاگے۔ یہ دیکھ رہی ہو۔" اس نے اپنی پیشانی پر لگے ایک مندمل پرانے گھاؤ کے نشان کی طرف اشارہ کیا۔

"پانچ ٹانکے لگے تھے مجھے ۔۔۔ بابا مجھ سے زیادہ رو رہے تھے۔" وہ نہایت کرب سے کہہ رہا تھا۔ روشانے درد مشترک کے تکلیف دہ احساس کے ساتھ گنگ اس کی صورت دیکھ رہی تھی "اس کے بعد ہم چاروں نے اس عورت کو اپنی زندگی سے نکال دیا۔ یہ واقعہ حویلی میں پیش آیا تھا۔ صد شکر ۔۔۔ اگر کالونی میں پیش آتا تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ وقت بہت بڑا مرہم ہے روشانے دونوں بھائیوں کو بابا نے پڑھنے کے لیے باہر بھیج دیا' وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہیں سیٹل ہو گئے۔ بابا سے اور مجھ سے ملنے کبھی کبھار ہی آتے ہیں ۔۔۔ مگر بہت ہی کم وقت کے لیے۔ ہم نے سب سے یہی کہا ہوا ہے کہ ہماری ماں مر چکی ہے ۔۔۔ اور وہ مر ہی چکی ہے۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے آنکھیں موندیں اور پھر کچھ توقف کے بعد آنکھیں کھول دیں۔

"میں بہت چھوٹا تھا۔ مجھے دادی نے پالا پوسا اور جب بڑا ہوا تو بابا نے آرمی کی فیلڈ ہی میرے لیے چنی وہ بہت تنہا رہ گئے تھے۔ وہ بھائیوں کے بعد مجھے نہیں دور کر سکتے تھے۔ روشنی! ماں کی اس حرکت نے عورت ذات پر سے شادی کے مقدس رشتے پر سے میرا بھروسہ ختم کر دیا تھا۔

مجھے اللہ نے ایسا بنایا ہے کہ صنف مخالف میری طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ میں نے لاشعوری طور پر ماں کا انتقام ان لڑکیوں سے لینا چاہا۔ مگر وہ تو خود ہی ویسی ہی تھیں۔ پھر مجھے تم نظر آئیں۔ تم سے مل کر' تمہیں رفتہ رفتہ جاننا شروع کیا ۔۔۔ دل نے گواہی دی کہ تم کو ہی زندگی کا ساتھی بنانا چاہیے۔ تمہارا مضبوط کردار' تمہاری حیا' تمہاری شرافت اور سب سے بڑھ کر تمہاری وفا ۔۔۔ یہ سب مل کر تمہیں بے حد حسین بنا دیتی ہیں ۔۔۔ تمہاری اپنی خوبیوں کی وجہ سے میں نے تمہارا انتخاب کیا۔

میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنی ماں کے بارے میں بھی تمہیں بتانے سے ڈرتا تھا۔ ایک عورت کے ایسے گھناؤنے اقدام کے بارے میں تمہیں کیسے بتا دیتا۔" وہ ذرا دیر کو رکا۔

"روشنی! اس دن جب تم نے فون کیا تھا تو وہ مجھ سے میرے گھر پر معافی مانگنے آئی تھیں۔" اس نے بتایا۔ ہم دونوں کے کیس میں بہت سی چیزیں کامن ہیں ۔۔۔ تمہاری ماں کا چہرہ تمہیں اس لیے خوب صورت لگتا تھا کہ وہ بے حد وفادار اور سچی تھیں' وہ تمہارے والد سے مخلص تھیں۔ ان کا دل روشن اور اجلا تھا۔ اتنا کہ ان کے چہرے پر اس اجلے پن کی روشنی نظر آتی تھی۔" اس نے گہرا تجزیہ کیا تھا۔ "اور تمہارا چہرہ بھی مجھے اسی لیے خوب صورت لگتا ہے شیر دل ۔۔۔ کیونکہ تمہارا اندر خوب صورت ہے ۔۔۔ یہی خوب صورتی ہے جو مجھے تمہاری طرف کھینچتی ہے ۔۔۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔

مطلع صاف ہو چکا تھا۔ شک کے بادل چھٹ گئے تھے۔ "ہم اپنی اولاد کو بہترین تربیت دیں گے۔ ہم ان کو وہ اعتبار اور وہ سب کچھ دیں گے جن سے ہم محروم رہے ہیں۔" شیر دل نے اس کے نازک سے ہاتھوں کو اپنے گرم ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ دونوں مسکرا رہے تھے اور یہ مسکراہٹیں ثبوت دے رہی تھیں انہوں نے میاں اور بیوی کے رشتے کا پاس رکھنا ہے۔

☆ ☆

"اف توبہ ہے۔۔۔ ستمبر آنے کو ہے مگر اب تک مجال ہے کہ گرمی کا زور ٹوٹا ہو۔۔۔ اوپر سے میری عقل بھی پوری ساری ہے جو یہ ریشمی کپڑے پہن کر پیدل نکل گئی۔۔۔ مارے گرمی کے برا حال ہو گیا ہے۔ ایک ہمارا زمانہ تھا کہ ستمبر سے ہی سردی زور پکڑنے لگتی تھی مگر اب۔۔۔ خدایا رحم کر' سب ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔" شائستہ بیگم دروازے سے اندر داخل ہوتی گئیں' ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے چادر اتار کر پرے پھینکی اور ہاتھ میں تھامے سبزی کے تھیلے کو صحن میں پڑے نواڑی پلنگ پر پٹخا۔

"کیا ہوا ماما۔۔۔؟" طیبہ ماں کی آواز سن کر جھٹ سے پانی کا گلاس تھامے جوں ہی صحن میں آئی' لال سرخ پڑتا ماں کا چہرہ دیکھتے ہی ہاتھ پیر پھول گئے۔

"لگتا ہے بی پی لو ہو گیا۔۔۔ بڑا جی گھبرا رہا ہے۔ ہول اٹھ رہے ہیں۔" پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کرتے ہوئے انہوں نے طیبہ کو تھما دیا۔

"اریدہ کو کہتی ہوں آپ کا بی پی چیک کرے اور میں جلدی سے سکنجبین بنا کر لاتی ہوں۔" ان کی پیشانی کو چھوتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ بھی تپ رہی ہے۔

"ماما! آپ کو تو بخار سا ہو رہا ہے۔" اس نے قدرے فکرمندی سے ماں کا ہاتھ تھاما۔

"ارے نہیں بس چوک سے پیدل چلتی آئی ہوں نا تو پسینے چھوٹ گئے تب ہی بدن تپنے لگا ہے۔۔۔ بل جمع کرانے گئی تھی پھر سوچا واپسی پر سبزی بھی خرید لوں اسی لیے پیدل ہی چل دی۔" انہوں نے گویا اسے تسلی دی۔

اریدہ نے شاید صحن سے ملحقہ باورچی خانے سے ساری گفتگو سن لی تھی تبھی بی پی آپریٹس اور اسٹیتھسکوپ لیے باہر چلی آئی۔ ماں کے بازو پر آپریٹس کا مونو میٹر لپیٹا اور ایئر بلب سے ہوا بھرنے لگی۔

"بس تھوڑا سا کم ہے۔۔۔ پیدل چلی ہیں نا۔ پسینہ بہنے کی وجہ سے ڈاؤن ہو گیا ہو گا۔" بازو کے گرد لپٹے بیگ کو اتارتے ہوئے اس نے سہارا دے کر انہیں اٹھایا اور اندر کمرے تک لے آئی۔

طیبہ کے کالج میں اسپورٹس ویک تھا سو اس نے خود سے چھٹی کر لی۔۔۔ جبکہ اریدہ ناسازی طبیعت کے باعث آج گھر پر تھی۔

"ماما آپ تو ابھی سے ڈھے گئی ہیں۔ ابھی تو آپ کی بہو آنے میں بڑا وقت پڑا ہے۔" لیموں پانی کا گلاس ماں کو تھماتی طیبہ نے یونہی انہیں چھیڑا۔ گلاس تھامتے انہوں نے سرد آہ بھری۔

"بہو نے تو جیسے مجھے تخت پر بٹھا کر میری خدمتیں ہی کرنی ہیں۔۔۔ بیٹا تو کام کا ہے نہیں' بہو نے کیا کام کر کے دینا ہے بھلا۔" ان کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔

"تو بیٹے کو اتنا نکھٹو' کام چور کس نے بنایا۔۔۔؟ آپ نے ماما۔ جب کوئی کام کرنے کے لیے کہو آپ نے ہمیشہ سے اس کی طرف داری کی کہ وہ پڑھ رہا ہے' سو رہا ہے' تھکا ہوا ہے' بیمار ہے۔۔۔ اور خود چل پڑیں کام کرنے۔ دنیا کے سب ہی لڑکے پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے ہیں۔۔۔ میں اور طیبہ نہیں ہیں؟ ہم نے کیا پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر نہیں سنبھالا۔۔۔؟ آپ نے ہی اس کے بے جا لاڈ اٹھا اٹھا کر اسے بگاڑا ہے۔" اریدہ اکثر ہی اس بابت ماں سے الجھتی رہتی تھی۔

"اب کیا کروں۔۔۔ اکلوتا بیٹا ہے میرا سو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا۔"

"ہاں اور وہ واقعتاً "چھالا" ہی بن گیا جو اب آپ کو درد دے گا اور دیتا ہی رہے گا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کمرے سے باہر چل دی۔

"ہاں ماما یاد آیا فریحہ باجی کی نند کے پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔ باجی کا فون آیا تھا کہ یاد سے فون کر کے ان کی نند کی خیر گیری کر لیجیے گا۔" طیبہ نے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے ہی انہیں مطلع کیا۔ وہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم تھیں' چونک گئیں۔

"فون کروں یا عیادت کے لیے چلی جاؤں۔۔۔؟" اسی شش و پنج میں مبتلا انہوں نے طیبہ کی جانب دیکھا

"آپ کی مرضی۔" اس نے شانے اچکاتے فیصلہ ان پر چھوڑا۔

"چل شام کو مجھے یاد کرا دینا فون کر دوں گی۔" تکیے پر سر ٹکاتے انہوں نے کمر سیدھی کی۔

"موبائل لا دوں۔۔۔؟ ابھی کر لیں۔" طیبہ نے اٹھتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"نہیں موبائل رہنے دے۔۔۔ نہ وہ مجھے استعمال کرنا آیا اور نہ ہی اس پر مجھے کبھی آواز آئی۔ شام کو پی ٹی سی ایل سے ہی کروں گی۔" دائیں کروٹ لیتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

"دروازہ بھیڑ دینا۔۔۔ کچھ دیر آرام کر لوں۔ بڑی تھکاوٹ ہو گئی ہے۔" طیبہ سر ہلاتے ہوئے دروازہ بند کر گئی۔

☆ ☆ ☆

باہر گیٹ سے داخل ہوتے احمد کے ہاتھ سے شاپرز پکڑ کر طیبہ جلدی سے آگے بڑھی۔ باورچی خانے کی سلیب پر رکھ کر اس نے جلدی جلدی ساس پین میں سے چائے پیالیوں میں نکالی۔۔۔ انڈہ پھینٹتی اریدہ نے ایک ایک کر کے کباب نکالے اور انہیں انڈے میں بھگو کر گرما گرم تیل میں ڈالنے لگی۔ اتنے میں طیبہ نے نمکو اور بسکٹ کے پیکٹ کھول کر انہیں پلیٹوں میں قرینے سے سجا کر ٹرالی کی زینت بنایا۔

"اریدہ جلدی کرو۔" طیبہ نے کفگیر سے کباب پلٹتی بہن کو دیکھتے ہوئے کہا جو پہلے ہی جلی بھنی بیٹھی تھی۔

"کیا خود فرائنگ پین میں کود جاؤں؟ جلدی ہی کر رہی ہوں۔" اس نے دانت نکوسے۔

"ہزار بار ماما کو بولا ہے کہ ہمیشہ گھر میں کچھ نہ کچھ رکھا کریں۔۔۔ کوئی اچانک آ جاتا ہے پھر عین موقع پر اپنے سپوت کو دوڑاتی ہیں۔ ہفتہ ہو گیا کہتے کہتے کہ قیمہ اور انڈا پٹی لا دیں' کباب اور سموسے بنا کر فریز کر لوں مگر نہیں جی۔۔۔" وہ سخت غصے میں تھی۔

پارہ تو طیبہ کا بھی چڑھا ہوا تھا مگر وہ خاموش کھڑی سنتی رہی۔ اریدہ نے جلدی سے کباب فرائی کر کے پلیٹ میں نکال کر طیبہ کے حوالے کیے جو ٹرالی گھسیٹتی لاؤنج کی جانب بڑھی جہاں مختلف آوازیں گونج رہی تھیں۔

بڑی باجی فریحہ اپنے بچوں اور شوہر کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں اور یہ ساری خاطر داری ان کی شان میں کی گئی تھی۔ طیبہ نے چائے سمیت تمام لوازمات سرو کیے۔

"آنٹی! احمد کے ایڈمیشن کا کیا بنا۔۔۔؟" فریحہ باجی کے شوہر جنید نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی تو اسلامی (اسلامک) میں ایڈمیشن ہوا ہے۔ ویسے ایپ کام (ایپ کامز) میں بھی ہو گیا تھا مگر وہاں نہیں لیا اس نے۔۔۔ کہہ رہا تھا کہ Nust کے CSS میں نام آ گیا ہے۔۔۔ دیکھیں اب۔" شائستہ بیگم نے چائے کی چسکی لی تو دونوں بہنیں جو کونے میں بیٹھیں اپنے بھانجوں کو کھلا رہی تھیں فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

"Nust میں CSS۔۔۔؟" جنید بھائی اچنبھے سے طیبہ کی جانب دیکھنے لگے تو وہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"ماما CS کو CSS کہہ رہی ہیں۔۔۔ مطلب کمپیوٹر سائنس۔" جنید بھائی نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی مبادا ساس کو برا نہ لگ جائے۔

"ماما اسلامک اور ایپ کامز ہوتا ہے۔" اس نے ماں کی تصحیح کراتے ہوئے اسلامک کے "ک" اور ایپ کامز کے "ز" پر زور دیا تو وہ کھسیانی ہنسی ہنس دیں۔

"کب ٹھیک سے بولنا سیکھیں گی ماما؟" اریدہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بی اے پڑھی ماں کو دیکھا جن کے بولنے سے کہیں سے نہ لگتا کہ وہ میٹرک سے آگے بھی پڑھی ہیں۔

شائستہ بیگم جو مزاج کی بے حد سادہ' صاف گو' صاف دل اور دنیاوی رکھ رکھاؤ کے معاملے میں اناڑی تھیں' اکثر اولاد کی تنقید کا شکار رہتیں۔۔۔ بیٹیاں ماں کے برعکس دنیاوی راہ و رسم نبھانے والی' امور خانہ

داری میں طاق تھیں۔ سو اکثر ہی ماں کے لتے لیتی رہتیں۔۔۔ یہ کام کرنا ہے۔۔۔ وہ کیوں نہ کیا؟ بات ایسے کرتا ہے۔۔۔ یوں نہیں بولتا۔ مگر شائستہ بیگم کی سادگی تھی کہ جوش میں آ تا عالم بے خبری میں زبان کی نوک پر اور انہیں معلوم بھی نہ ہوتا کہ کب کیا کہہ گئیں۔۔۔ بیٹیاں گھورتی رہ جاتیں مگر وہ سادگی میں اپنی ہی جھونک میں بولتی جاتیں۔

شوہر کے انتقال کے بعد گھر کا سارا انتظام و انصرام بیوگی کی چادر اوڑھے جس سفید پوشی سے سنبھالا' کوئی نہیں جانتا تھا۔۔۔ مگر حالات کے تھپیڑے بھی ان کی سادہ لوح طبیعت پہ چنداں اثر انداز نہ ہوسکے۔ مکان کے کرائے اور بینک میں جمع شدہ رقم سے کیسے تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کو اعلا تعلیم دلوائی' ایک بیٹی کی شادی کی اور گھر کے تمام اخراجات سنبھالے یا تو وہ جانتی تھیں یا ان کا خدا۔۔۔ پھر بھی کبھی خدا سے شکوہ کناں نہ ہوئیں۔ ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رکھا۔

☼ ☼ ☼

گھر کی حالت زار دیکھ کر وہ دونوں سالوں سے کڑھن کا شکار تھیں۔ بیس سالہ پرانا گھر' جس کا رنگ روغن ہوئے بھی زمانہ بیت گیا تھا' فرنیچر سے لے کر برتن تک ہر شے سے بوسیدگی چھلکتی۔۔۔ اب رینوویشن کا متقاضی تھا۔ سب سے خستہ حالت دروازوں کی تھی جن کی لکڑی کی چوکھٹیں دیمک لگنے کے باعث آخری سانسیں لے رہی تھیں۔ ابھی گئیں کہ گئیں۔ کھڑکیوں کی لکڑی بھی بھربھرا کر گرنے کے قریب تھی۔ فی الحال تو محض اتنا ہی بجٹ تھا کہ ترکھان کو بلوا کر تمام دروازے کھڑکیاں ٹھیک کرائے جاتے۔

"اگلے سال ہم گھر کا فرنیچر بھی تبدیل کریں گے۔۔۔ کتنا اولڈ فیشن فرنیچر ہے ڈرائنگ روم میں۔۔۔ میں تو نئے فیشن کے ڈھنگ صوفے لوں گی' جس میں بیٹھ کر بندہ اندر ہی دھنس جائے۔" تو اڑی پلنگ پر بیٹھی اریدہ خیالی پلاؤ بناتی سیب کی قاشیں پھانک رہی تھی۔

"اور ہاں صحن کے لیے بڑے بڑے گملے بمعہ خوب صورت پھولوں والے پودے بھی لوں گی۔" ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ لیے وہ خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے بولے چلے جا رہی تھی۔۔۔ برابر بیٹھی شائستہ بیگم نے تاسف سے سر ہلایا۔

"بس کر دے شیخ چلی کی اولاد۔ واپس زمین پر آجا۔۔۔ اتنا اونچا مت اڑ۔"

"کیوں ماما؟ ہم نے کیا اونچی اڑان بھری۔۔۔؟ بیس سال سے پرانا فرنیچر پڑا ہوا ہے۔ اب بھی تبدیل نہ کروائیں۔۔۔؟" سامنے سیڑھیوں پر بیٹھی طیبہ نے گود میں رکھی کتاب بند کر کے ماں کو دیکھا۔

"ایک تو مجھے یہ ماما مت بولا کرو۔۔۔ پرانے زمانے کی بوا یا پھر ماموں صغیر یاد آنے لگتے ہیں۔۔۔ اللہ بخشے انہیں کیسے ہم ماما ماما کرتے ان کی ٹانگوں سے لپٹے جاتے تھے۔" ہزار بار کی سنی روداد میں ان کی قطعاً" دلچسپی نہ تھی۔

"او کے۔۔۔ اماں جی! مدعے پر آیئے نا۔" طیبہ نے ناک سکوڑی۔

"مدعا کیا۔۔۔؟ شکر کرو خدا کا بہت سے لوگوں سے بہتر ہیں ہم۔ باہر نکل کر دیکھو کیسی کیسی حالت زار ہے لوگوں کی۔" انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے استغفار کیا۔

"ہاں بہت سوہنا گھر ہے نا۔۔۔ کبھی میری دوستوں کے گھر جا کر دیکھیں۔۔۔ اسکیم تھری' بحریہ میں کیسے کیسے عالیشان محل کھڑے ہیں۔ جا کر دیکھیں تاکہ آپ کو پتا لگے کہ گھر کسے کہتے ہیں؟ ایک ہمارا گھر مرغیوں کا ڈربا ہے۔" اس نے ناک بھوں چڑھائے تو اریدہ بھی بیچ میں کود پڑی۔

"اور نہیں تو کیا جو بھی مہمان آئے اوپر سے نیچے تک یوں جائزہ لیتا ہے جیسے ہڑپہ کے کھنڈرات دیکھ رہا ہو۔"

"پھر کہتی ہیں کہ رشتے نہیں آتے۔ لو بھلا کون سی حوریں چھپا رکھی ہیں آپ نے اس مرغی خانے میں' نہ ہی کوئی اعلا بیک گراؤنڈ' نہ باپ کا سہارا' رہ گیا یہ گھر وہ بھی سونے پہ سہاگہ ہے۔ کہاں سے آئیں رشتے۔۔۔"

طیبہ استہزائیہ ہنسی۔

"ویسے اپنی انگلی پے سے میں فرنیچر نہ لے لوں؟ سیکنڈ ہینڈ فرنیچر بھی بہت اچھا' مناسب پیسوں میں دستیاب ہوتا ہے۔" اریدہ کی بات پر شائستہ بیگم نے سر پیٹ لیا۔

"سارا پیسہ یوں ہی لگا دے گی۔۔۔؟ جوڑے گی نہیں تو جہیز کیسے بنے گا؟" اس کی بے مناسب تھی اور وہ کوئی فضول خرچ بھی نہ تھی کہ اللوں تللوں پر پیسہ لگا دیتی بڑا جوڑ کر پیسہ رکھتی تھی اور مناسب موقع پر خرچ کرتی۔

"ہاں ہاں جیسے گیٹ سے باہر تو لڑکے لائن میں کمر بستہ کھڑے ہیں کہ جوں آپ اس کا جہیز مکمل کریں وہ بارات دروازے پر لے آئیں گے۔" طیبہ نے جلی کٹی سنائیں تو اریدہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جل دفع ہو۔۔۔ جب دیکھو ماں کی ٹانگ کھینچتی ہو' اس کی بات بن کر وہ جی بھر کر بدمزا ہوئیں گویا کڑوی کسیلی گولی چبا ڈالی ہو۔

"اچھا ماما! وہ فرنیچر والے کو فون کر کے پوچھیں تاکہ بک ریک کب تک دے جائے گا۔۔۔ بن گیا ہے تو بتا دے ہم خود اٹھوا لیتے ہیں۔" اریدہ نے ماں کے بگڑتے موڈ کے پیش نظر فورا" بات بدلی۔

"نمبر ملا دو۔۔۔ میں بات کر لیتی ہوں۔" بچوں کی سی فطرت تھی۔ نہ رو ٹھتیں نہ ناراض ہوتیں۔۔۔ فورا" بہل جاتیں۔

"طیبہ کریڈٹ ہے تو نمبر ملا دے ماما کو۔" اریدہ نے طیبہ سے کہا تو شائستہ بیگم فورا" بدکیں۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ اس موئے موبائل کو تو میں ہاتھ نہ لگاؤں۔ ذرا جو مجھے اس میں آواز آجائے۔ کیسی فضول ایجاد ہے بھئی۔۔۔ ساری نسل کو غلام بنا رکھا ہے۔ مجھے تو کوئی سمجھ نہیں لگتی اس کی۔"

"ان پڑھ سے ان پڑھ بندہ بھی اس کو استعمال کر لیتا ہے۔ ایک آپ ہیں۔" وہ کچھ لمحے بیٹیوں کو دیکھنے لگیں پھر مان گئیں۔ طیبہ نے کال ملا کر دی۔

"کیا نام ہے اس بندے کا۔۔۔؟" دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ وہ کان سے لگائے لگائے ہی نام پوچھ رہی تھیں۔

"خان۔۔۔" طیبہ نے آگے کیا کہا ان کی توجہ ہی نہ رہی۔ دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"جی یہ خان بلڈرز ہیں۔۔۔؟ بیٹا آپ فرنیچر بناتے ہیں نا۔" پیچھے وہ دونوں پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنستے ہنستے دوہری ہو رہی تھیں۔ وہ نا سمجھی میں دوسری جانب سے جانے والے جملے پر غور کرنے لگیں۔

"باجی میں ٹیکسی آلا آصف آں۔۔۔ کے ہوئی گیا اے۔" وہ طیبہ کا ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ وہ خجل سی ہو گئیں۔

"او بیٹا معاف کرنا۔۔۔ غلط نمبر مل گیا۔" موبائل کان سے ہٹاتے انہوں نے طیبہ کو گھورا۔

"تو نے ٹیکسی والے کا نمبر ملا دیا۔۔۔" طیبہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"نمبر کو چھوڑیں ماما۔۔۔ پہلے یہ تو بتائیں کہ بلڈرز کب سے فرنیچر بنانے لگے۔۔۔؟" وہ دونوں پھر سے قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔۔۔ انہیں اب اپنے کہے گئے جملے کا احساس ہوا تو وہ خود ہی ہنسنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اریدہ سو کر اٹھی تو نگہت آنٹی آئی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کا نکاح کیا تھا سو اسی خوشی میں ڈھیروں مٹھائی اور زردہ لائی تھیں۔۔۔ ان سے علیک سلیک کر کے وہ باورچی خانے میں چلی آئی۔ چائے کا پانی چڑھا کر کیبنٹ کھول کر دیکھا۔۔۔ حسب توقع گھر میں بسکٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔

ایسا ہرگز نہ تھا کہ وہ اتنے گئے گزرے تھے کہ مہمانوں کی خاطر داری ٹھیک سے نہیں کر سکتے تھے بس ماں کی تساہل پسندی اور بھائی کی کاہلی آڑے آ جاتی کہ مدتوں گھر میں کچھ آ کے نہ دیتا۔

اس نے جلدی سے لوازمات ٹرے میں نکالے اور ابھی صحن کی جانب بڑھی ہی تھی کہ پیر وہیں تھم سے گئے

"نگہت! اریدہ کے لیے بھی کوئی لڑکا دیکھ کر رکھو، شریف لوگ ہوں اور کماتا ٹھیک ہو بس... میں بہت فکر مند رہتی ہوں اس کی طرف سے۔" پہلے وہ ماں کی ان باتوں پر زچ ہوتی تھی مگر اب اس نے ماں سے الجھنا چھوڑ دیا تھا۔ ہاں اس کو اب بھی تذلیل محسوس ہوتی جب ہر آئے گئے کے سامنے وہ یہی پنڈورہ باکس کھول کر بیٹھ جاتیں۔

"ہاں ہاں ضرور دیکھوں گی۔" نگہت آنٹی کے گول مول جواب پر وہ خاموش ہو گئیں۔

نگہت آنٹی کے جانے کی دیر تھی کہ طیبہ نے ان پر چڑھائی کر دی۔

"کیا ضرورت تھی نگہت آنٹی سے کچھ کہنے کی... لوگوں کے قریب کی نظر کمزور نہیں ہوتی کہ آپ انہیں بتانے بیٹھ جاتی ہیں۔ ہر کسی کو بہت اچھی طرح نظر آتا ہے... اوروں کو چھوڑیں یہ نگہت آنٹی جن کے سامنے آپ دکھڑے رو رہی تھیں انہوں نے کبھی آپ کی بیٹیوں کے لیے کیوں نہ سوچا... اتنا پرانا ساتھ ہے آپ کا۔" اس کا انداز بہت کچھ جتا رہا تھا اور وہ خاموش کھڑی سنتی رہیں... کیا کہتیں؟ اتنے رشتے دار، جاننے والے تھے مگر ان میں سے کسی نے آج تک ان کی کسی بیٹی کے لیے سوال نہ کیا تھا۔ بڑی بیٹی بھی انجان لوگوں میں ہی بیاہ دی اور اب...

نگہت آنٹی ڈھیروں مٹھائی اور چاول دے کر گئی تھیں کہ محلے بھر میں بانٹنے کے بعد بھی بچ جاتے۔ خود وہ شوگر کی مریض تھیں، احمد مٹھائی پسند نہ کرتا اور ان دونوں کے ارض بلد اور طول بلد تک پھیلتے رقبے کے پیش نظر وہ ساری مٹھائی اور چاول ان کے سپرد نہیں کر سکتی تھیں لہٰذا کچھ مٹھائی اور چاول اپنے لیے الگ کیے اور باقی اوپر کرائے داروں کے لیے نکال لیے۔

"طیبہ چل میرے ساتھ، اوپر دے آئیں۔" طیبہ ایک ہی جست بھرتی پلیٹیں اٹھائے ماں کے ساتھ ہولی۔ اوپر کا تین کمروں کا پورشن انہوں نے ایک فیملی کو دے رکھا تھا جن کے چار بچے تھے۔ دونوں میاں بیوی بہت ملنسار اور شریف النفس تھے لہٰذا شائستہ بیگم کو کبھی ان کی طرف سے کسی قسم کی پریشانی نہ ہوئی۔ الٹا لگے ہاتھوں ان کے بہت سے کام کر دیتے۔

"ارے آنٹی کیا اریدہ کی بات پکی کر دی ہے؟" شائستہ بیگم نے بڑی گرمجوشی سے پلیٹیں ان کی طرف بڑھائی تھیں... ان کی بات پر آنکھوں کی جوت یکلخت بجھ گئی۔

"اللہ وہ دن بھی لائے گا... یہ میری سہیلی دے کر گئی ہے۔ اس نے بیٹے کا نکاح کیا ہے۔ کافی زیادہ دے کر گئی تھی۔ رکھنے کی جگہ تھی نہیں اور کھائے جاتے نہیں تھے تو سوچا تمہیں دے آؤں۔" ماں کی اس درجے صاف گوئی پر ساتھ کھڑی طیبہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

☆ ☆ ☆

"ماما اس بار عید پر ہم قربانی کریں گے نا۔" دروازے کھڑکیاں نئے لگ گئے تھے۔ چلو کچھ تو نیا پن آیا تھا... وہ خوش تھیں۔ سو اگلی فرمائش جھاڑ دی۔

"مشکل لگ رہا ہے۔" وہ چاول چنتی جاتیں اور بڑھتی ہوئی منگائی کا رونا روتی جاتیں۔

"ہر سال ہم قربانی کرتے ہیں... اس بار بھی کریں گے نا۔" طیبہ نے ہونٹ بچوں کی طرح لٹکا کر بات بنائی۔

"کمانا مشکل ہے... اریدہ کی تنخواہ بھی اب گھر کے خرچے میں لگنے لگی ہے۔ کہاں سے لاؤں پیسے۔"

"عید پر قدسیہ بھی ادھر ہی ہوگی... سوچا تھا اس کی دعوت کریں گے مگر..." وہ پنسل منہ میں دبائے اب کچھ سوچنے لگی۔

"ہو جائے گی دعوت... محلے بھر سے ٹھیک ٹھاک گوشت آ جاتا ہے۔ سب ملا کر بنا لینا ایک دو چیزیں۔"

"ماما! محلے والے تب دیتے تھے جب ہم بھی بانٹتے تھے... اس دفعہ ہم نہیں دیں گے تو کوئی ہمیں نہیں دے گا۔ رمضان میں بھی ہم کسی بھی بدلے کے لالچ کے بغیر افطاریاں بنا بنا کر بھیجتے ہیں کہ کیا خبر آج کسی کے گھر افطاری پر کچھ نہ بنا ہو، آج کسی کی طبیعت خراب

ہو تو وہ کچھ بنانے کی ہمت نہ رکھتا ہو... اور جہاں جہاں سے افطاری آتی ہے نا وہ اسی لیے کہ بدلہ مکانا ہوتا ہے۔ ایک رمضان نہ بھجوا کر دیکھیں... کوئی نہیں بھجوائے گا۔" اریدہ نے سولہ آنے سچ بات کی تھی۔

"جب لالچ نہیں ہوتا تو اس بات کو دہرانے کا فائدہ... انسان جب کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو پھر کر کے بھول جانا چاہیے، کہیں پر بیٹھ کر اسے دہرانا نہیں چاہیے... جتانا نہیں چاہیے ورنہ سب نیکی یوں ضائع ہو جاتی ہے جیسے انسان ایک باغ لگائے اور پھر اس میں اپنے ہاتھوں ہی آگ لگا دے۔"

جب ماں ایسی باتیں کرتیں تو دونوں کو یقین ہی نہ آتا کہ ان کی بھولی ماں بھی ایسی دانائی کی بات کر سکتی ہیں۔

دو روز بعد ان کی رشتے کی بھتیجی نے، جو امریکہ میں مقیم تھی، پاکستان آنا تھا۔ اریدہ اور طیبہ کی بڑی بنتی تھی قدسیہ سے... سو لازمی تھا کہ وہ کچھ روز رہنے کے لیے ان کے ہاں بھی آئے گی۔

"آئے ہائے... فٹ پاتھ پر تو چلنے کی جگہ تک نہیں۔ ایسا بکروں کا میلہ لگا رکھا ہے کہ بندہ گزرنے سے بھی رہا۔ سڑک پر اترو تو گاڑیاں چڑھ دوڑیں اور فٹ پاتھ پر بکرے... چلنا محال ہو گیا ہے۔" گیٹ سے اندر داخل ہوتے، ڈھیروں شاپرز سے لدی پھندی با آواز بلند شائستہ بیگم بولتی چلی آ رہی تھیں۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی خوشی سے چلا اٹھیں۔

"ارے... قدسیہ میری بچی۔" شاپرز وہیں چھوٹ گئے اور بھتیجی کے لیے بازو وا کیے وہ اس کی جانب لپکیں۔

"بس پھپھو دو دن ہی ہوئے اور آج آپ کی محبت کھینچ لائی۔" ان کے گلے لگی قدسیہ کے لب و لہجے سے سچی اور مخلص محبت چھلک رہی تھی۔

"بہت اچھا کیا... ماشاء اللہ بڑا روپ آ گیا ہے گوروں کے ملک رہ کر۔ لگتا ہے آب و ہوا راس آ گئی ہے وہاں کی۔ اور میاں نہیں آئے؟" ان کا جوش دیدنی تھا۔

"جی وہ بھی آئے ہیں۔" اپنا اسٹائلش سا ہیر کٹ اس نے ہاتھوں سے درست کر کے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"طیبہ! سودا سمیٹ لو اور بہن سے کچھ کھانے کا بھی پوچھا ہے کہ نہیں؟ تین سال بعد آئی ہے۔" وہ دل ہی دل میں اس کی بلائیں لینے لگیں۔

"عید کر کے ہی جاؤ گی نا۔" طیبہ نے لوازمات میز پر رکھتے اس کی جانب پلیٹ بڑھائی۔

"ارادہ تو یہی ہے... مہینے کے لیے آئی ہوں تو عید تو کر کے ہی جاؤں گی۔"

"وہاں بھی عید پر ایسی ہی رونق ہوتی ہے قدسیہ جیسی پاکستان میں ہوتی ہے؟" شائستہ بیگم نے چٹنی کا باؤل اس کے آگے رکھا۔

"نہیں وہاں تو رمضان کا نام صرف افطاری کرنا ہے اور جب جس کا دل چاہا عید منائی۔ اپنے ملک کی تو بات ہی اور ہے، تہوار یہاں کا کلچر... وہاں بہت مس کرتے ہیں ہم۔" کانٹے سے شامی کباب کاٹ کر اس نے منہ میں رکھتے تفصیلی جواب دیا۔

"یہاں تو لوگوں کی عید کی تیاریاں ایسے چل رہی ہیں... بازاروں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ بندے پر بندہ اور بکرے پر بکرا۔ حالانکہ "برڈ فلو" کے باعث سنا تھا کہ لوگ بکرے نہیں خریدیں گے مگر..." سامنے بیٹھی طیبہ کی بتیسی باہر نکلتے دیکھ کر وہ ٹھٹکیں۔ قدسیہ نے سر کی جنبش سے اسے سرزنش بھی کی مگر وہ بھی آخر طیبہ تھی۔ سدا کی ڈھیٹ۔

"ماما! بکروں کو برڈ فلو کب سے ہونے لگا؟" ماں کو ٹوکے بنا گزارہ نہ تھا۔

قدسیہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"تو کیا ہوتا ہے انہیں...؟ کچھ ہوتا تو ہے نا۔" وہ معصومیت سے پوچھنے لگیں۔

"وہ کچھ کانگو وائرس ہوتا ہے... برڈ فلو مرغیوں میں ہوا کرتا ہے۔" اریدہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی وہیں چلی آئی۔

"ہاں وہی... اب بندے کو کیا پتا کون سی وبا کس

جانور کو ہوتی ہے؟"

"برڈ فلو۔۔۔ برڈ مطلب پرندہ۔ بکرے میرا نہیں خیال کہ پرندوں میں شمار ہوتے ہیں۔" طیبہ نے مصنوعی سنجیدگی سے جتایا۔

شائستہ بیگم سی ان سنی کرتے سموسے سے لطف اٹھانے لگیں۔

"ویسے ماما قسم سے آپ کی بی اے کی ڈگری چیک کروانا چاہیے۔ وہ بھی جو لاہور جیسے شہر میں رہ کر حاصل کی گئی ہو۔۔۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آپ لاہور میں رہی ہیں؟" طیبہ کی زبان میں مزید کھجلی ہوئی۔

"تو لاہور میں رہنے والوں کے پر نکل آتے ہیں یا سینگ؟" طیبہ کی بات پر قدسیہ کو کافی غصہ آیا۔

"بندہ کچھ تو بدلتا ہے نا۔"

"شرم کرو کچھ حیا کرو۔" طیبہ کے ایک دھموکا قدسیہ نے جڑا تو وہ بلبلا اٹھی۔

"انہیں کوئی شرم لحاظ نہیں۔ جو دل میں آیا بک دیا۔" متاسف نگاہوں سے دیکھتیں وہ عصر کی نماز پڑھنے کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☼ ☼ ☼

بقر عید میں اب ہفتہ ہی رہ گیا تھا۔ گھر کی مرمت' بجلی' پانی کے بل کی مد میں خاصا خرچا ہو گیا تھا۔ سو اس عید پر قربانی کی قطعاً" گنجائش نہ رہی۔۔۔ خود ان کا دل بھی خفا خفا مگر جتایا نہیں کہ بچیاں اور دل گرفتہ ہوں گی۔

"اس عید پر فریحہ باجی کی عیدی بھی لے جانا ہے۔" سودے کی لسٹ بناتے' پنسل منہ میں دابے گہری سوچ میں ڈوبی طیبہ کو یکدم یاد آیا۔

"کیوں اس کی عیدی کیوں لے کر جانا ہے۔۔۔ اب تو اتنا وقت گزر گیا اس کی شادی کو۔" قدسیہ وہیں باورچی خانے کے دروازے میں ہی کرسی ڈالے بیٹھی تھی۔

"قربانی ہم کر نہیں رہے۔۔۔ عیدی تو بھجوا دیں۔ ان کی ساس کیا سوچیں گی ایسے ٹٹ پونجیے لوگ ہیں کہ عید پر بھی بیٹی کو نہ پوچھا۔" کچھ یاد آنے پر وہ پھر سے سودے کی لسٹ میں چند اشیا کا اضافہ کرنے لگی۔

"اس کی بات میں دم ہے۔" قدسیہ کے سراہنے پر اس نے فرضی کالر جھاڑے۔

"بس جی ہم جیسوں کے باعث اس گھر کی گاڑی چل رہی ہے۔"

"چل اب گاڑیوں کے خواب دیکھ رہی ہے۔" شائستہ بیگم برابر والے کریانے سے سوکھا دھنیا ہاتھ میں لیے ہانپتی کانپتی اندر آئیں سو انہیں پوری بات سمجھ نہ آئی تھی۔

"ماما میرا مطلب تھا۔۔۔" وہ ہکلائی۔

"بس رہنے دے تیرے سارے مطلب جانتی ہوں۔ اٹھ کر پانی پلا۔" اس کی بات کاٹ کر وہ وہیں برابر والی پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ طیبہ نے کولر سے پانی کا گلاس بھر کر ان کی طرف بڑھایا۔

"ماما کل بازار جانا ہے فریحہ باجی کی عیدی لینے۔" اریدہ نے بڑے محتاط لہجے میں بات کی۔ وہ جانتی تھی کہ پچھلے کچھ عرصے سے ان کا موڈ سخت بگڑا ہوا ہے۔ بجلی پانی بھلے سے آئے نہ آئیں۔۔۔ ڈھیروں بل ضرور آتا تھا۔ شائستہ بیگم نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"تم لوگوں کا باپ فیکٹریاں نام لگوا کر نہیں گیا تھا۔ شرم حیا تو ہے ہی نہیں نا دیدوں میں۔ جب دیکھو خرچے کی بات کریں گی۔" ان کے تن بدن میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔

"قربانی تو ہم کر نہیں رہے کم از کم بندہ ایک سوٹ ہی خرید لے۔ ان کے سسرال والے بھی کیا سوچیں گے۔۔۔ ویسے تو کبھی دینا دلانا ہوتا نہیں' مڑ کر آپ نے کبھی پوچھا نہیں۔ عید پر تو بندہ بیاہی بیٹی کی عزت رکھ لے۔ شکر کریں اتنے اچھے سمدھیانے ملے ہیں کہ کبھی شکوہ نہیں کیا۔۔۔ ہمیشہ سکھی رکھا آپ کی بیٹی کو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ایک عید کے تہوار پر بھی آپ انہیں نہ پوچھیں۔"

اریدہ اسے ٹہوکے مارتی رہی مگر وہ اب خاموش ہونے والوں میں سے نہ تھی۔

"عید پر داماد بیٹی کو کچھ دینا دلانا تو ہوتا ہے۔۔۔ کل کو

خدانا خواستہ ہم دونوں کے سسرال والے باجی کی سسرال کی طرح اچھے نہ نکلے تو ہمارا جینا حرام ہو گا نا۔ آپ تو ہمیں گھر سے نکلوا کر ہی دم لیں گی۔ ہمارا گھر اجاڑ کر رہیں گی۔" اس کے الفاظ انہیں چابک کی طرح لگے۔

"طیبہ بکواس بند کرو اپنی۔" قدسیہ نے آگے بڑھ کر اسے سختی سے جھنجوڑ ڈالا۔

سامنے بیٹھی شائستہ بیگم کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔ اتنی بے وقعت تھیں کہ اولاد نے بے تقصیر اتنی باتیں سنا ڈالیں۔۔۔ وہ اپنی بیٹیوں کا گھر اجاڑیں گی۔۔۔ ایک ماں؟ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھیں اور اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔ اب سننے کو وہ کیا گیا تھا؟

"کس قدر کمینی ہو تم طیبہ۔۔۔ ماں ہیں تمہاری مگر مجھے تو یوں لگ رہا تھا کہ تم ماں ہو ان کی۔۔۔ وہ سادہ دل ہیں۔ نہیں سمجھ سکتیں کہ کیا کیسے کب برتنا ہے۔ کیا بول دیتی ہیں وہ۔۔۔ مگر اس کا یہ مطلب ہو گیا کہ تم ماں کی بے عزتی کرنے لگو۔۔۔ طریقے سے بھی سمجھایا جا سکتا تھا۔ کل سے تم لوگوں کی موشگافیاں دیکھ رہی ہوں۔" غصے سے قدسیہ کا چہرہ دہک اٹھا۔

"پاکستان اور امریکہ میں یہی فرق تو ہے کہ یہاں رشتوں کا لحاظ ہے۔۔۔ اگر یہ بھی نہ رہا تو کیا فرق رہ جائے گا۔"

وہ دونوں اضطراری کیفیت میں پہلو بدل کر رہ گئیں۔

اس دن کے بعد سے شائستہ بیگم کو چپ سی لگ گئی۔۔۔ ان دونوں کی ہمت ہی نہ ہوتی انہیں مخاطب کرنے کی پشیمانی ہی پشیمانی۔ پچھتاوا ہی پچھتاوا۔

دونوں کو ماں کو لتاڑنے کی بری عادت پڑ چکی تھی اور شاید وہ بھی سننے کی عادی ہو گئی تھیں۔۔۔ مگر اس بار تو حد سے گزر گئیں۔ اب ماں کی غیر معمولی خاموشی انہیں ہولائے دے رہی تھی۔ قدسیہ بھی دو چار روز رہ کر جہلم چلی گئی اور جاتے ہی فون کھڑکایا۔۔۔ اپنے دیور کے لیے اریدہ کا رشتہ مانگا تھا۔۔۔ شائستہ بیگم تو نہال ہو گئیں۔ ان کی لاڈلی بھتیجی فرشتہ ثابت ہوئی تھی۔ ساری

رہی خفگی بھول بھال ایسی شاداں تھیں کہ کوئی حد نہیں۔

"آج تمہاری آخری چاند رات ہے نا۔" صحن کی پیلی بتی والا بلب جلائے وہ کام نبٹا کر اب ہتھیلی پر پھول بوٹے بنا رہی تھی۔

"خدا نہ کرے میری آخری چاند رات ہو۔" اریدہ نے منہ بسورا۔

"مطلب ہمارے ساتھ اس گھر میں۔" وہ ادا سی سے اریدہ کی ٹھوڑی چھو کر بولی۔

"اچھا زیادہ جذباتی مت ہو۔۔۔ یہ کوئی چاند رات نہیں ہے۔ بقر عید کی چاند رات نہیں ہوتی کیونکہ چاند دس دن پہلے نکل چکا ہوتا ہے۔" وہ یونہی ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی غرض سے بولی۔

"عید کی پچھلی رات چاند رات ہی ہوتی ہے۔ سب کہتے ہیں۔"

"سب پاگل ہیں۔"

"ہم سے بڑھ کر کون پاگل ہو گا۔" دونوں ایک ساتھ ہنسنے لگیں۔

"سچ میں تمہارے بغیر ماما کو تنگ کرنے کا مزا نہیں آئے گا۔" اس کی بھوری آنکھوں میں یکدم شرارت چمکی۔

"خبردار طیبہ۔۔۔ ماما کو ستایا۔ قدسیہ کے سامنے اتنی سبکی ہوئی کہ ناقابل بیان ہے۔ انہیں عقل دلانے کے لیے یہ سب بکواس ضروری تھی کیا؟" بہن کو ناصحانہ انداز اپناتے دیکھ کر اس نے کندھے اچکائے۔

"انہیں سمجھنا چاہیے۔ ایسے زندگی نہیں گزرتی۔ ہمارے بعد کیا کریں گی۔"

"جتنی زندگی گزرنا تھی نا گزر گئی۔ دنیا میں برے لوگ بھی بڑی مہارت سے سروائیو کرتے ہیں نا تو اچھے لوگ سادہ لوگ کیوں سروائیو نہیں کر سکتے۔۔۔ دنیا اچھے لوگوں کی وجہ سے چلتی ہے۔ برے لوگوں کی وجہ سے نہیں۔۔۔ وہ جیسی ہیں بہتر ہے انہیں ویسا رہنے دیا جائے۔ یہ ان کی فطرت ہے اور فطرت نہیں بدلا کرتی۔" طیبہ خاموشی سے سر جھکائے بہن کو سنتی

رہی۔

☼ ☼ ☼

عید والے روز وہ صبح سات بجے ہی اٹھ بیٹھی۔ باورچی خانے سے برتنوں کے کھڑکنے کی آواز آ رہی تھی۔ یقیناً" شائستہ بیگم میٹھا بنا رہی ہوں گی۔۔۔ اریدہ ابھی سوتی پڑی تھی۔ وہ جلدی سے منہ ہاتھ دھوتی بال سمیٹتی باورچی خانے میں چلی آئی۔

"عید مبارک ماما۔" ان کے گلے میں پیچھے سے بانہیں ڈالے وہ لپٹ گئی۔ وہ شیر خورما ڈونگے میں ڈالتے ہوئے چونکیں۔

"عید مبارک بیٹا۔" اسے خود سے لگاتے پیار کیا۔

"مجھ سے ناراض ہیں نا ماما۔" اسے بری طرح رونا آ گیا۔

"نہیں میں بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔" انداز بے ربا تھا۔

"ہم کتنی بری بیٹیاں ہیں۔۔۔ آئی ایم سوری ماما۔" اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ انہوں نے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ ماں تھیں اور کیا کرتیں۔

"یہ صبح صبح ماں بیٹی کیا نیہ بہا رہی ہیں۔" اریدہ مندی مندی آنکھوں سے متحیر کھڑی تھی۔ وہ تو ہاتھ بٹانے آئی تھی مگر وہاں کا تو منظر ہی بدلا ہوا تھا۔

"آج سے طیبہ میرا ہاتھ بٹائے گی۔۔۔ یہ تمہاری اس گھر میں آخری عید ہے نا تو تم آرام کرو۔ میری اچھی بیٹی آج کام کرے گی۔" وہ حیرت سے منہ کھولے ماں کی بات سن رہی تھی۔

"مم۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں ماما۔ اریدہ ہے نا۔" مدد طلب نگاہوں سے اس نے بہن کو دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے لاپروائی سے کندھے اچکاتی واپس پلٹ گئی۔

"ماما! آج تو عید ہے نا۔۔۔ پرسوں سے ہاتھ بٹاؤں گی۔" دنیا جہاں کی معصومیت چہرے پر سجائے اس نے کھسکنے کی کی۔

"چل شاباش۔۔۔ اچھی بیٹی ہونے کا ثبوت دے۔ آج ماں آرام کرے گی اور اچھی بیٹی کام۔" وہ دانتوں

میں انگلی دبائے کھسکنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی مگر سب بے سود۔ چکن دھوتی وہ کڑاہی کا مسالا تیار کرنے لگی تب ہی باہر صحن میں شور سا اٹھا۔۔۔ لوگوں کے بولنے کی آواز۔۔۔ بکرے کی منمناہٹ۔۔۔ عید مبارک کا شور۔۔۔ وہ کفگیر ہاتھ میں لیے باہر آئی۔

صحن میں قدسیہ اپنے میاں کے ساتھ بکرے کی رسی پکڑے کھڑی تھی۔

"میں نے سوچا یہ عید اپنی دیورانی کے ساتھ منالوں۔ یہ بکرا تمہاری عیدی ہے۔" قدسیہ نے پیار سے اریدہ کے بازو میں چٹکی بھری تو وہ جھینپ گئی۔

وہ کفگیر اٹھائے حیرت سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔۔۔ ابھی اسے ڈھیروں کام سمیٹنا تھا۔۔۔ تیار ہو کر بکرے سے ملاقات کے بعد سب کے ساتھ مل کر عید منانا تھی۔۔۔ شائستہ بیگم کا بیس سالہ پرانا گھر آج عید کی خوشیوں سے مہک رہا تھا۔

☼ ☼

فاخرہ گل

ناولٹ

اکثر اوقات دانشمند لوگوں اور خواہ مخواہ کے لیکچر دیتی اور خود کو عقلمند ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی خواتین کے منہ سے چینا یہی سنتی آئی تھی کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ پہلے تو اس بات پر کبھی اتنا غور کرنے کا موقع نہ ملا تھا مگر اب اکثر سوچا کرتی کہ آخر وہ کون سی گاڑی ہوتی جس کے دو پہیے ہوتے ہیں؟

کار' جنگ جی' بس' ٹرک غرضیکہ ہر طرح کے ذرائع مواصلات کو ذہن کے خالی "رن وے" پر دوڑاتی مگر حسب سابق کچھ بھی اور کبھی بھی سمجھ نہ آتا اور تب وہ گرم مسالے میں گری پڑی لونگ جیسی ناک پر ہلکا سا کھجاتے ہوئے اپنا دھیان کبھی سائیکل اور کبھی موٹر سائیکل کی طرف لائی تو جی جان سے ان تمام فارغ دانشوروں پر واری صدقے جاتی جو دنیا جہان کے تمام معاملات کو پس پشت ڈال کر بس کسی طرح ازدواجیات اور مواصلات کو ایک کرنے پر تلے ہوتے اور ان کے منہ سے ادا کیے گئے اس مواصلاتی بیان پر خراج تحسین پیش کرنے کے لیے وہ بھی پیچھے نہ رہتی اور فورا" سے بیشتر فیس بک پر نام سرچ کرکے "حسب اوقات" تعریفی کلمات بھی لکھ بھیجتی۔ کسی کی بات ہی زیادہ قائل ہوتی تو ان کے نام کے بنے پیج پر ایک نہیں دو مرتبہ لائک کرکے اپنے تئیں انہیں "ہدیہ" ارسال کرنا بھی نہ بھولتی۔

اور پھر یہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیوں جیسے اور گاڑی بھی کون سی موٹر سائیکل! وہ اپنا سرد ھنتی اور کہنے والے کے وسیع تجربے اور زیرک نظری پر داد دیتی کہ واقعی موٹر سائیکل ہی ایک ایسی سواری ہے جو بے انتہا ٹریفک کی بھی پروانہ کرتی۔ رش ہو یا ابل کھاتی سڑک یوں سبک خرامی سے گزر جاتی کہ کبھی کبھی چمکدار گاڑیوں والے ٹریفک میں پھنسے حسرت سے اس موٹر سائیکل سوار کو دیکھا کرتے جو پنجابی فلم کے ہیروز کی طرح دل ہی دل میں خوش مگر بظاہر بے نیازی ظاہر کرتا ہوا ان سے کہیں پہلے اپنی منزل پر جا پہنچتا اور شاید اسی تحقیق کا نتیجہ تھا کہ آج چینا خواب میں خود کو ضمیر کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا دیکھتی رہی تھی۔

مردوں کے برعکس دونوں ٹانگیں ایک طرف کرکے بیٹھی چینا خواب میں بھی اس بات پر مکمل یقین کر چکی تھی کہ ضمیر اس کا شوہر نامدار ان مردوں میں سے ہے جو ہمارے ملکی حالات کی طرح کبھی نہیں بدلتے اور نہ ہی ان کے بدلنے کا کوئی امکان مستقبل قریب میں نظر آتا ہے۔ چینا کی حسرت ہی رہی کہ ضمیر کبھی خواب میں ہی مگر روانی سے بول سکے لیکن "یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے" کے مصداق اک تو موٹر سائیکل اور پھر ضمیر کے زبانی لفظوں کے جھٹکے۔ انتہائی بدمزا ہو کر اس سے پہلے کہ وہ ایک مرتبہ پھر کروٹ لیتی بیڈ کے دائیں طرف سائیڈ ٹیبل پر رکھے الارم کلاک نے اسمبلی کے فلور ہاؤس پر موجود سیاستدانوں کی طرح جو بولنا شروع کیا تو پھر چپ کرنا

بھول گیا اور تب تک چنگھاڑتا رہا جب تک چینا نے اسے میوٹ نہ کر دیا۔

منڈی منڈی آنکھوں سے اس نے الارم کلاک کو نظر انداز کرتے ہوئے وال کلاک پر بالکل "نو" کے ہندسے پر دونوں سوئیوں کو ایک ہوتے دیکھا اور کہنیوں پر زور ڈالتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ جمائی لیتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھنے کے بجائے وقت کی بچت کرتے ہوئے ساتھ ہی انگڑائی بھی لے ڈالی اور کیچو میں بالوں کو سمیٹ کر انہیں سر کی پشت پر یوں اکٹھا کیا کہ ان پر دھرنا دینے کا گمان ہونے لگا۔ کبھی سوچتی کہ اٹھ جائے اور کبھی ذہن میں خیال آتا کہ اتوار ہونے کا فائدہ اٹھا کر ایک دفعہ پھر لیٹ جائے اور لیٹ جانے کے خیال پر پسندیدگی کی مہر لگاتے ہوئے اس نے الارم کلاک پر پورے دو منٹ بعد کا الارم لگایا اور ضمیر کے تکیے کے پاس رکھ کر خود پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگی' لیکن یقیناً" یہ نہ تھی چینا کی قسمت کہ نصیب آرام ہوتا۔

چند ہی لمحوں بعد الارم ایک بار پھر یوں بول اٹھا کہ لگتا اب سوئے ہوئے حکمرانوں کو بھی جگا کر دم لے گا اور الارم کلاک چونکہ عین ضمیر کے کان کے قریب رکھا گیا تھا اس لیے یوں اچانک آواز سننے پر وہ یوں ہڑبڑا کر اٹھا کہ اس کی ہل جل خود چینا کو بھی بدمزا کر گئی' لیکن چونکہ وہ ایک بار پھر سونے کے ارادے سے لیٹی تھی لہٰذا کسی بھی قسم کا ردعمل ظاہر کرنے کے بجائے اقوام متحدہ کی طرح چپ چاپ پڑی رہی کہ نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔

لیکن ضمیر چونکہ اپنی نیند ایک بار ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ سو نہیں پاتا تھا لہٰذا چاروناچار اسے اٹھنا ہی پڑا کہ یہ اس کی چوائس نہیں بلکہ مجبوری تھی۔ کچھ دیر منہ بسور کر وہیں بیٹھا رہنے کے بعد آخر کار وہ اٹھا اور صبح جاگنے کے بعد روزانہ کیا جانے والا کام آج پھر کرنے لگا کہ ہمیشہ کی طرح سلیپرز اس کے بیڈ کے ساتھ عین اس جگہ موجود نہ تھے جہاں وہ رات کو اتار کر سویا تھا' پاؤں لٹکا کر بیٹھے بیٹھے اس نے گردن موڑ کر باتھ روم کے دائیں دیوار کے ساتھ وہ سلیپرز دیکھنا چاہے جو صرف باتھ روم ہی کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے اور ان کی حدود باتھ روم سے لے کر صرف باتھ روم تک ہی تھی' لیکن کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا وہ فٹ میٹ بھی حکومت کے سرکاری خزانے کی طرح ہمیشہ خالی ہی نظر آتا سو اس نے پلٹ کر چینا کو ہاتھ پکڑ کر جھنجوڑا۔

"چینا۔۔۔ مم میرے سلیپرز آج پھر نن نہیں مل رہے۔"

"اوں۔۔۔" چینا نے بڑی ادا سے اپنا ہاتھ یوں جھٹکا جیسے اس کا شوہر اسے سلیپرز نہیں بلکہ فلم میں ہیرو' ہیروئن سے اس کا دل مانگ رہا ہو۔

"چھوڑو نا ضمیر' تنگ نہ کیا کرو نیند آرہی ہے۔" کشن کو خود سے مزید قریب کرتے ہوئے وہ اب بھی آنکھیں کھولنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی' لیکن ضمیر کے لیے اب باتھ روم سے مزید دوری ناممکن تھی۔ اس لیے کشن کو تقریباً" چھینتے ہوئے پھر سے بولا۔

"آخر جج جاتے کہاں ہیں میرے سلیپرز روز رات مم میں؟"

"بیڈ کے نیچے ہوں گے اور کہاں جائیں گے تمہارے سلیپرز ہیں کوئی سیاستدان نہیں ہیں کہ رات کے اندھیرے میں ادھر ادھر ملاقاتوں کے لیے نکل جائیں۔" چینا تلملائی۔

"لیکن میں تت تو سوتے ہوئے س س سامنے رکھتا ہوں پھر؟" کچھ غلطی نہ ہونے کے باوجود ضمیر شرمندہ ہو گیا تھا کہ اس کی وجہ سے چینا کی نیند ڈسٹرب ہو گئی۔

"چینا رکھتی ہے بیڈ کے نیچے اور وہ بھی تمہارے بھلے کے لیے۔"

"مم میرے بھلے کے لیے؟" نا سمجھی کے احسان مندانہ انداز سے ضمیر اپنی نصف بہتر کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو اور کیا' ساری رات تمہارا دماغ بھی تمہارے ساتھ سوتا رہتا ہے نا اس لیے چینا تمہارے سلیپرز بیڈ کے نیچے پھینک دیتی ہے تاکہ جب صبح جھک کر تم بیڈ کے نیچے سے اپنے سلیپرز نکالو تو تمہارے دماغ میں خون کی گردش تیز ہو کر تمہیں ایکٹو کر دے۔"

"وو واہ چینا' واہ یعنی ڈاکٹر تو میں ہوں' لیکن تت تمہارے آگے تو میری ڈاکٹری بھی بب بب بس ختم ہے۔" ستائشی نظروں سے چینا کو دیکھتے ہوئے اس کی اس قدر عقلمندی پر ضمیر کو بے حد پیار آیا تھا اور پھر یہ کہ چینا اس کا کس قدر خیال رکھتی ہے وہ پی آئی اے کے متنازعہ پائلٹ کی طرح جھومنے لگا تھا۔ اگر اس وقت اسے باتھ روم نہ جانا ہوتا تو یقیناً" وہ اپنے پیار کا عملی ثبوت چینا کے سامنے ضرور پیش کرتا' لیکن ابھی چونکہ عشق کے امتحان اور بھی تھے اس لیے چینا کی نیند میں خلل ہو جانے کے خیال سے کارپٹ پر بھی پنجوں کے بل چلتے ہوئے آہستگی سے دروازہ کھولا اور ننگے پاؤں ہی اسٹور روم کی طرف چل دیا اس وقت جبکہ اس کا ایک ایک پل قیمتی تھا۔ بلب روشن کرنے کے بجائے اس نے یونہی سامنے رکھے جالے دان کے ڈنڈے کو ہاتھ میں لیا اور روشن دان سے پڑتی سورج کی چند کرنوں کے نیچے میں جیسے ہی نظر سامنے رکھے چینا کے سلیپرز پر پڑی تو انہی کو پاؤں میں اڑس کر واپس کمرے میں پلٹ آیا اور چونکہ سلیپرز مل گئے تھے اس لیے جالے دان کو ساتھ لانے کا تکلف نہیں کیا تھا مگر شومئی قسمت کہ اپنے تئیں نہایت ہلکے ہاتھ سے دروازہ کھولتے ہی اس کی نظریں چینا سے جا ٹکرائیں جو اچانک ہی بلا ارادہ آنکھیں کھول کر اسے نہیں بلکہ اس کے چہرے سے ہوتی پاؤں میں پہنے سلیپرز کو دیکھ رہی تھی۔ اس لمحے ضمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح وہ چینا نام کا یہ دریا عبور کر کے فوراً" سے پہلے باتھ روم جا پہنچے لیکن۔۔۔

"ضمیر۔۔۔ یہ تم نے چینا کے سلیپرز پہنے ہوئے ہیں؟" تشویش سے چینا کی آنکھیں شادی شدہ خواتین کی کمر کی طرح پھیلتی چلی گئی تھیں۔

"نن نن نہیں تو' جان بوجھ کر نہیں پہنے میں نے' یہ تو بس جیسے ہی میں اسٹور روم میں اے اے انٹر ہوا ایکدم پاؤں کے نیچے آ آ گئے۔"

"کاش چینا تمہیں جاہل کہہ سکتی۔" چینا کے چہرے پر اس قدر دردناک تاثرات تھے کہ ضمیر کو لمحہ بھر کے لیے تو خود پر لعنت بھیجنے کا جی چاہا۔

"ابھی پچھلی عید پر تمہارے سلیپرز لائی تھی وہ نہیں ڈھونڈ سکے اور یہ جو چینا کے بالکل نئے سلیپرز ہیں انہیں پہن کر کھلا کر دیا۔۔۔ اب بتاؤ انہیں چینا پہنے یا کسی سیاسی لیڈر کے جلسے میں اسے مارنے کے لیے کرائے پر دے دیا کرے۔" ضمیر نرسری کلاس کے بچوں کی طرح منہ لٹکائے اور آنکھیں اٹھائے کھڑا تھا۔

"اسی لیے تو چینا چاہتی ہے کہ تمہارا دماغ ذرا تیز ہو جائے' لیکن تم۔۔۔" بغیر کوئی بھی جواب دیے ضمیر کے لیے یوں کھڑے رہنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس لیے اپنا ذہن تیز کرنے کی چینا کی تمام تر کوششوں کی حمایت اور حق میں قرارداد پیش کرنے لگا۔

"معاف کرنا چینا' بس ذرا نیند میں تھا نا اس لیے' ورنہ میں تمہاری کوششوں کا اتنا معترف ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ اپنی ڈاکٹری کی ڈگری بھی تمہیں دے دوں۔"

"ہونہہ۔ ایسے ایسے لوگوں کو ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں مل گئی ہیں کہ مجھے تو نفرت ہو گئی ہے اب ان ڈگریوں

سے۔" گردن جھٹک کر اس نے دوسری طرف کروٹ لی تو ضمیر ایک بار پھر منہ بسور کر اسٹور روم سے جالے وان اٹھانے کو لپکا کہ اب اس کے پاس غلطی کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنے کی جلدی ہو تب ہی کام ہونے میں اس قدر دیر لگتی ہے کہ اس پر اپنا ذاتی نہیں بلکہ سرکاری کام ہونے کا گمان ہوتا ہے آج اتوار کا روز تھا اور ضمیر نے رات سے ہی سوچ رکھا تھا کہ آج کس طرح "جشن آزادی" منانا ہے' لیکن چینا نے صبح ہی صبح مارننگ شوز کا کام سرانجام دیتے ہوئے اسے یوں بدمزا کیا کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب کم از کم کچھ دیر کے لیے ہی سہی لیکن وہ چینا کو مخاطب نہیں کرے گا' لیکن خیر ایسے ارادے تو شوہر حضرات شاید دن میں کئی مرتبہ کرتے ہوں گے جو سیاست دان کے پرفریب وعدوں کی طرح محض جوش خطابت میں ہی ہو جاتے ہوں اور تب ضمیر کا دل بلک ہی تو اٹھا تھا جب واش روم میں شیو کرتے وقت سامنے موجود دھندلا شیشہ اسے بھینگا بنانے پر بضد محسوس ہوا اور چار و ناچار اسے ایک مرتبہ پھر گردن واش روم سے باہر نکال کر چینا کو آواز دینی پڑی۔

"چینا ۔۔۔ چچ چچ چینا ۔۔۔"

لفظوں کے گیئر لگاتے ضمیر کو ایک آنکھ کی جھری سے دیکھ کر منہ بسورتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں ضمیر کو جانے کیا کہا کہ چہرے کے تاثرات کسی تو تا چشم قرض دار کی طرح ایک دم بگڑنے لگے' مگر پھر بھی وہ بدستور لیٹی رہی اور آنکھیں بند کر کے اتوار کی خوب صورت صبح کی بے مثال نیند کو ضائع ہو جانے پر آج کے دن کو یوم سوگ کے طور پر منانے پر غور کرنے لگی۔

"تت تت تم نے سنا نہیں ۔۔۔ میں کتنا وو وو دیر سے بلا رہا ہوں۔"

منہ پر شیو فوم لگائے ضمیر اب باقاعدہ اس کے سرہانے موجود تھا سو چار و ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا۔

"ضمیر کیا تم بھی نا' ہر وقت چینا پر لفظوں کی فائرنگ ٹریگر دبا کے کرتے رہتے ہو۔"

"کتنی دفعہ مم مم میں نے کہا ہے کہ مالک مم مکان سے کہو کہ ہاں ہمیں شیشہ بدلوا دے منہ تو نظر نن نہیں آتا۔" فائرنگ کرنے کے الزام کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے گویا اس نے ایک الگ ہی ایف آئی آر درج کروادی تھی۔

"ڈونٹ وری ضمیر' شیشہ بدلوانے سے کچھ بھی ہونے والا نہیں ۔۔۔"

لاپروائی سے بیڈ کے ساتھ پشت ٹکاتے ہوئے اس نے کہا' لیکن ضمیر کے چہرے پر کلاس کی آخری نشست پر بیٹھے نالائق سے بچے جیسے تاثرات دیکھ کر جملہ پورا کرنا ضروری سمجھا۔

"تمہارے منہ پر بجے ساڑھے چھ ہر شیشے میں ساڑھے چھ ہی رہیں گے' پونے تین نہیں بجنے والے۔"

"اچھا اچھا زیادہ بب بب باتیں نہ بناؤ اور جاؤ کوئی اور شش شیشہ لاؤ کم از کم میرا منہ تت تو نظر آئے۔" ہمیشہ کی طرح ایک سمجھدار شوہر کا کردار نبھاتے ہوئے ضمیر نے چینا کو امریکا کے منصب پر فائز کرتے ہوئے خود پاکستان میں ہی رہنا مناسب خیال کیا اور اس کی ہر کہی ہوئی بات پر "کہا سنا معاف" کا انداز اپناتے ہوئے ایک نیا بیان جاری کروالا جس پر آخرکار چینا کو بستر سے نکلنا ہی پڑا۔

"سکون سے سونے کی تو چینا کی حسرت ہی رہے گی۔" وہ بڑبڑائی۔

"ذرا جج جلدی آنا۔"

بیڈ سے اٹھ کر دروازے تک جاتی ۔۔۔ چینا نے پلٹ کر پھر اسے دیکھا۔

"ویسے ضمیر کہوں گی تو نہیں' لیکن کاش چینا تمہیں کھڑوس کہہ سکتی۔"

ضمیر بھی اس وقت جواباً "کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا لیکن مفاہمتی پالیسی نے اس کے منہ پر اپنی غرض کا تالا لگا دیا سو اس نے منہ بھی کھولا' کوشش بھی کی لیکن الفاظ بیرونی قرضوں کی طرح نہ ادا ہوئے۔ شوہر نامدار

کی اس حالت پر چینا پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل کر دروازہ یوں زور سے بند کر کے گئی کہ ضمیر ایسا سہما جیسے کوئی عام شہری گاڑی کے کاغذات نہ ہونے پر ٹریفک پولیس کے سامنے سہم جاتا ہے۔ اس کی وردی کے رعب سے نہیں بلکہ اس سے ملنے والے مالی روگ سے۔

☼ ☼ ☼

دیکھی ہے ایک فلم پرانی تو یوں لگا
جیسے کہ کوئی کام کیا ہے ثواب کا
انور میری نظر کو یہ کس کی نظر لگی
گوبھی کا پھول مجھ کو لگے ہے گلاب کا
(انور مسعود)

خالہ نے تصور میں خود کو کسی خوبرو اور نوجوان دوشیزہ ہی کے روپ میں دیکھتے ہوئے نیند سے آنکھیں کھولیں اور اسی ترنگ میں پشتو فلموں کی ہیروئنوں کی طرح انگڑائی لینے کے بعد دائیں سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہینڈ مرر کو اٹھا کر جو اپنا چہرہ دیکھا تو اپنی ہی نظر پر نظر بد کا سا گمان ہوا۔ بجلی کی سی سرعت سے کہنیوں کے بل ذرا سرک کر بائیں سائیڈ ٹیبل پر رکھا دوسرا ہینڈ مرر اٹھا کر پہلے والے کو تکیے پر رکھا اور اس میں چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ نتیجہ وہاں بھی حسب توقع نظر نہ آنے پر فوراً کمبل کو اپنے ساتھ ہی کارپٹ تک گھسیٹ کر لے جاتی خالہ اب ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے آئینے کے سامنے موجود تھیں اور ہر زاویے کے ساتھ خود کو دیکھے جا رہی تھیں' مگر چہرے کے تاثرات اس ست کام والی سے بڑھ کر ہرگز نہیں تھے جو کام کی زیادتی دیکھ کر خود کو زبردستی لو بلڈ پریشر کا مریض ظاہر کرنے کی کوشش میں پھیکے خربوزے جیسی شکل بنائے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ خالہ اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرتی ہوئی یوں پریشان تھیں جیسے منگنی ہونے سے پہلے ٹوٹ گئی ہو۔ "نہیں اتنی ایج کی ہوں تو نہیں' پھر پتا نہیں آئینے میں اتنی بڑی کیسے لگتا ہوں۔" خود کلامی کرتے ہوئے آواز میں اس قدر نمی تھی کہ اگر خالہ غور کرتیں

توسامنے موجود آئینہ نم محسوس ہوتا۔

"ابھی تو خدا جانے کس کس نے اس بچپنے پر مرمٹنا ہے۔"

"یہ بال۔" خالہ نے کندھوں پر بکھرے بالوں کو اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے انہیں سنوارا۔

"پتا نہیں کون کہاں ان بالوں کو سنوارنے کے لیے بے تاب ہو رہا ہوگا۔"

خالہ نے زبردستی شرمانے کی کوشش تو ضرور کی مگر ان بعض اداکاراؤں کی طرح بری طرح ناکام رہیں جن کا اب شرم کے آنے اور جانے سے دور دور تک نہ کوئی واسطہ باقی رہا اور نہ واقفیت!

ادھر چینا گھر کے مختلف حصوں میں موجود شیشوں میں ضمیر کا منہ ڈھونڈنے کی کوشش میں ہلکان درازوں سے ہینڈ مرر تک نکال کر دیکھ لینے کے بعد آخر خالہ کے کمرے میں بڑے ہی اکتاہٹ بھرے انداز میں داخل ہوئی تب تک خالہ واش روم جاچکی تھیں البتہ کسی ضدی بچے کی طرح ان کی ٹانگوں سے لپٹ جانے والا کمبل کارپٹ پر دھرنا دینے کے انداز میں دھرا ہوا تھا۔

چینا نے بھی کمبل کو دیکھ لینے کے باوجود اٹھا کر اسے اس کے ٹھکانے پر پہنچانے کے بجائے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور خالہ کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ جہاں ایک بار پھر اسے اپنا سا منہ نظر آیا تو وہ زچ ہو گئی۔

"توبہ ہے کیسا نکما منہ ہے ضمیر کا۔ مجال ہے جو کسی ایک بھی شیشے میں مجھے نظر آیا ہو تو۔ منہ نہ ہوا فتنے منہ ہو گیا۔"

"چینا۔"

غیر متوقع طور پر اسے عقب سے خالہ کی آواز آئی تو خیال آیا کہ اس وقت وہ اپنے نہیں خالہ کے کمرے میں کھڑی ہوئی ہے۔ پلٹ کر دیکھا تو خالہ واش روم سے نکل کر اسی کی طرف متوجہ پائی گئیں بکھرے ہوئے بالوں کو دیکھ کر پہلا خیال جو ذہن میں آیا وہ تو یہی تھا کہ شاید واش روم میں جنوب بحر ہند کے ساحلوں سے ٹکرا کر کراچی تک پہنچنے والی تیز ترین ہوائیں واش روم کی کھڑکی سے خالہ سے بھی آ ٹکرائی تھیں اور یہ بال انہی ہواؤں کے متاثرین میں شامل ہیں۔ چینا کا دل تو بہت چاہا کہ ان سے اس بارے میں پوچھتی کہ آخر اس زلف پریشاں کا ذمہ دار کون ہے، لیکن دل کو بہلا کر بات برائے بات کر ڈالی۔

"خالہ تم نے چینا سے کچھ کہا؟"

"خالہ! میں تمہیں دیکھنے میں خالہ لگ رہی ہوں؟" ابھی تو آئینے کے بولے گئے سچ کا صدمہ کم نہیں ہوا تھا کہ چینا نے بھی اپنا حصہ ڈال کر انہیں جلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

"نہیں۔ دیکھنے میں تو تم قوال لگ رہی ہو لیکن ظاہر ہے چینا کہے گی تو نہیں۔" چینا کا واضح اشارہ ان کے بالوں کی طرف تھا جو آنسو گیس کھائے مظاہرین کی طرح منتشر نظر آرہے تھے۔

"تمہارا دماغ تو زبان کی طرح ہر وقت آؤٹ آف پیٹرول ہی رہتا ہے۔" خالہ نے آگے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے دراز سے ہیڈ بینڈ نکال کر بالوں کو یوں بے دردی اور مضبوطی سے جکڑا کہ ان پر واقعی گمان ہوا کہ بال بال قرضے میں ہی جکڑا ہوا ہے۔

"خالہ آؤٹ آف پیٹرول نہیں، آؤٹ آف کنٹرول۔" چینا نے بے زاریت سے تصحیح کی مگر خالہ بھی بھلا کب ہار ماننے والی تھیں۔ ٹاک شوز میں موجود سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی طرح اپنی غلط بات کو بھی درست ثابت کرنے کے لیے فوراً" کوئی دلیل ڈھونڈ لائیں۔

"ارے واہ، پیٹرول بھی تو آؤٹ ہو جاتا ہے کہ نہیں؟" یقینی جیت کا تاثر لیے خالہ نے پوچھا تو چینا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں ہو تو جاتا ہے۔"

"تو بھلا بتاؤ میں نے کچھ غلط کہا؟" فاتحانہ انداز میں ابرو چڑھا کر مسکراتے ہوئے خالہ نے پوچھا تو چینا جل ہی تو گئی۔

"کاش چینا تمہیں جاہل کہہ سکتی۔"

"کیا۔؟" خالہ نے غصے میں چینا کو دیکھا تو وہ حقیقتاً" سہم گئی۔

"نہیں نہیں، میرا مطلب تھا کاش چینا تمہیں جاہل کہہ سکتی، مگر خود سوچو خالہ، کہا تو نہیں نا۔"

"نہیں کہا تو اچھا ہی کیا۔" خالہ نے اس کی معذرت فراخ دلی سے قبول کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ اس نے کچھ نہیں کہا۔

"کرتی تو چینا ہمیشہ اچھا ہی ہے، لیکن لوگوں کو پتا نہیں کیوں برا لگ جاتا ہے۔" کندھے اچکاتے ہوئے چینا نے بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کرنا ابھی شروع ہی کیا تھا کہ باہر سے سبزی والے چاچا کی طرح ضمیر کے منہ سے اپنے نام کی پکاریں دہائیوں کے روپ میں اس تک پہنچیں۔

"چیچ چیچ چینا۔ اب ناشتا تو دے دو، شش شش شیو تو میں کر بھی چکا ہوں۔"

"ارے واہ ضمیر نے شیو کرلی۔" چینا نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

"آؤ خالہ چائے بناتے ہیں۔"

"لیکن صبح صبح پائے کھائے گا کون؟" خالہ نے حیرت سے آنکھوں کو زبردستی گول کرکے پھیلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چینا تو چائے بنانے کا کہہ رہی تھی کہ آؤ چینا کے ساتھ چلو۔"

"کیوں؟ تمہیں اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کیا؟" جہاں کہیں بھی کام کرنے کا ذرا سا بھی شائبہ نظر آئے خالہ اکثر اوقات ہی وہاں جانے سے بدکتی پائی جاتی تھیں۔

"تو اور کیا، اب تو حالات ایسے ہیں کہ ڈاکو بھی اکیلے جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔" چینا نے لہجے میں خواہ مخواہ کی سنسناہٹ بھری جو ایسی کامیاب ہوئی کہ خالہ حقیقتاً" حیران رہ گئیں۔

"یعنی اب ڈاکو بھی کہیں اکیلے نہیں جاتے؟"

خالہ کے سوال پر چینا نے بڑے ردھم سے یوں ہاں میں گردن ہلائی جیسے رکشے میں بیٹھنے کے دوران ناہموار سڑک کے باعث جھٹکے لگ رہے ہوں۔

"میں بھی سوچا کرتی تھی کہ وہ سیاہ شیشوں والی گاڑی میں کیوں ہوتے ہیں؟ اور ان کے آگے پیچھے اتنی گاڑیاں کیوں ہوتی ہیں؟"

"نہ سوچا کرو خالہ اتنا۔ کہیں لوگ تمہیں دانشور ہی نہ سمجھ لیں۔" خالہ کی سوچ کے انداز پر چینا نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

"ہم لوگ اگر کہیں ایک بھی اصلی والے دانشور کو سمجھ لیتے نا تو آج ڈاکو بھی اکیلے جاتے ہوئے نہ ڈرا کرتے۔"

خالہ جو کہ اب تک دانشور بننے سے بال بال بچی ہوئی تھیں انہیں ایسی معنی خیز بات کرتے دیکھ کر چینا فوراً" کمبل پر سے پھلانگ کر کمرے سے باہر نکل گئی کہ مبادا خالہ اس بال برابر فرق کو باتوں ہی باتوں میں عبور نہ کر جائیں۔

☼ ☼ ☼

" First drive of my brand new ferrari feeling excited!"

اپنے ڈیسک ٹاپ کمپیوٹر کے سامنے رکھی کرسی پر ایک پاؤں گود میں رکھے ادھ کھلی آنکھوں سے فیس بک پر اپنا آج کا اسٹیٹس اپ لوڈ کرتے ہوئے علی نے منہ پر ہاتھ رکھنے کا تکلف کیے بغیر بڑی بے تکلفی سے جمائی لی ہی تھی کہ دروازہ ایک دم یوں جھٹکے کے ساتھ کھلا کہ علی کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں اسے لگا کہ ضمیر اس کے کمرے میں داخل نہیں ہوا بلکہ کسی بیرونی ہاتھ نے اسے کمرے کا دروازہ کھولنے کے بعد اندر پھینک دیا ہے۔ یہی نہیں داخل ہونے یا پھینکے جانے کے متنازعہ عمل کے بعد جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں تو تاثرات دونوں کے ایک ہی جیسے تھے یعنی ناقابل یقین!

"ضمیر بھائی، سمجھ یہ نہیں آرہا کہ آپ کمرے میں اپنی مرضی سے آئے ہیں یا پھینکے گئے ہیں؟" نظریں

ان پر بجائے علی کی کوشش تھی کہ ان کے قریب آنے سے پہلے پہلے یا تو لاگ آف ہوجائے یا کم از کم اسکرین ہی کو چھوٹا کردے جب ہی اس کی کیفیت ایسی ہی تھی جیسی میٹرک کا طالب علم نقل کرتے ہوئے استاد کی نظر میں آجائے اور اس کے خود تک پہنچنے سے پہلے تمام ثبوت مٹایا چھپا دینا چاہتا ہو۔

"میں انسان ہوں یا کیلے کا چھلکا؟ جو کوئی بھی اٹھا کے پھینک دے۔" ضمیر نے یقینی طور پر برا منایا' لیکن علی چونکہ اب تک فیس بک کے ہوم پیج کو منیمائز کرچکا تھا اس لیے اعتماد سے ان کے برا منانے کو نظرانداز کیا۔

"مجھے کیا پتا ضمیر بھائی اپنے آپ کا تو انسان کو خود پتا ہونا چاہیے نا۔"

"ہاں تت تت تمہیں کیا کسی کا پتا ہوگا تم کسی وقت اس کم۔۔۔ پیوٹر کی جان چھوڑو تب نا مجھے تو یہ کمپیوٹ ٹرنیلیں تمہاری نئی نویلی دلہن لگتا ہے جب دیکھو اس کے ساتھ کمرے میں بند۔۔۔"

یہ جاننے کے بعد کہ علی پر اب تک ان کے انسان یا کیلے کا چھلکا ہونے پر بھی شک ہے ضمیر بھائی غصے میں گویا خود کو آگ لگانے والے تھے اور رہی سہی کسر علی کی دبی دبی مسکراہٹ نے نکال دی۔

"ویسے ضمیر بھائی کیا یہ بہتر نہیں کہ اب ببب ب' تت تت کرنے کے بجائے لکھ کر بات کرلیا کریں۔"

"میں تت تت تم سے کمپیوٹر کی بات کررہا ہوں اور تم۔۔۔" غصہ تھا کہ جون جولائی کے درجہ حرارت کی طرح کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

اور اس لمحے علی نے دل ہی دل میں دل بھر کے اس لمحے کو سراہا تھا جب اس نے ضمیر بھائی کی طرف سے فیس بک پر فرینڈ ریکونسٹ کو اجنبی قرار دے کر ریجیکٹ کرتے ہوئے انتظامیہ کو رپورٹ تک کردیا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ضمیر بھائی جیسے لوگ ہر اسٹیٹس کو عین دوستوں کے کمنٹس کے درمیان لکھنے والے کے بارے میں کوئی نہ کوئی ایسا شگوفہ ضرور چھوڑ دیتے ہیں جسے ڈیلیٹ کرنے میں ہی عزت ہوتی ہے' لیکن تب کوئی کیا کرے جب اسی شگوفہ کمنٹ کے صدقے باقی سب اسٹیٹس کو چھوڑ کر فالو اور لائک کرنے لگیں۔

"اوہو ضمیر بھائی' آپ بھی تو مارشل لاء کی طرح اچانک ہی نازل ہوجاتے ہیں نا۔ دروازہ بجالیتے تو میں اس وقت واش روم میں ہوتا۔"

"ویسے یار' بب بب بہت افسوس ہے تم پر' جتنا تم کھانا کھاتے ہو کم از کم اس کا تو حق ادا کردیا کرو۔" چند قدم چل کر آگے بڑھتے ہوئے ضمیر بھائی نے اس کے بے ترتیب کمرے کا جائزہ لیا جسے دیکھ کر یہی ہوتا تھا کہ شاید پولیس اس کمرے کی تلاشی لے کر گئی ہے۔ پھیلاوے میں اپنی مثال آپ۔

"آپ کو حق چاہیے نا؟" کرسی سے اٹھ کر علی اب ضمیر بھائی سے ذرا فاصلے پر ون کلاس کے بچے کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور اس کے یوں کہنے پر تو گویا ضمیر بھائی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

"ہاں بالکل حق چاہیے۔"

"تو مظاہرے کریں' دھرنا دیں' احتجاج کریں اور کچھ نہیں تو بھوک ہڑتال ہی کروائیں۔۔۔ اس کے بغیر حق نہیں ملتا۔" کندھے اچکا کر مفت مشورہ دیتے ہوئے اس نے ضمیر بھائی کو ترحم آمیز نظروں سے دیکھا جن کے چہرے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے بھنا ہوا قیمہ خمیری نان کے ساتھ کھاتے کھاتے ایک دم دانتوں میں کوئی پتلی سی نوک دار ہڈی آگئی ہو۔ اس بدمزگی کا رد عمل یقینی طور پر علی کو بھگتنا پڑتا اگر اسی دوران چینا کمرے میں داخل نہ ہوتی۔

ضمیر بھائی کے صوتی تاثرات یورپ کے موسم کی طرح لمحہ بھر میں بدل گئے تھے۔

"نن نن نہیں میرے یار' میرے ہوتے بھلا تمہیں بھوک ہاں ہڑتال کرنے کی کیا ضرورت ہے میں جو ہوں۔"

"دیکھا علی' ضمیر کو چینا سے بھی کہیں زیادہ خیال رہتا ہے تمہارا۔" چینا نے پیار بھری نظروں سے دانت پیستے ضمیر کو دیکھا تو علی جو اصل صورت حال سے

واقف تھا ان کی شوہرانہ کیفیت پر دل ہی دل میں خوب ہنسا۔

"واقعی آپی' میں بھی کبھی کبھار آپ کی قسمت پر رشک کرتا ہوں کہ ضمیر بھائی ہیں تو آپ کے شوہر لیکن خوبیاں ساری ساسوں والی ہیں۔"

"بس بس میں نے کبھی ان خوبیوں پر غرور نہیں کیا۔" آنکھوں پر لگے نظر کے چشمے کو شہادت کی انگلی سے ذرا اوپر کرتے ہوئے ضمیر بھائی بمشکل اپنے ذہن کی گاڑی کو آخری گیئر سے پہلے میں لائے تھے۔

"غرور کرنا بنتا بھی نہیں ہے' ورنہ لوگ پتھر ماریں گے۔"

دل کی ہنسی آخر علی کے ہونٹوں تک آہی گئی تھی اور تب ہی ضمیر کو لگا جیسے اس کی بے عزتی کرنے کی رسم ایک بار پھر ادا کی جارہی ہو۔

"یہ تم دیکھ رہی ہونا' کیسے بب بب بات کرتا ہے مجھ سے۔"

"ہاں بالکل' چینا بہت اچھی طرح جانتی ہے کہ علی بہت ہی محبت سے بات کرتا ہے تمہارے ساتھ۔" یوں محبت بھرے انداز میں چینا کے علی کو دیکھنے پر ضمیر تلملا ہی تو گیا تھا اور تب ہی اسے یاد آیا کہ آج اس نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا ہے۔

"آج ناشتے میں یہی محبت کھلاؤ گی یا نن نن ناشتا بھی رات میں ملے گا۔"

"ارے تو چینا ناشتے ہی کے لیے تو بلانے آئی تھی نا' لیکن ضمیر تم بھی نا' کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا ہونہہ۔" فوراً ہی چینا کا منہ بن گیا تھا' لیکن یہ کوئی بڑی بات اس لیے نہیں تھی کہ اتحادی جماعتوں کی طرح ضمیر اور اس کے روٹھنے اور منانے کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا کہ بات بات پر منہ بنانا تو یوں بھی چینا کا مشغلہ سا بنتا جارہا تھا۔

اپنی زوجہ کے تعارف میں کہا اک شخص نے
دل سے ان کا معترف ہوں' زبانی نہیں
چائے بھی اچھی بناتی ہیں میری بیگم مگر
منہ بنانے میں تو ان کا کوئی بھی ثانی نہیں

☼ ☼ ☼

آج اتوار تھا اور چینا نے گھر کے تمام ممبران سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اس اتوار کو ان سب کے لیے روٹین کے ناشتے کے بجائے چائنیز بریک فاسٹ بنائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ کھانے کی میز کے ارد گرد اپنی اپنی کرسیاں سنبھالے ضمیر علی اور خالہ یوں بے تابی سے ناشتا آنے کا انتظار کررہے تھے گویا بارات پہنچنے کے بعد دلہن کے آنے کا انتظار ہو۔ ناشتا کیوں کہ متوقع طور پر چائنیز تھا اس لیے تمام چھری کانٹے پہلے سے موجود تھے تاکہ لمحہ بھر بھی ضائع نہ ہو۔

ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر تھک جانے اور ناشتے کے انتظار میں اکتا جانے کے بعد اس سے پہلے کہ وہ سب ہی چینا کو پکارنے لگتے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چینا کچن سے برآمد ہونے کے بعد ان سب کے سامنے ناشتا سرو کرتی پائی گئی۔ چہرے کا جوش و خروش جیتے ہوئے کھلاڑیوں کی طرح قابل دید تھا۔

"آج چینا نے تم سب کے لیے خاص طور پر سنڈے کا ناشتا بنایا ہے۔" اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے ادارے کی طرف سے گویا فخریہ پیش کش کا اعلان کیا تھا۔

"ڈنڈے کا۔۔۔؟" خالہ جو اس غیر متوقع ناشتے کی نوعیت سے ہی دلبرداشتہ ہوگئی تھیں غور سے سن لینے کا تکلف کیے بغیر ہی بول اٹھیں۔

"لیکن ہمارا تو کوئی قصور نہیں نا۔۔۔!"

"ہاں ہاں' قصور تو قصوری میتھی والوں کا ہے۔" ناشتے کے متاثرین میں سرفہرست علی کا منہ بھی بگڑا بگڑا سا لگ رہا تھا' لیکن چینا کو ہمارے حکمرانوں کی طرح سب کچھ نظر آنے کے باوجود بھی جانے کیوں "سب اچھا ہے" کا تاثر مل رہا تھا۔ جبھی ان دونوں کا انداز بیاں گرچہ بہت خوب نہیں بھی تھا مگر اس نے خوب ہی سمجھ کر خوب تر انداز میں جواب دینا مناسب سمجھا۔

"نہیں بھئی اپنی ملکہ ترنم نور جہاں۔۔۔ قصور تو ان کا بھی

تھا پید اجو وہیں ہوئی تھیں۔"

"یہی تو ہم کہہ رہے تا آپی کہ اگر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارا قصور میں کوئی حصہ نہیں ہے تو یہ سزا یافتہ قید نما ناشتا ہمارا کیسے ہو سکتا ہے؟" علی جو چائنیز بریک فاسٹ کی امید لیے ڈائننگ ٹیبل تک پہنچا تھا اب امید ٹوٹی تو رو دینے کو تھا اور تب یقینی طور پر ضمیر بھائی کی آواز کانوں میں پڑتے ہی سب کو ان کے زندہ ہونے کا یقین ہوا' ورنہ علی تو اپنے تئیں سوچ چکا تھا کہ شاید وہ ناشتے کا اس قدر غیر متوقع میک اوور ہونے کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے بیٹھے بیٹھے آرام فرما چکے ہیں۔

"ویسے چینا' سچ سچ بتا دو کہ کیا یہ واقعی ناشتا ہے یا انڈوں نے تمہارے خلاف پلیٹ میں دھرنا دیا ہوا ہے۔"

"اوہ یعنی تم اس دکھ نما حیرت میں منہ پر حیرانی ایکسپریشن دے کر بیٹھے ہوئے تھے؟" جن پر تکیہ تھا جب وہی پتے ہوا دینے لگے تو چینا کا دل چاہا ان پتوں کو تکیے سمیت مروڑ دے۔ چینا کی اتنی دیر کی کوششوں کے بعد عمل میں آنے والے اس ناشتے کے نام پر بنے انڈوں کے ہجوم اور چینا کی شکل پر ترس کھانے کے انداز میں خالہ نے تھوڑا سا چکھا تو ضرور' لیکن پھر فوراً ہی یکے بعد دیگرے دو گلاس پانی حلق سے آواز نکالنے کے ساتھ پینے کے بعد بولیں۔

"چینا نمک مرچ تو توبہ اتنا ہارڈ ہے۔ کہیں کرارا کرنے کے لیے شام کا اخبار تو گھول کر نہیں ڈال دیا اس میں؟"

"چینا کی محنت کی تو کسی کو پروا ہی نہیں ہے۔" چینا کے یوں منہ لٹکانے پر ضمیر کو بے ساختہ ہنسی آگئی تھی۔

"اپنے پیارے اور لاڈلے سے بھائی کو ہی دیکھ لو' چکھنے سے گھنٹہ ڈیڑھ پہلے ہی تج تج جس کے منہ پر لوڈ شیڈنگ ہو گئی ہے۔" ضمیر کی براہ راست نشاندہی پر چینا نے الزام کی تصدیق کے لیے علی کی طرف رخ موڑا تو ضمیر کی بات پر یقین آگیا۔

"ہونہہ۔" علی نے ضمیر بھائی کو دیکھ کر سر جھٹکا اور چینا کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپی' آپ تو آج ہمیں چائنیز کھلانے والی تھیں نا۔" درمیان میں ناشتا رکھے وہ سب یوں افسردگی سے اپنی اپنی پلیٹوں کو دیکھے جا رہے تھے کہ لگتا تھا ناشتے کی میز پر نہیں بلکہ کہیں قل کے ختم پر بیٹھے ہوں اور پھر ان تینوں کے ایک دوسرے پر کیے گئے زبانی جملوں میں خالہ حسب توقع حصہ نہ ڈالتیں یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ جب ہی زور سے کرسی پیچھے کی طرف کھسکاتے ہوئے بات کرتے کرتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تو بھئی' یہاں تو کھسیانی بلی دنبہ نوچے والی بات ہو گئی۔"

"خالہ دنبہ نہیں کھمبا۔" چینا نے حسب عادت جل کر اصلاح کی ناکام کوشش کی یہ جاننے کے باوجود کہ خالہ اپنی غلط بات کو بھی بعض کالم نگاروں کی طرح دلیل سے درست ثابت کرنے کے فن میں مولا جٹ ہیں اس سے رہا نہ جاتا اور ہمیشہ بول پڑتی۔

"کھمبا؟" خالہ پہلے حیران ہوئیں اور پھر اگلے ہی پل سنبھل گئیں۔

"سارے بجلی کے کھمبے مردہ پڑے ہیں کہ نہیں؟" چینا نے مایوسی سے ہاں میں گردن ہلائی۔

"تو بھلا اب بلی مردہ کھمبے کو تھوڑی نوچے گی' ویسے کو ہی نوچے گی نا جو کم از کم زندہ تو ہے کہ نہیں۔"

"ہاں ہے تو۔۔۔" چینا نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"لیکن خالہ آپ اٹھ کیوں گئیں؟" علی نے انہیں کچھ کھائے پیے بغیر الوداع کہتا محسوس کیا تو پوچھ لیا۔

"تم لوگ کھاؤ' مجھے تو رات کو لنچ کرنے کے بعد سے ویسے ڈلی ہو رہی ہے۔" بات کرنے کے ساتھ خالہ کے منہ کا زاویہ کچھ ایسا بنا جسے عام طور پر ریل گاڑی کا واش روم استعمال کرتے ہوئے مسافروں کا بنتا ہے۔

"خالہ ویسے ڈلی نن نہیں ہوتی۔ ایسیڈٹی کہتے ہیں۔"

اس مرتبہ چونکہ خالہ نے ایک ایسی جسمانی

علامت پر لفاظی کا شب خون مارا تھا جس کا تعلق ضمیر بھائی کے پروفیشن سے تھا اس لیے اس مرتبہ درستگی کا پرچم بھی انہوں نے ہی بلند کیا۔ لیکن خالہ یہ بھلا کب برداشت کر پاتیں۔

"تمہیں بھی ہو رہی ہے؟" براہ راست سوال کا رخ ضمیر بھائی کی طرف تھا انہوں نے فوراً" نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔

"مجھے ہو رہی ہے تو مجھے ہی پتا ہے نا کہ ویسے ڈلی ہو رہی ہے یا ایسیڈٹی۔" یہ ایسیڈٹی یا ویسیڈٹی خالہ کو کیسے کیسے ہو رہی ہے کب سے ہو رہی ہے' وہ کیا محسوس کر رہی ہیں؟ ان تمام تفصیلی علامات کے سننے سے بچا لینے پر علی' ضمیر بھائی اور چینا نے دل ہی دل میں فون پر بجتی بیل کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلام پیش کیا تھا۔ چینا فوراً" اٹھی اور لپک کر فون کی طرف بڑھتی ہوئے حیرانی سے خود کلامی کی۔

"پتا نہیں کس کا فون ہے؟"

"تمہارا اپنا فون ہے آپی' بھول کیوں جاتی ہیں ہمیشہ فون آنے پر؟" ناشتے کے صدمے کے زیر اثر علی چڑ کر بولا اور خود فون اٹھا لیا۔

"بس جی' آج سے آزادی ختم!" علی اطلاعی انداز میں پکارا۔

"تمہاری شادی ہو رہی ہے کیا۔" خالہ نے علی کے خواب میں چھچھورے ہونے کی تصدیق کی۔

"عاشق انکل کا فون تھا' اوپر والے پورشن میں کرائے دار آرہے ہیں۔" علی نے تفصیلی بیان جاری کیا۔

"واؤ علی' جتنی تت تت تم خوشخبریاں سناتے ہو تا تمہیں تو کسی گنگ گانی ایوارڈ کی آیا ہونا چاہیے۔" ضمیر بھائی نے موقع مناسب دیکھتے ہوئے کرتی بلکہ پھسلتی ہوئی عینک کو ایک بار پھر ناک رکھوالی کا فریضہ سونپتے ہوئے اس کا ادھار چکایا۔

"چینا اٹھو جلدی جلدی گھر کی کلینزنگ کرلو' میں بھی اپنا ایڈریس ایکسچینج کرلوں۔"

"ڈریس بے شک چینج نہ کریں۔ وہ اپنے گھر رہنے کے لیے آرہے ہیں آپ کا سوئمبر کرنے نہیں آرہے خالہ' ڈونٹ وری۔" خالہ کی کرنٹ لگی پھرتیاں دیکھ کر چینا نے ہمیشہ کی طرح اصلاحی پروگرام جاری رکھا۔

"چینا' تم سے اتنی تو لارج (Large) ہوں خواہ مخواہ ہر وقت خالہ خالہ نہ کہا کرو لوگ کہیں گے خدانا خواستہ پتا نہیں میں کتنی گریٹ ہوں۔"

بات کرکے ہونہہ کے انداز میں گردن جھٹکتے ہوئے خالہ اپنے کمرے کی طرف مڑیں تو وہ تینوں دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

"کاش' چینا انہیں جاہل کہہ سکتی۔" ایک گہرا سانس ٹھنڈی آہ بن کر چینا کے منہ سے نکلا۔

"کہہ دیں آپی کہہ دیں۔۔۔ ہماری طرف سے بھی کہہ دیں۔" علی نے اجازت نامہ جاری کرنے کے بعد ایک بار پھر ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھا جہاں ناشتا ـــــ دھرنا دیے مظاہرین کی طرح کسی داد رسی کرنے والا کا منتظر تھا۔

☼ ☼ ☼

مرد ہونی چاہیے' خاتون ہونا چاہیے
اب گرامر کا یہی قانون ہونا چاہیے
صرف محنت کیا ہے انور کامیابی کے لیے
کوئی اوپر سے بھی ٹیلی فون ہونا چاہیے

"پڑھائی اور پڑھائی اور پھر پڑھائی۔۔۔ یہ بھی کتنی زیادتی ہے اور پھر جتنا بھی پڑھو جس کا اوپر سے ٹیلی فون آجائے اسے چاہے سو تک گنتی نہ آئے' لیکن نمبر سو میں سے سو بھی مل سکتے ہیں۔" ہاتھ میں پکڑی معاشیات کی کتاب کو اس نے سوتیلی ماں کی نظروں سے دیکھا اور سامنے رکھے میز پر یوں پٹخا جیسے کتاب کی مدد سے کوئی مکھی ماری ہو۔

سو پڑھ پڑھ کر جب اسے معاشیات کی کتاب پر معاشقات نظر آنے لگے تو جی بہلانے کو جیب سے موبائل نکال کر ہیڈ فون لگایا اور اپنی پسندیدہ

دھنوں سے لطف اندوز ہونا ابھی شروع کیا ہی تھا کہ مہینے کے آخری دنوں کی پریشانی چہرے پر لیے ضمیر اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہلتے ہونٹ تو علی نے دیکھے مگر وہ آخر کہنا کیا چاہ رہے ہیں یہ جاننے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اسی لیے حسب سابق حکمران بنے عوام کو بولتے اور بس بولتے ہی رہنے کے لیے چھوڑ کر موسیقی میں گم رہا۔

"علی، تم نے میرا اسٹیتھو اسکوپ تو نہیں دیکھا؟"

علی کو لگا جیسے ضمیر بھائی بغیر رکے سارا جملہ بول گئے ہیں جبھی حیرت سے ہیڈ فون کو ہلکا سا ہٹایا وہ پھر سے لفظوں کی گاڑی کو دھکا اسٹارٹ کرنے میں مصروف پائے گئے۔

"تم نے مم مم میرا اسٹیتھ۔۔۔" ادھر ادھر سرسری سا ڈھونڈنے کے بعد اب وہ تھک کر علی کے پاس ہی آبیٹھے تھے اور قبل اس کے کہ اپنی فریاد پوری کرتے علی نے ہاتھ کے اشارے سے ٹریفک کانسٹیبل کی طرح انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"رہنے دیں، نہ لگائیں منہ کو گیئر۔۔۔ آپ کا اسٹیتھو خالہ کے پاس ہے۔"

"لیکن میرے اسٹیتھو کا خالہ کے پپ پپ پاس کیا کام؟"

"وہی جو عقل کا آپ کے دماغ کے پاس ہے۔۔۔ یعنی کوئی نہیں۔" علی نے دل بھر کے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یقیناً "انہیں اب اٹھ جانے کا اشارہ دیا تھا جسے وہ نہ سمجھنا چاہتے تھے اور نہ ہی سمجھے۔

"آخر وہ لے کر کیوں گئی ہیں مم مم میرا اسٹیتھو؟" چینا مارکیٹ جانے سے پہلے ان سے پیسے لے گئی تھی مگر اس وقت سے انہیں اپنے دل کی رفتار ملکی ترقی کی مانند مدھم محسوس ہو رہی تھی اور اسی بات کی تصدیق کے لیے وہ اپنے دل کی دھڑکن کی تصدیق کرنا چاہتے تھے، لیکن شومئی قسمت کہ آج خالہ وہ اوزار نما ہتھیار ہی لے گئی تھیں جو ڈاکٹرز کی شناختی علامت ہوا کرتا ہے بعض جگہوں میں تو ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر کے درمیان فرق ڈگری، علم اور رتبے کا نہیں اسی اسٹیتھو اسکوپ کا ہوتا ہے۔

"کہہ رہی تھیں سنا ہے کہ پیسہ بولتا ہے" آج ضمیر کے دراز میں رکھے پیسوں کی باتیں اسی اسٹیتھو سے سنوں گی۔" علی نے انہی کا غلط بولا ہوا لفظ انہی کے انداز میں دہرایا۔

"یک نہ شد دو شد!" قریب تھا کہ ضمیر بھائی اپنی ناک پر سے پھسلتی عینک کو نہ سنبھال پاتے اور پیسوں کے یوں غلط ہاتھوں میں چلے جانے پر خود بھی کہیں پھسل جاتے۔ باہر ہوتی ڈور بیل نے ان کے اوسان بحال رکھے۔

"ذرا دددددیکھنا تو اس وقت باہر کون ہے؟" بات کرتے ہوئے ضمیر نے علی کو دیکھا جس نے بیل ہوتے ہی آنکھیں بند کرلی تھیں اور اب سونے کی کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔ یوں لحہ بھر میں اس کے یوں سو جانے پر ضمیر بھائی بری طرح چڑ گئے تھے سو چار و ناچار اٹھتے بڑبڑانے لگے۔

"وقت تو یہ ہے۔۔۔ کون کہتا ہے کہ اس ملک میں سس سس سونا مہنگا ہے۔"

"جس ملک کی عوام کا ضمیر آپ کی طرح ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر ہو وہاں جان مہنگی نہیں ہوتی ہے آپ سونے کی بات کر رہے ہیں۔" ضمیر بھائی کے لاؤنج سے نکل کر مین گیٹ کی طرف بڑھنے کے ساتھ ہی علی نے ایک آنکھ کھول کر ان کے نہ ہونے کی یقین دہانی کرنے کے بعد جوابی بیان داغا تو ضرور لیکن چند ہی لمحوں بعد ضمیر بھائی کے لفظوں سے ٹپکتی شیرنی نے علی کو بھی اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

"ارے آئیے نن نا۔۔۔ آپ کا اپنا ہی تو گھ گھر ہے نا یہ تو۔۔۔"

"ضمیر بھائی اور اتنے پیار سے بات۔۔۔ آخر کس کے ساتھ۔" چار و ناچار علی کو اپنا موبائل اور ہیڈ فون جیب میں ڈال کر آواز کے تعاقب میں جانا ہی پڑا اور پھر وہ ہوا جو اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔

ضمیر بھائی دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے عینک کو ناک کی نوک کے بجائے پھر سے دونوں آنکھوں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ دائیں ہاتھ سے مسلسل اپنے بال درست کیے جا رہے تھے جس کا واحد مقصد سامنے کھڑی نوجوان لڑکی کو اپنے خداداد حسن سے متاثر کرنا تھا۔ لڑکی کون تھی؟ کہاں سے کیوں کیا کرنے اور کس کے بھیجنے پر آئی تھی یہ سب تو علی کو بھی معلوم نہیں تھا لیکن ہاں اتنا ضرور تھا کہ اس کی آلتی پالتی مار کر بیٹھی ننھی سی ناک، "تھوڑی سی تھوڑی" شاعر کی نظموں سی لمبی آنکھیں، حکمرانوں سا رنگ و روپ اور خدوخال میں صابن کے اشتہارات کی ملاحت میں اسے گہری دلچسپی محسوس ہوئی، لیکن اعتراض یہ بھی تھا کہ آخر وہ برے دنوں کی طرح بتائے بغیر ہی کیوں آگئی پہلے پتا ہوتا تو وہ اپنی پسندیدہ نئی شرٹ ہی نکال کر پہن لیتا۔

"جی ہاں گھر تو ہے یہ میرا ہی، لیکن اتنا تو بتا دیں ذرا کہ یہ آپ۔۔۔ آپ ہی ہیں نا ضمیر بھائی۔" ضمیر بھائی سے بات کرتے کرتے وہ عقب سے بندر کی طرح خواہ مخواہ مسکرا کر انٹری دیتے علی کی طرف متوجہ ہوئی تو اس مجسم موسیقی نما دلفریب لڑکی کے منہ سے بھائی کا لفظ سن کر وہ جی بھر کر بدمزا ہوا۔

"ارے نہیں نہیں، توبہ کریں ایسے نہیں کہتے میں ناراض ہو جاتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" تر و تازہ پیشانی پر بھنوؤں کے درمیان یوں لائنیں ابھریں گویا ہلکی گلابی ٹرے میں دھنیے کی چند ڈنڈیاں عین درمیان میں رکھ چھوڑی ہوں۔ ادھر ضمیر بھائی علی کے یوں برآمد ہونے پر اس قدر دکھی تھے جیسے ان کی اسمگل شدہ منشیات پکڑی گئی ہو۔

"مطلب یہ کہ۔۔۔" نام جاننے کی غرض سے وہ رکا۔

"چندا۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"ہاں تو میری چندا۔۔۔"

"تت تت تمہاری چندا!؟" اس سے پہلے کہ چندا خود کوئی اعتراض کرتی، ضمیر بھائی سرکاری وکیل کے روپ میں سامنے تھے۔

"آپ کی ہے؟" علی نے دو ٹوک انداز میں پوچھا جس پر ضمیر بھائی نے ایک نظر چندا کو دیکھا اور بڑی بے بسی سے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

"ہاں تو جب آپ کی نہیں ہے تو میری ہی ہوئی نا۔" اس دفعہ چندا نقطہ اعتراض پر بولنا چاہتی تھی لیکن علی نے کوئی موقع نہ دیتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا پیاری چندا کہ ضمیر بھائی تو یہ ہیں نا، میں تو صرف اور صرف ایک لڑکا ہوں جسے سب لڑکیاں بڑے پیار سے علی کہتی ہیں۔"

"اور لڑکے؟"

"ارے نہیں لڑکے نہیں سب پیار سے ہی کہتی ہیں۔" کالر کھڑا کرتے ہوئے وہ مسکرایا اور ضمیر بھائی کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"اور دیکھنے والے تو بس جیلس ہی ہوتے ہیں۔"

"اور جیلسی میں سس سب اسے جو کچھ کہتے ہیں نا اسے اگر مم مم میں کیسٹ میں ریکارڈ کر کے بھی بیچوں تو اس پر بین لگ جائے۔" ضمیر بھائی تقریباً رو دینے کے قریب تھے۔

"ضمیر بھائی کی اپنی کیسٹ بڑے گھاٹے میں گئی تھی جس میں ان کے مریضوں کے بیانات کم اور ان کے خلاف اعلانات زیادہ تھے۔"

اور تب چندا کو لگا کہ وہ کسی گھر میں نہیں بلکہ میزبان بن کر کسی نیوز چینل کے ٹاک شو میں آگئی ہے جہاں سیاسی حریف ایک دوسرے پر حملے کرنے کے دوران اسے اپنی بات کرنے کا موقع دینے کو بھی تیار نہیں۔

"لیکن تم ان کی فکر نہ کرو میں ہوں نا۔۔۔ بس یہ بتاؤ اوپر والے پورشن میں اکیلی رہو گی نا؟"

"جی نہیں۔۔۔ ہیں نا ابا میرے ساتھ" ضمیر بھائی پر رحم کی نظر ڈالتے ہوئے اس نے علی کو جواب دیا۔

"بس جی، مبارک باد ہو ضمیر بھائی، چندا نے آپ کو بھائی چھوڑ اپنا ابا بنا لیا ہے۔ ریڈی میڈ اولاد کی بہت مبارک باد، اب تو آپ جیسوں کی بھی عزت کرنی پڑے گی۔" علی نے ضمیر بھائی کے سامنے سر جھکا کر خود

کو "میم" کے انداز میں کھڑا رکھا' لیکن تب تک چندا کا غصہ یوں ظاہر ہوا کہ علی کو اس کی آنکھوں میں کاجل کے بجائے لپ اسٹک لگی محسوس ہوئی۔

"ٹھیک ہے دماغ آپ کا؟ میرے اپنے ہیں ابا' ذاتی' پیدائشی اور قانونی اور حقیقی۔"

"تمہارے ذاتی ہیں تو کیا ہم سب نے ابا ٹھیکے پر لیے ہوئے ہیں؟" علی تو یوں بھی برجستہ گو تھا اور فقروں کی ڈلیوری مشین جہاں سے آٹومیٹک ای میل کی طرح خود بخود جواب برآمد ہوتے جاتے۔

"مم مم مائنڈ نہ کرنا چندا' یہ پیدائشی طور پر موسلا دھار چول واقع ہوا ہے اس کے تو پپ پپ پیدا ہونے پر نرس نے مٹھائی نہیں اس کے منہ کو بند کرنے کے لیے ٹیپ مانگی تھ تھ تھی۔" اور اس سے پہلے کہ علی ضمیر بھائی کو کوئی کرارا سا جواب دیتا اٹیچی کیس اور کپڑے کے تھیلوں میں چھپا کوئی شخص لڑکھڑاتی چال کے ساتھ اندر داخل ہوتا نظر آیا اور انہیں سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر سامان ان کے سامنے لا ڈھیر کیا' سنگ دل لوگوں کے خون کی طرح سفید دھوتی کرتے پر تشویش ناک حالت میں موجود پگڑی افغانستان کی حکومت کی طرح ڈول رہی تھی جسے اتار کر ہاتھ میں لے کر سر کو کھجاتے ہوئے وہ وہیں اٹیچی کیس کے اوپر ہی بیٹھ کر سانس بحال کرنے لگا۔

"ابا' لگا دی تھی کہاں اتنی دیر؟" چندا نے اس نوری نت اور مولا جٹ کے **مکسچر** نما شخص کو ابا کہہ کر ضمیر بھائی اور خاص طور پر علی کے حواسوں پر بجلی گرا دی تھی۔ وہ دونوں کسی رخ سے بھی باپ اور بیٹی نہیں لگ رہے تھے۔

"وے پتری' تو ان شہر والوں کی چالاکیاں نہیں جانتی۔" سر پر حسب ضرورت کھجا لینے کے بعد علی اور ضمیر کو فلم میں موجود ایکسٹراز جتنی اہمیت دیتے ہوئے سرسری نظر سے دیکھنے کے بعد وہ چندا کی طرف متوجہ ہوئے۔

"لیکن ہوا کیا؟"

"ہونا کیا تھا... سوزوکی والا بیٹھ کر ہمارے نال آیا ہے تے کرایہ مانگ رہا ہے میرا تیرا۔" منہ بسورتے ہوئے ابا ضمیر بھائی کی طرف مڑے۔

"کیوں جی' کرایہ تن پہ تقسیم ہونا چاہیے کہ نہیں؟ خیر تو ہی بتا دے۔" علی کے بجائے ضمیر بھائی کی طرف متوجہ ہونے پر ضمیر بھائی کا دل چاہا کہ تینوں کا نیم دائرہ بنا کر خود درمیان میں لڈی ڈالیں کہ انہوں نے اس قدر عقل مند اور اہم سمجھا کیونکہ چندا بھی ان دونوں کی موجودگی میں زیادہ تر علی کو اہمیت دیا کرتی۔ سو جواب دینے کے لیے ضمیر بھائی بولنے کی ہی تگ و دو میں تھے مگر کیا کرتے الفاظ ہٹ دھرم کرایہ دار بنے باہر نکلنے پر تیار ہی نہیں ہو رہے تھے اور اسی دوران خود ابا دوبارہ بول پڑے۔

"چل رین دے یار' اتنی دیر میں تے جا دو ... جاتے ہیں۔"

"ابا ہمیں اب چاہیے چلنا۔" چندا نے اپنے سامنے رکھے اٹیچی کیس کا ہینڈل پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف رخ کیا۔

"تو کیا اب سے پہلے آپ لوگ وہیل چیئر یوز کرتے تھے؟" علی کی بات پر ابا نے پہلی مرتبہ غور سے اسے دیکھا۔

"واہ اوے پتری' تو تے بڑا مخولیا ہے... کیا بات ہے۔"

"نہیں سمجھ آئی؟ پھر کروں؟" علی نے فری آفر پیش کی مگر ضمیر بھائی نے آنکھوں اور ابروں کے عجیب و غریب اشاروں کے ساتھ بات کرتے ہوئے ابا کو یہ آفر نظر انداز کرنے پر مجبور کر دیا۔

"نن نن نن نہیں رہنے دو' تم جاؤ اور مجھے ..." ادھوری بات کے خاتمے پر پھر اشارے علی کو سمجھا رہے تھے کہ وہ یقیناً" ابا اور چندا کی مہمان نوازی اس کے ہاتھوں سے کروانا چاہتے ہیں جبھی مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ بیٹھیں نا پلیز۔" ضمیر بھائی کے ہمراہ ابا

صوفوں پر آکر بیٹھ چکے تھے اور ابھی مسکراہٹوں کا تبادلہ ہونا شروع ہوا ہی تھا کہ علی ٹرے میں چائے کے دو کپ لیے ان کے سامنے بھی موجود تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے رشتہ دیکھنے والی ٹیم کے سامنے عام طور پر چائے کی ٹرالی لے جانے والی لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ شرماہٹ گھبراہٹ کی جگہ یہاں دلیری اور ہوشیاری تھی۔

"پتری' ویسے اس کی ضرورت تو نئیں تھی۔" ابا نے رسماً" کہتے ہوئے کپ اٹھانا چاہا مگر علی نے فوراً" ٹرے پیچھے کر لیا۔

"چلیں کوئی بات نہیں جی' پھر سہی کیوں ضمیر بھائی؟" مگر اس سے پہلے کہ ضمیر بھائی کوئی جواب دیتے ابا نے فوراً اٹھ کر علی کے ہاتھ سے ٹرے جھپٹنے کے انداز میں لیا اور اپنا کپ لے کر دوسرا چندا کے سامنے رکھتے ہوئے بولے۔

"نئیں' میرا مطلب تھا کہ اب چلو پی لیتے ہیں۔" بات کر کے ابا نے ایک گھونٹ لینے کے لیے کپ منہ کو لگایا ہی تھا کہ چندا نے اپنا کپ برا سا منہ بناتے ہوئے واپس رکھ دیا۔

"اتنی ٹھنڈی چائے۔"

"ٹھ ٹھنڈی؟" ضمیر بھائی نے انکوائری کرتی نظروں سے علی کو دیکھا جو خود ان تینوں سے کہیں زیادہ حیران دکھائی دے رہا تھا۔

"ٹھنڈی کیسے؟ ابھی چار گھنٹے پہلے ہی تو آپ نے بنائی تھی تب تو منہ جلا رہی تھی۔ اسے ٹھنڈی آخر کر کون گیا؟" حیرت کے ساتھ سوچتے ہوئے علی نے ضمیر سے معصومانہ سوال کیا جس کا جواب دینے کے لیے ضمیر بھائی نے کوششیں تیز کر دی تھیں مگر ان کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی چندا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اٹھیں ابا' چلتے ہیں اپنے گھر۔" لیکن ضمیر بھائی کو یقیناً" یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کے مہمان کچھ کھائے پیے بغیر ہی گھر سے چلے جائیں اسی لیے کمال پھرتی سے خود اٹھ کر ڈبے والے دو جوس اٹھا کر ان کے آگے رکھ دیے۔

"ایسے کیسے اپنے گھر... آپ پییں۔" ضمیر بھائی نے "پییں" کہنے کے عمل سے گزرنے کے دوران انہیں ہاتھ کے اشارے سے ہی جوس پینے کا کہا تو ابا نے مال غنیمت جانتے ہوئے جوس کا ڈبا لیا اور انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

"تو رین دے' نہ جھکھیں مار... ہم ویسے ہی پی شی لیتے ہیں۔" ابا نے اسٹرا کی مدد سے ایک ہی سانس میں جو جوس پینا شروع کیا تو ایسے کہ ڈبے کے اندر سے بھی آوازیں آنے لگیں۔ ڈبے کے اندر ہوتے اس احتجاج نے خود چندا کو بھی شرمندہ کر دیا تھا سو نظریں چرا کر لفظ چباتے ہوئے اطلاعی انداز اپنایا۔

"ابا جوس ہو گیا ہے ختم' اس لیے پلیز چھوڑ دیں اب اسے۔"

"چھوڑ دوں؟" ابا نے جس حیرت اور غصے سے چندا کو دیکھا تو اسے لگا جیسے ابا جوس کے ڈبے کے اندر ہوتی شرل شرل کی وجہ سے کچھ غلط سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید اس نے ابا کو ڈبا نہیں یہ دنیا ہی چھوڑنے کو کہہ دیا ہو۔

"یہ ڈبا چھوڑ دوں؟ تے یہ جو جوس ڈبے کی دواروں پر لگا تھا اور یہ جو کونوں میں بچا تھا' او کیا یہ مفت ملا تھا دکان سے؟" ان کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چندا نے عملی قدم اٹھاتے ہوئے ان کے ہاتھ سے ڈبا لے کر ٹیبل پر پٹخا تو اسٹرا سے جوس کا ایک قطرہ ٹرے میں جا گرا اس وقت ابا کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لائق تھے۔ انتہائی دکھ سے چندا کو دیکھا۔

"کرا دیا نا ضائع...!" جواباً" ایک مرتبہ پھر خاموشی سے چندا ان کو لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"آپ آجائیں تو ہم چکر لگائیں گے آپ کے گھر کا۔" علی نے یوں خاموشی سے انہیں اپنے دیس سدھارتے دیکھا تو خود ہی کہہ دیا جس پر ابا نے چندا اور چندا نے ابا کو یوں دیکھا جیسے سیڑھیاں اترتے ہوئے انجانے میں دو سیڑھیاں پھلانگ گئے ہوں چہرے کی

بے یقینی پر قابو پاتے ہوئے اوپر کی طرف بڑھتے قدم کو روک کر چندا نے نیچے کھڑے علی اور ضمیر بھائی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"ہمارا گھر کوئی موت کا کنواں نہیں ہے جو لگائیں گے آپ چکر۔"

"اول تے آنے کی ضرورت ہی کوئی نئیں' پر اگر ضرور آنا ہی ہے تے فیروی اک واری سوچ لو اور نہ ہی آؤ تے میربانی۔"

چندا ابا کی باتوں پر شرمندہ سی محسوس تو ہوئی' لیکن سرکاری ٹی وی کے نیوز اینکرز کی طرح اسے وہی بیان دینا' بولنا تھا جس سے سرکار خوش ہو' جبھی بغیر کچھ کہے اس نے ابا کی تقلید میں قدم بڑھا دیے جو ایک ہاتھ ریلنگ پر رکھے گنگناتے ہوئے اوپر کی طرف رواں دواں تھے۔

چل بیلے چلیے دنیا دی اوس نکرے
جتھے خرچہ نہ خرچے وی ذات ہووے

نظر سے اوجھل ہو جانے پر ضمیر بھائی نے سامنے رکھے ابا کے سامان پر لات مارتے ہوئے غصے سے علی کو دیکھا۔

"یہ سب بڑے بوڑھے جہیز کو لعنت کیوں کہتے ہیں' تمہیں دیکھ کر سب سمجھ میں آ گیا ہے۔" گردن کو ہونہہ کے انداز میں جھٹکا دیتے ضمیر بھائی کی عینک اس بغیر پیشگی اطلاع کے جھٹکے کی تاب نہ لاتے ہوئے پھر سے ناک کی آخری حد پر تھی جسے اس کی اصل جگہ پر پہنچانے کے بعد ضمیر بھائی باہر نکلنے کے ساتھ بڑبڑاتے گئے۔

"سیلابی پانی میں موجود سس سانپوں کی طرح کیسی کیسی چیزیں آ جاتی ہیں جہیز میں۔" کسی بھی قسم کا جواب دیے بغیر علی بڑے سکون سے اداکار کی طرح تمام باتوں کے جواب میں صرف مسکراہٹ سے کام لیتے ہوئے خود کو ان سے زیادہ عقل مند اور مہذب ثابت کر رہا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ مرکز نگاہ اب تک وہی سیڑھیاں تھیں جہاں سے چل کر چندا اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

قلم دو چار ایسے ہی لگا لیتا ہوں جیبوں میں
مرے احباب میں اس سے میری توقیر بڑھتی ہے
کبھی لکھنے لکھانے کی تو کہیں نوبت نہیں آئی
میں ناڑا ڈال لیتا ہوں ضرورت جب بھی پڑتی ہے

آج اتوار کا دن ہونے کی نسبت سے ضمیر بھائی کو خیال آیا کہ کیوں نا اپنے ایک پرانے دوست سے ملنے جایا جائے اور نہ صرف ملنے جایا جائے بلکہ اہتمام کے ساتھ جایا جائے جبھی انہوں نے شلوار قمیص پہننے کے ارادے سے وارڈ روب سے ہینگر لیا مگر قسمت ایسی کہ نہ تو شلوار میں ازار بند تھا اور نہ ہی وارڈ روب کے مخصوص کارنر میں موجود اور بالفرض اگر ازار بند مل بھی جاتا تو وہ ڈالتے کس سے۔ اسی تلاش میں پہلے تو انہوں نے چینا کی مدد نہ لینے کا سوچتے ہوئے خود کوشش کی مگر ضمیر بھائی کو تو سامنے کھڑا ہاتھی نظر نہ آئے یہ ازار بند بھلا کیسے ملتا۔ جبھی جھنجلا کر ازار بند کی تلاش میں مزید چھاپے مارنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اعلا حکام یعنی چینا سے رابطہ کرنے کا ایک اصولی موقف اپنایا اور عین وقت پر پہنچنے کا ناممکن ارادہ لیے تیز قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوئے تو خالہ صوفے پر بڑے مزے اور سکون سے لیٹتے ہوئے پاپ کارن کا بڑا سا باؤل اپنے پیٹ پر رکھے ہوئے تھیں اور ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ کھانے کا بھی شغل جاری تھا۔ البتہ ہنسنے سے پہلے حفاظتی تدبیر کے طور پر وہ ایک ہاتھ سے باؤل کو پکڑ بھی لیتیں تاکہ ہماری فلموں کے معیار کی طرح ایک دم گر نہ جائے۔ دائیں ہاتھ پر رکھے دوسرے صوفے پر چینا دونوں پاؤں صوفے پر رکھ کر ایک ہاتھ ریموٹ میں لیے ہوئے تھی اسی دوران علی بھی بیرونی دروازے سے اندر آتے ہوئے ضمیر بھائی کے یوں غور و خوض کرنے کے انداز پر غور کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ آخر ایسا کیا ہوا ہے کہ ضمیر بھائی کے

چہرے پر بے بسی کے تاثرات نظر آ رہے تھے مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا یا پوچھتا خود ضمیر بھائی نے ہی اس راز سے پردہ اٹھا دیا۔

"چینا یہ آج چھ چھ چھٹی والے دن کیسا سلوک کر رہی ہو تم میرے ساتھ؟"

"بالکل ویسا ہی نا جیسا الیکشن ہارے ہوئے امیدوار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔" علی اور خاموش رہتا یہ انتہائی ناممکن یقین بات تھی لہٰذا چینا کو ٹی وی ڈرامے میں حد سے زیادہ مصروف دیکھ کر علی نے خود ہی جواب اس لیے دیا تاکہ ضمیر بھائی انہیں لاجواب خیال نہ کریں۔

"چینا۔" بڑے انہماک سے ٹی وی دیکھتی چینا کو ضمیر بھائی نے پوری قوت سے للکارا۔

"اپنی اوقات کا تو بندے کو خود پتا ہوتا ہے ضمیر بھائی' پھر بھی آپ خوا مخواہ ٹرائیاں مار رہے ہیں۔" ایک مرتبہ پھر ہمیشہ کی طرح دل جلاتا جواب سن کر اب ضمیر بھائی کی برداشت بے وفا صنم کی طرح بغیر پیشگی نوٹس کے ساتھ چھوڑ گئی تھی سو تیز قدموں سے چلتے ہوئے عین اس کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔

"کتنی دیر سے بلا رہا ہوں تمہیں۔" ان کی اچانک آواز پہ چینا بیٹھی ہی گھبرا بلکہ ہڑبڑا گئی لیکن پھر ڈرامے میں مداخلت ہوتی دیکھ کر حلق تک کڑوا ہوتا محسوس ہوا۔

"چینا کو کیا پتا' کتنی دیر سے بلا رہے ہو' ٹائم نوٹ کر لینا تھا نا۔"

"ضمیر' تم نے صرف یہ پوچھنے کے لیے ہمیں ڈسٹرب کیا ہے؟" پیٹ پر رکھے پاپ کارن کے باؤل کو اٹھا کر میز پر رکھنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔

"خالہ کرپٹ نہیں انٹرپٹ ہوتا ہے۔" علی نے درستگی کرنی چاہی مگر ہمیشہ کی طرح غلطی ثابت ہوئی۔

"کرپٹ بھی کبھی انٹرپٹ ہوتا ہے بھلا؟" انہوں نے علی سے سوال کیا اور حسب پسند نفی میں جواب بھی وصول کیا تو مسکرا دیں۔

"مجھ سے زیادہ تو خالہ سچ سچ چینا کو یہ ڈرامے اچھے لگتے ہیں۔" ضمیر بھائی نے چینا کی شکایت لگائی۔

"تو کیوں نا لگیں روز نئے جو ہوتے ہیں۔" چینا نے بھی اپنا دفاع کچھ اس انداز میں کیا کہ واضح طور پر ڈراموں کو ضمیر بھائی پر فوقیت دے گئی۔

"ایک ہی ڈرامہ ساری زندگی دیکھنا بھی تو سزا ہی ہے نا ضمیر۔" خالہ کا واضح اشارہ ضمیر کی طرف تھا۔

"خالہ آپ تو ایک طرف مگر چینا تت تم اچھا نہیں کر رہی اپنے مم مجازی خدا کے ساتھ۔"

"ہاں تو مجازی خدا بھی تو چینا کی وجہ سے بنے ہو نا۔ پہلے تو ہر بندہ تمہیں انسان بنو' انسان بنو ہی کہا کرتا تھا۔" چینا نے خفگی سے چینل بدلا تو اس بار خالہ ضمیر بھائی کی حمایت کرنے لگیں۔

"ہم کب اسے حیوان بنو کہتے تھے بھئی۔"

"دیکھا نا خالہ' جب سے یہ فف فضول ڈرامے دیکھنے لگی ہے ہر وقت مجھے نیچا دکھاتی رہتی ہے۔"

"کیوں ضمیر؟ کیا تم خود سے نیچے نہیں دیکھ سکتے؟" خالہ کی باتیں ضمیر کو اگربتی کی طرح مدھم مدھم سلگاتے ہوئے یقیناً "پوری طرح جلا دینا چاہتی تھیں اور اپنی خالہ کو چینا کی حمایت میں بولتے دیکھ کر ضمیر بھائی کو غصہ آیا تو سامنے رکھے ریموٹ سے ٹی وی بند کر دیا۔

"ضمیر خبردار' جو تم نے ٹی وی بند کیا' چینا کے ابا نے دیا تھا۔" چینا ہماری پولیس کی طرح وقوعہ ہو جانے کے بعد حرکت میں آئی تھی۔

"ہاں ہاں۔ سب بے کار ہے چینا کی طرح۔" ضمیر بھائی نے چینا کا انداز اپنایا۔

"ارے کار ہی لینی تھی تو ضمیر پہلے بولتے' اب تو شادی ہو گئی۔" ٹی وی بند ہونے کے بعد اب خالہ کا مکمل دھیان ان دونوں کی طرف تھا جو مختلف چینلز کی طرح اب براہ راست لڑ رہے تھے۔

"جی ہاں' میں تو بہت پچھتا رہا ہوں شش شش شادی کر کے۔"

"تو نہ کرتے نا' کتنے ہی رشتے تھے میری آپی کے۔" علی نے بھائی ہونے کا ثبوت دیا۔

"وہ جو قسمت والے تھے سب ہی جو بب بچ گئے۔" ضمیر بھائی کا دل چاہ رہا تھا کہ مارننگ شوز کی جذباتی میزبانوں کی نقالی کرتے ہوئے اور کچھ نہیں تو آنکھ میں اپنی ہی انگلی چھو کر ایک دفعہ کھل کے رولیں تاکہ پنجابی فلموں کی ہیروئنز کی مانند بھاری دل کچھ تو ہلکا ہو۔ کہاں تو ایک بیوی کی تکرار ناقابل برداشت ہوتی ہے اور یہاں بیوی کے ساتھ نہ صرف سالا بلکہ خالہ بھی اس تو تو میں میں کے فرینڈلی میچ میں سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

"قسمت والے تو ضمیر بھائی آپ ہیں جنہیں یہ ملیں۔"

"اور کیا' چینا تو کتنوں کو مل کے بھی نہیں ملی۔" چہرے پر مسکینی طاری کرتے ہوئے چینا نے علی کی بات کو آگے بڑھایا اور بات کرکے پھر علی کی طرف یوں اشارہ کیا جیسے ریسلنگ رنگ میں ایک پہلوان اپنے دوسرے ساتھی پہلوان کو کیا کرتا ہے فرق صرف یہ تھا کہ یہاں ہاتھ کے بجائے ابرو استعمال کیے گئے تھے۔

"قدر کریں ضمیر بھائی' آپ تو اللہ میاں کی گائے ہیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں اسی لیے تو مجھ کک کک کو بھوکا بب نیل بنانا چاہتی ہے بھلا کوئی چھٹی والے دن بھی شش شوہر کو یوں نظرانداز کرتا ہے۔" چینا نے حیرت بھری نظروں سے ضمیر بھائی کو موسلادھار بولتے دیکھا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ رہا کیونکہ ضمیر بھائی کا تعلق شوہر حضرات کی اس قوم سے تھا جو بیویوں کو امریکا کے برابر درجہ دیتے ہوئے خود اپنے آپ کو ترقی پذیر ملکوں جتنی حیثیت دیتے ہیں' لیکن اب ان کا یوں خود کو ایٹمی طاقت سمجھنا چینا کے لیے پریشان کن تھا اسی لیے خالہ سے رجوع کیا۔

"خالہ آپ نے تو کہا تھا کہ ضمیر زبان نہیں چلاتا' اب دیکھا نا۔"

"دکان کیوں نہیں چلاتا بھئی؟ اس کی ڈاکٹری کی دکان تو بہت اچھی چلتی ہے۔" پاپ کارن منہ میں ڈالتے ہوئے خالہ نے چینا کا بیان رد کیا تو ضمیر بھائی انہیں اپنا ہمدرد جان کر فوراً بولے۔

"میرے کھانے پینے' آنے جانے' سونے جاگنے حتیٰ کہ مم مم میرے وارڈروب میں ازار بند ہونے تک کی اسے کوئی پروا نہیں ہے۔"

"چینا نے تم سے شادی کی ہے ضمیر' تمہیں گود نہیں لیا۔ سمجھے!" خالہ کے بجائے علی کو سیل پر ٹیکسٹ کرتے دیکھ کر چینا خود بولی اور ساتھ ہی صوفے سے کشن اٹھا کر علی کو دے مارا جس کا واحد مقصد اسے یہ یاد دلانا تھا کہ وہ اس وقت اپنی کلاس کی پچھلی سیٹ پر نہیں بلکہ محاذ کی شکل اختیار کیے لاؤنج میں موجود ہے جہاں اس کے برقی پیغامات کے بجائے صوتی اثرات کی زیادہ ضرورت ہے۔

"اب پتا چلا کہ شش شش شادی پر تمہارے [illegible] لڈو اس لیے کھلائے تھے تاکہ باقی تمام عمر کی کڑواہٹ ہنسی خوشی ہب ہب برداشت کرلوں۔" کشن لگنے سے لڑکھڑاتے ہوئے علی کو دیکھ کر ضمیر بھائی نے وہ پرانا وقت یاد کیا جب علی بڑے خوشامدانہ انداز میں انہیں "تھوڑا سا اور' تھوڑا سا اور" کہہ کر تن تنہا ایک کلو لڈو یوں کھلا گیا تھا کہ اگلے کئی روز تک وہ لڈوؤں کو دیکھنا تو دور ان کا نام سن کر بھی سہم جایا کرتے۔

"جی نہیں۔ لڈوؤں کے اوپر سے اگر چھپکلی نہ گھوم گئی ہوتی تو بھلا کسے شوق تھا انہیں ضائع کرنے کا۔" علی نے کھرا سچ بول کر ضمیر بھائی کے توتے اڑا دیے تھے۔

"اور آپی' آپ بے فکر ہو کر جواب دیں میں بھی انہیں لڑائیوں والے ٹیکسٹ کر رہا ہوں تاکہ انہیں پتا چلے کہ ہم کوئی عام لوگ نہیں۔" ایک بار پھر علی بڑے زور و شور سے انگلیوں اور انگوٹھوں کی مدد سے موبائل وار کرنے لگا۔ وہ دو اور ضمیر ایک۔ خالہ کو ترس آنے لگا تھا سو ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولیں۔

"وہ غلطی تمہاری اپنی ہے ضمیر۔"

"ہاں تو میں نے کب اور کس سے کہا کہ چچ چچ چینا کسی اور کی ہے۔"

"شادی پر تو تمہارا جوتا بھی چھپایا گیا کہ سائن آؤٹ ہو جاؤ' لیکن تم لاگ ان ہی رہے اور ٹائم آؤٹ ہوگیا۔" خالہ نے دلی ہمدردی ظاہر کی۔

"تت تت تب ایسا ہوا ہوگا خالہ' لیکن اب نن نن نہیں ہوگا۔" لہجے کو مکمل طور پر سنجیدہ اور بارعب بناتے ہوئے ضمیر نے کہا تو چینا اور خالہ کے ساتھ ساتھ علی بھی موبائل چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگا جو ہاتھ میں ریموٹ لیے وہاں سے جارہے تھے کہ چینا بے تابی سے ان کی طرف لپکی۔

"رکو۔ ضمیر پلیز رکو۔ چینا کی بات تو سنو۔"

اور تب ضمیر بھائی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہیں محسوس ہوا کہ چینا ان سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ یوں ان کے ناراض ہو کر جانے پر کیسی بے قراری اور بے خودی کے عالم میں انہیں روک رہی ہے۔ دل کی تو یہ حالت تھی کہ اس وقت چینا کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتے تھے مگر چونکہ ذرا نخرہ تو دکھانا تھا تاکہ چینا کی محبت مزید کھل کر خاص طور پر علی کے سامنے آشکار ہو سکے اس لیے دایاں ابرو اٹھا کر نیم مسکراہٹ کے ساتھ حیرت زدہ علی کو دیکھا اور فاتحانہ انداز اپناتے ہوئے پیچھے مڑ کر چینا کو دیکھنے کے بجائے وہیں رک کر بولے۔

"سس سس سوری مت کہنا چینا' میں معاف نہیں کروں گا۔" ضمیر بھائی کو محسوس ہوا کہ خود ان کی آواز نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور بھلا وہ یہ چاہتے بھی کب تھے۔ وہ تو بس اب پیچھے مڑ کر چینا کو پیار بھری نظر سے دیکھ کر اسے بتانا چاہتے تھے کہ وہ تو ساری عمر اس کے لیے رک سکتے ہیں۔

"تو سوری کہہ کون رہا ہے تمہیں۔ جہاں جانا ہے جاؤ اور بے شک واپس نہ آؤ لیکن یہ چینا کا ریموٹ دے جاؤ۔"

چینا کے الفاظ تھے کہ بجٹ۔ سارے اوسان خطا کرکے تمام امیدوں پر جو پانی پھیرا تو ضمیر بھائی نے انتہائی غصے کے عالم میں ریموٹ صوفے پر پھینکا اور خود باہر نکلتے ہوئے کسی غمگین گانے کے الفاظ سوچنے لگے۔

"کاش چینا ضمیر کو انتہائی بدتمیز کہہ سکتی۔ ہونہہ۔" ایک بار پھر خالہ نے سابقہ پوزیشن سنبھالی اور چینا ٹی وی پر اپنا پسندیدہ چینل آن کرکے دیکھنے لگی جہاں ڈرامے میں ایک ایسی عورت کی کہانی دکھائی جارہی تھی جو شوہر کو حقیقی معنوں میں مجازی خدا کا درجہ دے کر چینا کی پسندیدہ ترین اسٹوری بن چکی تھی۔

✡ ✡ ✡

سارے گھر کی سیٹنگ کرتے کرتے ابا تھکنے لگے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کچن میں چلے آئے اور چائے بنانے کا ارادہ کرتے ہوئے پہلے تو پانی تاپ کر ابلنے کے لیے چڑھایا اور اسی دوران کیبنٹ سے ایلومونیم فوائل میں تہ در تہ لپٹا ٹی بیگ کھول کر کپ میں رکھا اس پر کھولتا ہوا پانی ڈال کر ٹی اسپون سے چند لمحے دبانے کے بعد ٹی بیگ کو دیوار پر نصب ہینڈ ڈرائر کی مدد سے خشک کرکے دوبارہ اسی فوائل میں لپیٹ کر واپس رکھا اور فریج سے ڈراپر نکال کر اس کی مدد سے چند قطرے دودھ کے ٹی بیگ ملے پانی میں ڈالے' ڈراپر پھر سے مضبوطی سے بند کرکے ابھی فریج میں رکھا ہی تھا کہ منہ لٹکائے چندا کو اندر آتا دیکھا تو اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"کیوں پتری' لگتا ہے چاہ شاہ پینی ہے۔"

"ہاں ابا۔ چاہ رہا۔ تو ہے دل میرا۔" گردن گھمائی چندا وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"بس تے فیر دکھ لے' تیرے ابا کو پہلے ہی پتا چل گیا تھا کہ تو نے چاہ پینی ہے۔" اپنی قابلیت ثابت کرتے ہوئے مسکرائے اور کپ لے کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"یعنی آپ نے بنا دی ہے پہلے ہی؟" چندا حیرت سے خوش ہوئی تھی مگر یہ خوشی

فوراً" نفی میں سرہلاتے ہوئے بولے۔

"نہیں تو' میں نے کب کہا کہ میں نے تیرے لیے چاء بنادی ہے؟" "تو پھر پوچھ رہے تو آپ ایسے ہی تھے کہ لگا مجھے شاید آپ نے بنادی ہو چائے۔"

"او نہیں پتری' پوچھ رہا تو میں اس لیے تھا کہ تجھے بتادوں کہ چاء پینے کے کتنے نقصان ہوتے ہیں' اس لیے تو چاء نہ پیا کر۔"

ابا نے اتنی چھوٹی سی چسکی لی کہ چندا کو گمان گزرا جیسے ابا صرف چائے کے اندر اپنے ہونٹ ہی بھگونے کی نیت سے کپ کو منہ تک لے کر گئے تھے۔

"اگر نہیں ہوتی اچھی تو پھر آپ خود کیوں پورا کپ چائے کا پی رہے ہیں۔"

"اس لیے پی رہا ہوں پتری تاکہ تو نہ پیے۔"

"اوہو لیکن کیوں؟" وہ جھنجلا گئی تھی کیونکہ اس وقت اسے چائے کی طلب خطرناک حد تک محسوس ہو رہی تھی اور ابا اس کے سامنے بیٹھے کپ کو تھامے ہوئے تھے۔

"کیونکہ یہ صاف نہیں ہے۔" اپنے تئیں انکشاف کرتے ہوئے ابا نے ایک بار چسکی لی۔

"تو کیا آپ خود پی رہے ہیں گندی چائے؟" ابا کی باتیں اسے اکثر اوقات ہی سمجھ میں نہیں آیا کرتی تھیں اور ہمیشہ وہ ان کے مختصر جملے کے بعد تفصیلی بیان جاری کرنے کے انتظار میں رہتی۔

"او نہیں پتری' چاء تو صاف ہی ہے پر لگتا ہے دودھ ذرا گندا تھا۔"

"نہیں ابا' دودھ والا تو ہے بہت ہی صفائی پسند۔" چندا نے فوراً" ہی ابا کا بیان رد کر دیا تھا۔

"صفائی پسند؟ کیوں... وہ مجوں (بھینسوں) کے بارے میں جاڑو لگاتا ہے؟" چندا کا یوں برق رفتاری سے دودھ والے کے حق میں بیان دینے سے ابا کے ذہن میں فوراً" ہیر کے بارے کی صفائی کرتے رانجھے کی کہانی گھومی تو بھنوؤں کے درمیان فاصلہ کم کر کے آنکھوں کو سکیڑا تو چندا کو لگا کہ یہ انہوں نے بات نہیں کی بلکہ اپنے لہجے اور لفظوں پر خود ہی تشدد کر ڈالا ہو۔

جبھی بات کو دوسرے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ابا دراصل وہ لوگوں کو دینے سے پہلے دھولیتا ہے اچھی طرح برتن۔"

"یعنی مطلب یہ ہوا کہ پھر وہ دودھ میں پانی نہیں' پانی میں دودھ ملاتا ہے۔" چندا نے مسکراتے ہوئے ہاں کا اشارہ کیا تو ان کی ایک اور چسکی ادا ہوئی اور وہ کچھ سوچنے کے بعد بولے۔

"اب سمجھا کہ دودھ میں سجھیاں شجھیاں کہاں سے آئی ہیں؟"

"کیا؟" چندا ان کی ناقابل یقین اطلاع پر حیران ہوئی۔

"یعنی آج دودھ سے نکلی ہیں مچھلیاں؟"

"تو ظاہر ہے پتری' ایک لیٹر سے دودھ سے تیرا کیا نل تھا مگر کچھ نکلا؟"

"لیکن ابا آپ سوچیں نہ خود کب... نہیں بلکہ میں اسے کرتی ہوں منع کل ہی۔" انتہائی غصے میں چندا کی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اس دودھ والے کو کھری کھری سنا کر آئے۔

"کیا مطلب ہے پتری؟ اسے دودھ شودھ دینے سے منع کرے گی؟"

"نہیں ابا' دودھ دینے سے نہیں بلکہ منع تو کروں گی تالابوں کا پانی ڈالنے سے... ہم سے اتنے پیسے لیتا ہے تو کیا وہ نہیں ڈال سکتا دودھ میں منرل واٹر..."

"شش..." ابا نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور دودھ والے کے آس پاس نہ ہونے کی یقین دہانی کرتے ہوئے بولے۔

"اس میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے' اس لیے اسے کچھ نہ کہیں..."

"ہمارا ہی فائدہ؟" ایک بار پھر وہ ابا کی باتوں کو سمجھنے سے محروم تھی۔

"تے ہور کی... دیکھ پتری' وہ ہمیں بے نقوف سمجھتا ہے نا... پر اس پاغل کے پتر کو تو اتنا بھی نہیں پتا کہ پیسے تو وہ ہم سے لیتا ہے دودھ کے اور مچھیاں

مچھیاں تو مفت میں دے جاتا ہے... اب بتا فائدہ ہے کہ نہیں؟" چندا نے کسی نتیجے پر پہنچنے کے دوران ابا کو دیکھا۔

"یہ جو آج مچھیوں کا سالن کھایا تھا اسی دودھ سے ہی نکلی تھیں نا اور سبزی کے پیسے بچ گئے۔" فخریہ انداز میں بیان کرتے ہوئے ابا نے کپ خالی ہونے پر ٹونٹی سے ایک گھونٹ پانی کپ میں ڈالا اور کھنگالنے کے انداز میں اسے کپ میں گھما پھرا کر پینے کے بعد اسی کپ کو دھلے ہوئے برتنوں کے ساتھ رکھ دیا تو چندا جو ابھی پرانے مسئلے پر ہی کچھ سوچ رہی تھی کہ اب ابا کے اس عمل پر اسے بھول کر کپ کھنگالنے پر بول اٹھی۔

"ابا پلیز پانی پینے کے لیے لے لیا کریں نا گلاس۔"

"او نہ' میں نے کوئی پانی شانی نہیں پیتا' وہ تو ذرا کپ دھویا تھا تو سوچا پانی ضائع ہی ہوتا ہے چلو میں پی لیتا ہوں۔" ان کی اس قدر کنجوسی (جسے ابا کفایت شعاری اور بچت کے نام سے پکارا کرتے تھے) چندا کو ہمیشہ ہی دانت کچکچانے پر مجبور کر دیتی۔

"لیکن ابا یہ ساری چیزیں تو ہوتی بھی ہیں استعمال کے لیے۔"

"اور پیسہ ہوتا ہے جمع کرنے کے لیے۔" وہ اپنے موقف پر قائم تھے۔

"لیکن کریں گے کیا اتنے پیسوں کا؟" چندا کی بات انہیں غصہ دلا گئی تھی۔

"شادیوں پر نوٹوں کے ہار بناؤں گا... اور کش؟" ابا کے یوں غصہ ہونے پر چندا نے برا مناتے ہوئے منہ بنایا اور دونوں ہتھیلیوں پر چہرہ ٹکاتے ہوئے نظریں جھکائیں اور یہی وہ منظر تھا جو ابا کی کمزوری تھا کرسی ذرا آگے کھسکاتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پرسکون انداز میں مناتے ہوئے بولے۔

"او پتری' کیوں فکر کرتی ہے... میرے مرنے کے بعد تو سارا کش تجھے ہی ملنا ہے نا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن آپ پتا نہیں کب..." نظریں اٹھا کر ہنوز روٹھے چہرے کے ساتھ اس کے منہ سے الفاظ پھسلے اور ایک بار پھر ابا کا موڈ بجلی کی قیمت کی طرح بدل گیا۔

"ہاں چل مان لیا کہ تجھے دے ہی دوں' تو میرے مرنے کے بعد پھر تو کیا کرے گی؟"

"قل ہی کروں گی نا' اب میں تو رہی لڈی ہو جمالو کرنے سے۔"

چندا بات کرتے ہوئے بیرنج کر چائے نہ ملنے کے دکھ میں وہاں سے جا چکی تھی مگر ابا کے لیے سوچوں کا ایک باب کھول گئی تھی۔

"میری قل پہ رب جانے کتنا خرچہ کروے گی۔ پاغل سی تو ہے۔"

(باقی آئندہ)

☆ ☆

مصباح علی

"یہ بھی نہیں' یہ بھی نہیں' یہ یہ"

وہ کپڑوں کی الماری کھولے استری شدہ شرٹس کو تیزی سے اِدھر اُدھر کر رہا تھا۔ آخر کار ایک شوخ سی ٹی شرٹ پسند آئی جو بلیک جینز پر جچتی بھی بہت تھی اس نے وہ نکالی اور آئینے کے سامنے خود پر لگا کر خوب تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیا۔

"ہوں زبردست"

جب دل سے گواہی آئی تو فوراً" زیب تن کرلی۔ بہت سارا پرفیوم چھڑکا رسٹ واچ' موبائل اور بائیک کی چابی کا یقین ہونے کے بعد والٹ چیک کیا اور ڈریسنگ ٹیبل پر سے شوخ و شنگ رنگ کی ٹوپی اٹھائی اور فخر سے سر پر رکھ کر گردن کسی ترانے کی دھن پر دھنتے ہوئے تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آگیا۔

"تم روز ایک ہی ٹوپی دھرے دن ڈھلتے ہی نکل جاتے ہو' میرے یار میری خدمات کسی دن کام آئیں گی... یہ ٹوپی مجھے دو' ایسی زبردست ڈیزائن کروں گا کہ سارے حیران رہ جائیں گے' ورلڈ کپ کور تیج پر الگ جاؤ گے۔" برہان عقب سے ابھرتی آواز پر مڑا وہاں سبحان آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی ٹوپی تول رہا تھا۔ اس سے پہلے برہان کی ناگواری زبان میں در آتی وہ پھر بول پڑا۔

"بھیا! اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔"

وہ بولتا ہوا چند قدم آگے ہوا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹوپی اتار لی۔ اب ٹوپی اس کی انگلی کے اکلوتے ستون پر گھوم رہی تھی۔ ساتھ ساتھ برہان کی غصیلی نگاہیں بھی۔

"اب دیکھو نا' تم نے یہ ٹوپی پہننی ہی ہے' تو عام سی گول ٹوپی ہی کیوں جو ہر دوسرے کے سر پر ہو' میرا مطلب ہے' یہ تکون بھی ہو سکتی ہے' جناح کیپ میں بھی چلے گی' پھر رنگوں کا کٹ ورک بھی بن سکتا ہے' شیشے پیٹس لگانے سے رونق بڑھ جائے گی... اور اگر پگڑی شیپ پر لیس یا پھر پانپنگ..."

ابھی اس کا زرخیز دماغ جانے کیا کیا آئیڈیاز نکالتا برہان نے دانت پیستے ہوئے اپنی ٹوپی کھینچی۔

"تمہیں میری ٹوپی سے کیا تکلیف ہے' اوھر دو۔"

"تکلیف تمہاری ٹوپی سے نہیں بھیا' بلکہ اس کے سادہ ہونے پر ہے۔"

اس نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر ٹوپی پکڑنے کی سعی کی مگر برہان کی تنبیہی نگاہوں نے ایسا کرنے سے اسے باز رکھا۔

"دیکھو نا یار' جو کچھ تم کرتے پھر رہے ہو اسے چھوڑو اور میرے ساتھ مل جاؤ' ہم دونوں بھائی مل کر فیشن کی دنیا میں انقلاب برپا کردیں گے' ہر طرف ہمارا چرچا ہوگا' فیشن کی دنیا میں تہلکہ مچادیں گے۔" وہ کھلی آنکھوں سے کھلبلی مچاتے خواب دیکھ رہا تھا جب برہان نے اسے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"بھیا جی تم کیا جانو میرے کام کی اہمیت... دیکھنا میں دنیا کو بدل کر رکھ دوں گا۔ ہر چیز بدل جائے گی' ہر سسٹم میں چینج ہوگا... مگر تم ہونہہ... ڈیزائنر کی اولاد ہی بنے رہنا۔"

"او بدبخت... زبان سنبھال کے۔"

ابا دا سکٹ میں ہاتھ اڑسے کچھ دیر پہلے ہی صحن میں

نکلے تھے۔ اور باری باری اپنے دونوں سپوتوں کے خیالات معمول کی طرح سن رہے تھے۔ مگر جب حرف ان کی غیرت پر آیا تو نا صرف چلا اٹھے بلکہ جیب سے ہاتھ نکال کر انگلی بھی اٹھائی۔

"یہ کس شمع پروانے کا ذکر کررہے ہو تم' خبردار۔۔۔ یہ بالکل میری اور جائز اولاد ہے' سمجھے۔۔۔!"

"میاں جی ابھی تک جائز ناجائز کی صفائیاں دے رہے ہو' اور میں نے کتنی دیر پہلے تمہیں قیمہ اور کریلے لانے کو کہا تھا۔۔۔ بیٹے تو تمہارے کسی کام کے ہیں نہیں' ایک خبیث کو فیشن میں انقلاب برپا کرنے کا بخار چڑھا ہے تو دوسرے کو ہر جگہ صفحہ ہستی سے بدلنے کا زکام۔۔۔ اور ایک وہ پھوہڑ کم بخت ہے' جس نے کچے پکائے آلو بیگن میں کچی بھنڈیاں ڈال کر شوربا چھوڑ دیا۔۔۔ جانے کون کون سے چینل دیکھ کر ہمارے معدے آزما رہا ہے' راشن کا نقصان ایک طرف' دواؤں کا بجٹ الگ۔۔۔ اور تم یہاں کھڑے جائز ناجائز کی تقریر جھاڑ رہے ہو' میاں! میں پوچھتی ہوں رات میں کچھ کھانا ہے یا بیگن' بھنڈی کا سوپ ہی پیو گے۔"

ساجدہ بیگم کان کے پیچھے دوپٹا اڑستی بالکل لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا نچا کر صلواتیں سنا رہی تھیں برہان کو ہر معاملے میں بولنے کی عادت تھی سو مجبور تھا۔

"اماں ہمیشہ دنیا درست ہی نہیں رہتا' بیگن کے ساتھ آلو ہی پکیں گے' کریلوں میں قیمہ ہی ٹھونسے گا' وقت بدل گیا ہے' پر آپ نہ بدلنا۔"

"بتاؤ میں تجھے' بڑا آیا۔" وہ اسے جھڑک کر بولیں تو اس نے بھی فوراً" لہجہ بدل کر' ان کے کندھوں پر ہاتھ جماتے ہوئے پینترا بدلا۔

"میری پیاری اماں' دنیا بہت آگے بڑھ گئی ہے' اب آلو بیگن سے باہر آجائیں۔"

"ارے ہٹ نکھٹو کہیں کے۔" انہوں نے اتنی زور سے کندھے جھٹکے کہ برہان کے دونوں ہاتھ پھسل کر نیچے آگئے۔

"نہ یہ موئی دنیا کون سی آگے بڑھ گئی' کون سا اسٹیشن چھوٹ گیا تمہارا' جو ہر وقت تبدیلی' تبدیلی کا شور مچاتے ہو' تیرے منہ پر ایسا چھانپڑ ماروں کی یہ منہ آگے کے بجائے پیچھے لگ جائے گا' اور خوب بدل جائے گی تیری پرسنلٹی۔۔۔ پولیس والے سے لاٹھی کھا کر بھی کمینے کو چین نہیں پڑا' اچھے بھلے ماتھے کو آلو میں بدلوا کر آگیا' پر بھوت منہ نکلا تبدیلی کا۔"

وہ مسلسل اسے کوستے ہوئے دو دن پہلے کا واقعہ یاد دلوا گئیں۔ جب کالج میں احتجاجی دھرنے پر لاٹھی چارج ہوا اور ایک سوٹی برہان کے ماتھے کا ٹکٹ بنی۔ مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی برہان تھا۔ دلیل کے ساتھ اپنے مسلز دکھا کر جوش سے بولا۔

"اماں ایک نہیں ہزار کھالیں گے' مگر اس نظام کو بدل کر دم لیں گے' کل کا سورج ہمارا ہوگا' دیکھنا تو سہی' ابھی اس خون میں بڑا دم ہے' بڑا جوش ہے۔"

وہ اپنا زور بازو دکھاتے ہوئے دہلیز پار کر گیا اور اس کی جرات پر ابا عینک کی اوٹ سے دیکھتے رہ گئے۔ اور جیسے ہی ساجدہ بیگم نے کے بگڑے زاویوں پر نظر پڑی تو بڑبڑانے لگے۔

"اسی لیے کہتا ہوں' مت پڑھا اتنا' انہیں دکان پر میرے ساتھ بھیجا کر' تاکہ دو جمع دو کا پتا چلے' فارغ بیٹھے رکھ رکھ کر بخار' زکام ہی چڑھے گا۔"

"میاں تم ہمیشہ مجھے ہی الزام دینا۔" وہ ساجدہ بیگم ہی کیا جو ہر بات پر چپ ہو جاتیں اور جب نظر ساس پر گئی تو مزید آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ غالباً" وہ ہر معاملے سے بے نیاز سیڑھیوں کے اسٹیپ پر موڑھا رکھے ہمسائیوں سے مشترکہ دیوار پر لٹکی جانے کیا غور سے دیکھنے میں سرگراں تھیں۔

"بی جی وہاں کیا جھانک رہی ہیں' اگر گر گئیں تو اس عمر میں یہ ہڈیاں نہیں جڑیں گی۔"

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ' میں کیوں جھانکوں کسی کے گھر۔" وہ دیوار چھوڑے تسبیح والا ہاتھ کانوں کو لگاتے ہوئے مڑیں۔

"تو پھر کیا ان کے جالے صاف کررہی تھیں یا پھر ہمسائیوں کی مرغیوں کے انڈے گن رہی تھیں۔"

دادی کا ہاتھ چھوٹتے ہی سبحان تیزی سے آگے بڑھا اور ہنستے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر اترنے میں مدد کی۔ انہوں نے بھی پوتے کے سامنے چوری پکڑی جانے پر کسمساتے ہوئے صفائی پیش کی۔

"بیٹا میں تو حق ہمسائیگی ادا کررہی تھی' ہمارے رب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے' اپنے ہمسائے کی خبرگیری رکھو' ان کے کھانے پینے کا دھیان رکھو' مگر ناجی۔۔۔"

وہ نیچے اتر کر تسبیح کے دانے مسلسل گراتی ہوئی بولیں۔ "تمہارے ابا نے دیواریں ہی اتنی اونچی' اونچی کھڑی کرلیں کہ مجھ بے چاری کو سیڑھیوں کے اوپر موڑھا رکھ کر دھیان رکھنا پڑتا ہے' حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اپنی دیواریں پڑوسی کی دیوار سے اونچی نہ اٹھاؤ۔"

"فرمان تو یقیناً" ہے بی جی' مگر ہمسائیوں کی دھوپ رکنے کے ڈر سے' ان کے لڑائی جھگڑے میں چسکا لینے کے لیے نہیں کہ پہلے دل جما کر' کان لگا کر سن گن لے لو اور پھر سارے محلے میں وبا کی طرح پھیلاتے پھرو۔"

ساجدہ بیگم پہلے ہی بیٹوں کی حرکتوں سے چڑی بیٹھی تھیں اوپر سے ساس کی یہ تاک جھانک کی عادت وہ اپنی ساری کوفت نکال کر کچن میں چلی گئیں۔ اور بڑبڑاتے ہوئے سارا پھیلاوا سمیٹ رہی تھیں جو کچھ دیر پہلے ان کا منجھلا سپوت بکھیر کر گیا تھا۔ بی جی بھی انہی کی ساس تھیں جب تخت پر آرام سے بیٹھ گئیں پھولی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔ دم میں کچھ خم کم ہوا تو پاٹ دار آواز میں استفسار کیا۔

"اے بہو رانی! میں نے کون سی خبریں میڈیا پر چلادیں یا وبا کی طرح پھیلا دیں' اتنا نازل کیے۔۔۔؟"

"بی جی بس آپ رہنے دیں۔" ساجدہ نے ناگوار سا جواب دیتے ہوئے گردن جھٹکی اور پھر لمحہ تاخیر سے ہی کچن کی کھڑکی میں آکر یاددہانی کروائی۔

"کل آپ ہی سائرہ کی ماں کو بتا رہی تھیں کہ ساتھ والی کو پھر اس کے شوہر نے پیٹا۔۔۔"

"بتادیا' تو کون سا جرم کردیا۔۔۔؟ اب ہمسائے میں کوئی پیٹ رہا ہے تو دیکھیں بھی نا' کہ کیا ہوا۔۔۔ کل کلاں پولیس آجائے' کم از کم بندہ گواہی تو دے سکے' کس نے کس کو کتنا مارا۔۔۔ تجھے کیا معلوم بڑا اجر ہے گواہی دینے کا۔"

"ایسے ثواب اکٹھے کرنے کا آپ کو بڑا شوق ہے' خواہ اس شوق کے پیچھے جان سے ہاتھ دھولیں۔۔۔"

غالباً" ساجدہ کا دوسرا جملہ ان کی سماعت سے نہیں گزرا تھا اسی لیے وہ ہنس کر اپنی کھنکتی آواز میں بولیں۔

"تمہارے شوق سے یاد آیا' آج ان کے ہاں قربانی کے جانور پر لڑائی ہورہی تھی' یقین مانو ایسا زبردست لڑ رہے تھے۔" وہ ہنستے ہوئے دوہری ہوگئیں اور پوپلے گالوں سے پانی کی پھوار بھی برسی۔

"مجھے لگتا ہے بکرا ہی لیں گے' کیوں کہ بیوی تو اپنے موقف سے ہٹنے والی لگ نہیں رہی تھی۔"

وہ اپنی قیاس آرائی کرتے ہوئے بیٹے کی جانب متوجہ ہوئیں جو واسکٹ میں ہاتھ ڈالے تیزی سے باہر کی جانب لپکے۔ غالباً" اس لیے کہ اب اماں ہمسائیوں کی قربانی سے اپنے گھر کی طرف رخ موڑیں گی اور لمبا سا اسلامی لیکچر دے کر پورا بیل خریدنے کا آرڈر دے ڈالیں گی اور ایاز میاں خرچے کے نام سے ہی دہل جاتے تھے' ہاتھ پیر پھول جاتے۔ ٹھنڈے پسینے شروع ہوجاتے مگر بی جی کی آواز ان کی چال سے تیز نکلی۔

"او ایاز میاں! تم نے کوئی قربانی کا جانور وانور دیکھا بھی ہے یا نہیں۔"

"بی جی۔۔۔ فی الحال تو میں کریلے لینے جارہا ہوں۔۔۔"

ان کے صاف جواب پر بی جی نے ایسے ناک چڑھائی جیسے کریلے کا سارا کڑوا پانی ناک میں گھل گیا ہو۔

"کیوں میاں! عید پر کریلے کاٹنے کا ارادہ ہے۔"

"او خدا کا نام لیں بی جی' جانے دیں اب انہیں۔۔۔

پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔" ساجدہ بیگم کچن صاف کرتے ہوئے اچھی خاصی اکتا گئی تھیں اوپر سے بی جی کے مباحثے وہ گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

"آجائے گا قربانی کا جانور بھی 'پہلے آج کے کھانے کا انتظام تو کر لیں۔ اچھی بھلی پکی پکائی ہنڈیا کا اس باورچی کی اولاد نے ناس مار دیا۔"

ساجدہ کا ملال اپنی جگہ مگر عزت کے معاملے میں وہ پھر سے انگلی سے تنبیہہ کرنے لگے۔

"میں پھر سے کہہ رہا ہوں 'وہ میری اولاد ہے بیگم۔"

"پتا ہے 'تبھی تو ایسے نکلے۔" ساجدہ نے گردن جھٹکی اور بی جی کے برابر بیٹھ گئیں۔

"تو نہ کرتیں نا ایسی تربیت 'اللہ نے اولاد تو تمہیں خوب دی 'تین 'تین بیٹے مگر مجال کیا جو کسی ایک کو بھی ہدایت پر چلا تیں 'ایک سے بڑھ کر ایک نمونہ بنایا تم نے۔"

بی جی تسبیح کے دانے کے ساتھ ساتھ تیر بھی گرا رہی تھیں اور اس براہ راست نشتر زنی پر وہ بیٹھے بیٹھے اچھلیں۔"

"لو بتاؤ بھلا! اس سب میں میرا کیا قصور گودوں میں کھلا پلا کر جوان کر دیا اب اگر دماغوں میں خناس بھر جائے تو بھی میں ہی قصور وار 'نقصان بھی میرا کریں' مجرم بن کے کٹہرے میں 'میں۔" وہ نمی گھلی آواز میں بین کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی انگشت پر دوپٹا لپیٹے زور 'زور سے آنکھیں ملنے لگیں۔ سبحان تو بہت دیر پہلے ہی کمرے میں جا چکا تھا اور میاں فافٹ نکلنے کے لیے پر تولنے لگے۔ غالباً" انہیں اندازہ تھا کہ یہ طوفان اب تھمنے والا نہیں۔

☼ ☼ ☼

یہ تو اس گھرانے کے معمول کا دن تھا۔ ایاز میاں پکے کاروباری آدمی تھے اور اچھا خاصا کماتے تھے بلکہ کمائی سے اتنی محبت تھی کہ رقم وہ جمع دو کے بجائے دو جمع تین ہو جائے اور وہ بھی ان کے بینکوں اور تجوریوں میں۔ مگر ان کے بیٹے ذرا بھی ان پر نہ تھے تینوں کے تینوں عجیب تخلیقاتی بلکہ تخریباتی سوچ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ بڑے بیٹے سبحان نے ایف۔ اے کے بعد پڑھائی کو خیرباد کہا اور فیشن ڈیزائننگ کا بھوت سوار ہو گیا۔ وہ فیشن کی دنیا میں انقلاب برپا کر دینا چاہتا تھا اور اسی انقلابی سوچ کی بناء پر کتنی بار اماں سے مار کھائی۔ اکثر ہی ان کے ان سلے کپڑے خاموشی سے الماری سے نکالتا اور عجیب و غریب واہیات سے شلوار قمیص کے نمونے کاٹ دیتا۔ ابھی چند مہینے پہلے کی بات تھی۔ ابا نے اپنے کسی دوست کی شادی کے لیے دو اعلا سوٹ سلوائے 'کلف استری کروا کر الماری میں رکھے گئے اور صاحب زادے نے موقع پاتے ہی اماں کی بری کے بناری غرارے کے بیج بنائے اور کف بین کلٹ کر ان کے سوٹ پر مختلف انداز سے جگہ جگہ لگا دیے اور جب عین شادی والے دن یہ سرپرائز ان کے سامنے لایا گیا تو نہ پوچھو جو پٹائی ابا نے سبحان کی کی۔ ناقابل بیان زبان استعمال ہوئی اماں کو غرارہ کٹ جانے کا دکھ اپنی جگہ۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں عشق کے امتحان اور بھی ہیں سو کچھ دن ٹکور کرنے کے بعد پھر معمول پر آ گیا۔ حد تو تب ہوئی جب بی جی کے عید کے سلے سلائے جوڑے کی آستین غائب کر کے رنگ برنگی ڈوریاں لٹکا دیں اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف جگہ سے کاٹ کر دوسرے کپڑے کی فرل لگا دی۔ انتاسب کچھ تب ہوا 'جب اماں کسی رشتے دار کی عیادت کو گئی تھیں اور بی جی دوا کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ اور جب پتا چلا اور جو چھتر پریڈ ہوئی یقیناً" چیخیں پڑوسیوں نے بھی سنی ہوں گی۔ اماں کے لیے اک سبحان ہی رونا نہیں تھا بلکہ اس سے چھوٹا ارمان جس کا ہر ارمان راشن پر یاجوج ماجوج کی طرح ٹوٹتا تھا۔ وہ بہت غور سے کوکنگ شوز دیکھتا اور پھر تجربہ آزمائی اپنی مرضی سے کرتا تھا کبھی کیلے سیب کی بھجیا بنا دیتا تو کبھی کلیجی گاجر کا سوپ۔ ایک دن اس نے میٹھا کدو اور ناریل کا جوس

بنا کر اماں کو پلا دیا۔ پہلے تو انہیں ایمرجنسی میں داخل کروانا پڑا جب دو دن بعد وہ بہتر ہوئیں اور گھر آئیں تو ارمان کئی دن تک گرم اینٹ سے اپنی سینکائی کرتا پایا گیا۔

اور سب سے چھوٹے برہان نے کالج میں قدم رکھا وہ ہر چیز بدلنے کے درپے ہو گیا۔ اسے دنیا کا ہر نظام ہی غلط لگنے لگا۔ ایسی تبدیلی مغز میں بھری کہ ہار جیت کے بعد بھی نکلنے کا نام نہ لے۔ پارٹی اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا سیکریٹری بن گیا۔ اور نعرے بازی پر زور۔ بسا اوقات تو بیٹھے بیٹھے ایسے اونچے نعرے مارتا کہ اماں بیٹھی ہوئی دہل جاتیں۔ تسبیح پڑھتے پڑھتے دادی کی زبان دانتوں تلے دب جاتی پہلے پہل تو سمجھا گیا کسی آسیب کا اثر ہے مگر پھر سمجھ آ ہی گئی کہ یہ تبدیلی کا بھوت ہے جو شاید ہی نکلے۔ وہ صرف گلا پھاڑ کر نعرے مارتا یا پھر گھنٹوں جرح کرتا مگر راشن اور گھر کی چیزوں کا نقصان نہیں کرتا تھا اسی لیے ابن سے اماں کو خاص مسئلہ نہیں تھا البتہ بی جی سارا دن اصلاحی درس دیتے ہوئے اٹھتے بیٹھتے تنقید کرتی رہتیں۔ حالانکہ سن گن لینے کی اتنی عادت تھی جہاں دو فرد کھڑے دیکھے تیسری خود مل جاتیں 'فلم ڈرامہ کوئی چھوڑتی نہ تھیں مگر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ استغفار کا ورد جاری رکھتیں اور ہر سین پر نقطہ چینی کرتیں۔

ایاز میاں صبح کے گئے رات کو آتے کاروباری مسائل 'مہنگائی کا رونا' ملکی سیاست پر بحث کرتے اور بکری کے بجائے چمڑی دینے بلکہ دوسرے کی چمڑی اتار لینے کی سوچتے رہتے۔ ہاں اگر معاملہ شوبازی کا آجاتا تو دل پر ہاتھ رکھ کر خرچہ کر ہی لیتے تھے اور جب ساجدہ بیگم کو خرچہ دیتے تو دس بار گن کر دیتے اور تب تک جائز خرچ کی نصیحت کرتے رہتے جب تک اماں چلا کر نہ بولتیں۔

"میاں مجھے بھی اچھی طرح پتا ہے کہاں اور کب خرچ کرنا ہے 'کبھی یہ درس اپنے سپوتوں کو بھی دے دیا کرو۔" وہ ان کی نصیحتوں اور رونے سے تنگ آ گئی تھیں۔ وہ تو اکثر ہی چڑ کر کہتیں۔

"یہ میرا چھوٹا سا گھر نہیں بلکہ پورا پاکستان ہے' مکمل جمہوریت ہے' ہر کوئی اپنی الاپ رہا ہے' اک میں ہی ہوں بدنصیب جو عوام کی طرح پس رہی ہوں' چکی کے پاٹوں میں۔"

یہ تو اس خاندان کی معمول کی زندگی کی صرف ایک جھلک تھی۔ بسا اوقات تو اس سے بڑے بڑے واقعات رونما ہو جاتے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج کل جو مسئلہ زیر بحث تھا وہ عیدالاضحیٰ کے لیے جانور کا تھا۔ گھر میں بہت بحث و تکرار کے بعد ایاز میاں نے ایک بیل میں حصہ ڈال لیا۔ اور بیل بھی اپنے گیٹ کے باہر باندھا۔ غالباً" بڑا جانور بندھنے سے گیٹ کی رونق بھی بڑھ گئی اور محلے داروں پر رعب بھی پڑ گیا۔

اماں تو مرے دل سے ایک حصے پر راضی ہو ہی گئیں مگر بیٹے اور خاص کر تبدیلی کے علمبردار کو خاصا اختلاف ہوا۔

"یہ کیا صرف ایک قربانی؟ آخر باقیوں پر بھی فرض ہے' اور پھر ہمیشہ بیل میں حصہ ہی کیوں ڈالا جائے؟ اب وقت بدل گیا ہے 'تبدیلی آ گئی ہے! میں تو اپنی قربانی خود لاؤں گا۔" اس نے نا صرف کہا بلکہ اپنے ذاتی جیب خرچ میں سے ایک دبلا پتلا بکرا بھی ہمراہ لے آیا۔

"آئیں! یہ کیا لے آئے تم۔" بکرے کی حالت دیکھ کر نہ صرف اماں نے دانتوں میں انگلی چبائی بلکہ بی جی کا منہ بھی کھلا رہ گیا۔

"اماں نظر ٹیسٹ کروائیں' یہ بکرا ہے 'بکرا۔" وہ تلملا گیا۔

"کیا نظر لگ گئی ہے اسے یا پھر پروگینڈا!" اٹھو پیاسے اٹھا لایا ہے۔ پیٹ تو دیکھ 'کیسا اندر دھنسا پڑا ہے۔"

اماں کے طنز پر بکرے کی "میں 'میں" شروع ہو گئی غالباً" توہین پسند نہیں آئی تھی۔ بی جی نے اسے پچکارتے ہوئے اپنے قریب کیا اور بہو کو بھی نصیحت کرنا نہ بھولیں۔

"بھو رانی اللہ نیت دیکھتا ہے' پیٹ نہیں۔۔۔ اور ویسے بھی چھوٹے جانور کی چانپیں بہت نرم اور لذیذ بنتی ہیں ایسا کرنا وہ میرے لیے رکھ دینا۔"

"ہرگز نہیں' بالکل نہیں۔۔۔ میں اس کا سارا گوشت اپنی پارٹی ممبرز میں تقسیم کروں گا۔۔۔ اب تبدیلی آگئی ہے فریزر بھرنے نہیں دوں گا۔"

یہ دعوا اکیلے برہان کا نہیں تھا بلکہ ابا میاں نے پہلے دن ہی سب سے اچھا گوشت اپنی تاجر انجمن میں بانٹنے کا اعلامیہ جاری کروا دیا تھا۔ جب کہ ارمان کو ہنر آزمائی کے لیے بہت سا گوشت چاہیے تھا۔ بھلے پکنے کے بعد اسے چیل کوے ہی کھائیں جب کہ سبحان گوشت مقبول ماڈلز کے گھر بھجوانا چاہتا تھا۔ غالباً" مستقبل قریب میں وہ اس کے تیار کردہ ڈریسز کی پبلسٹی مفت میں کردیں۔ اور آرڈرز آنے لگیں۔ بی جی کو نرم بوٹیوں کی فکر تھی۔ سب کی الاپ اپنی' اپنی جگہ۔ مگر اماں مطمئن تھیں۔ غالباً" انہیں خود یقین تھا کہ گوشت سب کی نظروں سے کیسے اوجھل کرنا ہے۔ اور کہاں چھپانا ہے' اسی لیے خاموش رہیں۔

آج وہ دن بھی آگیا جس کی بحث کئی دن سے چل رہی تھی۔ سب لوگ تیار ہو کر نماز کی ادائیگی کے بعد قصائی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ قصائی تو دن چڑھے تک نہ آیا۔ البتہ برہان ہانپتا کانپتا اندر آیا۔

"اماں' اماں۔۔۔ وہ بیل مارچ کے لیے نکل دوڑا۔۔۔ اور سب جتھے دار مارچرز بنے اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔" اماں کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"کیا بکواس کررہا ہے تو۔"

"سچ کہہ رہا ہوں اماں!"

وہ شہ رگ پکڑ کر بولا۔

"اماں وہ رسی تڑوا کر بھاگ گیا' اور ابا سبحان کو پیٹ رہے ہیں۔"

"تو بھلا اس میں سبحان کا کیا قصور' سب کیا دھرا تیری دادی کا ہے۔ سارا دن اونچی آواز میں ٹی۔وی پر خبریں سنتی ہیں اور ساتھ وہ تیرا فاقہ زدہ بکرا۔ انہوں نے ایک دھمو کا خبر رساں کی کمر پر جڑا۔

"وہ کم بخت ہر وقت اس کے ساتھ بیٹھا رہتا تو کل میں نے خود دیکھا تھا' وہ مذاکرات کرنے بیل کے پاس گیا تھا' یقیناً" اسی منحوس نے کوئی پٹی پڑھائی ہوگی' جبھی وہ باغی ہو کر بھاگ گیا۔"

"نہیں' نہیں اماں۔۔۔ میرے بکرے کو کچھ مت کہنا' اس کا کوئی قصور نہیں۔" وہ اپنا کندھا سہلاتے ہوئے قدرے پرے ہٹ کر کھڑا ہوا غالباً" دوبارہ اٹیک نہ ہو جائے۔

"وہ جو خود کو بہت بڑا ڈیزائنر سمجھتا ہے نا' یہ سب اسی کی کارستانی ہے' اس نے آپ کے شادی والے دوپٹے پر ڈھیروں گھنگرو' ہار اور رنگ برنگے پھول جڑے' اور سہرے ڈوریوں سے اسے باندھ کر کیٹ واک کروانے جارہا تھا۔۔۔ وہ بے چارا تو دھاندلی کا شور مچاتا بھاگا' سوچ رہا ہوگا آیا تو قربانی کے لیے تھا اور کر شادی رہے ہیں۔۔۔ تب ہی تو ابا سبحان کی کمر پر تالیاں بجا رہے ہیں۔"

اس نے خوب مزے لے' لے کر پوری روداد سنائی اور اماں دانت کچکچاتی ہاتھ ملتی رہ گئیں۔ جب کہ بی جی سینے پر ہاتھ رکھے ہل رہی تھیں ساتھ ساتھ زور و شور سے تسبیح کرتے ہوئے بیل کے لیے ہدایت کی دعا مانگ رہی تھیں جو رنگ لے آئیں۔

خیر اللہ' اللہ کر کے وہ لمحہ بھی آگیا جس کا انتظار تھا۔ یعنی گوشت کی تقسیم کا۔ سب نے اماں کے ارادوں کو ملیا میٹ کیا اور اپنا اپنا گوشت سمیٹ لیا اور گوشت شاپروں میں ڈال کر ساتھ پرچیاں بھی چسپاں کیں۔ گوشت بانٹنے کی ڈیوٹی تینوں لڑکوں کی لگائی گئی۔

وہ تینوں ابا کی پرانی سی سوزکی میں گوشت ٹب' بالٹی میں پیچھے رکھے لے جارہے تھے سبحان نے گوشت دو تین مشہور ماڈلز کے ہاں پہنچانا تھا۔ جب کے بڑے بڑے شاپرز ابا کے ملنے والے بڑے دکان داروں کے تھے۔ برہان نے اپنے بکرے کی طرف کسی کو دیکھنے بھی نہیں دیا تھا اس نے سارا گوشت اپنی پارٹی فیڈریشن کے لیے رکھا تھا۔ جب کہ ارمان کا حصہ گھر میں تھا جس پر جا کر تجربے کرنے تھے۔

☼ ☼ ☼

گاڑی بہت سے ہجوم میں پھنسی کھڑی تھی۔ اور تینوں بھائی اکتاہٹ و بے زاری سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اور سبحان تو بہت دیر سے ایک ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ یقیناً" کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔ ویسے تو وہ اکثر ہی سڑک پر سوچوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ غالباً" لوگوں کے لباس دیکھ کر نت نئے ڈیزائن ذہن میں آتے تھے۔ یا پھر بڑے بڑے بل بورڈز پر لباس دیکھ کر خود سے ردوبدل کرنے کا سوچتا رہتا تھا۔ مگر آج اس کی نگاہیں نہ بل بورڈ پر تھیں نہ ہی لوگوں کے لباس پر بلکہ سامنے فٹ پاتھ پر بیٹھی اک کم عمر عورت پر تھیں۔ جس نے گدلے کھونچ زدہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ اور گود میں ایک چھوٹا سا بچہ اٹھا رکھا تھا۔ بچے کے ہاتھ میں کوئی گلا سڑا پھل تھا جو وہ مزے لے کر کھا رہا تھا۔ پھل کا جوس انگلیوں سے بہہ کر کہنی تک جاتا اور وہ پھل چھوڑ کر جوس چاٹنے لگتا۔ وہ انہیں دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ برہان کے کئی بار پکارنے پر بھی وہ نہ چونکا۔ تو اس نے اسے بازو سے پکڑ کر ہلایا۔

"کیا ہو گیا کہاں گم ہو گئے۔"

"یار وہ سامنے۔" اس نے بغیر گردن ہلائے گم آواز میں آنکھوں کے اشارے سے بتایا۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں ان دونوں نے دیکھا تو یک جان بولے۔

"کیا دیکھیں۔۔۔ وہاں تو کچھ خاص نہیں ہے۔۔۔ بس ایک عورت اور بچہ ہے۔"

"ان کے کپڑے۔۔۔ یار ان کے پاس کپڑے نہیں۔"

"تو تم ڈیزائن کردو ان کے لیے۔" ارمان نے اس کے سنجیدہ انداز کو چٹکیوں میں اڑا دیا۔

"کاش۔۔۔ کاش! میں ان کے لیے ڈیزائن کرتا۔۔۔ یار میں نے کتنے کپڑے برباد کیے اور مار بھی کھائی کاش! میں وہ کپڑا ایسے لوگوں کو دیتا۔ جن کا بدن ڈھک جاتا۔ آج عید کا دن ہے' کیا ان کی عید نہیں ہے۔۔۔؟" اس کی آواز ڈوبتے ڈوبتے کہیں دور سے آرہی تھی اور کان میں صبح سننے والی تلاوت۔

"بے شک وہ سوال نہیں کرتے مگر ان کی شکلیں اور حلیے واضح کرتے ہیں۔" وہ آنکھیں قدرے چھوٹی کرتے ہوئے برہان اور ارمان کو باری باری دیکھنے لگا اور پھر برہان سے بولا۔

"یار تم تبدیلی کا نشان بنے پھرتے ہو' یہ کیسی تبدیلی ہے کہ آج بھی ہم اپنے بھرے ہوئے ساتھیوں کو بھرنے جارہے ہیں' صرف اپنے مفاد کے لیے' حالانکہ آج کا دن تو خاص انہی کے لیے اتارا گیا ہے' پھر بھی۔۔۔ یہ کیسی تبدیلی ہم چاہتے ہیں' کردار اور عمل میں تو کر نہیں سکتے نظام میں بھلا کیا لائیں گے۔"

"مگر اب نہیں۔"

برہان جو اس کی تقریر سے سکتے میں آگیا تھا یک لخت جوش سے بولا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اور ٹب میں سے اپنی فیڈریشن کے شاپرز میں سے ایک بڑا شاپر نکالا اور جیب میں سے عیدی وہ لے جا کر اس عورت کو تھما دیا اور بچے کو جیب میں سے چاکلیٹ نکال کر دی۔ بچہ مسکرایا تھا۔ اور اس کی فطری مسکراہٹ میں ہی اصل جیت تھی۔

"تبدیلی آنے کی نہیں' آگئی ہے۔" اس کے گاڑی میں دوبارہ بیٹھتے ہی ارمان نے نعرہ لگایا۔

"گر عمل اور کردار تبدیل ہو جائیں تو سب کچھ خود بخود بدل جاتا ہے۔"

ارمان کے کمنٹس کی تائید باقی دونوں نے سر ہلا کر کی اور ابا کی پروا کیے بغیر گاڑی کا رخ آئی۔ ڈی پیز کے کیمپ کی جانب موڑ دیا۔ غالباً" گوشت ان میں تقسیم کر کے انہی کے ساتھ عید منانے کے لیے۔

☼ ☼

سائرہ رضا

سودہ کا کرحالہ

ٹن ٹن۔۔۔ ٹاخ ٹاخ۔۔۔ چل چل۔۔۔ آگے لگ اوئے ادھر سے آگے لگ۔۔۔ ٹن ٹن۔۔۔ ٹوچ ٹوچ۔۔۔" منہ سے عجیب و غریب سیٹی جیسی آوازیں۔۔۔ سودہ کے کان میں پڑیں تو وہ اچھل پڑی۔

"تھو کرما! بس ہو گیا ختم دودھ اب پیچھے بھاگ جا۔ ابا نے تجھے اس طرح پیالے کو منہ لگائے دیکھا تو تین دن تک اس کا غصہ نہیں جانا کہ کام کا نہ کاج کا اور دشمن اناج کا۔۔۔ اٹھ شاباش اٹھ۔"

اس نے منہ سے کہتے ہوئے ہاتھ سے بھی اسے دھکیلا مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ گردن موڑے دودھ کو دیکھنے لگا جس میں ابھی دودھ تھا۔

"اف توبہ کرم خان اتنی جان اور دل کیری سے چھوٹا۔ چل اسے بھی پکڑ لیتی ہوں۔"

وہ ہڑبونگ کا شکار ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ میں پیالا پکڑا اور تیزی سے مکروبے قدموں چھپر کچن سے نکل کر پچھواڑے آ گئی جہاں ان دنوں کرما کی رہائش تھی۔ وہ بستر وغیرہ درست کرنے لگی۔ کرما اس کی عجلت سے بے نیاز دودھ کی جانب متوجہ تھا۔

"سودہ۔۔۔ سودہ کہاں چلی گئی تو!" ابا برآمدے میں کھڑا اونچی آواز میں پکار رہا تھا اور اسے بخوبی اندازہ ہوا کہ وہ غصے میں ہے۔ اس نے بلا ضرورت بڑی لکڑی شانے پر دھری اور آ گئی۔ ابا کو پتا نہ چلے وہ کرما کے پیچھے گئی تھی۔

"کیوں آوازیں دے رہا ہے ابا! میں نے کہاں جانا ہے۔" وہ مصنوعی مگن و مصروف انداز میں بولی۔

"اوئے جانے کی بچی ذرا میرا حال دیکھ تو۔"

"ہائے ابا۔۔۔" وہ لکڑی پھینک تیر کی طرح ابا کے سر پر پہنچ گئی۔

"یہ کیا ہو گیا ابا! کہاں سے آ رہے ہو؟" حیرت سے ابا کا حلیہ دیکھ رہی تھی۔ ابا تو گارے میں لوٹ کر آیا تھا۔

"میں سینما گیا تھا فلم دیکھنے۔" اس کے تو سر پر لگی دانت کچکچا لیے۔

"اس چتکبری کے کالے پتر نے تو آج مجھے نہر میں ڈبو ہی دیا تھا۔ بس میری قسمت کہ زندہ آ گیا ہوں۔" ابا نے صافہ اتار کر چارپائی پر پھینک دیا۔

"گرم پانی ڈال دے اور کپڑے نکال دے۔ دودھ میں ہلدی بھی ڈال دے اور ایک پتھر گرم کرنے کو رکھ دے ٹکورے کے لیے۔۔۔ ہائے گوڈے پر بڑے زور کی لگی ہے۔" سودہ نے تیزی سے پلٹ کر لکڑی بڑھائی اور بڑے پتیلے میں پانی بھر کر چولہے رکھ دیا پھر بڑی پیٹی سے کپڑے اور گرم کھیس لے آئی۔ چھوٹی سی بالشت بھر لمبی جلتی سرخ لکڑی کو ڈنڈا مارا تو وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بدل گئی۔ اسے فرش پر ایک فٹ تک گول بچھا کر دودھ کی پتیلی رکھ دی۔

"ایسے کرتب کرتے چلتا ہے جیسے سرکس میں ہو سب سیدھے سیدھے گھر کی طرف منہ کر کے چلتے ہیں۔ یہ بے غیرت شودا اچھلا ٹکیں مارتا ٹیڑھا میڑھا چلتا ہے۔ ادھر چوہدری زمان کی زمینوں کے پاس نہر کا بنا کمزور تھا۔ گر گیا۔۔۔ اور پھر جو شور ڈالا اس نے سیکلے تو دل چاہا بے غیرت کو ڈوبنے دوں پھر ادھر ڑالی والا شفیق آ رہا تھا اس نے ہمت دکھائی۔ میری ٹانگیں کھینچ لی تھیں، بے غیرت نے۔۔۔ سارا جسم ہل گیا میرا جوڑ جوڑ۔۔۔ ہائے۔" باتیں کرتے ہاتھ ہلاتے پتا چلا کہنی بھی بری طرح چھل چکی ہے۔ سودہ منہ اور آنکھیں پوری طرح کھولے داستان سن رہی تھی۔

"پتا نہیں ماں نے کیا کھا کر پیدا کیا۔" ابا نے پھر ماں بیٹے کو گالی دی۔

"اوں ہوں ابا! زبان نہ گندی کر۔"

"ہاں اس نے مجھے سارا گندا کر دیا تو آئی طرف دار نی۔" ابا جل بھن گیا۔ "چل پانی ڈال دے کوسا کوسا ہی چاہیے۔" سودہ نے پانی ڈالا اور سالن گرم کرنے اندر چلی گئی پھر دھیان آنے پر الٹے قدموں پلٹی۔

"پر ابا! کلا ہے کہاں۔۔۔ اسے بھی تو چوٹ لگی ہو گی ہائے۔" اس کے دماغ میں ایک خیال بھالے کی طرح لگا۔

"ابا! وہ زندہ تو ہے۔ تم اسے لائے ہو نا۔ وہ ہے کہاں؟"

"اس بے غیرت کو کیا ہونا ہے۔ آرہا ہو گا شفیق کے ساتھ" ابا بھناتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔

☼ ☼ ☼

ساری رات ابا ہائے ہائے کرتے سویا۔ ہر کروٹ پر ابا کی ہائے اور چارپائی کی چوں چوں۔ سوہ بھی سکون سے نہ سو سکی۔ اذانوں سے بہت پہلے ہی اٹھ کر کالے کو دیکھنے چلی گئی۔ رات شفیق حکیم سے پٹی کروالایا تھا اور کالے نے بھی رات جب جب آواز نکالی' درد سے بھری ہوئی تھی۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ حکیم نے لکڑی کی پھٹیوں سے جوڑ کر سیدھی رکھی تھی مگر صبح جب اس نے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ اس کا دل بھر آیا۔ وہ کالے کے قریب بیٹھ گئی۔

"بہت چوٹ لگی ہے نا۔ تو تو سیدھا چلتا کیوں نہیں۔ ابا کو سب سے زیادہ شکایتیں تجھ ہی سے ہیں۔ ذرا جو نچلا بیٹھ جائے اور اب کیسی بے بسی ہے۔ تو باز کیوں نہیں آتا۔"

کالے نے نگاہیں اٹھا کر سوہ کا چہرہ دیکھا۔ سوہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہاں بے بسی' تکلیف' افسوس اور نجانے کیسی کیسی کیفیت تھی۔ سوہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا۔

"اب درد تو سہنا پڑے گا نا میرے لاڈلے! چل ابھی ابا اٹھے گا تو حکیم والی دوائی دیتا ہے تجھے۔ تھوڑی دیر میں درد بھاگ جائے گا ایسے۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"تو آرام سے بیٹھ تو میں کھانے پینے کا بندوبست کروں۔" اس نے احتیاط سے اس کا پیر نیچے رکھنا چاہا مگر۔ جانے انجانے میں پتا نہیں کہاں درد کا طوفان اٹھا۔ کالے کی چیخ و پکار نے سارے احاطے میں شور ڈال دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی سب چلانے لگے۔ سوہ نے کالے کو تھپکا مگر وہ کھڑا ہونا چاہتا تھا۔

"اوئے کیا ہوا چور گھس گیا کیا اندر۔" ابا چلاتا ہوا اندھا دھند باڑے میں داخل ہوا۔ منہ سے مغلظات کا طوفان۔

"اوئے تو یہاں کیا کر رہی ہے۔"

"ابا! میں کالے کے پاس آئی تھی اسے بہت تکلیف ہے۔" درد سے چیخا تو یہ سب بھی ڈر گئے ہیں۔ اوئے چپ کرو۔ یہ میں ہوں سوہ۔ ابا سب ٹھیک ہے۔"

سوہ نے ابا کو وضاحت دی' پھر ان سب کو ڈانٹ کر چپ کروایا پھر بلب جلانے لگی۔ روشنی پھیلتے ہی سب کے سب خاموش ہو گئے۔ روشنی میں سوہ کا ملائم نرم چہرہ اور ابا کی آواز سب کے لیے طمانیت کا باعث تھی۔

"اوئے صبح نے پہلے صبح کر دی۔ ابھی تو آنکھ لگی تھی۔" ابا اپنے مخصوص انداز میں دھاڑا۔ سوہ پھر کالے کی جانب متوجہ ہوئی' جو ابا کا چہرہ تکے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بے چارگی۔

"اوئے میں کوئی تیرا دشمن تھا۔" ابا کالے کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ پہلے خاموش نگاہوں سے ابا کا چہرہ دیکھتا رہا پھر ذرا سا منہ آگے کر کے اپنا منہ ابا کے شانے پر رکھ دیا۔ سوہ کی پلکیں پھر بھیگ گئیں۔ وہ باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اگلے پندرہ دن میں بہر حال یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ کالا لنگڑا ہو گیا ہے مگر اس نے نچلا بیٹھنا سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ چاروں پیر زمین پر جماتا' مگر چال نے اب ذرا سا لہرانا شروع کر دیا تھا۔ کالا بہت اونچی کاٹھی کا تھا۔ ابا کی اس سے بہت توقعات تھیں۔ کم از کم تیس ہزار کا مال تھا' جو اب کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ اڑسٹھ جانوروں کے ریوڑ میں جن پر ابا کے سال بھر کے خرچ کے نکلنے کی امید تھی ان میں ایک کالا بھی تھا اور اب شاید عید کے بعد شہر والے قصائی کو کم داموں میں بیچنا پڑتا۔ ابا کو بہت دکھ تھا۔ اس سال کے خرچے بہت زیادہ تھے اور سال کے آخر میں جب منافع کا وقت آیا تو ایک ماہ کے اندر ریوڑ میں نقصان پہ نقصان ہو گئے۔ ایک بکری چار بچے پیدا کرتے ہوئے مر گئی بچے بھی ساتھ۔ ابھی اس صدمے سے ابھرنے نہیں پائے تھے کہ عید سے مہینے پہلے رات کے وقت چور باڑے میں گھسے اور کم از کم ڈیڑھ لاکھ مالیت کے چھ بکرے لے گئے۔ ابا نے ان

دنوں اپنی چارپائی وہیں احاطے میں رکھی تھی مگر اسے بھی کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ صبح تڑکے جاگنے والا ابا ساڑھے آٹھ بجے تک سوتا رہا۔ جانوروں کے چلانے پر جب سوہ وہاں پہنچی تو کنڈی جھول رہی تھی اور چھٹے بکرے غائب۔

ابا بے سدھ ساری احتیاطی تدابیر بے سود۔

وہ کھڑے کھڑے سب جان گئی' ابا کو بے ہوشی والی کوئی شے سنگھائی گئی تھی اور بکروں کو بھی کہ شام مین روڈ پر بہت دور لہراتا بکرا ملا۔ وہ نیم جان تھا۔ جیسے بس مرنے کو ہو' مگر نہیں وہ نیند میں تھا نشے والی نیند۔ کھوجی سے کھرا نکلوایا گیا۔ اللہ جانے چور کون تھے کہاں سے آئے تھے' اپنے گاؤں کے تھے یا باہر کہیں سے ٹوہ لگا کر آئے تھے' جو بھی تھا' پوری پلاننگ اور کامیاب رہے۔ کھرا مین روڈ پر ختم۔

"یہاں سے ہی جانوروں کو شہ زور ٹرک میں چڑھایا گیا۔ بس اب آگے یا تو ادھر گئے یا ادھر اور جلدی میں یا کسی بھی اور وجہ سے یہ اکیلا بکرا رہ گیا۔ وہ مین روڈ کے نزدیکی باڑے سے ایک گائے بھی لے گئے تھے۔" ابا مردہ قدموں گھر لوٹ آیا۔ یہ تیار دھان کے کھیت میں آگ لگ جانے والی مثال تھی۔

افسوس کے لیے سارا گاؤں اکٹھا تھا۔

"اس پورے سال میں جس شے کو ہاتھ لگایا' برباد ہو گئی۔ ہر اچھی خاصی چیز خراب ہو گئی۔ پہلے اللہ بخشے عمران چلا گیا۔ یہ جوان جہان بھرا۔ بھرجائی کے بعد اسے پتر کی طرح پالا' پھر جوائی بنالیا۔ یہ مزے کی حیاتی بن گئی۔ پنی نظروں کے سامنے۔ تین بندوں کا گھر ہستی اور خوشی' وہ نمانا چار دن کی خوشی لایا۔ مجھ بڈھے کے ہوتے۔" ابا کی آواز رندھ گئی۔ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بجائے اس کے میں اس کندھوں چڑھ جاتا اس نے بڈھے وارے مجھ سے کام لے لیا۔ پھر اگلی خوشی سے امیدیں باندھ لیں تو وہ نمانی بھی چار سانسیں لے واپس اسی کے پیچھے۔ مجھ ہی سے کوئی غلطی ہوئی ہو گی۔ اللہ ناراض لگتا ہے۔" بلند بولتے بولتے ابا کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ سوہ کی سسکی نکلی۔ حاجرہ اماں نے سوہ کو گلے لگا لیا اور وہ بھی رو پڑی۔ انیس برس کی عمر ہو گی۔ عدت کے دوران پیدا ہونے والی بچی بھی فوت ہو گئی۔ اب ایک اکیلی وہ دوسرا ابا اور اتنے سارے ڈھور ڈنگر۔ سارا سال جانور چراتے پالتے سنبھالتے اور عید قرباں پر اچھے دام ملتے تو سو ضرورتیں پوری کی جاتیں۔

"سونے کو بھی ہاتھ لگایا تو مٹی ہو گئی۔" ابا کی خود کلامی جاری تھی۔

"ایسے نہیں کہتے اسحاق۔" مولوی صاحب بولنا شروع ہوئے۔

"اللہ کی مصلحت۔ اس کی چیز تھی۔ دینے والا بھی وہ لینے والا بھی۔ توبہ استغفار کرو اگر لگتا ہے اللہ ناراض ہے مگر یہ سن لو۔ سب ہی سن لو' اللہ ناراض ہوتا نہیں۔ ناراضی برابر والے سے ہوتی ہے اور اس کی برابری کرنے والا دوسرا کوئی ہے نہیں۔ وہ تو بس آزماتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ اس کے وحدہ لاشریک ہونے کو دل سے بھی مانتا ہے یا بس مسلمان ہونے کو ڈنڈے کے زور پر یاد رکھے ہوئے ہے۔ ان سب کو بھی تو دیکھ جن کے پورے پورے ریوڑ سیلاب میں بہہ گئے۔ دو نفل شکرانہ پڑھ کر رب سے کہہ دے کہ شکر میرے مالک کسی بہت بڑے نقصان سے یہ بھلا۔ اور آئندہ کے لیے توبہ۔ بس۔"

سب لوگ بڑی عقیدت سے سن رہے تھے۔ ابا کا دل بھی ٹھہر رہا تھا۔ سوہ کے رونے میں اور شدت آگئی۔ اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ تب کالا موقع پا کر اس کی چارپائی کے نزدیک خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ اس کے پیروں کو چھو رہا تھا۔ سوہ نے اس کے چہرے پر نگاہ کی اور پھر شدت سے رونے لگی' جو خالی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دل کے اندر جیسے کسی نے تیز چھری اتاری بھائی اسحاق!" شام ڈھلے حاجرہ اماں کے صحن میں آکر بیٹھی تھی۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ عمران کو کسی بھولا ہی نہیں۔" ابا بھی چونکا اور سودہ بھی۔

"نیک شریف بھرو جوان۔ بیبا بچہ۔ مجھے نہیں لگتا کبھی کسی کو اس سے کوئی شکایت ہوئی ہو۔ کتنی مرتبہ تو میرا سبزی کا گٹھر اٹھالیتا تھا۔" وہ پُرملال چہرے کے ساتھ اسے یاد کررہی تھی۔ سودہ زمین پر چوکی رکھ کر بیٹھی تھی۔ آڑی ترچھی لکیریں مٹی پر تنکے سے کھینچتی رہی۔ ابا حق ہا کرنے لگا۔

"کہتے ہیں مردوں کو یاد کرنے کا بھی نیم ہوتا ہے ساب ہر وقت کیا دکھ پھلو ڑنے بیٹھ جاؤ۔ اب تم باپ بیٹی اپنے کام دھندوں میں الجھے 'میں نے آکر نیا سیاپا ڈال دیا مگر بس دو دن سے وہ نظروں کے آگے آکر کھڑا ہے۔" سودہ بری طرح چونکی۔

"ہر طریقے سے نظر آجاتا ہے۔ اسکول جاتا ہوا۔ موٹر سائیکل پر گزرتا اور جب دولہا بنا۔ کوئی کوئی ہی اتنا جچتا ہے۔" وہ سامنے دیوار پر یوں نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ جیسے اسے ابھی بھی یہ مناظر واضح دکھائی دیتے ہوں۔ سودہ نے لمبی سانس کھینچی۔

"ہاں کوئی کوئی دولہا بن کر اتنا جچتا ہے۔" وہ خود اندر والے کمرے میں دولہن بن رہی تھی۔ جب اس کے تیار ہو کر صحن میں آنے کی خبر ملی۔ وہ اپنی تیاری وہیں چھوڑ کر بھاگی تھی۔ دروازے کی جھری سے اسے دیکھنے لگی۔ تو جیسے گردو پیش کو بھول بیٹھی۔ نوٹوں کے ہاروں میں چھپا ہوا تھا وہ۔ یار دوستوں کے مذاق پر یا تو چپ رہتا۔ یا کوئی جملہ کہہ دیتا۔ کبھی خوش مزاجی سے قہقہہ بھی لگالیتا۔ شرما تو نہیں رہا تھا مگر ایک سرخی اور چمک سودہ کو دور ہی سے دکھتی تھی۔ جب عمران تھا تو اسے کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ کسی سے اس کے بارے میں بات کرتی۔ اور جب وہ نہیں رہا تو کوئی اس سے عمران کی باتیں کرتا ہی نہیں تھا۔ مبادا وہ دکھی ہو۔ کہیں وہ رو دے۔ صبر و ضبط کی طنابیں چھوٹ جائیں۔ مگر پتا نہیں آج اماں حاجرہ کو کیا ہوگیا۔ اندر آئی اور چھوٹتے ہی شروع ہوگئی۔

"اور عمران ہی کیا 'سودہ جیسی موہنی اور روپ والی دلہن بھی کوئی نہیں دیکھی میں نے۔ چن تارے کی جوڑی تھی 'چن تارے کی 'ہاں اماں۔ چن بدلاں دی اوٹ میں چھپ گیا تے تارہ ٹوٹ کے اللہ جانے کہاں گرا۔" اس کا دل سسکا۔

"یہ نہیں ہے کہ عمران زیادہ یاد آتا ہے سودہ کو دیکھوں تو عمران آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور عمران کو سوچوں تو سودہ۔ رب سوہنے نے سنگی ساتھی کی جوڑی ایسی بنائی ہوتی ہے کہ اکیلے تو کوئی یاد آتا ہی نہیں۔ ایک کا نام لو تو دوسرا بھی کھٹ نظروں کے سامنے۔"

"یہ چپ رہتی ہے۔" ہاتھ سے سودہ کی جانب اشارہ کیا۔ "نظر ہی نہیں آتی۔ مگر ہے تو ناں۔ کل جب سب کے بیچ و بیچ بیٹھ کر روئی تو میرے کانوں سے وہ آواز جاتی نہیں۔ مجھے دھیان آنے لگا۔ رونے کا موقع ہی بن گیا خوامخواہ لیکن عمران کو رونے کے لیے موقع تھوڑی ڈھونڈتی ہوگی۔"

سودہ کی پلکیں برسنے لگیں۔

"اس کے خالی کان ہاتھ۔ یہ بدرنگے کپڑے۔ آج ماں زندہ ہوتی تو دل پر ہاتھ پڑتا اور تو بھائی اسحاق۔ تجھے تو کچھ پتا ہی نہیں ہوتا اپنے ڈھوروں کے علاوہ۔"

سودہ نے ایک بار پھر الجھ کر اماں حاجرہ کو دیکھا۔ یہ بے موقع قصہ اور تمہید کا مقصد؟ اماں حاجرہ نے جیسے آنکھیں پڑھ لیں۔ ذرا سا چونک کر اپنی گود میں چھپا کر رکھا شاپر پلٹ دیا۔ گلابی جارجٹ کاڑھی بیل جوڑا۔ ایک خوشی دیتا رنگ۔

"دیکھ دھیئے! بیوہ ہونے کی بیچ میں کوئی عمر طے نہیں ہوتی۔ جب اللہ کا حکم ہو تو بس۔ لیکن پہننے اوڑھنے کی ایک عمر اور وقت ہوتا ہے۔ ہوتی جو تو چار بچوں کی ماں چالیس سے اوپر تو کبھی یہ جوڑا نہ لاتی۔ مگر تیرے ساتھ کی تو ابھی بیاہی بھی نہیں گئیں۔ بس کل میرے دل کو لگ گئی۔ یہ میری بیٹی کا سب سے اچھا جوڑا ہے۔ عید کے دن اس کو پہننا۔ اپنے باپ کے گھر عزت سے بیٹھی ہے۔ اچھا کھلایا پلا کر۔ پہنا اوڑھا کر سمجھی۔" سودہ کا حیران چہرہ غم کی تصویر بن گیا۔

اس کے پاس بہت سارے جملے تھے۔ جواب۔ جواب۔ ایک لمبی کہانی اور بحث 'لیکن وہ کچھ نہ بول سکی۔ اس نے آنسوؤں کو بہنے دیا تھا۔ ابا کو بھی ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ پہلے ہی بڈھا تھا مگر اچانک سو سال کا قبر سے بھاگا بابا لگنے لگا۔ یہ نزاکتیں۔ باتیں 'احساسات۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کے اپنے صافے سے آنکھیں رگڑنے لگا۔

ماں حاجرہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے ہائے وائے کرتی بمشکل اٹھی۔ ساکت اور سوچوں میں گم سودہ کے سر پہ ہاتھ رکھا اور دہلیز پار کر گئی۔

☼ ☼ ☼

ابا اپنے جانور لے کر شہر نہیں جاتا تھا۔ سالہا سال سے قریبی شہر کے چند افراد اس کے مستقل گاہک تھے۔ جو آنکھیں بند کرکے جانور لے لیتے۔ شہر جانے میں بہت سے مسائل تھے۔ پہلے عمران اور سودہ چھوٹے تھے۔ پھر بڑے ہوگئے۔ دونوں صورتوں میں انہیں اکیلے گھر میں چھوڑنا مشکل تھا۔ پھر ابا اپنے کول دائرے میں خوشی خوشی گھومنے کی فطرت والا آدمی تھا۔ جب گھر بیٹھے بہت زیادہ مشقت اٹھائے بنا کام ہو سکتا ہے تو لور لور پھرنا چہ معنی۔ اپنی سوچ میں کافی حد تک درست بھی تھا۔ جب اسے شہروں میں جا کر رہنے اور جانور بیچنے والوں سے زیادہ سہولت اور فائدہ مل جاتا تھا تو پھر اتنی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ چار سال پہلے عمران کی فرمائش پر ابا لاہور شہر کی منڈی بائیس بکرے لے کر گیا۔ دو بیمار ہو کر مر گئے۔ دو بکرے تو سرباز لے گئے۔ باقی کھانا 'پانی 'رہائش کرایہ اور بھتے چندے دینے کے بعد اتنا کم منافع ہاتھ آیا کہ سال بھر کا خرچ بھی پورا نہیں پڑا۔ الٹا نقصان ہوگیا۔ عمران شرمندہ ہوگیا۔

☼ ☼ ☼

"ماں کی محبت پر مجھے رتی برابر شک نہیں ہے کرم خان۔ سننے والے بھی بہتیرے اور بولنے والے بھی اور دیکھنے والی بھی دنیا۔ مگر نظر کسی کسی کو ہی آتا۔ اماں حاجرہ کیا سمجھی 'میرے پاس پہننے اوڑھنے کو اب کچھ رہا نہیں۔ دیکھ یہ دیکھ ذرا۔" اس نے سفید کاٹن کے کور والا کڑھائی سے سجا کپڑا اٹھایا اور وزنی بکس کو تمام تر طاقت لگا کے اٹھا کر پلنگ پر رکھ دیا۔ دوپٹے کے پلو سے بندھی چابیوں کے گچھے سے ایک چھوٹی چابی شناخت کی اور بکسے کو کھول لیا۔ اندر بڑے ہی سلیقے طریقے سے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ تہہ در تہہ۔ ہینگرز میں اور کچھ شاپرز کے اندر۔ تقریباً" تمام ہی کپڑے وہ کئی بار پہن چکی تھی۔ مگر وہ آج بھی نئے لگتے تھے۔ ان کی چمک دمک ماند نہیں پڑی تھی۔ اس نے گلابی کامدانی سے سجا جوڑا اٹھایا اور خود سے لگا کر کرم خان کی جانب دیکھنے لگی۔

"شادی کے بعد پہلا ہی جوڑا پہنا تھا۔ اور یہ میرون کورے دبکے والا اتنا بھاری جوڑا پورے پنڈ میں کسی لڑکی کے لیے آج تک نہ آیا۔ پتا نہیں عمران کہاں سے خرید کر لایا تھا۔"

سودہ کا چہرہ یادوں سے لپٹ کر گل رنگ ہوگیا۔ کرم خان نے بھی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ اداس ملول سودہ کا یہ روپ بالکل بدلا بدلا تھا۔

سودہ جوڑا خود سے لگائے اسی پلنگ پر آکر بیٹھ گئی۔ جہاں کرم خان پورے استحقاق سے بیٹھا تھا۔

"جب شادی ہوگئی تو۔ میں نے اپنے ہاتھ کی کڑھائی والے سوٹ کو ہاتھ نہ لگایا۔" وہ دوبارہ بولنے لگی۔ "میں نے تجھے بتایا تھا ناں۔ جہیز کے کپڑے میں نے خود بنائے تھے۔ بری کے اکیس جوڑے اس نے خود پتا نہیں کون کون سی جگہ سے خریدے تھے۔ سارے کپڑے اتنے شاندار اتنے مہنگے تھے کہ مجھے اپنی طرف کے کپڑے ہلکے لگنے لگے۔" وہ یکدم چپ ہوگئی۔ ملول چہرے پر یاد جھکنے لگی۔

"ایک روز کہنے لگا۔ کہاں ہیں وہ تیرے کشیدہ کاری کے نمونے کیا سارے برباد کردیے۔ ایک بھی پہننے کے قابل نہیں رہا۔"

"اللہ نہ کرے جو برباد ہوں۔ تمہیں پسند نہیں تھے

تو بکسے میں سب سے نیچے رکھ دیے ہیں۔

"بے وقوف نہ ہو تو۔ جھلی کہیں کی۔" وہ زور سے ہنسنے لگا۔ "او تجھے مذاق کرنے اور مذاق اڑانے کے فرق کا بھی نہیں پتا۔ لو پاگل خالی میں تو تجھے چھپ چھپ کے دیکھتا تھا گل بوٹے بناتے ہوئے۔ میں تو خوش ہوتا تھا اور شرمندہ بھی کہ میں تو خالی پیسے خرچ کر سکتا ہوں۔ تیرے جیسی لگن جذبے اور محبت کہاں سے لاؤں۔" وہ بول رہا تھا۔ میں سن رہی تھی اسے میرا حیران چہرہ دیکھ کر بہت مزا آ رہا تھا۔ پھر میرے ساتھ اٹھ کے بکسے کی تہہ میں پڑے میرے ہاتھوں سے بنے کپڑوں کی پنڈ کھولیں اور خود ہی ہینگروں میں لگا کر الماری میں سجا دیے۔ ہر روز ایک نیا سوٹ پہنوں میں۔ حکم دے دیا۔"

پورا قصہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ مسکراتا چہرہ اور جگمگاتی آنکھیں دھیرے دھیرے غم ناک اور مدھم ہوتی چلی گئیں۔ سب ایک بار پھر سودہ کا وہی اداس، بے رنگ، خالی ویران آنکھوں والا چہرہ کرم خان کے ساتھ تھا۔ جس سے اس کی آشنائی تھی۔

"اور اماں حاجرہ کہتی ہے کہ۔۔" تھوڑی دیر پہلے والا آواز کا جلترنگ معدوم ہو گیا۔ اب وہی ہلکا مدھم بجھا ہوا لہجہ تھا۔

"دنیا بیوہ لڑکی کو زندہ رہنے کا طریقہ صحیح طرح بتاتی ہی نہیں کرمے۔ چھیمو کی شادی میں ذرا شوخ کپڑے پہن کر چلی گئی تھی۔ میں نے سوچا شادی تو شادی ہوتی ہے گوٹے کے کپڑے تب ہی اچھے لگتے ہیں۔ تب تو سب نے تعریف کی اور بعد میں پنڈ کے ہر گھر میں ایک ہی قصہ تھا۔ سودہ اتنی جلدی مرے شوہر کا غم بھول گئی۔ بھلی بیویاں تو سر میں مٹی ڈال کر بیٹھتی ہیں۔ دیاہ کے لیے سوہنے کپڑے نہیں۔ انہیں تو لفظ دیاہ کے معنی بھول جاتے ہیں۔ ہاتھوں میں چوڑی کا سوال ہی کیا۔"

پھر پٹواری کے بیٹوں کے دیاہ میں سادے کاٹن کے جوڑے میں دھلے منہ کے ساتھ چلی گئی تو سب نے کہا نحوست ڈال دی۔ دکھ اپنی جگہ۔ مگر دوسروں کی خوشیوں کا تو خیال کرنا چاہیے ناں۔ نہ مجھے دولہن کے پاس بیٹھنے دیا نہ ڈھولکی کے نزدیک۔ الگ کونے بیٹھی تو بھی سب ہی گھوریں۔ دنیا والے مجھے تعویذ لکھ کر دے دیں ناں کہ مجھے کیسے رہنا ہے۔ لوگ عقیقوں پر نہیں بلاتے۔ منحوس کہتے ہیں۔ بیٹی چھوڑ گئی میری۔ یتیم پیدا ہوئی بچاری۔"

سودہ کو پتا ہی نہ چلا اور گال سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ کرم خان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ شاید اسے چپ رہنے کی تلقین کرنا چاہتا تھا کہ نہ روئے کیونکہ اس کا رونا اسے تکلیف دے رہا ہے۔ لیکن سودہ کا دھیان نہ تھا۔ وہ اب ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

"اپنے باپ کے گھر میں چپ چاپ رہتی ہوں کرما۔ لوگوں سے ملنا چھوڑ چکی ہوں۔ دروازے نہیں جاتی کہ لوگ باتیں کرتے ہیں۔ نماز پڑھ کے دل ٹھنڈا رکھتی ہوں اور قرآن پڑھ کے مرنے والے کو بخش دیتی ہوں۔ چپ رہوں تو دنیا کو نحوست لگتی ہے۔ بولوں تو کہتے ہیں مجھے کوئی غم نہیں۔ اماں حاجرہ کو کیا کہوں میرے پاس کپڑوں کی کمی نہیں مگر دنیا کا دل بہت تنگ ہے۔"

وہ اٹھ کر کپڑے دوبارہ سلیقے سے اندر رکھنے لگی۔ کسی نہ کسی کپڑے کو ہاتھ لگاتی تو ٹھٹک کر رک جاتی۔ ہر ٹانکے سے یادیں جڑی تھیں۔

اس نے ٹرنک بند کر کے تالا ڈال دیا۔ چابی پلو میں کس دی۔

اماں حاجرہ کا دیا گلابی جارجٹ کا سوٹ بھی اندر جا چکا تھا۔ کرم خان پلنگ سے اتر آیا تھا۔ وہ سودہ کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔ سودہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور دھیرے سے گال پر ہاتھ پھیرا۔

"ابھی تو اس دنیا کو تیرے میرے رشتے کی خبر نہیں کرم خان! ورنہ اس پر بھی حد لگا دیں گے سب۔ جائز کہہ دیں گے۔ ناجائز کہہ دیں گے مگر تو فکر نہ کر۔ تو میرے ٹرنک کے بھڑکیلے کپڑے تھوڑا ہے۔ تو تو میرا سنگی ساتھی ہے۔ میرے دکھ درد کو سننے والا۔ کہ تجھے بھی تالا ڈال کر چابی سانبھ لوں۔ اس اتنی بڑی دنیا میں تو واحد ہے کرما! جس سے اب میں دل کی باتیں کہتی ہوں اور تو سنتا بھی ہے۔"

"چل باہر آ جا! شام ہونے کو ہے۔" اور ابا نے آکر بس اتنی مہلت دی ہوئی ہے کہ ہاتھ دھونے تک روٹی لگ جائے۔ وہ برآمدے میں چولہے کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ وہ سبزی چھالی اور خمیری تلاش رہی تھی اور کرما کی نگاہیں بھی برتن ٹٹول رہی تھیں۔

"مجھے پتا ہے تو بھی بھوکا ہے۔ ذرا دو منٹ صبر کر لے۔" سودہ جان گئی۔

"اور تو ہی تو ہے کرم خان! جسے میں نے عمران کی ساری باتیں بتائیں۔ وہ بھی جو بتانے والی تھیں اور نہ بتانے والی بھی۔ اور اپنی گڑیا بیٹی کی باتیں۔ عمران کو گھر سے کام کے لیے بھیجا تھا، مجھے پتا ہی نہ چلا میں گھر میں روٹی ہانڈی کرتی رہ گئی اور وہ نجانے کدھر چلا گیا۔ ننھی گڑیا میری بے ہوشی، بے خبری میں آواز بھی سنائے بغیر واپس چلی گئی۔ لیکن کرمے۔ تجھے میں کہیں نہ جانے دوں۔ ایک پل کے لیے بھی اپنی نظروں سے دور نہ کروں۔ اگر تجھے کچھ ہو جائے تو؟" وہ دہل گئی۔

"تو میں تو کہیں کی بھی نہ رہوں۔" وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔ "دنیا میں ہر انسان کے لیے کوئی تو ہونا چاہیے جو اس کی سنتا ہو۔ اس کا درد بانٹتا ہو ہے ناں کرما۔۔؟"

☆ ☆ ☆

سودہ نے پیالے میں مہندی گھول رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بہت خوب صورت سرخ کپڑے پہ ستارے ٹکے تھے۔ ابا نے کالے کو چھوڑ کر باقی چودہ بکرے الگ باندھ دیے تھے۔ سودہ ہر سال کی طرح انہیں تیار کرنے احاطے میں آ گئی۔ ماتھے پر تاج باندھے۔ سینگوں پر سرخ رنگ پھیر دیا اور کمر اور پیٹ پر مہندی سے چاند تارے اور عید مبارک بڑی ہی خوب صورتی سے لکھ ڈالا۔ پیروں میں کڑے جن کے اندر گھنگھرو تھے۔ کرما اس کے پیچھے پیچھے۔

"ابا کی نظروں سے بچ کر رہا کر سمجھے! ایک تو انوکھا اوپر سے تیری حرکتیں۔" وہ اس سے باتوں میں مگن تھی۔ "کیا تو نے بھی مہندی لگانی ہے نہ تو کوئی لڑکی ہے۔" کرما کی نگاہیں مہندی کے کٹورے پر تھیں۔

"یہ تو بس ان کو لگے گی جن کی قربانی ہونی ہے۔ اور یہ سب کالے کلوٹے لال پیلے۔ تو تو گورا چٹا ہے دودھ ملائی جیسا۔" سودہ نے اس کے گدگدی کرنی چاہی۔ وہ بھی سودہ کے چہرے کے ہر رنگ سے واقف تھا۔ وہ کب خوش ہے کب اداس ہے کب روتی رہی کب تک جاگتی رہی۔ اور وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ عمران کے جانے کے بعد جب وہ بیوگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ جب وہ ہر پل آنے والے بچے کو سوچا کرتی تھی اور جب تخلیق کی تکلیف اور بے ہوشی کے بعد اسے پتا لگا کہ بچی مر گئی ہے۔ کرما نے اس کی زندگی میں قدم رکھا اور کرما پر پہلی نظر ڈالتے ہی وہ اس کی محبت کا شکار ہو گئی تھی۔

سودہ ہاتھ جھاڑ کر مڑی۔ وہ جانتا تھا سودہ اب کیا کرنے والی ہے۔ کرما نے بازی لینے کی کوشش کی اور اس کے بازو سے گال رگڑنے لگا۔ ٹانگوں میں سر دینے لگا۔ وہ یہی کر سکتا تھا۔ آخر تو آٹھ ماہ کا ایک دنبہ تھا۔ اسے ایسا اظہار محبت ہی آتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ بادام میوے اس کے بجائے ان سب میں سے کسی ایک کو بھی کھلاتی تو اچھے خاصے دام مل جاتے۔" ابا نے بہت دن بعد آج کرما کو دیکھا تھا۔ وہ آٹھ ماہ کا تھا اور عمر سے دگنا لگتا تھا۔ سفید سفید اون جیسے چربی سے رچی۔ شیمپو سے دھلا دھلایا۔ کمر پر سرخ بنارسی کپڑے کا کمربند۔ گلے میں رنگ برنگی مالائیں۔ پیروں میں گھنگرو اور سرخ موزے جو گھٹنوں تک تھے۔ ملا لگے۔

"ہاں ابا۔۔ تو اس کے نوالے گنتا ہے۔۔" سودہ کو دلی صدمہ ہوا۔۔

"وے اتنی خاطریں تو میری کرتی تو سارا اپڑیوں کا

ورد نکل جاتا۔ سو دودھ صبح شام اور پرسے بادام۔۔۔ اور تو نے تو اسے گاجر کا مربہ بھی کھلایا تھا ناں۔۔۔"

"ہائیں! ابا کو کیسے پتا؟؟"

"یہ جو گز گز کے بال رکھے ہیں ناں اس میں پھنسی تھی گاجر سمجھی۔ اور تو نے مربہ کب بنایا تھا؟؟"

"وہ گزری سردی میں۔۔۔" سوہ کو بولنا پڑا۔

"اور مجھے کہا کہ خراب ہو گیا تھا پھینک دیا ہے۔" ابا نے کڑے تیوریوں سے گھورا۔

"ابا! جب تجھے سیب کا بنا دیا تو گاجر کا اسے دے دیا۔" سوہ نے وجہ بتائی۔

"اچھا اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تو نے سیب کا مربہ اسے نہ دیا ہو۔۔۔"

"تو ابا! یہ گھر کا فرد ہے حصہ تو اسے بھی ملے گا۔" سوہ برا مان گئی۔

"تو ادھر یا ہر ویہڑے میں دشمن ہیں۔۔۔ بکریوں کو دیتی تو دودھ ہی بڑھ جاتا۔ اتنا قرضہ ہے میرے اور۔۔۔" ابا کی رو پلٹ گئی۔ دھیان حساب کتاب میں الجھ گیا۔

"توبہ ابا۔۔۔" سوہ برا مان گئی۔۔۔ بڑبڑانے لگی پھر دفعتاً دھیان آیا کہ ہاں ابا پر قرضہ تو تھا۔ عمران کا انتقال۔۔۔ وہ بس کے حادثے میں زخمی ہوا تھا یکے بعد دیگرے تین آپریشن ہوئے مگر سر کی چوٹ گہری تھی۔ جانبر نہ ہو سکا۔ ابا نے بھتیجے کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی اور پھر قرض کا بوجھ۔۔۔ سوہ نے بڑے آپریشن سے بچی کو جنم دیا ابا پر مزید قرضہ۔۔۔ قرض خواہ اب مطالبہ کر رہے تھے۔ ابا کا سارا دھیان اپنے جانوروں پر تھا۔

عید میں اب کچھ ہی روز باقی تھے۔ مگر ابا کے حساب کتاب سے پیسے بہت کم تھے۔ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ پچیس ذی القعد وکیل صاحب بہت اچھے داموں تین بکرے لے گئے۔ ابا کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ سوہ نے بہت دنوں سے مچلتا سوال پوچھا۔

"ابا! تم نے ابھی تک اس بار کی قربانی کے لیے جانور الگ نہیں کیا۔"

"اس بار۔۔۔ میں اس سال قربانی نہیں کر رہا۔۔۔" ابا بہت دنوں سے اس سوال کا منتظر تھا۔ سو فوراً جواب دیا۔

"کیا۔۔۔؟" وہ بھونچکی رہ گئی۔

"کیا کہہ رہے ہو ابا۔۔۔ ہمیشہ تو کی اب اس بار کیا ہو گیا ہے۔"

"مجھ پر بہت قرضہ ہے سوہ۔۔۔ عمران جیسے جوان جہان کی موت۔۔۔ میں بڈھا۔۔۔ اور ادھر تو بالکل اکیلی۔۔۔ مجھے تیرے لیے بھی کچھ کرنا ہے۔" ابا کی آواز میں شرمندگی' ملال' عزم' ہمت کچھ تھا۔

"ایک قربانی کرنے کی راہ میں اتنے روڑے۔۔۔ بس ایک بکرا۔۔۔ ہر کام میں رکاوٹ ہے ابا۔۔۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔"

"مجھ پر بہت قرضہ ہے سوہ! اور اس سال میرے پاس بچے بھی نہیں ہیں کہ اگلے سال تیار ہو جائیں گے مجھے خریدنے پڑیں گے۔ میں دور تک سوچ رہا ہوں دھیئے۔" ابا نے نڈھال لہجے میں کہا۔

"پر ابا!"۔۔۔ حیرت کم ہی نہ ہوتی تھی۔

"تو ابا! قرضہ تو اللہ کرے عید کے چاند سے پہلے اتر ہی جائے گا اور ہم ابھی آج اس وقت قرض دار ہیں۔ اللہ خیر رکھے تو چاند رات تک سب جانور بک جائیں گے تو ہم پر قربانی واجب ہو جائے گی ابا۔۔۔ تم بھلے مولوی سے پوچھ لو۔" سوہ بحث پر اتر آئی۔

"سوہ بحث نہ کر۔۔۔ میرا دماغ پک گیا ہے اور انگلیاں گھس گئی ہیں پیسے جوڑ جوڑ۔۔۔ ادھر ادھر ایسے ویسے۔۔۔" ابا جھنجلا گیا۔ صافہ جھاڑا اور پیر میں جوتا اڑستے بڑبڑاتے باہر کو نکلا۔۔۔ سوہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

سوہ کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔ وہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ اتنا تو وہ عمران کے جانے اور گڑیا کے جانے پر بھی نہیں روئی تھی۔ عمران کے فوت ہونے پر وہ سکتے میں چلی گئی تھی اور گڑیا کی وفات پر وہ سب کی نصیحت موجب منہ میں کپڑا ٹھونس رونا دباتی۔ مگر اس وقت اس کا رونا بلکنا سب کے لیے ناقابل برداشت

تھی وہ کرما کا وزنی سر گود میں رکھے روتی جاتی تھی وہ ابا کے ساتھ کبھی باہر چرنے نہیں گیا تھا بلکہ وہ تو بکریوں والے احاطے میں بھی بہت کم جاتا تھا۔ سوہ اسے پل بھر کے لیے بھی خود سے جدا نہیں کرتی تھی اس کی زندگی میں اچھل کود کم تھی۔ بلکہ وہ باہر نکلنے سے ہی گھبراتا تھا۔ در حقیقت وہ ایک ست الوجود ڈل نکما دنبہ تھا جو کھا کھا کے پھیل گیا تھا۔ چلنا دو بھر تھا۔

"تو کر لیے! بس کر زور دو مرنا ہے تو نے۔" ابا کے لیے جانوروں کو لگنے والی چوٹیں عام بات تھیں مگر ابا کے پاس جانور تھے اور یہ کرما تھا۔ سوہ کا کرم خان۔

"ہائے میرا شہزادہ۔۔۔ نظر لگ گئی۔۔۔ ہائے کل ہی ابا! تو اس کے مربے گن رہا تھا۔۔۔" سوہ مچلی۔۔۔ ابا لفظوں میں منہ دینے لگا۔ کرما کی بھری جوانی ابا کو للچاتی تھی۔ مارکیٹ میں رکھتا تو عمر اور صحت کے حساب سے تیس ہزار بھی مل سکتے تھے۔۔۔ مگر۔۔۔ فرش پر سیدھی کھڑی پڑی اینٹ کرما کے کھرے کے اندر تک گھس کے چیر گئی تھی۔ کھر دو حصے میں تقسیم۔۔۔ اور خون بھل بھل بہنے لگا دیر سے اس کی میں میں۔ حکیم جی نے مرہم لگا کر پٹی باندھی اور گارنٹی دی کہ ہفتے کے اندر بھاگنے لگے گا مگر سوہ کے جیسے دل پر آرے چل گئے۔ اس نے نیچی پر کرما کو بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ کے زور و شور سے رونے لگی پھر اس نے ابا کے سامنے بہت پکا منہ بنا بنا کر کرما کو دودھ پلایا۔ مربہ کھانے کو دیا اور بادام بھی۔

☼ ☼ ☼

کرما کی مکمل صحت یابی آٹھ دن میں ہوئی اور یہ تو ذی الحج کی رات تھی جب وہ معمولی سا بھی لڑکھڑائے بنا سوہ کے پیچھے پھرنے لگا تھا۔ سوہ کی جان میں جان آئی۔ اتنے دن سے اس نے کرما کی تیمار داری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس کی اپنی عید کی تیاری بھی کچھ خاص نہ تھی اور اسے تیاری کرنی بھی کیا تھی۔ تین برس کی بیوہ' نہ کوئی امید نہ خوشی۔ اس نے اپنے نسبتاً نئے سوٹ کو استری کر کے رکھ لیا تھا ابا کا پچھلی عید کا سوٹ ہی اس نے بکسے سے نکال دھو کر لٹکا دیا۔

کرما کو اس نے ہار پھول پہنا دیے۔ یونہی چیزیں اٹھاتے رکھتے اس نے پیٹی کے نیچے سے چھریاں ٹوکے ٹمریاں اور دوسرے لوازمات بھی نکال لیے۔ احتیاط سے سامان سنبھال کر احاطے میں آ گئی۔ ابا بہت شاداں و فرحاں فرصت سے چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں مسواک تھی۔

"ابا!" وہ تیزی سے آگے آئی۔ ابا کا بہت دنوں بعد پرسکون چہرا اسے بھی پرسکون کر گیا۔

"ابا! اب اپنا جانور ادھر صحن میں لے آ۔ اسے ہار پھول ڈال دوں۔ پانی وانی دے دوں۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا میں اس سال قربانی نہیں کر رہا' میری گنجائش نہیں ہے۔" ابا کی طمانیت میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔

"کیا۔۔۔" سوہ نے اونچی آواز میں حیرت سے کہا "ابا۔۔۔ اب تو تجھے پورا فائدہ ہو گیا۔ تو نے تین بکریاں بھی بیچیں اور اب۔۔۔" وہ ہکلا گئی۔

"او میں نے فائدہ تو حاصل کیا پر جھلیے! میرا نقصان بہت زیادہ ہوا ہے۔ وہ کب پورا ہوا۔"

"پر ابا۔۔۔" وہ ابا کی قطعیت کے سامنے بے بس ہونے لگی۔

"اوئے زیادہ بحث نہ کر۔ او تجھے گوشت مل جائے گا کھانے پکانے کو۔ سارا پنڈ پڑا ہے پیچھے۔ بنا لینا نمکین بوٹیاں۔۔۔ میں بازار جا رہا ہوں سویاں اور دوسرا سودا لانا ہے کہ نہیں۔۔۔" ابا کو بروقت بہانہ سوجھا۔

"ابا بات تو سن۔۔۔ ابا۔۔۔ ایک بکرا ہی کر لیتے ہیں۔" اس نے حل نکالا۔

"نہیں نہیں۔" ابا تیزی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

"میں نے پورے سال کا حساب کتاب لگایا ہے۔ عید کے بعد میں نے دو اور بکریاں لینی ہیں۔ میرا بڑا حساب کتاب ہے۔ ساری کسریں نکالنی ہیں۔"

"ابا! بس ایک بکرا۔۔۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"میں نے ایک بار کہہ جو دیا تو تو اتنی ضد کیوں

کررہی ہے؟" ابااس کی صلح جو فطرت سے واقف تھا' حیرت سے پوچھنے لگا۔

"یہاں بیٹھ۔" ابا نے شانوں سے تھام کر اسے چارپائی پر بٹھایا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"وہ ابا... وہ... عمران..." اس کی آواز وجہ کے شروع ہوتے ہی بھرا گئی۔

"ہاں ہاں بول۔" ابا نے ہمت دی۔

"وہ جو بکرے چوری ہوگئے ان میں سے وہ بھورا اور سفید عمران نے اپنے نام کی قربانی کے لیے پسند کیا تھا۔ اور پتا نہیں ابا! وہ جو بڑے کہتے ہیں مرنے والے کو پہلے سے پتا لگ جاتا ہے کہ میں نے اب نہیں رہنا تو ابا ایسے ہی وہ ایک دن بیٹھے بیٹھے کہنے لگا تھا بھئی میرے نام کی ہی قربانی ہے خوب کھلا پلا کر موٹا تگڑا کرکے قربانی دوں گا۔ سودہ یاد رکھنا! میری نام کی ہی قربانی کرنی ہے... میں ہنس پڑی تھی... مجھے کیا پتا تھا... کہ... تو ابا! یہ وصیت ہوئی ناں... اب وہ تو مرن جوگے چور لے گئے پر ابا! میں عمران کے نام کی قربانی کرنا چاہتی ہوں میرا دل... ابا..." وہ رو پڑی... دونوں کے درمیان خاموشی بولنے لگی۔ بہت دیر بعد ابا بولا۔

"پہلے کہتی جھلی۔ پر بات یہ ہے کہ میرے اگلے ساہ کا بھروسا نہیں۔ تو اودھر دنیا میں گلی میں تیرے لیے زمین خریدنا چاہتا ہوں تو ایسا کر..."

ابا پھر سوچ میں گم ہوگیا۔

"تو ایسا کر! یہ اپنے کالے کو لے جا... صبح اس کی قربانی کریں گے عمران کے نام سے... ٹھیک ہے۔"

وہ بہت جوش بھرے انداز میں حل بتانے لگا... سودہ نے اچنبھے سے ابا کی شکل دیکھی۔

"پر ابا... وہ تو ناجائز ہے وہ تو لنگڑا ہو گیا ناں..."

"او میری جھلی دھی۔" ابا نے ناک سے مکھی جھاڑی۔ "وہ لنگڑا تو ہے پر اس کی قربانی جائز ہے' یہ دیکھ۔" ابا جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"یہ مولوی صاحب سے میں نے اس وقت سے لے لیا تھا۔ جب وہ نہر میں گرا تھا۔" ابا نے پرانا تہہ لگا بوسیدہ کاغذ سودہ کی جانب بڑھایا۔ اس نے ناسمجھی کے عالم میں کاغذ کی تہہ کھولی۔

"جو جانور تین پاؤں سے چلتا ہے اور چوتھا پاؤں رکھتا ہی نہیں یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے مگر اس سے چل نہیں سکتا یعنی چلنے میں اس سے سہارا نہیں لیتا تو اس کی قربانی درست نہیں' اگر چاروں پاؤں سے چلتا ہے اور ایک پاؤں میں کچھ لنگ ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔" (ترمذی' ابوداؤد)

"تو اس کا مطلب ہے کہ..." سودہ نے گردن موڑ کر کالے کو دیکھا وہ بالکل سیدھا کھڑا تھا۔

"میں نے اس کے دام کافی کم رکھے ہیں۔ کچھ لوگ عید کی شام اور دوسرے دن بھی جانور لیتے ہیں۔ مولوی کا کاغذ جیب میں ہے۔ شفیق کہہ رہا تھا نکل جائے گا۔ پر تو دل چھوٹا نہ کر... میں انہیں منع کرتا ہوں... جا اسے اندر ویہڑے میں۔" ابا اپنی بات مکمل کرکے صاف جتاتا باہر نکلا۔

"میں ذرا سودا لے آؤں... اوئے بندہ بات صاف کیا کرے۔ اب یہ کوئی مسئلہ ہے۔ پہلے کہہ دیتی جھلی!" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

سودہ سکون اور بے چینی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ گھر کے اندر آگئی۔ اس نے قربانی کے سامان میں سے ایک رسی نکالی۔ سرخ ستارے ٹکا تاج' چیوڑیاں' زیور۔ پیالے میں مہندی گھول لی... رات کا آٹا گوندھنا باقی تھا۔

"پہلے اپنے کام کرلوں تو پھر..." وہ کریا سے مخاطب تھی۔

"اور تجھ سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا۔ ہاں ہاں مان لیا اب تو بھلا چنگا ہے پر احتیاط کرنی پڑتی ہے۔" کریا نے میں میں کرکے یقین دلایا کہ وہ اب ٹھیک ہے۔

سودہ نے بڑھ کر ٹی وی لگالیا۔ رنگ برنگے بجتے گاتے اچھلتے پروگرام... یہ سب منظر اب آنکھوں کو چبھتے تھے وہ خاموشی سے اسکرین دیکھتی رہی۔ کوئی چیز مسلسل دھیان پر دستک دے رہی تھی۔ پچھلی عید عمران ساتھ تھا۔ اور ایک اکیلا عمران اس کے لیے سارا شہر تھا۔ ساری رونق ساری ہنسی ساری خوشی... اور اب وہ نہیں تھا سارا شہر خوشی کے رنگ میں رنگا مگر اس کا سناٹا... اسے رونا آرہا تھا۔ مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

وہ ٹی وی سے آتی آوازوں کی جانب متوجہ ہوگئی۔ قربانی کو بہت تفصیل و جزئیات کے ساتھ بتایا جارہا تھا۔

"قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ قبولیت پالیتا ہے۔ لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو۔" مہمان نے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنایا۔ سودہ اٹھی اور کالے کو زیور پہنانے لگی۔ تاج ماتھا۔ گھنگھرو پٹی اور سرخ موزے۔ کریا مسلسل میں میں کررہا تھا۔ اسے سودہ کا... کالے کے ساتھ التفات اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اپنی سب سے پسندیدہ چیز راہ خدا میں دینا... بے عیب' خوب صورت' توانا تندرست' وہ جو آپ کسی اور کو نہ دے سکتے ہوں۔" مہمان نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان سنایا۔ سودہ ٹھٹکی۔ وہ خالی نگاہوں سے کالے کو تکنے لگی جو اتنے سنگھار کا عادی نہیں تھا۔ سرخ رہا تھا پیر جھٹک رہا تھا۔ سودہ کسی معمول کی طرح اٹھی۔ اس نے کالے کی رسی کھول دی۔ وہ جست لگا کر باڑے کی سمت بھاگا۔ کریا خوش ہوگیا۔

"میں میں میں..." ہاں کریا تو... تو کل دولہا کی طرح تیار رہنا سودہ نے گہری نگاہ سے اسے دیکھا۔ قربانی کی حکمت بتاتی عالم دین کی آواز آئی۔

"ایسی چیز جس کو کھونے کا احساس آنکھوں کو بھر دے۔ کلیجہ چیر دے۔ دل بند کردے۔ حلق خشک ہوجائے اور محض تصور سے پیٹ میں گرہیں پڑنے لگیں۔"

سودہ کی آنکھوں کے آگے عمران کے مختلف انداز اترنے لگے اور وہ ننھی گڑیا جس کی بس اسے اک جھلک یاد تھی۔

"وہ دینے والا ہے اور جو چیز دیتا ہے' وہ لینے کا بھی حق دار ہوتا ہے اور دنیا کی ہر چیز دنیا ہی میں چھوڑ جانے کے لیے ہوتی ہے۔ آپ ہنس کر دیں یا رو کر دیں... تو جب دینا ہی ہے تو خوشی خوشی کیوں نہیں..." ٹی وی سے مسلسل آواز آرہی تھی۔

سودہ نے اپنی بغل میں منہ دیتے کریا کو پکار کر اپنے سامنے سیدھا کیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح تیار تھا۔ بس اک کمی تھی۔ مہندی کا پیالا پکڑا اور سفید بے داغ اونی ڈھیر پر چاند تارا دوسری جانب عید مبارک لکھ دیا۔

"اپنی سب سے پیاری چیز۔" سودہ نے جھک اس کی پیشانی چوم لی۔ آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔

"اب اتنا تو محبت میں ہو ہی جاتا ہے نا۔"

☼ ☼

فرحانہ ناز ملک

عقیدت کی اماں جمیلہ اور عقیدت کو لے مستقل طور پر لاہور شفٹ ہوگئی ہیں کیونکہ عقیدت کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہوگیا ہے۔ عقیدت ایک کم اعتماد اور نہایت دبو سی لڑکی ہے۔ اسے لوگوں کا سامنا کرتے سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ عقیدت کی بہن تحریم اور بھائی شہریار عقیدت سے نفرت کی حد تک لاتعلقی رکھتے ہیں اور اماں سے بھی ملنا گوارہ نہیں کرتے۔ دونوں اماں کو ماں سمجھنے کے روادار نہیں۔ تحریم کا شوہر اولیس ڈاکٹر ہے۔ اور تحریم اس پر پابندی لگاتی ہے کہ وہ عقیدت کی کسی بھی طرح سے مدد نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی اس کی اماں کے گھر جائے گا۔ وعدہ کر لینے کے باوجود اولیس یہ دونوں کام کرتا ہے۔

سنعان کے والد زکریا آفندی ایک امیر کبیر صنعت کار ہیں۔ وہ اپنی بیوی فائزہ کے ساتھ نہایت ناروا سلوک روا رکھتے ہیں۔ دونوں کے تعلقات کبھی بھی اچھے نہیں رہے۔ ان دونوں کی خراب زندگی کا اثر سنعان پر شدت سے پڑا ہے۔ دونوں میاں بیوی نے اپنے اختلافات کی وجہ سے سنعان کو مکمل طور پر اگنور کیے رکھا۔ جس کی وجہ سے وہ ایک neglected انسان بن چکا ہے۔ سنعان ایک شاندار شخصیت کا حامل نوجوان ہے۔ لیکن اس میں حساسیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور وہ ماں باپ سے بے زار ہے۔ ان سے جذباتی طور پر بہت دور ہے۔ اور اپنی شخصیت کی کمی کا ذمہ دار ماں باپ کو ٹھہراتا ہے۔ فائزہ شوہر کی بے رخی کی وجہ سے ذہنی مریضہ بن چکی ہیں۔ سنعان ماں کے علاج کے لیے انہیں لاہور لے جانا چاہ رہا ہے۔ جبکہ زکریا آفندی فائزہ کے لاہور جانے پر ایک عرصہ ہوا پابندی لگا چکے ہیں۔ غوری محل میں تین پورشنز ہیں۔ کرنی بہت دکھی رہتی ہیں۔ اور غوری منزل کی تینوں بہوویں مارے باندھے ان کا خیال رکھتی ہیں۔ آج کل نورین سلمان کی بیٹی کشف کسی غلط چکر میں ہے۔ جس کی وجہ سے گھر میں پریشانی ہے۔ جبکہ حبہ سلمان جو

چینل پر اینکر ہے سنعان سے ملاقات کے بعد سنعان کو بہت شدت سے سوچنے لگی ہے۔

عالم صاحب معروف جاگیردار ہیں۔ ان کے دو بیٹے ہیں طلال اور جلال' جلال' طلال سے عمر میں کئی سال چھوٹا اور مفلوج و محتاج ہے۔ وہ پیدائشی ایسا ہے۔ اور عالم صاحب کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے کہ ان کے بعد اس کا کیا ہوگا۔ عالم صاحب کسی پچھتاوے کے زیر اثر ہیں۔ آج کل اپنی جائیداد دونوں بیٹوں میں تقسیم کرنے کے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ طلال کو جائیداد کی یہ تقسیم باپ اور بھائی کے خلاف کر رہی ہے۔ جلال اس کی اور اس کی بیوی سحر کی نظروں میں کانٹے کی مانند چبھتا ہے۔

فہد نیویارک میں ذاتی کاروبار چلاتا ہے اور خوشحال ہے۔ فہد پاکستان سے نیویارک ایک ٹریجڈی کے نتیجے میں گیا۔ سوتیلی ماں کے مظالم نے اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ نیویارک میں اس کی ملاقات سحاب سے ہوتی ہے۔ سحاب ایک خوش مزاج اور حسین لڑکی ہے۔ اور وہ فہد پر مرمٹی ہے۔ فہد بھی اس سے متاثر ہے مگر اظہار نہیں کرپاتا۔

فروغ ماہ اپنے بھائی کے ہمراہ گاؤں جاتی ہے۔ اور شہباز نامی پہلے سے شادی شدہ جاگیردار کو دل دے آتی ہے۔ شہباز سے ملاقات کی خواہش میں وہ اپنی بھابھی یاسمین کے گھر رہنے جا رہی ہے۔ کیونکہ شہباز' یاسمین کے شوہر مجتبیٰ کا دوست ہوتا ہے اور فروغ ماہ کو امید ہوتی ہے شاید شہباز دہاں اس کے بھائی کے گھر آجائے۔ فروغ ماہ فطرتاً" خاصی خود غرض' اکھڑ مزاج اور مطلب پرست لڑکی ہے۔ اس کی وجہ سے یاسمین سمیت تینوں بھابیوں نے مشکل حالات دیکھے اور اسے تینوں ہی ناپسند کرتی ہیں۔

عقیدت کالج جانے لگی ہے۔ اس میں اعتماد پیدا ہونے لگا ہے۔ کالج میں اس کی مائرہ' رجا' وغیرہ سے دوستی ہو جاتی ہے اور کالج میں ہی ایک لڑکا حسن ضیاء اس میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

۸
آٹھویں قسط

اس رات کسی شادی کا گمان ہو رہا تھا۔ ہر طرف رنگ و بو کا ایسا سیلاب کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ مہمانوں کے نام پر' خاندان کے خاندان امڈے چلے آرہے تھے۔ اس کا ننھیال' ددھیال سب۔ فروالی قیمتی فراک پہنے کسی شہزادی کی طرح وہ سب کی محبتیں بٹورنے میں لگی تھی۔ ڈیڈی اپنے پسندیدہ ڈنر سوٹ میں ملبوس ہمیشہ سے زیادہ ہینڈسم لگ رہے تھے۔

شوخ رنگوں کے امتزاج کی ساڑھی اور سلیقے سے کیے گئے میک اپ میں ممی محفل کی جان بنی ہوئی تھیں۔ ان کی چمک دار اور شفاف جلد کے حامل روشن چہرے پر روشنیاں پھیل رہی تھیں۔ نظریں ٹھہر گئی تھیں۔ انہیں بہانے بہانے سے تکتے ڈیڈی کا دل یقیناً" سیر نہیں ہو رہا تھا۔ یہ سب اپنے آپ میں بہت مکمل اور خوش کن تھا۔

اس کی عمر تب بہت چھوٹی تھی۔ شاید چار سال یا شاید پانچ۔۔۔ مگر پھر بھی وہ محسوس کر سکتی تھی' وہ دنیا کی خوش قسمت ترین بچی تھی۔ اس کے ممی' ڈیڈی دنیا کے بہترین ممی' ڈیڈی تھے۔ وہ ممی کی آنکھ کا تارا تھی تو ڈیڈی کے جینے کی وجہ۔ ڈیڈی کی اس میں جان بند تھی۔ پھر جب شہریار آگیا تھا جیسے تصویر مکمل ہوگئی' ایکدم سے رنگین۔ ممی ڈیڈی کی توجہ بٹ جانے کے باوجود بھی وہ نہال تھی۔ اسے شہریار کسی گڈے کے جیسا لگتا تھا۔ کسی بھی قسم کی ضد اور حسد کی بجائے اس نے شہریار کی آمد کو کھلے دل سے قبول کیا تھا۔

اس رات شہریار کی پہلی سالگرہ تھی۔ ہر سال اس کی بھی سالگرہ منائی جاتی تھی اور اچھے خاصے اہتمام کے ساتھ منائی جاتی تھی۔ لیکن شہریار کی سالگرہ پر تو کسی شہزادے کی سالگرہ کا گمان ہو رہا تھا۔

"ڈیڈی میری نیکسٹ برتھ ڈے پہ بھی ایسے سب لوگ آئیں گے" وہ ٹھنک گئی تھی۔ ڈیڈی نے ہنستے ہوئے اسے بھینچ لیا تھا۔

"ہم ایسے ہی آئیں گے۔"

"آپ کی پہلی سالگرہ بھی ایسے ہی منائی گئی تھی۔" ممی نے اسے خوش کرنا چاہا تھا۔

"لیکن وہ مجھے یاد نہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم آپ کی آنے والی سالگرہ ایسے منالیں گے۔" ڈیڈی کو بچوں سے بحث پسند نہیں تھی۔ جو بات فوراً" مانی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے حیل حجت کرنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ جبکہ ممی قدرے ناراض ہو گئی تھیں۔ اگرچہ پیسہ خرچ کرنا انہیں بھی پسند تھا۔ لیکن وہ ڈیڈی کی طرح شاہ خرچ قطعی نہیں تھیں اور ڈیڈی تو وہ انسان تھے جو اپنی ذات کے لیے کم پر راضی نہیں ہوتے تھے تو بچوں کے لیے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے ممی کو کسی ملکہ کی طرح رکھا ہوا تھا۔ وہ بے حد کھلے دل و کھلے ہاتھ کے مالک تھے۔ ان کی محبت کے سائے میں ممی ایک آزاد اور خود مختار زندگی بسر کر رہی تھیں اور اس کا ننھا ذہن تب نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ سب اگر ان کے گھر کے خوش گوار ماحول کے لیے ضروری تھا تو بہت سے لوگوں کے لیے ناگوار و ناقابل برداشت بھی تھا۔

وہ صرف اتنا جانتی تھی۔ وہ جنت کی مکین تھی۔ جہاں صرف خوشیاں بسیرا کرتی تھیں۔ غم اور دکھ کیا ہوتے ہیں اسے معلوم نہیں تھا۔ جہاں اس کی پہلی سالگرہ اگر بہت اہتمام کے ساتھ منائی گئی تھی تو اس کی پانچویں سالگرہ پر بھی ایک عالم کو مدعو کرلیا گیا تھا۔ اسے پہلی سالگرہ بھول گئی تھی اور شہریار کی سالگرہ پر روشنیاں' رونق اور ہلا گلا دیکھ کر اسے اپنی بھی ایسی ہی یادگار سالگرہ منانے کی خواہش ۔۔۔ ہوئی تھی۔

شہریار کی پہلی سالگرہ کی ہی طرح اس کی پانچویں سالگرہ بھی یادگار بن گئی" آخری یادگار۔۔۔

☆ ☆ ☆

"میں ڈیڈی سے بہت اٹیچ تھی۔ وہ میرے لیے کسی دیوتا کا درجہ رکھتے تھے۔ میری چھوٹی سے چھوٹی خوشی

کے لیے اپنی بڑی سے بڑی مصروفیت ترک کر دینے والے۔ میرے آئیڈیل ڈیڈی۔" وہ اویس کو اسٹڈی میں لا دینے آئی تھی۔ دن بھر کی سوچوں کا عکس اس کے چہرے پر کچھ یوں واضح تھا کہ محض ایک بار "کیا ہوا" پوچھنے پر وہ کسی لاوے کی مانند پھٹ پڑی۔

"وہ سب سے ہٹ کر تھے۔ میری فیملی کے باقی سب مردوں سے ہٹ کر۔ مختلف اور منفرد۔ میرے چھوٹے چاچو بھی ان ہی کے بھائی تھے۔ ایک خون، مگر ڈیڈی کی کوئی ایک بات بھی ان میں نہیں تھی۔ مجھے بہت عجیب انسان تھے۔ بہت ہی زیادہ عجیب۔ مجھے ان سے خوف آتا تھا۔ وہ شاید ہی زندگی میں کبھی ہوں۔ ان کے لیے گھر اور اولاد سے زیادہ پتا نہیں کیا امپورٹنٹ تھا۔ وہ اپنے سے وابستہ رشتوں کو بہت عجیب طریقے سے ہینڈل کرتے تھے اپنی رعایا سمجھ کر۔ ہمیشہ اپنی منوانے کے عادی۔ اونہہ۔ چھوٹے چاچو۔ وہ بظاہر تو بڑے چاچو جیسے نہیں تھے۔ مگر میں نے انہیں بھی اکثر چچی سے لڑتے جھگڑتے دیکھا تھا۔ پھر میرے ماموں لوگ وہ ان سے بھی عجیب۔ اتنے بارعب اور دبدبے کی حامل پرسنالٹیز والے اور بیویوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی۔ صرف میرے ڈیڈی تھے جو سب سے الگ تھے۔ انہوں نے کبھی اپنی بیوی کو دبا کر، اپنے رعب سے ڈرا کر نہیں رکھا۔ وہ یقیناً دوسروں کی عزت کرکے عزت پانے کے خواہش مند تھے۔"

"دنیا میں کوئی انسان ایک جیسا نہیں ہوتا۔ چاہے وہ سگے بہن بھائی بھی ہوں۔ تم اپنی مثال لے لو۔ عقیدت اور تم میں مزاجاً کچھ بھی ایک جیسا نہیں۔" تحریم نے فوراً اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ دانت کچکچا کر اویس کو ایسی تند اور شاکی نظروں سے دیکھنے لگی تھی کہ وہ زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گیا۔ تحریم یقیناً حسب عادت اسے بہت کچھ سنا سکتی تھی۔ لیکن اس وقت ایک الگ حصار میں محصور ہوئی بیٹھی تھی اور شاید فی الحال اس سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ لوگوں کی اس قسم سے تعلق رکھتی تھی۔ جو جب اداس ہوتے ہیں تو سب مصروفیات سب مشغلے چھوڑ کر بس جی جان سے اداس ہی ہوتے ہیں۔

"وہ بہت نفیس انسان تھے۔ کم پر کبھی راضی نہیں ہوتے تھے۔ برانڈڈ کپڑے، برانڈڈ جوتے۔ ہر چیز اعلا استعمال کرتے۔ سیم یہی سہولیات انہوں نے اپنی بیوی کو بھی دے رکھی تھیں۔" اویس نے ماتھا مسلنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ڈیڈی کے ساتھ ان کی بیوی کا ذکر یوں کر رہی تھی گویا ان کی کوئی اور بیوی ہو۔ اس کی ماں نہیں۔ ہمیشہ کی طرح اویس اس کے اس طرز تخاطب پر معترض ہوا، مگر صرف دل میں۔

"میری فرینڈز مجھ پر بہت رشک کرتی تھیں۔ حالانکہ وہ اتنی ایسی نہیں تھی۔ مگر آپ کو پتا چل جاتا ہے کون آپ کی لائف سے امپریس ہو رہا ہے اور کون نہیں۔ مجھے خود کو بھی اندازہ تھا میری زندگی بڑی شاہانہ گزر رہی ہے۔" اس کی آواز بھرانے لگی تھی اور اب وہ یقیناً گفتگو کو اس نہج کی طرف لے جانا چاہ رہی تھی۔ جہاں وہ خود پر خود ہی ترس کھاتی۔ خود ہی ماتم کرتی۔ اویس نے ہلکی سی جمائی لی تھی۔ "تحریم میں تھکا ہوا ہوں یار۔"

"اور تم جانتے ہو۔ میں اور شہریار عرش سے فرش پر گرائے گئے۔ ہماری ماں تو تھی ہی ہماری گناہ گار۔ ڈیڈی نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا۔" وہ رو رہی تھی۔ ہونٹ چبائے جا رہی تھی۔

"مجھے تم کو ایک بات بتانا تھی۔ رامین کی منگنی فکس ہو گئی ہے۔ ممی نے مجھے فون پر بتایا تھا۔" اویس نے اپنی سی کوشش کی اسے ایک الگ موضوع کی طرف متوجہ کرنے کی اور وہ ہمیشہ کی طرح ناکام رہا۔ "اسی لیے۔ اسی لیے آج جب شہریار نے مجھے کہا کہ وہ ڈیڈی سے ملا ہے تو شاک لگا۔ بہت برا فیل ہوا۔ بہت رونا آیا۔ پرانی ہر بات یاد آ گئی۔ اپنی بیوی کی طرح ڈیڈی بھی برابر کے قصوروار ہیں۔ انہوں نے ہمیں تب چھوڑا جب ہمیں ان کی شدید ضرورت تھی۔ انہوں نے نہ جانے کیا سوچ کر اپنی سگی اولادیں پھینک دی۔ کوئی ہوش مند انسان ایسا کرتا ہے کیا؟ یہاں سے پتا چلتا ہے۔ خون کی تاثیر ایک ہوتی ہے۔ میں غلط تھی۔ ڈیڈی مختلف نہیں تھے۔ اپنے بھائی کی طرح یہ بھی سائیکی تھے۔ خود غرض، سیلف سینٹرڈ اور امیچور۔" اویس نے اس کے ہاتھ تھپکنے شروع کیے وہ کب رکی تھی باقاعدہ۔

نہیں نے فون بند کر دیا۔ میں شہریار سے ناراض ہوں۔ اسے ڈیڈی سے نہیں ملنا چاہیے تھا۔ ہم دونوں نے عہد کیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہیں بس۔ کبھی ممی ڈیڈی سے نہیں ملیں گے۔ کبھی انہیں معاف نہیں کریں گے۔ شہریار نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اویس۔ اس نے میری بات نہیں رکھی۔" وہ پھوٹ پھوٹ رونے لگی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس نے اس ایک بات کو اس وقت سے دماغ پر طاری کرکے اپنا حشر خراب کر لیا تھا۔ اویس نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگا لیا۔ اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ ایک بات سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ خون کی تاثیر واقعی نہیں بدلتی۔ تحریم بھی سائیکی لگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

تاریک و سنسان برآمدے کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک روندتے طلال نادیدہ آگ میں دہک رہے تھے۔ فشار خون تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ بھنچے ہوئے جبڑے اندرونی خلفشار کا غماز بنے ہوئے تھے۔ وہ جیسے آپے میں ہی نہیں تھے۔ رہ رہ کر عالم صاحب کی گونج دار بھاری آواز دماغ پر ہتھوڑے کی مانند برستی اور انہیں نئے سرے سے الاؤ میں دھکیل دیتی۔ وہ ایک انہونی کا شکار ہونے جا رہے تھے۔ یوں تو اندر خانے بہت کچھ غلط ہونے کی بن گن انہیں کئی دنوں سے مل رہی تھی۔ مگر وہ اسے تو کیا آنکھوں دیکھی تک کو جھٹلاتے رہے۔ عالم صاحب کی گزشتہ کئی روز سے حویلی سے بے وقت غیر موجودگی۔ منشی برکت کی غیر ضروری، مشکوک اور قدرے پھرتیلی سرگرمیاں۔ پٹواریوں، تحصیل داروں سے ملاقاتیں اور دعوتیں۔ وکیلوں کی آؤ بھگت، مختلف زمینوں کی حد بندیاں غرضیکہ چھپ کر پکائی جانے والی کھچڑی آج انہیں بھی کھلا دی گئی۔ وہ بھونچکا رہ گئے۔

عالم صاحب ڈیرے پر تھے۔ شام سر پڑ رہی تھی۔ جب انہیں بھی بلوا بھیجا گیا۔ وہ کچھ ہوشیار باش ہوئے وہاں پہنچے جہاں دل میں پڑے شک کی تصدیق کا سامان موجود تھا۔ بہت سے کاغذات ان کے دستخطوں کے منتظر تھے۔

"بیٹھو طلال" اپنے آپ میں الجھتے طلال چار و ناچار بیٹھ گئے۔ انہیں چائے پیش کر دی گئی۔ جس کا ہر گھونٹ ان کے اندر کڑواہٹ کی مانند گھلنے لگا۔ منظر نامہ سمجھ میں آنے ہی ان کی دلچسپی کو ایڑھ لگ گئی تھی۔ "میں چاہتا ہوں۔ اپنی زندگی میں اس فرض سے آزاد ہو جاؤں۔ تاکہ میرے بعد تم لوگ خوار نہ ہو۔" ان کے سامنے کاغذات کا پلندہ کھسکاتے ہوئے عالم صاحب نیچی آواز میں بولے تھے۔ طلال نے بے ساختہ ہونٹ بھینچ کر خود کو بولنے سے باز رکھا۔ وہ کہنا چاہتے تھے خوار ہونے کا کیسا سوال؟ اور تم لوگ سے کیا مطلب؟ اولاد کے نام پر وہ ایک ہی تو سونے کا سکہ تھے۔ عالم صاحب کی جھولی میں اور رہا جلال تو وہ تو نہ زندوں میں شمار ہوتا تھا اور نہ مردوں میں۔ بلکہ طلال اپنی کہتے تو جلال صرف مردہ تھا۔ ایک زندہ اور ناقابل برداشت لاش۔ اور وہی فارغ پرندہ اب ان کی برابری کرنے لائق بنایا جا رہا تھا۔

"میں جان سکتا ہوں یہ ضرورت کیوں پیش آئی۔ آپ کیوں اتنے جلد باز ہو رہے ہیں۔" ان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے منشی برکت نے کچھ کاغذ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔ انہوں نے غیر ارادی نظر ان کاغذات پر دوڑائی۔ شہر میں موجود نمبر مارکیٹ والی دکانیں، آموں کے باغات، حویلی کا آدھا حصہ، غرضیکہ موٹا موٹا مال و اسباب ان سے چھنے کا اہتمام ہو چکا تھا۔ ان کے ہاتھ میں موجود زمینوں کی دستاویزات "انتقال" سب کھڑ کھڑا گئے۔ بڑی بوکھلائی ہوئی نظریں انہوں نے عالم صاحب پر ڈالیں کہ جو مطمئن نظر آ رہے تھے۔

"یہ۔ یہ۔ مم میرا مطلب جلال۔"

"ہاں۔ جلال؟" عالم صاحب نے بغور اپنے بڑے بیٹے کو دیکھا تھا۔ جن کی بدلتی رنگت انہیں مایوس کرنے کا سبب بن رہی تھی۔

"میرا مطلب۔ آپ نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا۔"

"پوچھنا کیا کیا مطلب؟ اور نہ ہی اس میں دو رائے چاہیے تھی۔ جو جس کا حصہ بنتا ہے۔ وہ اسے مل کر رہنا ہے۔ چاہے تمہارے مشورے جو بھی ہوتے۔" عالم صاحب کی آواز بلند تھی۔

"ابا جان۔ میرا مطلب یہ تھا۔ مطلب آپ سلامت رہیں۔ ابھی سے کیوں۔" طلال کو ہکلاہٹ ہونے لگی۔

"یہی بہترین وقت ہے۔" عالم صاحب نے انہیں بیچ میں ٹوک دیا۔ طلال کے اندر کا اضطراب چہرے پر سمٹ آیا۔ وہ کبھی منہ پر ہاتھ پھیر رہے تھے تو کبھی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں جکڑ رہے تھے۔ سچ تو یہ تھا باپ کی اس حرکت نے ان کی سمجھ بوجھ کو منہ کے بل گرا دیا تھا۔ وہ جیسے سن ہوئے دماغ کے ساتھ بیٹھے تھے۔

"طلال تم اس حقیقت کو تسلیم کرو۔ جائیداد اولاد میں تقسیم ہونی ہی ہوتی ہے۔ تم اور جلال دونوں باپ کی جائیداد کے برابر حق دار ہو۔"

"صرف جلال اور آپ ہی نہیں سائیں۔ خان کی جائیداد میں ایک اور حصہ بھی نکلتا ہے۔" اور اس لجے نے "آبیل مجھے مار" والا کام کیا تھا۔ طلال کے صرف کان ہی نہیں کھڑے ہوئے تھے۔ اندر کہیں بڑے زور کی سوئیاں سی چبھی تھیں۔ انہوں نے کچھ ایسی لال انگارہ نظروں سے منشی کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گیا۔ بات کی سنگینی کا احساس کہہ لینے کے بعد ہوا۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ انجانے میں طلال کے دل میں ایک پھانس ڈالنے کا موجب بن گیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں۔ آسان موت مروں۔ کوئی بوجھ میرے سر پہ نہ ہو۔" پہلی بار طلال کے چہرے پر تمسخر پھیلا۔ انہوں نے گہری نظریں باپ پر ڈالیں۔ آسان اور مشکل کا فیصلہ وہ اکیلے کہاں کر سکتے تھے۔ درحقیقت تو انہوں نے طلال کے ہاتھ ایک ڈوری تھما دی تھی۔ زندگی اور موت کی ڈوری' آسان اور مشکل موت کی ڈوری۔

"بوجھ۔" اور اب وہ طویل و سنسان برآمدے میں ٹہل ٹہل کر شل ہوئے جا رہے تھے۔ مگر اندر کی آگ تھی کہ جھلسائے ہی جا رہی تھی۔ ان کی شہ رگ دبانے کے انہیں دیوار سے لگانے کے ساماں پیدا کیے جا رہے تھے وہ کیونکہ نہ بے سکون ہوتے۔

"آپ۔" بڑی سی جمائی لیتی' اپنے کمرے سے نکلتی سحر کو ٹھٹکنا پڑا۔ "آپ کب آئے؟ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اندر کیوں نہیں آ رہے؟ اتنی دیر لگا دی؟ ابا جان نے کیوں بلایا تھا؟" کون کہہ سکتا تھا وہ گہری نیند سے اٹھ کر آئی ہے۔ طلال کے اندر کی کڑواہٹ مزید بڑھی۔

"تم جو کرنے جا رہی ہو وہ کرو پہلے۔" ایک تو سحر کا سرجھاڑ منہ پہاڑ حلیہ۔ اوپر سے یہ بے وقت کی تفتیش۔ طلال کا دماغ اور خراب ہونے لگا۔ خلاف معمول بحث میں پڑنے کے بجائے سحر منہ بناتی کچن کی طرف رواں دواں ہوئی۔ اس کے جاتے ہی طلال جلدی سے کمرے میں گھس گئے۔ سحر کے آنے سے پہلے انہوں نے سو جانے کا ڈراما کرنا تھا۔ ورنہ سحر سحر ہونے تک سوال جواب کرتی رہتی۔

☼ ☼ ☼

ہارون کی پراڈو کے ٹائر ایک طرف پارکنگ کے لیے مختص جگہ پر چرچرائے تو جیسے اردگرد تنی خاموشی کی چادر میں چھید پڑ گئے۔ گاڑی کی ہیڈلائٹس کچھ دیر کے لیے تاریک ماحول پر حاوی ہوئیں اور پھر ڈوب گئیں۔ سو دونوں ایک

ساتھ گاڑی سے نکلے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں اس وقت بارہ کے آس پاس چکرا رہی تھیں۔ دریا کے اطراف کا ماحول سوندھا سوندھا اور بھیگا ہوا تھا۔ سارے میں پھیلی تلی ہوئی مچھلی کی خوشبو ان کے حواس پر چھانے لگی۔ وہ دونوں آہستہ روی سے چلتے ڈھلوان اترنے لگے۔ جس کے عین نیچے دریا سکوت کی لپیٹ میں شاید گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔

"مجھے جتا کر لاتا تو میں وصیت ضرور چھوڑ آتا۔" دریا کے عین کنارے پہنچ کر ہارون نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ بنا پھسلے خیریت سے اتر آیا تھا۔

"پتا نہیں انسانوں والے کام تجھے آتے کیوں نہیں۔ رات کو ساری دنیا سوتی ہے تو الو کی طرح جاگتا ہے۔" دونوں دریا کے کنارے بیٹھ گئے تھے۔ یوں کہ پانی ان کے جوتوں کو آ آ کر چھونے لگا۔ تاریکی' خاموشی اور تنہائی۔ یہاں پراسراریت ہی نہیں خوف ناکی بھی محسوس ہوئی۔

"مجھے گیدڑوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔" ہارون نے گردن گھمائی تھی۔

"مجھے لگتا ہے بھیڑیے ہیں۔" پانی میں پتھر پھینکتے سنعان کا اطمینان قابل دید تھا۔ ہارون کا حقیقتاً" دل حلق میں آ گیا۔

"مجھے کچھ ہو گیا تو اس کا ذمے دار تو ہو گا۔ پتا نہیں تو سکون کے دن پیدا کیوں نہیں ہوا۔ بیٹھے بٹھائے جن آ جاتا ہے تجھ پہ۔ اب اس ٹائم لے کر یہاں آ گیا۔ بندہ پوچھے تیری خود سے دشمنی ہے مجھ سے تو نہیں۔ دیکھ تو ذرا۔ ایسی اندھیری رات اور اس پہ" ہارون نے دریدہ نظروں سے تاحد نظر پھیلے بے انت و بے کراں دریا کو دیکھا۔ "دشمن مارتا پانی۔" یہ اس نے سراسر بڑک ماری تھی۔ پانی اس وقت مکمل سکون میں تھا۔ "عام دنوں میں لوگ پھسل پھسل کر اس میں گریں تو دوبارہ نہیں ملتے اور ہم تو اس کے منہ پر آئے بیٹھے ہیں۔"

قبل اس کے کہ سنعان جواب دیتا عین اسی پل کوئی سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔ ہارون کی بڑی بے ساختہ چیخ بلند ہو گئی۔ سنعان نے خاصی ناگوار نظروں سے اسے دیکھا اور پھر سر پر کھڑے آدمی کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ کہاں سے آ گیا؟" ہارون نے زبان پھیر کر ہونٹ تر کیے اور یہاں وہاں نگاہ دوڑائی۔ قدرے فاصلے پر بنے چھجے کے نیچے کاؤنٹر اور چولہا وغیرہ نظر آ گیا۔

"مچھلی لے آؤں صاحب۔" وہ پوچھ رہا تھا۔ ہارون کے استفہامیہ دیکھنے پر سنعان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لے آؤ بھئی۔ لیکن روشنی کا بندوبست کر کے۔ تلنا نہ ایسا نہ ہو مچھلی کی جگہ مگرمچھ کھلا دو۔" کچھ دیر پہلے والی خفت مٹانے کی خاطر ہارون نے غیر ضروری مذاق کرنا چاہا۔ وہ آدمی "جی اچھا" کہتا الٹے قدموں واپس گیا تھا۔

"تیرا بھائی ہے۔ اس ٹائم تک یہاں موجود ہے۔ ابھی آئے گا تو میں اس کو بتاتا ہوں۔ بیٹا یہ دریا ہے' جھیل نہیں۔ پریاں جھیلوں پہ اترتی ہیں۔" ہارون نے چہک کر کہا تھا۔

"تجھے بتایا اس نے۔" پانی میں پتھر پھینکنے والی مصروفیت ترک کر کے سنعان نے خاصی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"کیا بتایا؟" ہارون کو ذرا بھی سمجھ نہیں آئی وہ کیا پوچھنا چاہ رہا ہے۔

"یہ کہ وہ جل پریاں دیکھنے کے لیے یہاں موجود ہے؟" سوال اتنا طنزیہ نہیں تھا۔ مگر سنعان کا انداز ایسا سنجیدہ کہ ہارون سر کھجانے لگا۔

"ڈاکٹر شمسی کا فون آیا تھا۔" کچھ دیر کے بعد وہ خود سے بتانے لگا تھا۔

"اچھا پھر۔" ہارون متوجہ ہوا۔

"مما کے چیک اپ کی بات کر رہے تھے۔ جس سائکاٹرسٹ کے لیے ریفر کیا تھا۔ وہ عنقریب لاہور پہنچ جائیں

گے۔ جلد اپائنمنٹ لینے کی بات کررہے تھے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔" ہارون کے لہجے میں خوش گواریت در آئی۔

"ہوں۔" منعان کو شاید یہ اطلاع دینی تھی بس۔ اس کے بعد وہ کافی دیر تک چپ بیٹھا رہا۔

"پھر کب جارہا ہے لاہور؟" ہارون کو کھدبد ہوئی۔

"مام کے ہزبینڈ نے رکاوٹ نہ ڈالی تو ان شاء اللہ بہت جلد۔" اس کا لہجہ پرسوچ تھا۔

"انکل کیوں روکیں گے؟ کمال کرتے ہو۔"

"تو جانتا ہے۔ لاہور ہمارے لیے ممنوعہ شہر ہے۔" اس کی ہنسی میں تمسخر کے رنگ تھے۔ ہارون "وہ کیوں" پوچھتے پوچھتے رہ گیا کہ دماغ میں سے اس کے یا فائزہ کے لاہور نہ جانے کی وجہ نکل گئی تھی۔ مگر فوراً "یاد بھی آگئی" تو چپ کی بکل مار کر بیٹھ گیا۔

"محترم زکریا آفندی لاہور کا نام سن کر ہوش کھو بیٹھیں گے۔ روکنا یا منع کرنا تو الگ بات ہے۔"

"انکل اس بار ایسا نہیں کریں گے۔"

"ولی۔" منعان دھیرے سے ہنس دیا۔ "تو کس دنیا میں رہتا ہے۔"

"سن۔ فائزہ آنٹی کی خاطر تجھے اسٹینڈ رہنا ہوگا۔ کسی بھی قیمت پر تو یہ چانس مس نہیں کرے گا۔ تیرے لاہور جانے کا ایک الگ مقصد ہوگا۔ وہاں صرف غوری منزل نہیں کہ جس کی طرف تو یا فائزہ آنٹی جائیں گی۔"

"زکریا صاحب سمجھنے والی مخلوق نہیں ہیں۔" وہ جیسے خود کلامی کررہا تھا۔ "لیکن اس بار میں سمجھا کے رہوں مجھے واقعی ہر قیمت پر لاہور جانا ہوگا۔"

"شاباش۔ ہے نا مرد کا بچہ۔" منعان نے بے ساختہ ترچھی نظروں سے گھورا تھا۔ بچت ہوگئی کہ عین اسی ٹائم وہ آدمی خوشبو اڑاتی مچھلی لے آیا۔

"وہاں اوپر لے چلو یار۔" دونوں اس کی معیت میں ڈھلوان چڑھ کے ایک طرف رکھی کرسیوں، میزوں تک آئے۔

"لاجواب۔" پہلے نوالے پہ ہارون نے چٹخارا لے ڈالا۔ جبکہ وہ دل ہی دل میں لاہور جانے کا لائحہ عمل تیار کرنے لگا تھا۔

"سنا ہے لاہور کی مچھلیاں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ بیٹا میری مان۔ کوئی ایک 'دولا زمی پھنسا آنا۔ غوری منزل ممنوعہ ہے۔ لاہور پورا تو نہیں۔" کھانے کے دوران ہارون کی زبان زیادہ چلتی تھی۔ منعان نے مچھلی کا نسبتاً "بڑا" ٹکڑا اٹھا کر اس پھرتی سے اس کے منہ میں ڈالا کہ وہ حفاظتی تدبیر بھی نہ کرسکا۔ محض غوں غاں کرتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ لوگ اس وقت قذافی اسٹیڈیم میں موجود تھے۔ سیڑھیوں پر جاذب کے برابر میں بیٹھے حسن ضیاء کی نظریں کچھ فاصلہ پر بیڈمنٹن کورٹ میں کھڑی عقیدت پر تھیں اور وہ بس ریکٹ ہاتھ میں لیے کھڑی ہی تھی۔ اس کے حصے کا گیم بھی اس کا پارٹنر شرجیل لغاری کھیل رہا تھا۔ اچھل اچھل کر ہر شارٹ خود پک کرتا شرجیل اس کے لیے کسی مہربان سے کم نہیں ثابت ہو رہا تھا۔ جبکہ دور بیٹھے حسن ضیاء کی نظریں اس پر مقناطیس ہوچکی تھیں۔ ان نظروں میں غصہ، رنجیدگی، خفگی اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔ ہلکے زرد رنگ کی قمیص اور سفید ٹراوزر میں ملبوس عقیدت کو دیکھ کر اس کے اندر کیسے کیسے احساسات جنم لے رہے تھے۔ عقیدت تو کیا خود وہ بھی نہیں سمجھ پارہا تھا۔ ان میں سب سے اوپری درجے پر اہانت اور بے بسی تھی۔ اس کے بعد اشتعال۔ اور آخر میں کہیں وہ لگاؤ آرہا تھا۔ جو کہ

عقیدت کو دیکھ کر پہلے ڈائی سیکشن ہال اور اب آج بالکل سامنے موجود پاکر محسوس ہو رہا تھا۔

ابھی یونہی کتنے ہوئے تھے جب وہ اپنے ٹولے سمیت عقیدت فاطمہ کے نام کی ڈھنڈیا مچائے ہوئے تھا۔

"آخر یہ عقیدت فاطمہ ہے کون... کس برقعے میں ہے۔ نظر کیوں نہیں آرہی... دن ہی کتنے بچے ہیں؟ مجھ کا ڈیٹ سر پہ آئی کھڑی ہے اور آئی تھنک تم بیڈمنٹن کے کوئی ایسے ماہر تو ہو نہیں کہ بنا پریکٹس کیے گیم کھیلو اور جیت جاؤ۔" یہ کلمات اعزاز کے تھے۔ حسن نے یوں بھی لٹکا کر سنے تھے کہ وہ خود عقیدت فاطمہ کے سامنے نہ آنے پر کس قدر تاؤ میں آیا ہوا تھا۔

"سنا تو یہی ہے کہ اپنے پروف کی ہے۔" عامر گلگتی بھی اس کے ٹولے کا سرغنہ تھا۔ بلکہ سب کا چیف تھا۔

"پھر کیا سلمانی ٹوپی پہن کر آتی ہے جو نظر نہیں آتی۔"

اور یقیناً "وہ عقیدت کو ڈھونڈنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے اگر درخشاں نئی اطلاع کے ساتھ نہ آٹپکتی۔

"تمہیں اپنی کوئی اور پارٹنر ڈھونڈنی ہوگی ــــــــــ" وہ اطلاع دے کر جانے کے چکروں میں تھی کہ عامر نے روک کر پوچھا۔

"وہ کیوں..."

"عقیدت فاطمہ کو کچھ ہو گیا ہے کیا؟"

"اسے شرجیل لغاری ہو گیا ہے۔" درخشاں کا انداز لاپروائی لیے ہوئے تھا۔ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی مگر پھر بھی سب کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا مطلب..." حسب عادت حسن کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

"عقیدت فاطمہ نے تمہارے ساتھ پارٹنر شپ توڑ دی۔ کیونکہ اس بار فائنل پروف کے شرجیل لغاری نے اعلان کیا تھا کہ وہ فرسٹ پروف کی کسی لڑکی کو پارٹنر بنائے گا اور اس نے چوز کیا عقیدت کو۔"

"لے بابا..." سب بھربھری مٹی کی مانند ڈھے گئے۔

"شرجیل لغاری کے آگے تیری دال کہاں گل سکتی تھی۔ وہ واقعی بیڈمنٹن کا ماہر ہے۔ ہر سال ہر لڑکی اس کے ساتھ کھیلنے کے خواب دیکھتی ہے۔ اس سال اگر وہ خود کو خود ہی پیش کر رہا ہے تو عقیدت فاطمہ کی مجال ہے جو انکار کرے۔" اعزاز کے ایک ایک لفظ نے حسن کے دل پر آنسو گرائے تھے۔

"تیری اوقات..." جاذب نے حسن کو تاسف بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ "مشکلوں سے تیرے ساتھ کسی کا پینو بنا۔ وہ دو دن بھی نہ چل سکا۔" مارے اہانت کے حسن ضیاء کا چہرہ لال ہو گیا۔

"ارے تو اس میں دل پر لینے کی کیا بات ہے؟ تمہارا پینو میں مائدہ کے ساتھ بنا دیتی ہوں۔ وہ بھی ہے گیم میں بس اس کا کوئی پارٹنر نہیں مل رہا۔" یاروں کی یار درخشاں سے اس کی اتری صورت دیکھی نہ گئی۔ "مجھے نہیں بننا مائدہ کا پارٹنر۔ مجھے اپنی انسلٹ فیل ہو رہی ہے۔" وہ بس رو دینے کو تھا۔ "اب تو اس عقیدت کو لازمی دیکھنا ہے۔ اب تو ہمارے حساب کتاب نکلتے ہیں اس سے۔"

"واقعی... یہی عقیدت فاطمہ ہے...؟" اونچی لمبی سیدھی سادی عقیدت کو دیکھ کر دوستوں نے استہزائیہ ناک سکوڑی تھی تو اس نے دل تھام لیا تھا۔

"تو کیا واقعی... یہ عقیدت فاطمہ تھی؟" کوئی بے یقینی تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ڈائی سیکشن ہال میں ڈیڈ باڈی کو نہ دیکھ سکنے کے غم میں مبتلا وہ لڑکی... جسے اس نے اس دن بڑا دل لگا کر دیکھا تھا۔ وہ ہی اس کی پارٹنر بننے جا رہی تھی... اور کیسی قسمت تھی پارٹنر بننے سے پہلے ہی وہ ٹھکرا دیا گیا تھا۔ "سچ کہتے ہیں لوگ یار... کم شکلوں کے نخرے بھی بہت ہوتے ہیں۔" ماڈ اور اسٹائلش لڑکیوں کی کھیپ والے اس کالج میں عقیدت حسن کے دوستوں

کی توجہ کھینچنے میں مکمل طور پر ناکام ہوئی۔ جبکہ اسی عقیدت کو تکتے حسن کی پتلیاں ساکت ہو گئی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں گیم ختم ہو گیا۔ ملیکہ سلمان اور باسط لودھی بری طرح سے ہارے۔ وہ شرجیل لغاری کی مدد سے ونر میں فاتح ہوئی تھی۔ اب سرخ پڑتے دمکتے چہرے کے ساتھ اپنی دوستوں کے جھرمٹ میں شرمائی شرمائی سب کی مبارک بادیں وصول کر رہی تھی۔

اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ عقیدت جس کو چہار اطراف سے طعنے سننے کو مل رہے تھے کہ وہ بیڈمنٹن جیسا گیم کھیلنے کے لیے ایسے ذور رہی ہے۔ گویا موت کے کنویں میں کار چلانی پڑ رہی ہو اور تو اور اس کی انسٹرکٹر جیلہ نے بھی ڈانٹنے ڈپٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اسی عقیدت نے میڈل جیتنے والوں میں نام لکھوا لیا تھا۔ واقعی بقول مائدہ کے یہ تو ہسٹری ہو گئی تھی۔

ابھی کچھ دن پہلے وہ ہونق چہرے کے ساتھ درخشاں کو کہتے سن رہی تھی۔

"بھئی فائنل ایر کا شرجیل لغاری تمہیں اپنا گیم پارٹنر بنانا چاہتا ہے۔ جلدی سے اپنا فیصلہ سناؤ، تم کیا چاہتی ہو؟" وہ پورا دن اس کا اور مائدہ کا سوچتے گزرا۔

"یہ تو کمال کی آفر۔" مائدہ شرجیل لغاری کے گیم سے زیادہ اس کی پرسنالٹی پر ریجھ گئی تھی۔

"ہر سال ونر ہوتا ہے، کبھی بھی نہیں ہارا۔"

"تم کیا چاہتی ہو میں کیا جواب دوں؟" مائدہ نے کندھے اچکا لیے۔

"میں تو چاہوں گی کھیلو اس کے ساتھ، بس فورتھ پروف کی لڑکیاں ہیں تھوڑی تیز۔ ہضم نہیں کر سکیں گی یہ نیوز۔" عقیدت نے چند لمحوں کے لیے سوچا اور پھر ایک فیصلے پر پہنچ ہی گئی۔

"میں کھیلوں گی۔" اور واقعی یہ خبر فورتھ ایر کی لڑکیوں پر دھماکا بن کر گری۔ ان کی دھمکیوں کا راگ ایک طرف اور افشاں غفار کی بھی بین ایک طرف۔

"حسن کو بہت دکھ ہوگا۔"

"ارے ہوتا رہے، کمال ہے۔ ہر انسان اپنا فائدہ سوچتا ہے۔ نہ کہ دوسروں کا۔" حمنی کو بھی افشاں کی بات بری لگ گئی۔

"کمٹ منٹ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"کمٹ منٹ کہاں سے آگئی۔" مائدہ نے ناگواری سے کہا۔

"جب اس نے حسن ضیاء کو پارٹنر بنایا تھا تو اسے اسی کے ساتھ نبھانا بھی چاہیے تھا۔"

"ارے آپ تو یوں بات کر رہی ہیں جیسے حسن ضیاء اس کا لائف پارٹنر بن گیا ہو۔" رجا ایسے ہی بولتی تھی۔ بنا سوچے بنا خیال کیے اور اس کی بات ہمیشہ گولی کے طرح جا لگتی۔ ابھی بھی افشاں کو کیا ہی جملے کی سنگینی کا احساس ہوا ہوگا۔ جتنا عقیدت کو ہوا۔ اس کے کان کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔ اس کے تاثرات سے باخبر مائدہ اسے فوراً افشاں کے اور شاید رجا کے بھی شکنجے سے دور لے گئی۔ بہرکیف بقول درخشاں کے وہ ڈٹی رہی۔ بعد ازاں جیت بھی گئی اور اب قذافی اسٹیڈیم سے سیدھے مائدہ لوگوں کے ساتھ ہاسٹل آئی ہوئی تھی۔ اماں کو ہاسٹل جانے کا فون پر بتا دیا تھا۔ وہ جانے کس جھونک میں تھیں، محض ہوں ہاں کر کے رہ گئیں۔ کے ایف سی سے ڈیلیوری کے ذریعے منگوائی چیزوں پر ہاتھ صاف کرتی سب کی زبان چل رہی تھی۔

"بھئی یہ بھی کوئی جیت ہے۔ بلا پکڑ کر شہیدوں میں نام لکھوا لیا۔ سارا گیم تو شرجیل خود کھیلتا رہا۔" ہونٹ بگاڑ بگاڑ کر افشاں نے اظہار خیال کیا۔

"ارے جیسی بھی ہو... جیت، جیت ہوتی ہے۔" مائدہ نے نتھنے پھلا کر اس کی وضاحت کی۔

"ویسے داد دینی پڑے گی اس کو۔ ایک ساتھ کئی دشمن بنالیے اس نے۔ فورتھ ایر پوری پھر ملیکہ سلمان باسط۔ جو اس سے ہارے اور حسن ضیاء۔" حسن ضیاء کا نام افشاں نے بڑے ڈرامائی انداز میں لیا تھا۔

"کیوں۔ حسن ضیاء کیوں۔ فورتھ ایر اس لیے دشمن بنی کہ عقیدت نے شرجیل کی پارٹنر شپ قبول کی۔ ملیکہ سلمان اور باسط لودھی اس لیے دشمن بنتے کہ وہ اس سے ہارے تھے۔ مگر یہ حسن ضیاء کس حساب سے دشمن بن رہا تھا۔ مائدہ نے قدرے چڑ کر وجہ پوچھی۔

"بھئی اس نے دل توڑا ہے اس کا۔"

"ہاؤ ڈسگسٹنگ۔" مائدہ کو حسن سے زیادہ افشاں پہ غصہ آیا۔

"یہ ریئل لائف ہے۔ فلمی اسٹوری نہیں کہ ذرا سی بات پر لڑکے کا دل ٹوٹ گیا۔"

"لڑکے کا نہیں ہیرو کا۔" افشاں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ تصحیح کی۔ عقیدت کا سر گھوم گیا۔ وہ ایک دم سے کھڑی ہوئی تھی۔

"رجا دیر ہو رہی ہے۔ ہم اب چلیں۔" وہ افشاں کو بھی دو چار سنا سکتی تھی۔ مگر اس سے ظاہر ہوتا۔ وہ اسے اہمیت دے رہی ہے۔ اس لیے اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے وہ رجا سے بولی تھی۔

"نہیں، نہیں بھئی۔ تم لوگ اپنی پارٹی خراب مت کرو، میں ہی چلی جاتی ہوں۔" افشاں کہنے کے ساتھ ہی فوراً" چلی بھی گئی۔ عقیدت خاصی ناراض سی دوبارہ بیٹھی تھی۔

"حسن ضیاء کی آیا نہ ہو تو۔" مائدہ باآواز بلند بڑبڑائی۔ "کچھ لوگوں سے ہنستے چہرے دیکھے نہیں جاتے۔ افشاں نفار بھی ان ہی میں سے تھی۔

"کھاؤ سہیلیوں کھاؤ۔ سب کچھ ٹھنڈا ہو گیا۔" ثوبیہ نے چھپا ہوا آئٹم پھر سے سامنے رکھا۔ مگر اب عقیدت کی بھوک مرچکی تھی۔ وہ زہر مار کر کھانے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ ای۔ این۔ ٹی وارڈ کی طرف ڈاکٹر نیازی سے ملنے جا رہا تھا۔ انہیں ایک مریض کے لیے خصوصی تاکید کرنی تھی۔ جب تحریم کی کال آئی۔ گزشتہ رات اس کے موڈ کے پیش نظر آج اویس نے تمام دن سیل آف نہیں کیا تھا۔ تحریم کے دکھڑے ایک ہفتے تک اسے ہر صورت سننے ہی ہوتے تھے۔ ابھی بھی اس نے چھوٹتے ہی کال ریسیو کی۔

"ہاں بولو جان۔"

"اویس۔" تحریم کی آواز ایسی ہو رہی تھی کہ اویس کا دل اگلی بات سننے سے پہلے پھڑپھڑایا۔

"تمہاری ممی۔ اور رامین۔ میری ممی کے گھر پہنچی ہوئی ہیں۔" اس نے روتے ہوئے ایک ایک لفظ یوں چبا کر ادا کیا گویا اویس کی ممی اور رامین کو چبا رہی ہو۔

"واٹ۔" اویس کے ہاتھ سے سیل چھوٹتے بچا۔

"تم نے انہیں ایڈریس نہیں دیا۔" وہ غرائی تھی۔

"میں نے۔ نہیں۔ ہاں۔ مگر مجھے۔" اویس کو سمجھ نہیں آئی وہ کیا کہے کہ تحریم ٹھنڈی ہو جائے۔

"رامین کا میسج آیا ہے ابھی۔ وہ کہہ رہی ہے۔ وہ سب مما کے گھر کے گیٹ پر ہیں۔ ای کو منگنی کا کارڈ دینے کے لیے۔" اویس نے بالوں میں بے بسی سے ہاتھ چلانے شروع کر دیے۔ ممی اور رامین، شاہین نے کوئی دشمنی نبھائی تھی اس کے ساتھ۔

"یاد رکھنا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" تحریم نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ کچھ کہنے کے لیے منہ کھول

کر رہ گیا۔ کچھ عرصہ پہلے باتوں باتوں میں رامین نے شاید اسی وجہ سے اس سے تحریم کی اماں کا ایڈریس اگلوایا تھا۔ بظاہر انہیں رامین کی منگنی کا کارڈ دینا تھا۔ مگر اویس جانتا تھا۔ یہ محض بہانہ تھا۔ اصل میں تو وہ تحریم کے پراسرار میکے کی بو سونگھنے جانا چاہتی تھیں۔

"میرے اللہ۔" اسے ای این ٹی کے وارڈ جانا بھول گیا۔

☼ ☼ ☼

اماں کی حالت عجب ہو رہی تھی۔ ان کی وہ ازلی تمکنت۔ وہ مشہور زمانہ رعب و وقار کہیں ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ سامنے موجود خواتین کوئی بھولے بھٹکے سے نہیں آئیں۔ بلکہ وہ تحریم کی ساس، نندیں ہیں اور خاص الخاص ان سے ملاقات کے لیے آئی بیٹھی ہیں۔ ان کے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ چہرے پر ہمہ وقت رہنے والا اطمینان کہیں رخصت ہو گیا تھا۔ ڈھیر ساری گھبراہٹ اور خجالت لیے وہ کافی سہمی سی بیٹھی تھیں۔

تینوں خواتین جلدی کے موڈ میں نہیں لگ رہی تھیں۔ بیٹھنے کے بعد تا دیر چہار اطراف ناقدانہ دیکھتی رہیں۔ رامین، شاہین کی گیٹ سے اندر آتے وقت جو ناک سکڑی تو ابھی تک سکڑی ہوئی تھی۔ یوں پوز کیا جا رہا تھا جیسے کسی غیر آرام دہ ماحول میں آ گھسی ہوں۔ اماں کو مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر چھوڑے جمیلہ کچن کی طرف بھاگی تھی۔ آج اس کے سگھڑاپے کا امتحان تھا۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے چائے و دیگر لوازمات کی تیاری کرنے لگی۔ جبکہ ڈرائنگ روم میں۔ تحریم کی ساس کو دیکھتی اماں اندر ہی اندر پریشان ہوئی جا رہی تھیں۔ اس اچانک آمد کو بے سبب نہیں کہا جا سکتا تھا۔ گفتگو کا آغاز رسمی پیرائے کے ساتھ شروع ہوا۔

"گھر میں آپ صرف تین خواتین ہی رہتی ہیں۔" اس پہلے سوال پہ ہی اماں کا دل ڈوبنے لگا۔ تحریم کی ساس ایلیٹ کلاس کی سمبولک خواتین جیسی لگ رہی تھیں۔ ان کے دیکھنے کا انداز بہت کاٹنے دار تھا۔ اماں ان نظروں سے خائف ہو رہی تھیں۔

"جی۔" ایک مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے نہایت مختصراً" جی کہا۔

"مشکل تو ہوتی ہوگی۔"

"نہیں۔ خاص نہیں۔"

"ہاں ظاہر ہے۔ آپ عادی ہو گئی ہوں گی اس لائف کی۔" اماں خاموش رہیں۔

"آپ کی چھوٹی بیٹی نظر نہیں آ رہی؟" رامین نے بلا ارادہ یہاں وہاں دیکھا تھا۔

"وہ اس وقت کالج گئی ہوئی ہے۔" اگر یہ لوگ تحریم کی سسرالی نہ ہوتیں تو اماں کا اعتماد اور ہی شکل میں ہوتا۔ مگر اب بات کرنا تو کیا ان کے سامنے بیٹھنا بھی مشکل امر لگ رہا تھا۔ نا معلوم تحریم نے اپنے میکے کے بارے میں کیا کچھ بتا رکھا ہو اور بھول چوک میں ان کے منہ سے کچھ غلط نکل جاتا تو تحریم جھوٹی پڑ جاتی۔ اس کی حیثیت کمزور ہو جاتی اور یہ انہیں گوارا نہیں تھا سو دہری پریشانی میں گرفتار ہو رہی تھیں۔

"ہاں۔ سنا ہے وہ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہے۔"

"جی۔ جی۔" اماں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

"بڑی ہمت کی بات ہے۔ آپ نے اپنے بچوں کی تن تنہا پرورش کی۔ انہیں اس مقام تک پہنچایا۔ ویسے آپ کے ہزبینڈ۔" عین اس لمحے کوئی اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گیا۔ جمیلہ نے کسی راکٹ کے جیسی اڑان بھری اور گیٹ کھولتے ہی گنگ ہو گئی۔ سامنے تحریم کھڑی تھی۔ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے وہ تیر کی طرح اندر

آئی تھی۔ ہانپتی ہوئی جمیلہ نے پیچھے پیچھے تقلید کی۔

"میں پوچھ رہی تھی آپ کے ہزبینڈ۔" اور جب رابعہ سوال دہرانے لگیں۔ تحریم اسی لمحے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ رابعہ بیگم کا سوال ادھورا رہ گیا۔ انہوں نے خاصی بے یقینی سے پہلے تحریم کو اور پھر بڑی غضب ناک نظروں سے بیٹیوں کو دیکھا تھا۔ یقیناً" ان ہی میں سے کسی کی کارستانی تھی کہ تحریم کو مطلع کیا گیا اور وہ حاضر ہوگئی۔ ان کے جو بھی ارادے تھے فی الحال زمین بوس ہوگئے۔

تحریم سب سے پہلے ساس اور نندوں سے گلے ملی۔ تینوں کے چہروں پر بڑی مصنوعی پھیکی میٹھی مسکراہٹ تھی۔ بیٹی کو یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اماں بے ساختہ کھڑی ہوئی تھیں اور آنے والا پل ان کے لیے کسی مسرت بھرے انعام سے کم ثابت نہیں ہوا۔ تحریم ان کے گلے سے آلگی۔ بھلے اس کے دل میں جو بھی تھا مگر اماں خوش ہوگئی تھیں نثار ہونے لگی تھیں۔

"کمال ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے بتایا بھی نہیں۔ میں خود آپ لوگوں کو لے آتی۔" وہ ایک ہی صوفے پر اماں کے پہلو سے جڑ بیٹھی۔ اماں کے دل میں ممتا کے سوتے پھوٹنے لگے۔ بس نہیں چل رہا تھا۔ تحریم کو بھینچ لیں۔ اپنے سینے میں چھپالیں۔

"ہاں... بس وہ..." رابعہ بیگم سے جواب نہ بن پڑا۔

"بھابھی... میں نے میسج کیا تو تھا آپ کو..." رامین نے بروقت امدادی کمک پہنچائی۔ تحریم نے وضاحت ضروری نہیں سمجھی... اماں کی طرف رخ کرکے "آپ ٹھیک ہیں" یوں پوچھا گویا کہ ان کے بیچ کوئی چپقلش "کوئی رنجش ہو ہی نہ... اماں نے محض سر ہلایا کہ آنسوؤں کا گولا بولنے میں رکاوٹ بن گیا تھا۔ جمیلہ نے لمحوں میں میز سجادی۔

"لیں ممی... کھائیں..." تحریم پلیٹیں اٹھا اٹھا کر ساس کو پیش کرنے لگی۔

"تم بھی لو..." یہ ایک مکمل منظر تھا۔ اماں نے سوتی جاگتی آنکھوں سے نہ جانے کتنی بار دیکھا تھا۔ تحریم کا میکے آنا۔ اور یوں استحقاق سے اپنا گھر سمجھ کر آنا...

"میں پوچھ رہی تھی تمہارے ڈیڈی کے بارے میں۔" تحریم کا کٹلس کی طرف جاتا ہاتھ وہیں کہیں ساکت رہ گیا۔ اماں نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا... اس کی بدلتی ہوئی رنگت ان سے پوشیدہ نہ رہی۔

"میرا خیال ہے... میں نے آپ کو بتا رکھا ہے۔" بنا اماں کی طرف دیکھے تحریم نے مضبوط لہجے میں کہا تو اماں کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

"میں اور شہری بہت چھوٹے تھے جب وہ فوت ہوئے..." اماں نے پوری آنکھیں کھول کر تحریم کی طرف دیکھا تھا۔ وہ جیسے اردگرد سے "اپنے آپ سے" سب سے بے نیاز بولے جارہی تھی۔

"مجھے ٹھیک سے یاد بھی نہیں وہ..."

"تمہاری چھوٹی بہن...؟" اور تب رابعہ بیگم نے وہ سوال کیا جو سرے سے تحریم کے دماغ میں سے نکل گیا تھا۔ اس نے اب اماں کی طرف دیکھا۔ اماں کا چہرہ سفید لٹھے کی طرح ہورہا تھا... جبکہ اس کا کچھ ضبط کرنے کی کوششوں میں سرخ ہورہا تھا۔

"اس نے ڈیڈ کو دیکھا بھی نہیں... اور نہ ڈیڈی نے اسے... وہ جب پیدا ہوئی سب کچھ بدل گیا تھا۔" اس نے یہ تمام جملے اماں کو دیکھ کر بولے تھے... اس کی زبان کے برعکس اس کی نظروں کا بیان سمجھ کر اماں ٹوٹنے لگی تھیں۔

"اوہ... سوئیٹ... تمہاری بہن تو بہت ان لکی ہے۔ اس نے باپ کی شکل بھی نہیں دیکھی..." رابعہ بیگم مسلسل افسوس کا اظہار کرتی رہیں۔ تحریم نے دانت بھینچ لیے۔

"بہت بڑی بات ہے آپ نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ تن تنہا بچوں کو پالا... پڑھایا لکھایا... اب آپ کو اس کا اجر بھی مل رہا ہے۔ آپ کے تینوں بچے اپنی اپنی راہ لگ گئے۔" اماں نے کوشش بہت کی۔ مگر ان سے مسکرایا نہ گیا۔ ان کے دل کی زمین پر برسات ہورہی تھی۔ اس کے بعد ماحول کافی دیر تک بوجھل رہا۔ باقی تمام گفتگو اس ایک بات کی وجہ سے بے معنی ثابت ہوئی... تحریم کی ساس زیادہ دیر نہ بیٹھ سکیں۔

"ارے آپ کھڑی کیوں ہوگئیں۔ ابھی تو آئی تھیں۔ لنچ کا ٹائم ہے۔ کھانا کھا کر جائیے..." اماں بوکھلا گئی تھیں۔

"بہت شکریہ بہن... آپ سے ملنے کی خواہش تھی بس۔ اور یہ رامین کی منگنی کا کارڈ بھی دینا تھا..." رابعہ بیگم نے پرس میں سے کارڈ نکال کر ان کے حوالے کیا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"آنٹی آپ اور تحریم بھابھی آپس میں بہت ملتی ہیں۔ آپ جوانی میں ہماری بھابھی جیسی ہوں گی۔"

"کاش آپ کی دوسری بیٹی سے بھی مل لیتے۔ یقیناً" وہ بھی بہت پیاری ہوں گی۔" اماں مسکرا مسکرا کر ان کے تبصرے سنتی رہیں۔

"تحریم تم تو ابھی رکو گی نا..." اور ان کے ہمراہ ہی نکل پڑنے کو تیار تحریم کے قدم جم گئے... ساس اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"جی ہاں مما... میں کھانا کھا کر جاؤں گی۔" اور اماں جانتی تھیں۔ یہ سب محض اداکاری تھی۔ مگر پھر بھی ان کا دل تحریم پر قربان جارہا تھا۔ وہ اس کی ساس نندوں کو باہر تک چھوڑنے گئیں۔ تینوں منگنی پر آنے کی... زوردار تاکید کے ساتھ روانہ ہوئی تھیں۔ ان کی کار منظر سے ہٹتے ہی اماں جب واپس ڈرائنگ روم میں آئیں تحریم ہنوز کھڑی تھی۔ قطعی اجنبی اور لاتعلق ہوئی۔

☼ ☼ ☼

یاسمین بے دلی سے ہی سہی مگر فروغ ماہ کے انتظار میں رہیں جو نہ جانے کیوں اپنے دیے گئے شیڈول سے لیٹ ہوگئی تھی۔ اس کے لیٹ ہونے پر یہ چند دن یقیناً" سکون سے گزرتے اگر فائزہ کی فون کال نہ آجاتی۔ وہ بری طرح سے رو رہی تھی۔

"آپا... آپا... میرا سنی۔"

"کیا ہوا سنی کو؟" فائزہ کے رونے میں ایسی شدت تھی کہ یاسمین کے اپنے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"وہ مر جائے گا آپا" اس کا بہت خون بہہ رہا تھا... میرا بچہ مر جائے گا۔" یاسمین نے لائن قطع کرکے فوراً" یحییٰ کو کال ملائی تھی۔ اور انہیں "آپا" "فائزہ" گھر آنے کے لیے کہا تھا۔ جب تک وہ آئے یاسمین بے چین و مضطرب گیٹ تک کئی چکر لگا آئیں۔ رو رو کر فائزہ اور منعان کی صورتیں نظروں کے سامنے آرہی تھیں۔ نہ جانے کیا ہوا تھا منعان کو...؟

"فائزہ بہت رو رہی تھی مجھے لگتا ہے۔ سنی کو کچھ ہوگیا ہے۔" یحییٰ کے آنے پر وہ خود بھی رو رہی تھیں۔

"بہت کرو یار..." یحییٰ کے چہرے پر بھتیجے کے لیے فطری طور پر پریشانی کھنڈ گئی۔ لیکن وہ جان سے عزیز تر بیوی کے آنسو برداشت نہ کرپائے۔

"مجھے یقین ہے زکریا بھائی نے کچھ کیا ہوگا..."

"تم آنسو پونچھو۔ وہاں چلتے ہیں تو سب معلوم ہو جائے گا۔ اگر جو زکریا کی وجہ سے سنی کو نقصان ہوا ہے تو میں اس کو چھوڑوں گا نہیں۔" سنی صرف یاسمین کو ہی نہیں زکریا کو بھی پیارا تھا۔ دونوں کے مضبوط رشتے تھے ان کے ساتھ وہ یاسمین کا بھانجا ہوتا تھا اور یحییٰ کا بھتیجا۔ یاسمین سے چھوٹی فائزہ ان کے منجھلے دیور زکریا سے چار سال پہلے بیاہی گئی وہ زکریا جو انہیں اس نظر سے کبھی بھی پسند نہیں آیا تھا کہ وہ اسے اپنا بہنوئی بنانے کے لیے سوچتیں مگر وہ بن گیا۔ شاید اسی وجہ سے کہتے ہیں رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں زکریا میں جذباتیت بہت تھی۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر اشتعال میں آجاتا تھا۔ بنا کسی کا لحاظ کیے دھاڑنا گرجنا' ہر دم مزاج کو سوا نیزے پر رکھنا۔ یاسمین کی ہمیشہ کوشش رہتی وہ زکریا سے کم ہی ہم کلام ہوں۔ پھر جب زکریا کے لیے فائزہ کے رشتے کی بات چلائی گئی تو یاسمین طاقتور مخالف کے روپ میں سامنے آئیں۔ وہ مزاجاً" خاصی بہادر اور متحمل مزاج تھیں۔ ہر قسم کے ماحول میں ایڈجسٹ ہو جانے کی صلاحیتوں سے مالا مال لیکن فائزہ ایسی نہیں تھی۔ وہ نرم و نازک جذبات کی حامل' فلموں رسالوں کی شائق۔۔۔ جاگتے میں بھی خواب دیکھنے کی عادی۔۔۔ پھولوں' تتلیوں' جگنوؤں کی محبت میں گرفتار۔۔۔ رومانٹک مزاج۔۔۔ نزاہت جس کی شخصیت کا وصف تھی۔ جسے کڑوے لہجے خوفناک لگا کرتے تھے۔۔۔ اس فائزہ کے لیے یاسمین مر کر بھی زکریا کا رشتہ نہیں دے سکتی تھیں۔ نہ قبول کر سکتی تھیں۔ مگر جب یحییٰ درمیان میں آگئے تو جیسے یاسمین کے سارے عزائم' سارے ارادے منہ کے بل آن گرے۔

"جان من۔۔۔ میں نے کبھی تمہیں تکلیف دی؟ کبھی تمہیں سخت الفاظ کہے۔۔۔ کوئی ایک دن بتاؤ جب ہوا ہو؟۔۔۔" اور یاسمین کو وہ ایک دن ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا کہ ان کی شادی شدہ زندگی میں وہ دن کبھی آیا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے ہمیشہ یحییٰ کا مہربان روپ دیکھا تھا۔ زکریا کی پرچھائیں بھی یحییٰ کے مقابل نہیں آسکتی تھی۔ مگر۔۔۔

"تو زکریا بھی میرا بھائی ہے۔ ہم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ عادتاً" جدا سہی۔ لیکن مجھے یقین ہے وہ فطرتاً" نرم دل کا مالک ہے اور پھر میرے اچھے ہونے میں سارا کمال میری بیوی کا ہے۔۔۔ زکریا کو بھی اس کی بیوی سدھاروے گی پھر ہم ہیں نا فائزہ کے سر پہ۔۔۔ اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔"

"فائزہ ہی کیوں؟ شہر میں اور لڑکیاں ختم ہو گئیں کیا؟"

"یار بیوی۔۔۔" یحییٰ نے سرگوشی سے کی تھی۔ "یاسمین نے مجھ جیسے کو اپنے دام میں گرفتار کر لیا ہے تو اس کی بہن فائزہ بھی اس گر میں طاق ہو گی۔۔۔ مجھے یقین ہے۔ منٹوں میں سدھارے گی زکریا کو۔"

یاسمین کیونکر نہ پگھلتیں۔ شوہر کے ساتھ اور یقین نے انہیں زکریا کے نام پیاری بہن کرنے کا حوصلہ دیا۔!

شادی کے بعد کچھ عرصہ سب ٹھیک رہا۔ حسین و جمیل فائزہ ایسی ہو گئی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ بات بے بات اس کی ہنسی کی جھنکار گونجتی۔ مگر جب زکریا اسے اپنے ہمراہ ملتان لے گیا تو جیسے سب رنگ مدھم پڑنے لگے۔۔۔ فائزہ کی ہنسی دم توڑتی نظر آئی۔ اس کے چہرے کی شفافیت' اجلا پن گدلا ہو تا گیا۔۔۔ زکریا کسی نفسیاتی مریض کی طرح بیوی کے بیش بہا حسن سے خائف تھا یا کیا۔۔۔ اس نے فائزہ پر زندگی کی بہاریں تنگ کر دیں۔

یاسمین فائزہ سے کرید کرید کر اگلواتیں۔ اور اس کا ہر سوال پر ایک ہی جواب۔

"نہیں میں بہت خوش ہوں۔۔۔" مگر سنعان کی پیدائش کے بعد تو جیسے فائزہ عید کا چاند ہو گئی۔ اسے میکے یاسمین کے گھر آئے اتنا اتنا عرصہ ہونے لگا کہ اکثر بھائی۔۔۔ یا پھر یہاں سے یاسمین خود اس سے ملنے ملتان جا پہنچتے۔ اور یاسمین محسوس کرتیں۔ فائزہ ان کی آمد پر خوش تو بہر حال ہوتی ہی تھی۔ لیکن اس کے چہرے کی سراسیمگی اس خوشی پر حاوی رہتی۔ شوہر کی خدمت گزار یاسمین بھی تھیں۔۔۔ لیکن جس طرح فائزہ' زکریا کی ایک پکار پر لبیک کہتی۔۔۔ یہ یاسمین کے لیے پریشان کن تھا' بظاہر دونوں میاں بیوی سب کے سامنے ٹھیک رہتے۔ خاص کر زکریا

کے چہرے کا سکون قابل دید ہوتا۔۔۔ لیکن پھر بھی یاسمین جانتی تھیں گڑبڑ ضرور ہے اور وہ گڑبڑ اگلے تین سالوں تک نظر میں آگئی۔۔۔ مگر پھر بھی ان کے علم میں صرف اتنا آیا کہ زکریا اور فائزہ کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ نہیں۔۔۔ فائزہ کیا کچھ جھیل رہی ہے یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس روز یقیناً" فائزہ بہت مجبور بہت خوفزدہ ہو گئی تھی کہ یاسمین کا نمبر ملا بیٹھی۔ ورنہ بہت سے واقعات کی طرح یہ واقعہ بھی دبا سکتی تھی۔

"آپ بھی چلیں گے کیا؟" وہ جلدی جلدی اپنے دو چار جوڑے بیگ میں ٹھونستی پوچھ رہی تھیں۔

"ظاہر ہے۔ مجھے جانا چاہیے۔ اللہ نہ کرے بات زیادہ بڑھی ہوئی ہو تو میں موجود ہوں گا وہاں۔"

"نہیں یحییٰ۔۔۔ آپ گھر پہ رہیں۔۔۔ فروغ ماہ نے آنا ہے۔ اگر میری غیر موجودگی میں پہنچ گئی۔ اور آپ بھی گھر پہ نہ ہوئے تو بہت برا منائے گی۔" ہر صورت جانے پہ مصر یحییٰ فروغ ماہ کی وجہ سے مجبوراً" رک گئے۔ یاسمین جب ملتان پہنچیں ڈرائیور اسٹیشن پر پہلے سے موجود تھا۔ وہ گھر تک مختلف دعاؤں کا ورد کرتی گئیں۔ آفندی ہاؤس میں فائزہ اکیلی گھر میں چکرا رہی تھی۔ یاسمین کو دیکھا تو صبر کا دامن چھوڑے ان سے آلپٹی۔

"سنی کہاں ہے۔۔۔ مجھے بتاؤ۔۔۔ وہ ٹھیک تو ہے۔" یاسمین کا دل ڈوب رہا تھا۔ فائزہ بنا بولے دیر تک روتی رہی۔ یاسمین نے اسے چپ نہیں کرایا تھا۔

"چلو اندر۔۔۔ پانی پیو۔۔۔ اور مجھے ساری بات بتاؤ۔" یاسمین اسے ساتھ لگائے لیونگ روم میں آگئی تھیں۔

"اب بتاؤ۔" فائزہ پانی پی چکی تو انہوں نے پھر سے پوچھا۔

"زکریا سنی کو اسپتال لے گئے ہیں۔" بتاتے ہوئے فائزہ کا گلا رندھ گیا۔

"تم کیوں نہیں گئیں۔۔۔؟" یاسمین نے سخت تیوروں کے ساتھ سوالیہ دیکھا۔ فائزہ چپ رہی۔

"اتنا چھوٹا سا بچہ زکریا بھائی اکیلے سنبھال پائیں گے۔" فائزہ ہنوز چپ رہی تو یاسمین نے بھی ڈپٹنا بند کر دیا۔

"اچھا بتاؤ ہوا کیا؟"

"چمچہ لگ گیا سنی کے منہ پہ۔۔۔ آنکھ کے نیچے۔۔۔ بہت زور کا۔۔۔ جتنا بڑا چمچے کا منہ تھا' اتنا بڑا کٹ آیا۔ بہت زیادہ خون بہہ رہا تھا۔ سنی بالکل بے ہوشوں کی طرح۔۔۔" فائزہ کی ہچکیاں اس کے بولنے۔۔۔ میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔

"لیکن چمچہ لگا کیسے؟ خود سے تو نہیں اڑ کر آسکتا؟۔۔۔" یاسمین نے ہلکی سی چیخ کے ساتھ پوچھا تھا۔ فائزہ کچھ دیر تو خاموش رہی' پھر بتانے لگی۔

"زکریا۔۔۔" وہ شاید نہیں بتانا چاہ رہی تھی۔ یا بتانے کے لیے کچھ مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی کہ زکریا کہہ کر تا دیر گم صم بیٹھی رہی۔ یاسمین برابر اسے منتظر نظروں سے گھورتی رہیں۔

"زکریا مجھے مار رہے تھے۔۔۔ سنی میری لیفٹ سائیڈ پر بیٹھا تھا۔ میرے بجائے اسے لگ گیا۔"

"او مائی گاڈ۔" یاسمین نے بے ساختہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"ہماری لڑائی ہو گئی تھی۔ میں بحث کر رہی تھی۔ زکریا کو اس لیے غصہ آگیا۔"

"اور اس جاہل انسان نے چمچہ کھینچ مارا۔۔۔؟" یاسمین کا دماغ کھولنے لگا۔ غصے کی شدت سے انہیں سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہہ کر اپنے اندر کی کھولن نکالیں۔

"اور اس نے اتنی زور سے مارا کہ بچے کا منہ خونوں خون ہو گیا۔ اس کے ٹانکے لگنے کی نوبت آگئی' اور۔۔۔ اور جہالت دیکھو ہاتھ میں جو آیا اٹھا کر کھینچ مارا۔ ایسے تو یہ چھری' چاقو بھی مار سکتا ہے۔"

"آپا پلیز۔۔۔" فائزہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ یاسمین کا رد عمل اسے خوفزدہ کر گیا تھا۔ وہ نہ معلوم

کس جذبے کے ہاتھوں مغلوب ہوئی اپنی زندگی کا راز افشا کر بیٹھی تھی۔ اب اگر یاسمین زکریا کا گریبان پکڑ کر حساب کتاب لینے پر آتی تو بات سارے میں پھیل جاتی۔ اس کے روز و شب کیسے گزر رہے ہیں ایک زمانہ واقف حال ہو جاتا۔

"اور مجھے تو لگتا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ ضرور اس نے کوئی خطرناک چیز ماری ہو گی ورنہ۔۔۔"

"نہیں آپا نہیں۔۔۔ چمچہ ہی تھا۔"

"اللہ۔۔۔" یاسمین کے دل کو کچھ ہونے لگا سنعان کی تکلیف کا سوچ کر۔

"وحشی انسان۔ آج آئے تو میں دیکھتی ہوں اس کو۔۔۔ تمہیں اور سنی کو ساتھ لے چلتی ہوں۔ غضب خدا کا۔ تم دونوں اس کے پاس غیر محفوظ ہو۔ بچے کو اللہ نے بچا لیا۔ اس کی آنکھ کا نقصان ہو جاتا تو۔۔۔ بس میں کہہ رہی ہوں میرے ساتھ چلو۔۔۔ میرے گھر رہنا چاہو خوشی سے رہو۔ نہیں تو وہاں سے بھائی کو فون کروں گی۔۔۔ لے جائیں گے تمہیں۔ یہاں تمہیں اس جنگلی کے پاس نہیں چھوڑنا میں نے۔"

یاسمین کے ارادے مصمم تھے۔ فائزہ اندر ہی اندر دہلتی رہی' اسے یاسمین کو بلانے کا صحیح معنوں میں پچھتاوا ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آفس کی کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ شام آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔ نواز ابھی ابھی چائے رکھ گیا تھا۔ اسے چائے کی طلب نہیں ہو رہی تھی۔ مگر اس آفس میں کسی زندوی کی طرح صاحب بہادر کے حکم کے لیے منتظر بیٹھنا۔۔۔ اسے ہضم نہیں ہوتا تھا۔ وہ خاموشی سے چائے پینے لگا۔ ان کی چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اور سنعان کی ختم بھی ہو گئی زکریا آفندی کا سامنا اور ان سے یوں دوبدو گفتگو کرنا۔۔۔ اسے اس سب کی عادت نہیں تھی۔ سچ تو یہ تھا اسے ان کو باپ کہہ کر پکارنے کی بھی عادت نہیں تھی۔ وہ اپنی زندگی کا وہ دن بھول گیا تھا۔ جب اس نے آخری بار زکریا کو ڈیڈی کہا تھا۔ زکریا کسی زمانے میں اس کے لیے قہر کی علامت تھے۔۔۔ اور اب ترس کے قابل۔ وہ اس شخص سے یا نفرت کر سکتا تھا۔۔۔ یا اس پر ترس کھا سکتا تھا جو خون کے رشتے ہوتے ہوئے بھی ان سے دور تھا' جو محبتوں سے خالی تھا' جو وفاؤں سے نا آشنا تھا۔ اور جو دعاؤں سے محروم تھا۔۔۔

"نئی مل میں کوئی پروگریس نہیں ہو رہی۔ اسے تمہاری نا اہلی سمجھوں یا کیا؟" عموماً" وہ اس ٹائم آفس سے چلا جایا کرتا تھا۔ زکریا آفندی کی یہاں موجودگی اسے خاصی گراں گزرتی تھی۔ آج بھی وہ جانے کی کر رہا تھا کہ ان کا پیغام ملا۔ "آفس میں آؤ" یقیناً" انہیں اس کی موجودگی کی بھنک پڑ گئی تھی۔ اور ایسا ہمیشہ ہی ہوا کرتا۔ دونوں اگر ایک ساتھ آفس میں ہوتے تو زکریا اسے ملاقات کا شرف ضرور بخشتے۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔" اس کی شہد رنگ آنکھیں سکڑ گئی تھیں۔

"تم نئی فیکٹری نہیں چلا پا رہے تو مجھے بتا دو۔۔۔" وہ ابھی بھی فائلوں کی طرف متوجہ تھے۔

"ورکرز کچھ ڈیمانڈنگ ہو رہے ہیں۔ مجھے ان کو مطمئن کرنا ہے۔"

"ایسی کیا ڈیمانڈز ہیں ان کی؟" انہوں نے عینک کے پیچھے سے خاصی ناگوار نظروں کے ساتھ دیکھا۔

"ان کے رہائشی مسائل ہیں۔ بہت سے رہائش کوارٹرز ابھی زیر تعمیر ہیں۔ پانی بجلی کی سہولیات عدم دستیاب ہیں' ان مسائل کے حل میں ٹائم لگے گا۔"

"سب تمہاری وجہ سے ہے' انتہائی نان سیریس ہو۔ کام میں تمہارا انٹرسٹ ایک فیصد بھی نہیں۔ نہ جانے کن سرگرمیوں میں گم رہتے ہو۔" اور ایسا۔ ہمیشہ ہوتا تھا۔ وہ کسی ایک بات کو پکڑ کر اس کو ذلیل کرنے کا موقع

ڈھونڈ نکالتے تھے۔ سنعان کے چہرے پر ناگواری و بے زاری پھیلنے لگی۔

"تم میں ذرا سی اہلیت ہوتی تم میرے بزنس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ تمہیں اپنی آوارہ گردیوں سے فرصت ہی نہیں۔ چھ دن تم آفس میں آتے ہو۔۔۔ بقایا مہینہ تمہارا پتا نہیں کون سے چلّے کاٹتے گزرتا ہے۔۔۔ قصور تمہارا نہیں تمہارے اس بھرے پیٹ کا ہے۔۔۔ اس بھاری جیب کا ہے۔ آج اگر میں تم سے ہاتھ کھینچ لوں پھر دیکھتا ہوں کہاں لے جاتی ہے تمہاری آوارہ مزاجی تمہیں۔۔۔" وہی پرانے نصیحتے' وہی ازلی اکڑ۔۔۔ وہی میں۔۔۔ اور میں۔۔۔!!! سنعان عادی ہو گیا تھا یہ سب سننے کا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی تمہارے ساتھ کیا ہے۔ سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے ہو۔ روپوں پیسوں میں کھیلتے ہو۔۔۔ پھر بھی تمہارے غریبانہ انداز نہیں جاتے۔ کم تر لوگوں کی سی روش نہ جانے کہاں سے آ گئی تم میں۔۔۔"

سنعان کے چہرے کی ناگواری پر اطمینان غالب آ گیا تھا۔ یہی چیز زکریا آفندی کو مزید بھڑکانے کا باعث بنتی تھی۔

"یہ فیکٹریاں' یہ پلازے' یہ جائیداد' راتوں رات نہیں بنی۔ میرا خون پسینہ لگا ہوا ہے۔ دن رات محنت میں جھونکا خود کو۔۔۔ تب جا کر یہ ہاتھ آیا۔"

"کاش آپ اس سے کہیں آدھی محنت گھر کو گھر بنانے میں لگاتے۔۔۔ تو آج کہیں دگنے دولت مند ہوتے۔"

ہلکی سی چبھن سنعان کے دل میں ہوئی تھی۔ مگر اس نے اسے دل میں ہی دبا دیا۔۔۔ یہ موضوع زکریا آفندی کے پسندیدہ موضوعات میں سے ایک تھا۔ وہ سنعان کو اس کی اصلیت دکھانے کے لیے رات بھی کر سکتے تھے۔ مگر سنعان بور ہو گیا تھا۔

"میں جاؤں۔۔۔؟" نہ وہ سوال پوچھ رہا تھا۔ نہ اجازت طلب کر رہا تھا۔ انداز ایسا دل جلا تا کہ زکریا اندر تک جھلس گئے۔

"ہو نا وہی جاہل ماں کے جاہل بیٹے۔۔۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا۔ پیپر ویٹ خاصی زوردار آواز کے ساتھ ٹیبل پر لڑھکایا تھا۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گے۔۔۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مگر یاد رکھنا۔۔۔ میں تمہیں پلیٹ میں رکھ کر کھلانے والا نہیں۔" وہ دروازے تک بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ پلٹ کر انہیں دیکھا۔۔۔ اور ٹھوس لہجے میں کہا۔

"مجھے آپ کو جتانا یاد نہیں رہا۔۔۔ میں مما کو لاہور لے کر جا رہا ہوں۔" کوئی وجہ' کوئی وضاحت دیے بغیر وہ آفس سے نکل گیا تھا۔ زکریا آفندی سن ہو بیٹھے تھے۔

☼ ☼ ☼

غوری منزل کے ہر پورشن میں آج حبس کا راج تھا۔ معیز بولایا بولایا پورشن سے نکل کر علیزہ کی طرف گیا۔ مگر یہاں بڑھا کو ماحول نے استقبال کیا۔ شانزے' علیزہ کے کمرے میں اس سے سر جوڑے کسی اسائنمنٹ کی تیاری میں لگی تھی۔

وہاں سے سیدھا سلمان غوری کے پورشن کی طرف آیا۔ یہاں وہی گزشتہ کئی روز سے چھایا تناؤ قابض تھا۔ گرینی سمیت سب اس کے زیر اثر آئے اپنے اپنے حجروں میں بند تھے۔ معیز خوب بدمزا ہوا۔

"سب کو دورے سے پڑے ہوئے ہیں۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا وہ واپس جانے کے لیے جیسے ہی مڑا۔۔۔ ملیکہ کا پوری طاقت کے ساتھ پھینکا جوگر بڑی بے تکلفی سے ناک پر آ لگا۔

"اوئی۔۔۔ مر گیا۔" اسے دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ ناک پکڑتا وہیں قالین پر بیٹھتا چلا گیا۔

"سوری۔۔۔" ملیکہ کے چہرے پر ہلکی سی شرمندگی تھی۔ دوسرا جوگر اس نے تمیز سے اتار کے رکھا۔

"آپ ہار کے آئی ہیں۔ آئی نو۔۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں اپنی ہار کا بدلہ آپ ہم سے آکر لیں۔"

"تھینکس۔" ملیکہ کی شرمندگی فوراً ہوا ہوئی۔ "تمہیں کہیں سکون ہے۔۔۔؟ جب دیکھو دوسروں کے گھروں میں تاکا جھانکی کر رہے ہو۔۔۔" وہ صوفے پر ڈھیر ہو گئی تھی۔

"ہائے واوے۔۔۔ بہت بری طرح سے ہاری ہیں کیا؟" معوز کو ابھی کے لیے ایک سامع مل گیا تھا۔ ناک کو بھول کر وہ بوریت بھگانے کے نقطے پر عمل پیرا ہوا۔

"میں ہار جانے پر اداس نہیں ہوں۔ بلکہ میں جس لڑکی سے ہاری ہوں اسے بیڈمنٹن کی اے' بی۔ سی بھی نہیں آتی۔۔۔ بلکہ اس کی شکل دیکھ کر لگتا ہے اسے کچھ بھی نہیں آتا۔"

"واقعی۔۔۔" معوز کو حیرت ہوئی۔

"عقیدت فاطمہ۔۔۔ نام بھی دقیانوسی سا۔۔۔ خود بھی ایک نمبر کی پینڈو۔ اس کی شکل دیکھ کر بھیک دینے کو دل کرتا ہے۔۔۔"

"پر وہ جیتی کیسے؟" ملیکہ پٹری بدل رہی تھی۔ معوز نے جلدی سے کہہ کر اسے موضوع کی طرف واپس کھینچا۔

"اس نے چیٹنگ کی۔ عین ٹائم پر پارٹنر بدل لیا۔ فورتھ ائیر کا شرجیل انصاری۔ ساری شاٹس اس نے کھیلیں۔ یہ بس ہاتھ میں ریکٹ لیے کھڑی رہی۔۔۔"

"ہو ہی نہیں سکتا۔" معوز نے دل میں کہا تھا۔

"اور تم دیکھو اس شرجیل انصاری کو عقیدت فاطمہ میں کیا نظر آیا؟ اتنی ساری لڑکیوں میں اس نے اسی کو ہی چوز کیوں کیا۔" سارا قصہ سمجھ میں آگیا تھا معوز کے۔ اصل میں تو غم شرجیل انصاری کی نظر کرم عقیدت پر پڑنے کا تھا، نہ کہ ہارنے کا۔

"میں اس کو جیت نہیں مانتی۔"

"آپ کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ جیت تو وہ بہرحال گئی۔" معوز نے ملیکہ کے زخم پر جان بوجھ کے نمک چھڑکا۔

"اور اگر شرجیل انصاری نے آپ کے ساتھ نہیں اس کے ساتھ پینو بنایا تو اس کو لک کہتے ہیں۔ آئی مین شی از آنکی گرل۔" ملیکہ نے بڑی بری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اور اسپورٹس مین کا تو بہت بڑا دل ہونا چاہیے۔ جس میں جیت بھی سما سکے۔ اور ہار بھی۔۔۔ وہ اسپورٹس مین ہی کیا۔۔۔ جو پہلی ہار پر رونے بیٹھ جائے۔"

"تم چلتے نظر آؤ۔" ملیکہ انگلی کے اشارے سے اسے باہر کا راستہ دکھا رہی تھی۔

"کیوں آپ نے دوسرا جوگر مارنا ہے؟" اور ملیکہ نے مارنے کے لیے اٹھا بھی لیا۔ وہ حقیقتاً "سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ملیکہ نے اطراف میں نظریں گھمائیں۔ کشف کی وجہ سے گھر میں خاموشی چھائی تھی' جانے اس کھینچا تانی کا کیا انجام ہو۔۔۔! ایک گہرا سانس لے کر۔۔۔ خاص مضمحل۔۔۔ سی۔ ڈھلے ڈھالے قدموں کے ساتھ کمرے کی طرف جانے لگی۔ آج عقیدت نے کمال کر دکھایا تھا۔ جن کی نظروں میں نہیں آتا تھا۔ ان کی نظر میں بھی آگئی تھی۔

٭ ٭ ٭

مغرب ہونے میں ابھی وقت تھا جب رجا نے اسے گھر کے گیٹ پر اتارا۔

"اندر نہیں آؤ گی؟" اس نے اخلاقاً کہا۔ حالانکہ جانتی تھی رجا نہیں آئے گی۔ شام گہری ہونے لگی تھی اور اس کی مما کو بھی انتظار ہو گا۔

"پھر کبھی۔" وہ حسب توقع جواب دیتی گاڑی اسٹارٹ کرتی فوراً" وہاں سے غائب ہوئی۔ عقیدت دھڑکتے دل کے ساتھ گیٹ کی طرف پلٹی جہاں جمیلہ منتظر کھڑی تھی۔ عقیدت کے دل میں گدگدی ہونے لگی۔ آج وہ ایک معرکہ سر کر آئی تھی۔ آج شاندار استقبال بنتا تھا۔ اسے توقع تھی جمیلہ پھولوں کے ہار نہ سہی پر کچھ ایسا ضرور کرے گی جو اس کی جیت کے شایان شان ہوتا۔ مگر اسے دھچکا لگا۔ جمیلہ کے چہرے پر ایسا کوئی اشتیاق نہیں تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے عقیدت کا بیگ' فائل اور جوتے رکھتی رہی۔ عقیدت کی حیرت میں الجھن گھل گئی۔

"خیر تو ہے؟" جمیلہ کو نظروں میں تولتی وہ پوچھنے لگی۔ کچھ توقف کے بعد جمیلہ نے جواب دیا۔

"ہاں۔۔۔" اور کچن کی طرف جاتے جاتے پوچھنے لگی۔ "تمہارے لیے کھانا لگاؤں۔"

نفی میں سر ہلانے کے بعد عقیدت نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"اماں کہاں ہیں؟" اس کا جوش ٹھنڈا پڑنے لگا۔

"وہ ابھی ابھی کمرے میں گئی ہیں۔ مغرب کی نماز پڑھ کر نکلیں گی۔" بتانے کے بعد جمیلہ کچن میں گھس گئی۔

اس کا حیرت سے منہ کھل گیا۔ خاصی ناراض شکل لیے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

جمیلہ چائے کا کپ لیے اس کے قریب آگئی۔

"میں نے نہیں پینی۔۔۔" اس کے چہرے پر شدید ناراضی تھی۔

"اچھا ہاں۔۔۔" جمیلہ نے اچانک ہی ماتھا پیٹا تھا۔ "آج تو تیرا مقابلہ تھا۔۔۔ کیا نتیجہ نکلا۔۔۔" کہاں تو۔۔۔ اتنے دنوں سے وہ عقیدت کو سکھانے کے لیے ہوش سے بیگانہ ہو رہی تھی۔ اور کہاں آج غیروں کی طرح سرسری سا پوچھ رہی تھی۔ عقیدت کی ساری خوشی کافور ہو گئی۔ اسے جمیلہ سے یہ امید نہیں تھی۔

"میں جیت گئی۔" وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہا۔۔۔ واقعی" جمیلہ نے بڑے دھیمے سروں میں چیخ مارتے ہوئے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ عقیدت کو سراسر اداکاری لگی۔ وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی۔

جمیلہ کی ہر پکار بے توجہی سے سنتی وہ ٹیرس پر آگئی تھی۔ کھلی ہوادار فضا میں سانس لینے کی اشد خواہش ہو رہی تھی وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکنے لگی۔ عجیب زندگی تھی اس کی جس میں خوشی اور مسرت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ آنسو رکنے میں نہ آئے تو وہ انہیں آزادانہ بہانے لگی۔ اور شاید تا دیر بہاتی رہتی اگر سامنے والے لان میں بابا جی نہ نظر آجاتے۔۔۔ ان کے چہرے پر پریشانی ثبت تھی۔ اس سے ہاتھ کے اشارے سے رونے کی وجہ پوچھنے لگے وہ دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی کھڑی ہو گئی تھی۔ اس وقت اس گھٹن زدہ ماحول میں رہ کر آنسو بہانے سے کہیں اچھا تھا بابا جی کے گھر جایا جائے۔ وہ چہرے سے آنسوؤں کی باقیات مٹاتی جلدی سے نیچے آگئی۔

"میں سبکتگین بابا کے گھر جا رہی ہوں۔ اماں کو بتا دینا۔"

"لی۔ بات سن بلی" جمیلہ اس کے پیچھے لپکی۔ وہ بنا اس کی طرف متوجہ ہوئے گیٹ پار کر گئی۔ رنجور سی ہوئی جمیلہ واپس لاؤنج میں آگئی۔ بلی کو کیا پتا آج کیا ہوا تھا۔ آج کون آیا تھا۔ پہلے تحریم کی ساس نندیں۔۔۔ اور پھر تحریم خود۔۔۔ وہ کتنی خوش تھی۔۔۔ کتنی زیادہ پرجوش تھی۔ وہ سب ملیں بھی ٹھیک ٹھاک اخلاق سے۔ عمران کے جانے کے بعد تحریم نے ساری خوشی ملیامیٹ کر دی۔

"یہ مت سمجھیے گا۔ آپ کی عزت وغیرت بچانے یہاں آئی تھی۔ مجھے صرف اور صرف اپنی اپنے بچوں کی فکر

تھی۔ اپنی عزت کی فکر تھی۔ جو پردے میں نے اس عزت کو بچانے کے لیے ڈال رکھے تھے۔ ان کی فکر تھی۔ اپنی کو سنبھالتی بچانے آئی۔۔۔ میں اپنے لیے یہاں آئی کیونکہ میری زندگی ان کے ساتھ گزرتی ہے۔ جھوٹ کی بنیاد پر ہی سہی مجھے ساری زندگی ان کے بیچ رہنا ہے۔۔۔ میں اپنا گھر بچانے آئی۔ اور خدا نہ کرے اگر میں آپ کی جیسی ہوں۔ شکل خدا نے بنائی ہے۔ لیکن میری زندگی کا وہ آخری دن ہوگا جب مجھے لگے گا میں آپ کے جیسی ہوں۔ میں آپ کے جیسی نہیں۔" وہ اماں کی خوشی پر پانی پھیر کر چلی گئی۔۔۔ اور تحریم کوئی آسیب تھی جو جب آئی گھر سارے پر سایہ کر گئی۔۔۔

☼ ☼ ☼

مشکل نام والے بابا کے گھر وہی اپنائیت بھری فضا تھی۔ ان کی ہردم تیر مار کر نظروں نے گھورتی بیگم نے آج بھی انہی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ اندر سے اتنی زیادہ دکھی ہو رہی تھی کہ باباجی کی بیگم کا روکھا سوکھا رویہ محسوس ہی نہ کیا۔ جب تک وہ مغرب کی نماز ادا کر کے آئے۔ وہ لان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر گم سم بیٹھی رہی۔۔۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ لان کے درخت ہیبت ناک لگنے لگے تھے۔ عام طور پر وہ اس وقت یہاں نہ بیٹھتی مگر آج دل ہر احساس ہر جذبے سے ماورا صرف اداسی کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔

"ارے بھئی یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ اندر کیوں نہیں گئیں؟"

"آپ کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔" وہ تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

"چلو پھر اب اندر چلیں۔" بابا بدستور کھڑے تھے۔

"نہیں ٹھیک ہے سبکتگین بابا۔" اس کے لہجے میں لجاجت تھی۔ وہ قریب کی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"مجھے صرف بابا کہہ دیا کرو۔ سچی کوئی تکلیف نہیں لگتا خالی بابا کہنے پر۔" ان کا انداز مزاحیہ تھا۔ وہ سر جھکائے ہاتھوں کی لکیروں میں کھوئی رہی۔ عام دنوں میں وہ ان کی بذلہ سنجی پر ہلکا سا مسکاتی ضرور تھی۔ مگر آج اور خاص کر ابھی سب کچھ برا لگ رہا تھا۔

"ویسے آج تمہارا میچ بھی تھا۔۔۔" جس قسم کی اس کی حالت ہو رہی تھی۔ افسردہ اداس۔۔۔ اس کے پیش نظر بابا نے ہچکچاہٹ کے ساتھ پوچھا۔ اس کے چہرے پر بڑا بڑا لکھا تھا۔ وہ ہار گئی ہے۔

"میں جیت گئی۔" باباجی کو جھٹکا لگا۔

"کمال ہے تم جیت گئیں۔" وہ خوشگوار مسرت میں گھر کر بولے۔

"جی۔۔۔" اس کا لہجہ ہنوز تھکا تھکا تھا۔

"لڑکی تمہیں خوشی والے ایکسپریشن دینے بھی نہیں آتے۔۔۔" وہ ڈپٹ رہے تھے۔ عقیدت کے چہرے کا حزن گہرا ہو گیا۔

"عادت جو نہیں ہے۔۔۔"

"خود پر ترس کھانے والے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔۔۔ بہادر بنو۔۔۔ اور مجھے ہنس کے دکھاؤ۔" وہ ہنسنے کا درس دے رہے تھے۔ اور اس کے آنسو بہہ نکلے۔ باباجی کے ساتھ گزشتہ دنوں بیڈمنٹن کھیلنے کی وجہ سے اتنی بے تکلفی ہو گئی تھی کہ وہ وہ باتیں بھی ان کے سامنے کرنے لگتی جو کسی اور سے نہیں کر سکتی تھی۔

بابا اب کی بار خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"میری زندگی بہت ایب نارمل ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی۔۔۔ میری اماں۔۔۔ وہ ہیں میری اماں۔۔۔ مگر وہ ضرورت کے وقت اکثر مجھے خود سے دور محسوس ہوتی ہیں۔ تب وہ مجھے صرف تحریم آپی اور بھائی کی اماں لگنے لگتی ہیں۔ تب

بھی ان سے خول محسوس ہونے لگتا ہے۔"

"مگر وہ تمہاری ماں ہیں۔ ہردم تمہاری فکر میں رہتی ہیں۔۔۔ تمہارے لیے دعا گو رہتی ہیں۔ وہ اولاد بہت خوش قسمت ہوتی ہے جو اپنے والدین کی دعاؤں کے حصار میں رہے۔ تم بدگمان ہو کر گناہ گار مت بنو۔"

"میں بدگمان نہیں ہو رہی۔۔۔ میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ میرے قریب ہوتے ہوئے بھی مجھ سے بہت دور ہیں۔۔۔ ہمارے درمیان ماں بیٹی والی کوئی بے تکلفی نہیں۔ وہ مجھ سے اپنے راز چھپاتی ہیں۔ اور میں ان کو اپنے دل کا حال نہیں بتا پاتی۔۔۔" اس کے انداز میں شدید نوعیت کی بے بسی عود آئی۔

"زیادہ برا تم کر رہی ہو۔" باباجی کے لہجے میں فہمائش تھی۔

"اپنی دوستوں کی ماؤں کو دیکھ کر میرے اندر کا خلا بڑھتا جا رہا ہے۔۔۔ آپ جانتے ہیں میرے دل میں بے شمار سوالات ہیں۔ مگر اماں نے اپنے گرد ایسا خول تان رکھا ہے کہ نہ بتاتی ہیں کچھ اور نہ پوچھنے دیتی ہیں۔۔۔" باباجی نے اسے کھل کر رونے دیا تھا۔ روتے روتے جب تھک گئی خود ہی چپ بھی ہو گئی۔ اب چہرے پر خفت ہی خفت تھی۔

"یہ رونا دھونا اور شکایتیں صرف اس وجہ سے تھیں کہ اماں اور جمیلہ نے مبارکباد نہیں دی؟" باباجی پوچھ رہے تھے۔ اس نے ہونٹ لٹکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ خوشی تو ہم یہاں بھی سلیبریٹ کر سکتے ہیں۔۔۔ چلو اب اندر۔۔۔ تمہاری آنٹی دوبارا اپنی آنکھوں سے گولیاں مار کر گئی ہیں۔ اب ٹینک لے کر نہ آجائیں۔" بابا ہنسنے کی ایکٹنگ کر رہے تھے وہ ہنسنے لگی۔

"بتاؤ کیا بناؤں۔۔۔ کیا کھاؤ گی؟"

"وہی کارن سوپ جو اس دن آپ ہمارے گھر لائے تھے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔۔۔"

"اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ قدرے ہچکچائی۔ رات ہو گئی تھی۔ اور اماں خفا ہی نہیں پریشان بھی ہوں گی۔

"ان دونوں کو یہیں بلوا لیتے ہیں۔ سب مل کر تمہاری جیت سلیبریٹ کرتے ہیں۔" باباجی کا یہی کمال تھا۔ خود بھلے اندر سے کتنے ہی دکھی ہوں۔ دکھی لوگوں کو خوش کر کے چھوڑتے تھے۔ وہ بھی ہلکی پھلکی ہوئی ان کے ہمراہ کچن کی طرف ہولی۔

☼ ☼ ☼

شاید بجلی چلی گئی تھی۔ کمرے میں ایسا گھپ اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ سارا دن مختلف کاموں میں رگڑے رہنے کی وجہ سے دلو کی آنکھ رات کو کسی مردے کی طرح بند ہوتی تھی۔ بجلی آئے جائے جلال غوں غاں کرے کیڑے خراب کرے۔ اس کی بلا سے۔ وہ مردوں کی نیند سویا رہتا۔ ابھی بھی گھپ اندھیرے میں صرف خراٹے یا جلال کا تیز رفتاری سے چلتا نفس سنائی دے رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔۔۔ کوئی اندر آیا تھا۔۔۔ اور اب جلال کی طرف بڑھ رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

☼ ☼

صفیہ احمد

دور فاصلے پر کالے کالے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بادل جمع ہو رہے تھے۔ اور گرجتے ہوئے آبادی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہوا بھی تیز ہوگئی تھی سوہا نے چراغ روشن کیا۔ اور چارپائی دیوار کے پاس کھینچ کر لے آئی۔ اس وقت طیور کے قافلے تیزی کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے طوفان برق وبار سے بچنے کے لیے دامن کوہسار کی جانب جا رہے تھے۔ سوہا کے گھر کے آس پاس جو درخت تھے ان پر بھی طیور نے شور اودھم مچا رکھا تھا۔

نیلے نیلے بادلوں پر کلنگ کا ایک قافلہ کہیں سے اڑتا چلا آرہا تھا۔ ان کا سردار آگے آگے تھا اور باقی ماندہ پرندے ایک کھلی ہوئی مقراض کی طرح دو قطاروں میں پیچھے پیچھے اڑے جا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ پردیسی بھی کوئی پناہ کا آسرا ڈھونڈ رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش ہونے لگی تھی۔ ہوا درختوں میں سائیں سائیں کر رہی تھی۔ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سے دل دہل جاتا تھا۔

سوہا نے گھبرا کر چارپائی پر لیٹے اپنے دونوں بچوں کو دیکھا' دونوں نیند میں تھے اور پھر سر باہر نکال کر آسمان کی طرف دیکھا جو آج برسنے پر تلا ہوا تھا۔

"ہائے اللہ۔ برسات جس تیزی سے ہو رہی ہے' ڈر ہے کچھ دیر بعد ہماری چھت ہی ہم پر نہ آجائے۔" سوہا نے گھبرا کر چھت کی طرف دیکھا۔ اینٹ اور گارے کی بنی چھت جگہ جگہ سے ٹپکنا شروع ہوگئی تھی۔

"پریشان نہ ہو۔ کچھ دیر میں رک جائے گی بارش۔ تو ایسا کر اسی چارپائی پر آجا۔" سکھو نے اپنی چارپائی پر جگہ بنائی۔

"اس پر تو پہلے ہی تم اور دونوں بچے لیٹے ہیں۔ اگر میں بھی آگئی تو یہ ٹوٹ نہ جائے۔ میں یہیں بیٹھی ہوں۔" سوہا نے ٹوٹی پھوٹی چھلنگا سی چارپائی پر ہی بیٹھے بیٹھے کہا۔

وہ بار بار پریشانی سے صحن سے نظر آتے آسمان کو دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ اس کے دیکھنے سے برسنا بند کردے گا۔

"کوئی بات نہیں۔ رات بیٹھ کر گزارہ کرلیں گے۔ صبح کچھ کریں گے۔" سکھو نے نرمی سے کہا۔

"تم ایسا کرو چھٹکی کو میری والی چارپائی پر لٹا دو۔ تم دونوں باپ' بیٹے اس چارپائی پر لیٹ جاؤ۔ ہیرا ابھی اب بڑا ہو رہا ہے۔ چھوٹی پڑے گی تمہیں کھاٹ' دو منٹ کے لیے سکون سے سو جاؤ۔"

"تو جاگتی رہے اور میں سکون سے سو جاؤں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" سوہا نے شوہر کی محبت پر اسے نرم نظروں سے دیکھا۔

"کیا چولہا جل سکتا ہے۔" سکھو نے اس سے ایک مشکل سوال کیا۔

"کیسے جلاؤں۔ دیا سلائی سیل گئی اور اوپلے بھیگ گئے ہیں۔ ورنہ کوشش کرکے جلا لیتی۔"

"چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اتنی خوف ناک آوازیں آرہی ہیں بادلوں کی۔ اس شور میں نیند تو کیا آئے گی۔ ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں بارش اور شدید نہ ہوجائے۔"

"اللہ نہ کرے۔ یہ رحمت تو ہمارے لیے مشکلیں لے آتی ہے۔ خیر کی دعا مانگو چھٹکی کے ابا۔"

"خیر ہی کی دعا مانگ رہا ہوں اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔" سکھو نے بڑبڑاتے ہوئے ہیرا کے اوپر جگہ جگہ سے پیوند لگی رضائی ڈالی۔ جسے شاید سردی لگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آسمان اب بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ طلوع ہونے والی سورج کی کرنیں ابھی مدھم مدھم تھیں۔ ہواؤں کے نرم جھونکوں میں رات بھر ہونے والی بارش کی نمی رچی ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہے ہو۔" سوہا کی کھٹکے پر آنکھ کھلی تھی۔ باتیں کرتے کرتے نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا جو اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ صبح کی سپیدی

آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی ساری رات برستا آسمان اس وقت بے حد پرسکون تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا یہ ساری رات برسا ہے۔ مگر صبح کی روشنی ابھی رات کی تاریکی کو مکمل ختم نہیں کر سکی تھی۔

"آج کھیت جوتنا ہے نا۔" سکھو نے اپنا ضروری سامان اٹھاتے ہوئے اسے آہستگی سے جواب دیا۔

"ناشتا تو کرلو۔" سوہا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیسے کرلوں۔۔۔ کیا ساری رات تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی جو اوپلے سوکھ گئے۔" سکھو کا انداز سادا تھا۔ مگر سوہا کو لگا جیسے وہ طنز کر رہا ہے۔

"تو کیا میں نے جان بوجھ کر رات کو چائے نہیں بنائی تھی۔" سوہا کے انداز میں خفگی تھی۔

"ارے تو میں کب تجھے الزام دے رہا ہوں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں تو سوجا ابھی۔ اوپلے ابھی گیلے ہی ہوں گے۔ تو چولہا کیسے جلے گا۔ میں دوپہر کو آکر کھاؤں گا۔"

"اچھا۔" سوہا نے مایوسی سے کہا۔ مگر وہ دوبارہ لیٹی نہیں اور اٹھ کر اسے سامان دینے میں مدد کرنے لگی۔ پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔

"پر ایک بیل سے کیا ہوگا۔"

"کل فیضو سے اس کا بیل مانگا تو تھا۔ آج تو کام چلا لوں۔ کل پھر دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"پر دوسروں کے بیل کے سہارے تو کھیتی ہو چکی۔" سوہا نے چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹی اور چھت کے ٹپکتے شگاف کے نیچے رکھی بالٹی کو اٹھا کر صحن میں لے گئی۔ مٹی نے جتنا پانی خود میں جذب کرنا تھا کرلیا۔ باقی وہ اس کے سینے پر یوں ہی دھرا تھا۔

"ہاں۔۔۔ پر کیا کیا جائے۔" سکھو کی ایک عادت بہت اچھی تھی۔ وہ زیادہ بحث نہیں کرتا تھا اور نہ ہی فضول میں بات کو آگے بڑھاتا تھا۔ اب بھی مختصر جواب دے کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

چھوٹے سے صحن اور ایک کمرے کو سمیٹنے میں دیر ہی کتنی لگی۔ سوہا نے صحن کو صاف ستھرا کیا۔ کمرے کی بکھری چیزوں کو سمیٹا۔ چھنکی اور ہیرا دونوں اٹھ چکے تھے اور اب بھوک بھوک کا شور مچا رکھا تھا۔ اس نے بمشکل آگ سلگائی اور دونوں کو ناشتا دے کر سکھو کے لیے روٹی پکانے لگی۔ اس نے کنستر میں جھانک کر دیکھا تھوڑا سا ہی آٹا رہ گیا تھا۔

"اگر آج کام نہیں ہوا تو کیا کل سے ہمیں فاقے کرنے پڑیں گے۔" یہ سوچ کر ہی اسے جھرجھری آگئی اور وہ صدق دل سے دعا کرنے لگی کہ سکھو آج شام تک کام کرلے کھیتوں پر۔ مگر ہر دعا قبول نہیں ہوتی۔ کچھ ہی دیر میں سکھو تھکا ہارا نظر آیا۔ سوہا جو اس وقت لپائی کے لیے مٹی گوندھ رہی تھی کہ دھوپ نکل آئے اور چھت کے سوراخوں کو بھر دے۔ سکھو کو دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"ابھی تو بیل لے کر گئے تھے۔ چھنکی کے ابا اتنے سویرے ہی لوٹ آئے۔"

"کیا کرتا۔۔۔ ایک چوتھائی کھیت پلٹا تھا کہ ضلع دار آگئے۔"

"تو۔۔۔ ان کا حصہ تو ہم دے چکے ہیں۔" سوہا نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔۔۔ پر انہوں نے کہا ہے ان کا حصہ لاؤ۔" سکھو نے سامان صحن کے کونے میں پھینکتے ہوئے کونے میں رکھے مٹکے سے پانی نکالا اور چارپائی پر بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ وہ گہری سوچ میں تھا۔

"ان کا حصہ۔۔۔ کیسا حصہ۔۔۔ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا اس کا۔"

"دماغ تو ٹھیک تھا اس کا۔ بس ہم جیسے غریبوں نے خراب کر دیا ہے۔"

"پھر اب کیا ہوگا۔ گھر میں تو اب پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

سوہا نے تشویش سے کہا۔ وہ ہاتھ دھو کر اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی تھی۔

"یہ ہی تو میں نے بھی کہا۔ بس انہوں نے کھیت سے نکال دیا۔"

"نکال دیا۔۔۔ اس کے باپ کا کھیت ہے جو نکال دیا۔"

"اتنا غصہ تو مجھ پر کیوں کر رہی ہے۔ انہوں نے نکال دیا تو میں کیا کرتا۔ ہاتھ پیر ہی جوڑ سکتا تھا۔ منتیں کر سکتا تھا۔ وہ سب کرلیا۔ مگر وہ کس سے مس نہ ہوا۔"

"پھر۔۔۔ کیا کرو گے۔" سوہا کو اندازہ تھا کہ سکھو نے بہت منت سماجت کی ہوگی اس خبیث کی۔ مگر۔۔۔

"کرتا ہوں کچھ۔۔۔" سکھو نے گلاس سوہا کو واپس کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

☼ ☼ ☼

"کیا کہا گنگو مہاجن نے۔۔۔" سوہا نے چھنکی اور ہیرا کے کپڑے الگنی سے اتار کر تہ کرتے ہوئے چارپائی پر ہی رکھ دیے اور پانی کا گلاس لے کر سکھو کے پاس چلی آئی جو اندر آکر خاموشی سے چارپائی پر لیٹ گیا تھا۔

"وہ کہتے ہیں کہ جب تک پچھلا روپیہ نہیں دو گے ہم ایک پائی ادھار نہ دیں گے۔"

"ان کے کل تیس ہزار دینے تھے اور ہم انہیں سب ملا کے پندرہ اور بیس ملا کے پینتیس ہزار دے چکے ہیں۔ اب بھی ان کا روپیہ نہیں اترا۔" سوہا نے تلخی سے کہا۔

"یہ ہی میں نے بھی کہا۔ پر وہ کہتے ہیں 'وہ سب تو سود ہے۔'"

"اللہ غارت کرے اس سود خور کو۔۔۔ بڑا بے ایمان ہے۔"

"بے ایمان نہ ہوتا تو آج لاکھوں کا مالک ہوتا۔"

"تو ایمانداری کیا انسان کو کوڑی کوڑی کا محتاج رکھتی ہے۔" سوہا کی آواز دھیمی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان دونوں کی باتیں اس کے بچے بھی سنیں اور ان کی بنیادوں میں کوئی کمی رہ جائے۔

"آج کل کے زمانے میں تو واقعی۔۔۔" سکھو نے حسب معمول مختصر جواب دیا۔

☼ ☼ ☼

اوطاق میں ابھی تھوڑی دیر پہلے چند مزارعے موجود تھے جواب جا چکے تھے زمیندار نے دو خدمت گاروں کے سوا سب کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا اب صرف زمیندار اور اس کے دونوں خدمت گار وہاں موجود تھے اس نے ہاتھ جوڑ کر کھڑے سکھو کو ایک نظر دیکھا پھر بولا۔

"میں اپنے ملازموں کے خلاف ایک بات نہیں سنوں گا۔" زمیندار کے لہجے میں رعونت تھی۔ آنکھوں میں تکبر اور گردن میں سریا۔

"مگر سرکار ہم لگان دے چکے ہیں۔ ایسے سے کھیت جوتنے سے روکا گیا تو ہمارے بال بچے تو بھوکے مرجائیں گے۔" سکھو نے زمین پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ جوڑے۔ زمیندار اس وقت اپنے کارندوں سے اپنے کندھے دبوا رہا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ایسا سرور تھا کہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ سکھو کی بات پر اس نے آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

"تمہارے بال بچوں کی ذمہ داری میری نہیں ہے۔ ضلع دار کا حق نہیں دو گے تو وہ تمہیں کھیت میں گھسنے بھی نہیں دے گا۔"

"سرکار مگر کھیت تو ہمارا ہے۔" سکھو نے دبی زبان میں کہا۔

"ہاں تو ہم کون سا تمہارے کھیتوں پر قبضہ کر رہے ہیں یا اس پر بلڈوزر چلوا رہے ہیں۔ اپنا حق ہی تو مانگ رہے ہیں۔ جو تم لوگوں کے دلوں سے نکلتا ہی نہیں۔ خون تھکوا دیتے ہو تب کہیں جا کے کچھ پیسے دیتے ہو جیسے ہمارے باپ دادا پر احسان کر رہے ہو۔"

"سرکار۔۔۔ آپ کو اپنے بزرگوں کا واسطہ" سکھو نے گڑگڑا کر التجا کی۔ اسے لگ رہا تھا زمیندار کو غصہ آگیا ہے اپنا کھیت کہنے پر اس نے غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے خوشامد کی۔

"بس میں نے کہہ دیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تم لوگ ضلع داروں کارندوں کو خوش نہیں رکھو گے تو یہ ہی ہوگا۔ بھوکے مرتے ہو تو مر جاؤ۔ آخر کیا کیا جائے۔ ہماری بھی مجبوری ہے۔

لعل خان۔۔۔ میرے سر میں بھی درد ہے۔ اندر سے تیل لا کر سر کی بھی مالش کر۔ اس نے تقریریں کر

کے میرے سر میں بھی درد کر دیا ہے۔"

یہ اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ اب وہ سکھو کی کوئی بات نہیں سنے گا۔ اور اگر اس نے زبردستی سنانے کی کوشش بھی کی تو اس سے کوئی بعید نہیں کہ اسے اٹھا کر باہر پھنکوا دے گا۔

سکھو، خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

رات کا وقت تھا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ کل ساری رات آسمان برس کر صاف شفاف ہو گیا تھا آج تاروں کا قافلہ آسمان پر رکا ہوا تھا۔ سوہا صحن میں رکھی چارپائی پر لیٹی ستاروں کو گنتی رہی۔ چھنکی اس سے چمٹی ہوئی بے خبر سو رہی تھی۔ دوسری چارپائی پر سکھو سارا دن کا تھکا ہارا بے خبر سو رہا تھا۔

"کل کیا ہو گا۔" ایک بڑا سا سوالیہ نشان ستاروں کی جگہ آسمان پر بنا ہوا تھا۔ بظاہر اس کی نظریں آسمان پر تھیں مگر ذہن کل میں الجھا ہوا تھا۔ گھر میں جو اناج تھا ختم ہو چکا تھا اور اب فاقوں کی نوبت آنے والی تھی۔

وہ سوچتی رہی پھر ایک فیصلہ کر کے اٹھی اپنے ساتھ لگی چھنکی کو آرام سے لٹایا اور چارپائی سے اتر کر دبے پاؤں چلتی اندر کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں جا کر اس نے صندوق میں سے اپنے اور سکھو کے کپڑے نکال کر چارپائی پر ڈھیر کر دیے۔ پھر اندر ہاتھ ڈال کر کونے میں رکھی اس پوٹلی کو نکال لیا۔ یہ وہ گہنے تھے جو سکھو نے شادی کے وقت اس کے ہاتھوں میں ڈالے تھے اور جسے اس نے چھنکی کے لیے سنبھال کر رکھ دیے تھے اس کے باپ کی نشانی گلے کا ہار اور کانوں کی بالیاں اس نے پوٹلی کھول کر سارا زیور ایک بار پھر دیکھا۔ پھر دوبارہ سے پوٹلی میں باندھ کر باہر سے لوٹا۔ اور صحن میں آ گئی۔

پوٹلی تکیے کے نیچے رکھ کر وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"لے آئے روپے مہاجن سے۔" سوہا جو بے قراری سے سکھو کی آمد کی منتظر تھی اسے آتا دیکھ کر تیزی سے چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔

"ہاں لے آیا۔ یہ لے۔" سکھو نے کرتے کی جیب سے روپے نکال کر سوہا کے ہاتھ پر رکھے۔

"یہ... یہ کتنے ہیں۔" نوٹ گن کر سوہا نے سکھو کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"گنے نہیں۔" سکھو نے تلخی سے پوچھا۔

"گنے ہیں جبھی تو پوچھ رہی ہوں۔ پوٹلی بھر کے زیور دیا تھا اور تم یہ گنتی کی روپلیاں لے آئے۔ تمہیں پتا بھی ہے وہ سارا گہنا کتنے کا تھا۔" سوہا کا غصہ اور دکھ کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"مہاجن نے کہا میں تو ان کے اتنے ہی دے سکتا ہوں۔ ورنہ لے جاؤ۔ کیا کرتا۔ یہ سوچ کے لے لیے کھیتوں پر کام کر کے اور روپے جمع کر لیں گے تو اور بنا لیں گے۔"

"مجھے نہیں چاہئیں اور روپے اور نہ بیل۔ مجھے اپنا زیور چاہیے بس ہائے میں لٹ گئی۔ میرے گہنے۔" سوہا نے بین کرنا شروع کر دیا تھا۔

"اتنا رونا پیٹنا مچانا تھا تو دیا ہی کیوں تھا۔ میں نے تمہارے آگے ہاتھ جوڑے تھے کہ دو۔" سکھو کو ایک تو مہاجن پر پہلے ہی بہت غصہ تھا۔ دوسرا سوہا کا رویہ دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر سکا اور پھٹ پڑا۔ مہاجن زمیندار، ضلعدار پر تو وہ اپنا غصہ نہیں اتار سکتا تھا سوہا پر تو اتار سکتا تھا نا۔

"میں نے اپنے باپ کی سہاگ کی نشانیاں اس لیے دی تھیں کہ مہاجن کا قرضہ بھی اتر جائے گا ضلعدار کا نذرانہ بھی دے دیں گے اور ایک بیل مول لے لیں گے۔"

"مہاجن اور ضلعدار کو دے کر ہی آ رہا ہوں۔ اب یہ ہی روپے بچے ہیں۔" دکھ تو سکھو کو بھی تھا۔ سوہا کا زیور جانے کا۔ یہ ہی سوچ کر وہ نرمی سے بولا۔

"اور اس سے تو بیل نہیں آنے کا۔" سوہا بس رونے والی تھی۔

"تو کیا کروں... خود کو بیچ آؤں کیا۔" سکھو سارا دن کی خواری اور بھوک پیاس کے بعد بھی خالی ہاتھ تھا۔

"مجھے نہیں چاہیے تمہارا روپیہ۔ مجھے بس میرے گہنے لا دو۔" سوہا نے ضدی لہجے میں کہا۔

"اگر اب مہاجن کے پاس جاؤں گا تو وہ تو دھتکار دے گا اور گہنے بھی واپس نہیں کرے گا۔"

"تو اب بیل کہاں سے آئے گا۔ کھیتی کیسے ہو گی۔ اور ہمارا گزارہ کیسے ہو گا۔ ہائے میرے بچے تو بھوکے مر جائیں گے۔"

"مر جائیں مرتے ہیں تو یہ ان کی ذمہ داری نہیں۔" سکھو نے تلخی سے کہا اور باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں جانتا ہوں کوئی انسان مجرم پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ حالات سے مجبور ہو کر غلط قدم اٹھاتا ہے لیکن تمہارے حالات تو میں جانتا ہوں اپنے کھیتوں پر کام کرتے ہو اور روکھی سوکھی جیسی کما کر بیوی بچوں کو پالتے ہو پھر ایسی کیا افتاد آ پڑی کہ تم نے چوری کی۔" تھانے دار سکھو کو جانتا تھا اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی۔

"غلطی ہو گئی۔" سکھو آہستگی سے بولا۔

"تمہاری شرافت کی تو گاؤں والے مثالیں دیتے ہیں پھر تمہیں یہ کیا سوجھی کہ مہاجن کے گھر میں پھاند پڑے۔" تھانیدار سے یہ پہیلی حل نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے دماغ پر زور دینے کے بجائے اسی سے پوچھ لیا۔

"سرکار۔ میری گھر والی کا سب گہنا پاتا لے لیا اور مول میں گنتی کے نوٹ دے دیے۔" سکھو نے تفصیل بتائی۔

"تو تم نے بیچا ہی کیوں تھا۔" اب بھی تھانیدار کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ زیور پہلے تو بیچا پھر چوری کر لیا۔ ایسا کیوں کیا اس نے۔

"کیا کرتا سرکار۔ ضلعدار کو نذرانہ دینا تھا۔" سکھو نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو گہنے بیچ کر جو روپے ملے تھے ضلع دار کو دے دیتے۔" تھانیدار نے آسان حل بتایا۔

"کیسے دیتا۔ ضلع دار کو دینے کے بعد جو روپے بچے ان سے بیل نہیں آتا تھا گھر والی نے سارا گہنا بیل مول لینے کو دیا تھا۔ وہ رونے لگی کہ بیل لاؤ۔ نہیں تو میرا گہنا۔"

"ارے بے وقوف تو اب نہ تو گہنا ملا، نہ روپیہ ملا اور نہ بیل اگر کچھ ملا تو مفت کا جیل۔"

"غریبوں کو مفت میں کچھ نہیں ملا کرتا۔ جیل تک آنے کے لیے بھی بہت محنت کرنی پڑی۔" سکھو نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور زمین پر نڈھال سا بیٹھ گیا۔

وہ کل سے بھوکا پیاسا تھا۔ سارا دن کی خواری۔ چوری اور تھانے دار کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد وہ تھانے کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھا تھا اسے ایک دم سے اپنی انتڑیاں بل کھاتی محسوس ہوئیں۔ اسے بھوک محسوس ہوئی جو دن میں تین بار لگتی تھی۔ اور تھوڑا سا اناج ہی چاہتی تھی مگر ملتی کیا تھی شکست۔ ہر بار ایک خواب دب جاتا تھا اس کے نیچے

بھوک اس کے چہرے پر

آنکھوں پر

پورے جسم پر۔ ہر جگہ دکھ رہی تھی۔

غراتی ہوئی۔

خواہش کا خون مانگتی ہوئی۔

نوچتی کھسوٹتی ہوئی۔

اے کاش۔ اے کاش سیلاب ہی آ جاتا۔ چھت ہی گر پڑتی حکومتی امداد تو مل جاتی۔ میرے بچوں کو کھانے کو تو مل جاتا کاش۔"

اس نے آزردگی سے سوچا اور سلاخوں سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔

☼ ☼

مکمل ناول

چوتھی اور آخری قسط

عتیقہ ملک

سکندر بخت کی اکلوتی بیٹی افشین سکندر اپنے چچا کے بیٹے عثمان بخت کی منگیتر تھی اس کی زندگی کے ماہ و سال اس کے انتظار میں گزر رہے تھے۔ وہ پڑھنے کے لیے سات سمندر پار گیا ہوا تھا۔ اعلا خاندان جاہ و جلال رکھنے والا' خوب صورتی میں اپنی مثال آپ' دولت جائیداد میں اس کے باپ کے ہم پلہ عثمان بخت کو واپس آکر اسے رخصت کرا کے جانا تھا۔ اس کی پڑھائی ختم ہونے میں صرف ڈیڑھ سال رہ گیا تھا۔ مگر افشین سکندر کے انتظار کی نوعیت بدل گئی تھی۔ اس کا دل پلٹ گیا تھا کیونکہ وہ منشی نعمت خان کے بیٹے غفار خان کا اسیر ہو گیا تھا وہ اس غفار خان کو دل دے بیٹھی تھی جو کسی صورت عثمان بخت کے ہم پلہ نہ تھا۔

شہر سے زراعت کی تعلیم حاصل کر کے سکندر بخت کی زمینوں پر حساب کتاب اور فصلوں کی دیکھ بھال کرنے والا غفار خان بھلا خٹک فیملی کے سپوت عثمان بخت کے ہم پلہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ مگر یہ بات افشین بخت کے دل کو کون سمجھاتا جو کچھ بھی سننے اور ماننے کو تیار نہ تھا'

عثمان بخت واپس آیا مگر افشین سے مل کر اسے زبردست دھچکا لگا تھا۔ وہ جو سمجھتا تھا کہ افشین اس کی واپسی کی راہ تک رہی ہو گی۔ وہ تو کسی اور کو دل میں بسائے ہوئے تھی۔ پھر وہ بہت ہی لبرل سا نظر آنے والا عثمان بخت ایک روایتی خٹک بن گیا وہ جو اس کے دل کی مراد تھی عثمان بخت اسے اپنی مرضی سے ایک عام سی شکل و صورت اور واجبی سی تعلیم اور کم حیثیت والے ملازم کو کیسے سونپ دیتا۔ افشین کے سارے اندازے غلط نکلے اور اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ سکندر بخت کی حویلی میں گویا بھونچال آ گیا تھا کیونکہ عثمان بخت نے اپنے چچا سکندر بخت اور اعظم بخت تک یہ بات پہنچا دی۔ افشین پر کڑی پابندیاں لگا دی گئیں اور خٹک خاندان غفار خان کے خون کا پیاسا ٹھہرا مگر پھر بھی افشین سکندر نے عثمان بخت کی ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

نعمت خان نے اپنے بیٹے غفار خان کو زبردستی شہر بھیج دیا تھا۔ کیونکہ اس کی جان کو خطرہ تھا۔ تب شادی سے صرف تین دن پہلے افشین کڑے پہرے سے نکل کر غفار خان کی دہلیز پر آن پہنچی غفار خان کی عدم موجودگی کے ساتھ ساتھ اسے نعمت خان نے سمجھایا کہ وہ باپ کی عزت کی لاج رکھ لے۔ غفار خان کے یوں غائب ہونے پر اس نے باپ کی حویلی آنے کے بجائے خود کو دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا یوں اس نے اپنے قول کی لاج رکھی کہ وہ غفار خان کے علاوہ کسی کی ڈولی میں بیٹھنا گوارہ نہیں کرے گی۔

☼ ☼ ☼

سکندر بخت کا ڈرائیور احمد نواز جو غفار خان کا دوست تھا اس کا باپ نعمت خان کو یہ اطلاع دینے آیا کہ افشین کی بازیابی کی خاطر خٹک فیملی نے غفار خان کی بہن رخسانہ کو اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر نعمت خان نے احمد نواز کی منت کی کہ وہ رخسانہ کے ہونے والے سسر کو بلا لائے تاکہ وہ دو بول پڑھا کر اسے گھر لے جائیں مگر رخسانہ کے ہونے والے سسر نے یہ صورت حال جان کر اس رشتے سے ہی انکار کر دیا کہ وہ

خٹک فیملی کے غیض و غضب کا مقابلہ کہاں کر سکتا تھا۔

تب نعمت خان نے احمد نواز کی منت کی کہ وہ رخسانہ کو اپنی عزت بنا کر یہاں سے نکال کرلے جائے احمد نواز جو شادی شدہ اور ایک بیٹے کا باپ تھا وہ بھلا یہ کیسے کرلیتا۔ مگر نعمت خان نے بیٹی کی عزت بچانے کی خاطر اس کے پاؤں پکڑ لیے تو اسے مجبور ہونا پڑا اور یوں وہ رات کے اندھیرے میں رخسانہ کو وہاں سے نکال کر پنجاب آگیا جہاں گجر کھار کے ایک گاؤں میں اس کا خاندان آباد تھا۔

احمد نواز رخسانہ کی عزت تو بچالایا تھا مگر کبھی بھی اسے گھر اور شوہر کا تحفظ نہ دے سکا اس ڈر سے کہ اس کی بہن کا گھر نہ اجڑ جائے جس کی شادی وٹے سٹے کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ پورے خاندان نے رخسانہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ احمد نواز نے صرف اتنا کیا کہ اسے گھر سے نکالنے اور طلاق دینے سے انکار کردیا تھا اس نے رخسانہ کے گاؤں میں رابطہ کیا تو پتا چلا کہ اس کے باپ نعمت خان کو غالباً "زبان نہ کھولنے کے جرم میں تشدد کرکے اس سے اگلی رات مار دیا گیا تھا۔ رخسانہ کے دکھوں میں اضافہ کرنے کے بجائے اس نے یہ خبر اپنے تک محدود رکھی البتہ رخسانہ پر زندگی کا پیمانہ تنگ ہی رہا۔ وہ امید سے ہوئی تو یہ تنگ پیمانہ اس کے لیے موت کا پھندہ ثابت ہوا وہ آٹھویں مہینے بچی کو جنم دے کر چل بسی بستی کی عورتیں کہا کرتی تھیں کہ رخسانہ کو کمرے سے نکلتے ہوئے احمد نواز کی پہلی بیوی بانو نے دھکا دیا تھا اور بے ڈھب گرنا اس کی قبل از وقت زچگی اور بے وقت موت کا سبب بنا تھا۔

احمد نواز جو بہن کا گھر اجڑنے کے ڈر سے کبھی بیوی کی حمایت میں نہ بول سکا اسے بیٹی کے آگے کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ ساتھ ہی اس کا لاشعور اسے ایک احساس جرم میں مبتلا رکھتا

تب وہ بے بس ہو کر اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر دیوانہ وار چومتا تو بانو بیگم کے سینے میں بھانبھڑ جلنے لگتے تھے۔ یوں تو کبھی اس نے بیٹوں کو پیار نہیں کیا تھا۔

ایک روز جب احمد نواز دو ماہ کی روتی ہوئی حمرہ کو سینے سے لگائے کتنی دیر سے ٹہل ٹہل کر چپ کرا رہا تھا تو بانو اس کا کھانا رکھے انتظار میں بیٹھی تھی برداشت نہ کر سکی تھی۔

"کیا ہے احمد چارپائی ڈالو سو مر جائے گی اب ایسا بھی کیا لاڈ کہ۔۔۔" احمد نواز نے ایک جھٹکے سے رک کر اس کی بات سنی اور حمرہ کو پاس بیٹھی ماں کی گود میں ڈال کر شدید طیش کے عالم میں بانو کو بازو سے پکڑ کر گھر کی دہلیز سے باہر کیا تھا۔

"خبردار آئندہ میری بیٹی کے بارے میں کوئی غلط لفظ تمہاری زبان سے نکلا تو میں بھول جاؤں گا کہ تو میرے بیٹے کی ماں ہے کھڑے کھڑے طلاق دے دوں گا۔" بانو اس کی بات پر ہکا بکا رہ گئی اس سے قبل تو وہ چھوٹی چھوٹی بات پر فساد کھڑا کردیتی تھی۔ مگر یہاں اس نے جان لیا کہ پہلے اس کا مقابلہ نعمت خان کی بیٹی رخسانہ سے تھا اور اب بات حمرہ احمد کی تھی جو احمد نواز کی بیٹی تھی اس کی جان اس کے دل کا ٹکڑا اور پھر ساس کے سمجھانے پر اس نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کرلی تھی مگر یہ وہ خاموشی تھی جو کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور یہ طوفان سالوں بعد کسی کو بے بس پاکر نازل ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

حمرہ احمد جسے اس کا باپ پیار سے رانی کہتا تھا اسے یوں ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتا کہ جب اسے شہر کی فیکٹری میں بطور ڈرائیور ملازمت ملی تو وہ اسے پورے گھرانے کو اس لیے ساتھ لے آیا تھا کہ کوئی اس کی رانی کے ساتھ ناروا سلوک نہ کرسکے۔ رانی کو آٹھ سال تک احمد نواز کی ماں نے پالا تھا وہ عورت جس کی آنکھ میں رخسانہ کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اس نے پوتی کے لیے اپنی محبت بھری آغوش وا کردی تھی۔ اس کے باپ کی والہانہ محبت تھی کہ اسے کالونی کے اسکول میں پڑھانے کے بجائے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کرایا تھا۔

احمد نواز کی بے تحاشا محبت توجہ اور اپنی ذہانت کی بدولت اس نے تعلیمی منازل بہت نمایاں انداز سے طے کی تھیں ایف ایس سی کے پیپرز سے فارغ ہو کر اس نے کالونی سے بچے اکٹھے کرکے ٹیوشن پڑھانا شروع کیے اور اپنے تعلیمی اخراجات کے ساتھ وہ گھر کی معاون بن گئی۔ بی ایس سی کے آخری سال میں تھی۔ جب احمد نواز روڈ ایکسیڈنٹ میں ایک ٹانگ سے ہاتھ دھو کر لاچاری سے بستر پر آن پڑا۔ علاج معالجہ کے لیے تھوڑی بہت رقم اور اس کے بڑے بیٹے کو متبادل نوکری فیکٹری میں دی گئی مگر وہ آئے دن جھگڑا کرکے گھر بیٹھ جاتا۔

حمرہ کا ٹیوشن گھر کی گاڑی گھسیٹنے کا ذریعہ بنا۔ باپ کے علاج کے لیے رقم کی ضرورت پڑی۔ تب وہ اپنی دوست کی توسط سے اس کی خالہ کی اکیڈمی گئی۔ جنہوں نے کوئی ویکنسی خالی نہ ہونے پر ایک آفس جاب کا اشتہار اس کے سامنے لا رکھا۔ ان ہی کی تسلی، حوصلہ افزائی اور اصرار پر اس نے اپلائی کیا اور سلیکٹ بھی ہو گئی۔ چند ماہ تک سب ٹھیک چلا مگر پھر کمپنی کا ایم ڈی ساحر اڑے آیا اور وہ نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ ایک روز جب ڈھلتی شام میں باپ کی پریشانی کا خیال کرکے وہ نوکری پر سو مرتبہ لعنت بھیج کر آفس سے نکلی اور بس سے اتر کر گھر کے راستے پر چلی تو امجد سامنے سے آتا دکھائی دیا اس کے بقول بابا بہت پریشان ہورہے تھے۔ انہوں نے امجد کو لے لانے کے لیے بھیجا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو بابا مضطرب سے بیٹھے تھے۔

"رانی پتر آج بہت دیر کردی تو نے؟" اسے دیکھ کر گویا ان کی جان میں جان آئی تھی۔

"بابا آج کام زیادہ تھا تھوڑی دیر بیٹھنا پڑ گیا۔" انہیں جواب دے کر وہیں ان کے پاس بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد ہی وضو کرنے اٹھ گئی کہ مغرب کی اذانیں ہورہی تھیں۔

"کیا بات ہے رانی بیٹی کوئی پریشانی ہے؟" صحن کے کونے میں لگی ٹونٹی سے وضو کے بعد خاصی دیر تک بیٹھی ساحر شاہ کے رویے کو سوچتی رہی جب بابا نے اسے پکارا تھا۔

"کچھ نہیں بس یونہی۔" اس وقت تو وہ جواب دے کر اٹھ گئی مگر نماز پڑھنے کے بعد فیصلہ کرکے ان کے پاس آبیٹھی۔

"بابا آئندہ میں آفس نہیں جاؤں گی۔" اس نے باقی بات گول کرکے ڈیوٹی میں تبدیلی کا ذکر انہیں سنایا تھا۔

"میں زوبیرا کی خالہ سے پتا کروں گی کیا پتا ان کی اکیڈمی میں کوئی گنجائش نکل آئے۔" احمد نواز نے اس کے فیصلے سے اتفاق کیا تو حمرہ نے انہیں آئندہ پروگرام بتایا تھا۔

"نہیں بیٹا اب ہم گاؤں چلیں گے۔"

"لیکن بابا یوں اچانک۔۔۔ آپ کا علاج۔۔۔"

"کمانا تمہارا نہیں تمہارے بھائیوں کا کام ہے۔ گاؤں جا کر انہیں کسی کام میں لگانے کی کوشش کروں گا۔ اب میرا یہاں رہنے کو دل نہیں چاہتا۔ لگتا ہے واپسی کا ٹائم آگیا ہے۔" احمد نواز نے اداسی سے کہا تھا۔

باپ کی شدید بیماری کے باوجود یہ تو اس کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ اس کی دنیا سے واپسی کا ٹائم آچکا ہے۔ یہ شفیق چھاؤں سمٹ کر تپتی دھوپ اس پر مسلط کر جائے گی۔ پھر ساحر شاہ کی اس کی زندگی میں شاکنگ آمد اس کے لیے زندگی کا پیام ثابت ہوئی مگر وہ
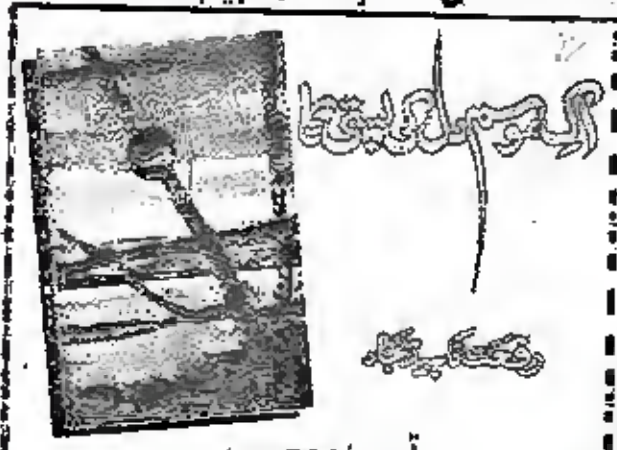
جو بہت پہلے اس کا باپ گمان کیا کرتا تھا۔ اسے جینے کے ڈھنگ کون سکھائے گا۔ اسے زندگی کے نشیب و فراز سے نبٹنے کا سلیقہ کون دے گا۔ اس کا خدشہ زندگی کے موڑ پر بار بار درست ثابت ہوا تھا۔

اسے زندگی میں یہ کسی نے نہ بتایا تھا کہ بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جنہوں نے کینچلی اوڑھ رکھی ہوتی ہے اور کینچلی کے اندر ان کا اصل روپ بڑا بھیانک ہوتا ہے۔

اس کی زندگی سنوارنے والے دو لوگ اس کا شوہر اور باپ تھے۔ اس کی غلطی تھی کہ خود سے محبت کرنے والے ان دو افراد سے وابستہ ارد گرد لوگوں پر اس نے اعتبار کیا تھا مگر اس کے اعتبار کے پندار کو جب ٹھیس لگی تو اسے دکھ و اذیت کا ایک سمندر عبور کرنا پڑا تھا۔

"پلیز تھوڑا سا کھالیں۔" نرس نے ٹرے میں سے باؤل اٹھا کر اس کے منہ کے قریب کیا تھا۔

"پلیز سسٹر مجھے کچھ نہیں کھانا' مجھے تنگ مت کریں۔" اس نے بے بسی سے انکار کیا تھا۔

"ایسے کیسے نہیں کھاؤ گی دو لگاؤں گی اب۔" ڈاکٹر صوفیہ صبح سے تیسری مرتبہ اس کے کمرے میں آئی اور اس کا انکار سن کر تب اٹھی تھی تب ہی رعب سے کہتے ہوئے برس پڑی تھی۔

"چلو تھوڑا سا سوپ پی لو۔" اس نے ٹرے میں سے سوپ کا پیالہ اٹھا کر اس کے سامنے کیا تو حمرہ نے ہاتھ سے پرے دھکیل دیا' آنسو تھے کہ مسلسل بہے چلے آرہے تھے۔

"حمرہ! تم کیوں مسلسل روئے جارہی ہو؟" ڈاکٹر صوفیہ خاصی حیران پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ساحر کے شام کو نہ آنے کی وجہ سے؟" اس نے خود ہی قیاس کیا تھا۔

"کون ساحر؟ مجھے کسی ساحر سے کوئی مطلب نہیں ہے؟" اور دروازے سے اندر آتا ساحر یک دم ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ وہ تو مسلسل یہی سوچتا آیا تھا کہ اس سے کس طرح معافی مانگے گا کن الفاظ میں گناہ کا اعتراف کرے گا تب بھی اس کو الفاظ کم پڑتے محسوس ہورہے تھے تب ہی اس کا موبائل اٹھالایا تھا کہ شاید یہ سن کر اس کے دل کو قرار آجائے۔ وہ خود تو اپنے آپ کو کچھ کہنے کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا۔ مگر اب۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟" ڈاکٹر صوفیہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"آپ مجھے کب ڈسچارج کررہی ہیں' میں ٹھیک ہوں پلیز مجھے جانے دیں؟" اس کی بات کو نظر انداز کرکے اس نے وہی سوال دہرایا جو صبح سے اب تک کئی مرتبہ کرچکی تھی۔

"کیوں؟ کیا گھر بہت یاد آرہا ہے؟"

"گھر؟ کون سا گھر؟ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"ایسے نہیں کہتے چندا' تمہارا تو اتنا پیارا گھر ہے تمہارا اور ساحر کا گھر۔" ڈاکٹر صوفیہ نے خوا مخواہ یقین دہانی کرائی تھی۔

"وہ گھر' وہ گھر تو لیلیٰ کا ہے۔" یہ بات اس نے کتنی اذیت سے کہی تھی یہ تو اس کے چہرے پر درج تھا۔ ان دونوں نے خاصی پریشانی سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا چلو یہ فیصلہ تو بعد میں ہوگا کہ وہ گھر کس کا ہے۔" ساحر نے بیڈ کے قریب آکر قدرے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا اور پھر صوفیہ کے ہاتھ سے سوپ کا کپ پکڑ لیا تھا۔

"فی الحال تو تم اس طرح کرو کہ کچھ کھاؤ پیو تاکہ تمہاری سوچ درست۔" ساحر کی بات ادھوری رہ گئی کہ حمرہ نے اس قدر زور سے ہاتھ مارا تھا کہ کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اڑتا ہوا دور جا گرا تھا۔

"مجھے آپ کی مہربانیوں کی ضرورت نہیں ہے' بہت عنایتیں کرچکے آپ مجھ پر' ان کا خراج بھی وصول کرلیا ہے نا۔" وہ روتے ہوئے زور سے چلائی تو جہاں ساحر اسے گم صم ہو کر دیکھنے لگا وہیں صوفیہ اس کی حرکت پر حق دق رہ گئی تھی۔

"آپ مجھے جانے دیں پلیز۔" تھوڑی دیر رونے کے بعد اس نے پھر سے سر اٹھا کر صوفیہ کی طرف منت بھرے انداز میں دیکھا تھا۔

"کہاں جانا ہے تمہیں؟" صوفیہ کی چھٹی حس نے الارم بجایا تھا۔

"میں کہیں بھی جاؤں آپ کو اس سے کیا؟"

"یوں تو ہم تمہیں کہیں نہیں جانے دیں گے؟" ڈاکٹر صوفیہ نے اس کی ہٹ دھرمی کے جواب میں ہٹ دھرمی دکھانا چاہی تھی۔

"آپ لوگ مجھے اس لیے نہیں جانے دیتے کہ میرے بھائی نے پانچ لاکھ روپے لیے تھے' میں دے دوں گی' میں وہ پیسے واپس کردوں گی' میں۔۔۔ جاب کرکے۔۔۔ قسطوں میں واپس کردوں گی۔" اپنی بات کے اختتام پر آنسو بہاتی وہ یک دم ہی تڑپ کر رو دی تھی۔

"اس سے پوچھیں یہ کہاں جانا چاہتی ہے' میں اسے روکوں گا نہیں۔" ساحر کے کہنے پر ڈاکٹر صوفیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں۔۔۔ میں کسی ہاسٹل۔۔۔ میں جاؤں گی۔ میں اکیلے رہوں گی۔" اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ جہاں جانا چاہے تم اسے روکو گے نہیں۔" خاصی دیر کے بعد صوفیہ نرس کو اس کا خیال رکھنے کی تاکید کرکے باہر نکلی تھی تو ساحر اس کے ساتھ ہولیا تھا۔

ساحر اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پاکٹ سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال رہا تھا۔

"یہ اتنا بڑا نو اسموکنگ کا بورڈ تمہیں نظر نہیں آرہا کیا؟ ڈاکٹر صاحب سختی سے منع کرتے۔۔۔"

"نری بکواس کرتا ہے ڈاکٹر کا بچہ' آپ بھی اس کی باتوں پر توجہ نہ دیا کریں۔" پہلے تو وہ سخت جھنجلایا پھر قدرے ہلکے پھلکے انداز میں مشورہ دینے لگا تھا۔

"بالکل تاکہ بعد میں تمہاری طرح عزت کرواتی پھروں۔" صوفیہ کو ساحر کے ہاتھ سے کپ چھوٹنے کا سین یاد آیا تو بے اختیار مسکرا کر کہنے لگی تھی۔

"مجھے وارڈ کا چکر لگانا ہے' مگر اس نے پہلے میری بات کا جواب دو۔" وہ دونوں روم میں جا کر بیٹھے تو صوفیہ نے اپنا سوال پھر سے دہرا لیا تھا۔

"بھابھی! یہ جو خاتون ہیں نا حمرہ بی بی! یہ جو ٹھان لیتی ہیں وہ کر کے دکھاتی ہیں' چاہے سیڑھیوں پر قلانچ مار کر اسپتال کے بیڈ پر ہی کیوں نہ پڑ جائیں اب آپ اسے زبردستی روک لیں گی تو کوئی بعید نہیں کہ رات کو پھولن دیوی بن کر نکل پڑیں اور کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔"

"ہوں!" ڈاکٹر صوفیہ نے تائید کی تھی۔

"آپ لوگ یہاں کب شفٹ ہو رہے ہیں؟" اسپتال کے اوپر گھر کا پورشن تکمیل کے مراحل میں تھا سو وہ اسی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"ڈیکوریشن کا ایک دو ہفتے کا کام باقی ہے بس اتنے ہی دن لگیں گے۔"

"اب میں حمرہ کو گھر لے کر نہیں جاؤں گا' ماما بھی دس پندرہ دن میں واپس آ رہی ہیں' آپ کچھ دن یہیں رکھ کر اسے اپنے ساتھ فلیٹ پر شفٹ کر لیں۔ کہہ دیجیے گا کسی اچھے ہاسٹل کا پتا کریں گے۔"

"کیا مطلب؟ تمہیں اس کی بات پر ابھی اعتبار نہیں آیا؟"

"اس کی بات پر تو خیر مجھے کبھی بھی اعتبار نہیں تھا تو اب کیا آتا مگر۔۔۔" الجھے الجھے انداز میں کہتے ہوئے وہ رک گیا تھا۔

"ساحر آخر تم مان کیوں نہیں لیتے حمرہ بے قصور ہے۔" مرد کے دل میں گڑا شک کا کانٹا عورت کی زندگی کو ادھورا کر دیتا ہے اور ڈاکٹر صوفیہ اس معصوم اور سادہ سی لڑکی کی راہ کے کانٹے سمیٹنا چاہتی تھی سو اپنی بات پر اصرار کر کے کہنے لگی تھی۔

"بھابھی! ایک غزل سنیں گی؟" ساحر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ موبائل کے بٹن پش کیے تو حامد علی خان کی آواز کمرے میں گونجنے لگی تھی۔

"میں فارغ نہیں ہوں کہ تم شام غزل چھیڑ کر بیٹھ جاؤ۔ مجھے بس اتنا بتا دو کہ تمہیں حمرہ کی بات پر یقین کیوں نہیں ہے۔" ڈاکٹر صوفیہ نے چڑ کر کہا مگر اگلے پل حیران ہو کر موبائل سے ابھرنے والی آواز سننے لگی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"خدا کی لاٹھی ہے۔" ساحر نے برجستہ کہا تھا۔

"مگر اس کی تو آواز بھی آ رہی ہے۔" ڈاکٹر صوفیہ نے خاصا محظوظ ہو کر پوچھا تھا۔

"دیر سے میرے سر پر پڑی ہے نا اس لیے۔"

"اچھا ایسا کرو اس کو میرے موبائل میں بھی ریکارڈ کر دینا' مستقبل میں اگر کبھی میرا اپنی بہو کے ساتھ کوئی چار سو بیسی کرنے کا ارادہ بنا تو اس ریکارڈ کو سن لیا کروں گی۔" ڈاکٹر صوفیہ نے اشتیاق سے کہا تھا شادی کے آٹھ سال بعد بھی میڈیکل کی اصطلاح میں کوئی خرابی نہ ہونے کے باوجود یہ جوڑا اولاد سے محروم تھا۔ سو ان دو راعمکی پر ہنس ہی سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

پانچ روز کے بعد اس کے ڈسچارج ہونے پر ڈاکٹر صوفیہ اور ایاز نے ان کے درمیان صلح کی معمولی سی کوشش کی مگر حمرہ کی ایک ہی رٹ تھی کہ اسے کسی ہاسٹل میں رہنا ہے۔ ساحر اب اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا سو اس کی اجازت سے ڈاکٹر صوفیہ اسے اپنے فلیٹ پر لے آئی تھی۔ اس وعدے کے ساتھ کہ جلد ہی کسی اچھے ہاسٹل کا پتا کر کے اسے شفٹ کر دیں گے یہاں پر ایک ملازمہ دن کو رہا کرتی تھی سو وہ چار دن سے یہاں اکیلے رونے دھونے' خدا سے شکوے کرنے میں اپنا وقت بتاتی۔ ڈاکٹر صوفیہ اور ایاز رات گئے آتے تو بمشکل تھوڑی دیر اسے کمپنی دیتے۔

اس روز ملازمہ بھی چھٹی پر تھی۔ فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجی تو اس نے بیرونی دروازے کے پاس جا کر میجک آئی سے جھانکا تھا۔ باہر ساحر کھڑا تھا۔ وہ حیران ہو کر چند سیکنڈ اس کی آمد کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر دروازہ کھولے بغیر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

ساحر نے قدموں کی چاپ دروازے کے قریب آتے اور پھر واپس جاتے سنی تھی۔ ایاز نے اسے فلیٹ کی چابی دینا چاہی' مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک تو وہ حمرہ کی اجازت کے بغیر اندر نہیں آنا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ غلط فہمی بھی تھی کہ وہ اسے دیکھ کر دروازہ کھول دے گی۔ مگر اب بند دروازے کے باہر پریشان کھڑا تھا۔

"اچھی طرح پتا بھی ہے کہ صوفیہ بھابھی اور ایاز بھائی اس وقت اسپتال میں ہوتے ہیں' پھر یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟" وہ رو نکھی ہو کر بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ ایک' دو مرتبہ پھر بیل بجی' مگر وہ مضطرب سی بیٹھی رہی۔ اگلے پل فون کی بیل بج اٹھی۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے نمبر دیکھے بغیر ریسیور اٹھایا تھا۔

"حمرہ پلیز۔۔۔ دیکھو مجھے ایاز نے۔۔۔" اس نے ٹھیک سے پوری بات سنے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"جب میں نے بتایا تھا کہ میں ڈاکٹر کے پاس گئی ہوں' تب میری پوری بات نہیں سن سکتے تھے۔ اب کیا کہنا ہے بھلا۔" اس کی سوچوں کا تسلسل ایک مرتبہ پھر فون کی بجتی بیل نے توڑا تو وہ یوں ہی خالی خالی نظروں سے سیٹ کو دیکھتی رہی۔ وقفے وقفے سے فون کی بجتی بیل پر اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا تھا وہ یہ تو اسپتال کا نمبر ہے۔ فوراً" ہی ریسیور اٹھایا تھا۔

"وہ حمرہ دراصل میں اور صوفیہ چند ڈاکٹرز کے ساتھ ایک ایریا میں کیمپ لگانے جا رہے ہیں۔ چند دنوں تک واپسی ہو گی۔ میں نے ساحر سے کہہ دیا ہے وہ تمہارے پاس۔۔۔"

"لیکن ایاز بھائی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود رہ لوں گی اور پھر آنٹی ہیں نا۔" اس نے ان کی بات کاٹ کر فوراً" ملازمہ کا حوالہ دیا تھا۔

"مگر وہ تو ایک ہفتے کی چھٹی پر گئی ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔ ایاز بھائی آپ خود ہی تو کہتے ہیں۔ یہاں کا سیکورٹی سسٹم بہت اچھا ہے۔ میں اکیلے رہ لوں گی۔"

"اب اتنا بھی سیف نہیں ہے کہ تم اکیلی رہنے لگو۔ سو واردا تیں ہو جاتی ہیں۔ اب اگر کوئی چور' ڈاکو' جن' بھوت گھس آئے تو میں تمہارے پچھلوں کو کیا جواب دوں گا۔"

چور' ڈاکو کے نام پر کیا اثر ہوتا مگر جن بھوت کے معاملے میں اس کا ایمان حد درجہ کمزور تھا۔ اگر کوئی مذاق بھی۔۔۔ کر لیتا تو اس کی حالت دیکھنے والی ہو جاتی تھی۔ اب بھی ایاز کے کہنے کی دیر تھی۔ آنکھوں کے سامنے خواہ مخواہ ہی عجیب الخلقت بابے ناچنے لگے۔ آٹھ بجے تو اس ایریا میں لائٹ بھی ایک گھنٹے کے لیے چلی جاتی تھی۔ سو ڈاکٹر ایاز کو خدا حافظ کہہ کر وہ تیزی سے دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی۔ دل میں یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں ساحر واپس نہ چلا گیا ہو مگر خیر وہ ابھی تک وہیں براجمان تھا۔ دروازہ کھول کر اس کی موجودگی کا یقین کرتے ہی وہ تیزی سے پلٹی اور اپنے بیڈ روم کا دروازہ بند کر لیا اور پھر رات گئے تک باہر نہیں نکلی۔ حتیٰ کہ کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور ساحر نے بھی اس کے تیور دیکھ کر پروا نہیں کی۔ آرام سے دوسرے بیڈ روم میں شفٹ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

پہلے تو آفس ٹائم کے بعد بھی اس کی بزنس کی مصروفیات چلتی تھیں۔ شاذ و نادر ہی جلدی گھر آتا تھا۔ مگر اب روزانہ پانچ بجے واپس آ کر کچن میں جا کر خود ہی چائے بنا کر پیتا اور لاؤنج میں صوفے پر لیٹ کر رات گئے تک ٹی وی دیکھتا۔ ایسے میں حمرہ کمرے میں بند ہو جاتی۔ مجبوراً" ہی باہر نکلتی۔ اسے ساحر پر غصہ آتا۔ اس کے بیڈ روم میں اچھا بھلا ٹی وی موجود تھا۔ پھر یوں لاؤنج میں پھیل کر بیٹھنے کی کیا تک بنتی تھی۔ دوسری طرف ساحر اگرچہ اس سے بلا ضرورت مخاطب نہیں ہوتا تھا۔ مگر کبھی کبھار کچن میں آتی جاتی حمرہ کو کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا کہ اس کا دل شدت سے اس ناراض لڑکی کو دیکھنے کا متمنی رہتا تھا۔ ڈاکٹر ایاز اور صوفیہ کو کیمپ کے لیے گئے پانچ دن ہو چکے تھے۔ وہ تین دن سے لگاتار دونوں کے موبائل پر ٹرائی کر رہی

تھی۔ مگر کوئی بھی اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ ساحر کے جانے کے بعد وہ اس کے بیڈ روم میں چلی آئی۔ جہاں تین سوٹ کیس پڑے اس کا منہ چڑھا رہے تھے۔ کھول کر دیکھا تو ایک میں ساحر کے اپنے کپڑے اور کچھ چیزیں جبکہ باقی دونوں اس کے کپڑوں اور دیگر سامان سے بھرے ہوئے تھے۔ عجیب سے مخمصے میں پڑ کر وہ سارا دن خود سے الجھتی رہی۔

شام کو اس نے ساحر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ صوفے پر لیٹے لیٹے اس نے سر اٹھایا۔ وہ کنفیوز سی اس کے سر پر کھڑی تھی۔ وہ کوئی نوٹس لیے بغیر دوبارہ مگن سے انداز میں ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" بالآخر وہ بول پڑی تھی۔ ساحر نے کچھ کہے بغیر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

"صوفیہ بھابھی اور ایاز بھائی میری کال کیوں ریسیو نہیں کر رہے؟ اور اتنے دنوں سے وہ لوگ کہاں غائب ہیں۔"

"فکر مت کرو۔ وہ خیریت سے ہیں؟" وہ گویا محفوظ ہوا تھا۔

"مجھے ان کی خیریت کی فکر نہیں ہے۔ صوفیہ بھابھی نے مجھ سے پرامس کیا تھا کہ... وہ لوگ واپس کیوں نہیں آ رہے۔"

"ان کا واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" جواباً اس نے اطمینان سے بتایا تھا۔

"ان کے گھر کی سیٹنگ مکمل ہو چکی تھی۔ وہ لوگ وہیں شفٹ ہو گئے ہیں۔ یہ فلیٹ اب میں ہائر کر چکا ہوں۔" ساحر نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بتایا تھا۔

"میرے ساتھ اس چیٹنگ کا مقصد؟ میں نے ان کی منت نہیں کی تھی۔ صوفیہ بھابھی نے مجھے... خیر میں خود ہی کل کسی ہاسٹل میں شفٹ ہو جاؤں گی۔" وہ طیش میں آ کر کہتے ہوئے مڑ گئی۔

"کیا کہا تم نے... ؟ دوبارہ سے کہو ذرا؟" ساحر ریموٹ پھینک کر تیزی سے اٹھا اور اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ اس کا انداز اتنا سخت تھا کہ اسے اپنے الفاظ دوبارہ دہرانے کی جرأت نہیں ہو سکی۔

"تمہیں یہاں لانے کو میں نے صوفیہ بھابھی سے کہا تھا اور یہاں سے جانے کے بارے میں سوچنا بھی مت، تم اکیلی کہیں سروائیو نہیں کر سکتیں میرے ساتھ رہ کر تمہارا یہ حال ہے تو... پچھلے تجربے بھول گئی ہو کیا؟ تم اتنی بے وقوف ہو کہ لوگ تمہارے بارے میں پلان بنا کر عمل کر ڈالتے ہیں اور تمہیں تب تک خبر نہیں ہوتی جب تمہارے سر پر آن پڑتی ہے۔" چند سیکنڈ کے لیے ان کے درمیان خاموشی کا وقفہ در آیا تھا۔

"جیسے چاہو یہاں رہو، میں تم پر کوئی حق نہیں جتا رہا۔ مگر بہر حال تم میری بیوی ہو۔ یہاں سے نکل کر خود کو تماشا بنانے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھیں تم... اور آئندہ یہ بات میں تمہارے منہ سے نہ سنوں، ورنہ بہت برا پیش آؤں گا۔" آخر میں سخت لہجے میں اس نے وارننگ دی تو وہ پریشان نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

مسز شاہ کو سنبل کی کال نے ازحد پریشان کر دیا تھا۔ سندس کی طبیعت بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں تھی۔ پھر بچی کے ساتھ گھر کو دیکھنا۔ مگر اب وہ گھر سے دور رہنے کا مزید رسک نہیں لے سکتی تھیں۔ اس سے پہلے کہ ساحر اور حمرہ کے درمیان غلط فہمیوں کی دیوار گرتی انہیں واپس پہنچ کر صورت حال کو مرضی کے مطابق ڈھالنا تھا۔ سو رضوان سے انہوں نے ٹکٹ کروانے کا کہہ دیا تھا۔ وہ واپسی کی تیاریوں میں تھیں۔ جب گھر فون کرنے پر صغراں نے انہیں وہ اطلاع دی جسے سن کر گویا وہ جھوم اٹھی تھیں۔ حمرہ، ساحر کو بتائے بغیر گھر سے باہر گئی تھی اور پتا چل جانے پر ساحر نے جھگڑا کیا تو وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی اور واپس نہ لوٹی تھی۔ اپنے طور پر انہوں نے اندازہ لگایا تھا کہ ساحر نے اسے طلاق دے دی ہوگی۔ ورنہ وہ دم کٹی جونک اسے بھلا کہاں چھوڑنے والی تھی۔ اس کا ٹھکانہ ہی کون سا تھا جہاں وہ جاتی۔ یقیناً" یہی بات تھی، تب ہی تو وہ چلی گئی۔ انہوں نے فوراً" واپسی کا ارادہ کینسل کر دیا کہ ابھی گھر، بچی اور سندس کو ان کی ضرورت تھی۔

پھر چند ماہ مزید وہاں رہنے میں کوئی قباحت بھی نہیں تھی۔ ابھی ساحر کو سنبھلنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے تھا۔ ان ہی دنوں ساحر کو فون کر کے انہوں نے حمرہ کے بارے میں کرید لگانا چاہی، مگر اس کے جواب نے انہیں مزید سرشار کر دیا تھا۔

"ماما میں حمرہ کے بارے میں ایک لفظ نہیں سننا چاہتا۔" یقیناً" اب وہ اس سے اتنا متنفر ہو چکا تھا کہ اس کے بارے میں بات تک کرنے کا روادار نہیں تھا۔ اپنی کامیابی اور فتح کے یقین کے ساتھ انہوں نے چند ماہ بعد واپسی پر ساحر اور لیلیٰ کی شادی کا فائنل پروگرام بھی ترتیب دے ڈالا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ سلسلہ کب تک چلے گا حمرہ بی بی!" چار ماہ سے صلح کی کئی ناکام کوششیں کر چکا تھا۔ وہ عشاء کی نماز کے لیے وضو کر کے باتھ روم سے نکلی تو ایک مرتبہ پھر کمرے کے دروازے میں ایستادہ خاصی شگفتگی سے پوچھ رہا تھا۔

"کیسا سلسلہ؟"

"یار مجھے اب اکیلے کمرے میں خفقان ہونے لگا ہے۔" اس نے خاصی بے چارگی سے بتایا تھا۔

"فکر نہ کریں آپ کی والدہ محترمہ جلد ہی اس خفقان کو دور کرنے کا بندوبست کر دیں گی۔"

"ہیں... ؟ سچ کہہ رہی ہو؟" وہ خاصے اشتیاق سے پوچھنے لگا تھا۔

" ایویں ہی سبز باغ نہ دکھاؤ مجھے۔" مسکراہٹ دبا کر وہ مصنوعی بے اعتباری دکھانے لگا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ساحر کے اس انداز کو انجوائے کرتی۔ مگر اب تو دل میں دھواں سا بھرنے لگا تھا۔ سو رخ موڑ کر یوں ہی ٹیبل پر پڑی کتابوں کی نادیدہ گرد کو صاف کرنے لگی۔

"آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ نقصان تمہارا ہوا ہے تو خوشی میری بھی رائیگاں گئی ہے۔ پھر مجھ سے کیا ناراضی ہے تمہاری۔" تھوڑی دیر انتظار کے بعد وہ خاصی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کوئی ناراضی نہیں ہے میری۔" وہ قطعیت سے بولی تھی۔

"تو پھر اس سلسلے کو کب ختم کرو گی؟"

"جب آپ چاہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"مطلب یہ کہ جب تک آپ مجھے یہاں سے نہیں جانے دیں گے یہ سب یوں ہی چلے گا۔"

"کیوں جاؤ گی تم یہاں سے؟" وہ شکست خوردہ سا پوچھ رہا تھا۔

"اس لیے کہ مجھ میں مزید کچھ برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، اب مزید کچھ نہیں ہوگا۔"

"تمہارے ساتھ ظلم ہوا تو میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا، مجھے بھی دھوکا..."

"آپ کو دھوکا ہوا ہوگا، مگر میں کسی دھوکے میں نہیں ہوں۔ میں حقیقت کا آئینہ دیکھ رہی ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ اب مجھے اکیلے ہی رہنا ہے۔" خاصی تلخی سے کہہ کر وہ بیڈ پر جا بیٹھی تھی۔

"پلیز آپ جائیں یہاں سے اور یہ دروازہ بند کر جائیے گا، مجھے نیند آ رہی ہے۔" یک دم ہی وہ سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ یہ گویا ایک طرح سے فرار تھا کہ اس کے سامنے جو شخص کھڑا تھا۔ وہ اس کے شکستہ انداز زیادہ دیر تک نہ دیکھ پاتی۔

اب سے چند ماہ پہلے جب وہ اسے روند کر خود کو سگریٹ کے دھوئیں میں جلاتا تھا تو اپنی چوٹوں کو سہلاتی حمرہ احمد کا دل اسے چھوڑ کر ساحر شاہ کے ساتھ جلنا شروع کر دیتا تھا۔ اسے خود سے زیادہ اس کی اذیت تکلیف ہوتی تھی۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ ایک بار پھر اس کی زندگی کا حصہ بن کر اسے کھونے کا حوصلہ نہیں

رکھتی تھی۔ نہ ہی اسے شیئر کرپاتی۔ اس کے خیال میں اب وہ ایک ایسا ٹنڈ منڈ درخت تھی جس پر کوئی شاخ کوئی پھل پھول نہیں لگتا تھا۔ ساحر کی ماں ــــ کوئی کمی کوئی خامی نہ ہونے کے باوجود اسے اس حال کو پہنچا سکتی تھیں تو پھر آئندہ کے لیے جلد یا بدیر۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ بند ہونے کی آواز پر وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دل پر اتنا بوجھ تھا کہ یوں لگ رہا تھا جیسے دل پھٹ جائے گا۔

اور غصے سے پیچ و تاب کھاتا ساحر سگریٹ سلگا کر ہیں لاؤنج میں صوفے پر دراز ہوگیا تھا۔ وہ اسے زبردستی صلح کرنے پر مجبور کرسکتا تھا۔ بھلا وہ کب تک ناراض رہتی، مگر جب سے حمرہ نے اپنی قیمت کا ذکر کیا تھا۔ تو اس کے دل میں کوئی ایسا احساس پیدا ہوا تھا کہ وہ اس پر بھرپور نظر ڈالنے سے بھی گریز کرتا تھا اور بات کرنے کے لیے بھی اس کے کمرے کے دروازے تک محدود رہتا اندر نہیں جاتا تھا۔

اندر سے آتی سسکیوں اور ہچکیوں کی آوازیں اسے سنائی دینے لگیں تو وہ گم سم سا ہوگیا تھا۔ کل کمار کے ہوٹل میں گزارنے والے چند روز میں جب حمرہ بے تکان بولتی تھی تو ساحر نے جان لیا تھا۔ زندگی میں در آنے والے اس اچانک موڑ نے اس کے باپ کی موت کا غم تازہ کردیا ہے۔ اسے بھائی کی خود غرضی اور اس کے خون سفید ہونے کا بے حد ملال تھا۔ جواری سیٹھ کے شکنجے سے بچ کر ساحر کا ساتھ ملنے پر وہ خود کھڈے کے بجائے کسی کھائی میں گرا محسوس کرتی تھی۔ مگر تین دن اس کے ساتھ سر کھپا کر اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ اس کی زندگی میں اور کوئی نہیں تھا۔

اور جب اس کا ساحر پر اعتبار لوٹنے لگا تھا، تو جہاں اس کے رخساروں کی گلابیاں ساحر کو اپنی محبت کی گواہ لگتی تھیں۔ وہیں اس کی آنکھوں کی چمک میں ساحر کو اپنا آپ نظر آتا تھا۔ پہلی بات اسے بے حد خوشی دیتی تھی۔ دوسری بات اسے مطمئن کرتی۔ اسے خیال آتا حمرہ اس سے محبت کرے تو ٹھیک ــــ ورنہ وہ اس کی ہوچکی تھی۔ یہ اس کے لیے کافی تھا۔ محبت کوئی احساس نہیں ہوتی کہ بدلے میں محبت کی توقع رکھی جائے۔

وہ اسے دنیا کی ہر خوشی دینا چاہتا تھا۔ مگر اس لڑکی کی خوشیاں بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔ اسے کسی ہوٹل میں لنچ یا ڈنر کرنا اتنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ جتنا کہ اپنے کمرے کے باہر بیٹھ کر ساحر کے ساتھ چائے پینا، اسے شاپنگ کرنا بورنگ لگتا تھا۔ سو اس کے لیے شاپنگ وہ خود ہی کرتا تھا۔ زیادہ گھومنے پھرنے کی وہ شوقین نہیں تھی۔ بقول اس کے وہ واپسی کے لیے انتظار کی کوفت میں مبتلا ہوجاتی تھی۔ البتہ ساحر کے ساتھ چھوٹی موٹی گیدرنگز میں وہ خوش خوش جاتی تھی۔ سندس نے کئی مرتبہ اصرار کیا کہ وہ حمرہ کو ساتھ لے کر امریکہ آئے۔ مگر اس کے اصرار کے باوجود وہ انکار کردیتی۔

"سندس پاکستان آئے گی تو مل لوں گی۔ مجھے تو اتنا لمبا سفر کرنے کا سن کر ہی تھکن ہوگئی ہے۔ ہنی مون پر مری جانے کے علاوہ وہ ایک مرتبہ اس کے ساتھ سنگاپور اور چند مرتبہ آؤٹ آف سٹی گئی تھی۔ وہ بھی اس کے شدید اصرار پر۔ شام کو اسے گھر سے قریبی پارک میں جانا بے حد اچھا لگتا تھا اور ساحر اس ایکٹوٹی میں اس کا ساتھ دینے کے لیے کئی مرتبہ اپنے ارجنٹ کام بھی اگلے دن پر چھوڑ دیتا تھا۔ وہ اس کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو جی جان سے پورا کرتا تو وہ حیران ہوجاتی۔

"آپ میری کسی بات سے اختلاف کیوں نہیں کرتے۔ میری ہر بات مان کر ان ایزی فیل نہیں کرتے۔" وہ پوچھنے لگتی۔

"ان ننھی منی باتوں کو مان کر کون ان ایزی فیل کرسکتا ہے۔" وہ ہنس کر جواب دیتا۔

"میں نے تو سنا ہے کہ عورتیں اپنے شوہروں سے بڑی بڑی ڈیمانڈز کرتی ہیں، تمہارے دل میں کوئی ایسی ــــ"

"میں عورت ہوں؟ مگر صوفیہ بھابھی تو مجھے لڑکی کہتی ہیں اور ایاز بھائی تو کبھی کبھی مجھے بے بی بھی کہہ دیتے ہیں۔ آپ مجھے اس قدر مشکل کیٹگری میں کیوں کھڑا کررہے ہیں؟" اس کی بات کو ایک طرف جھٹکتے ہوئے انتہائی رنجیدگی اور افسردگی کے تاثرات چہرے پر لاتے ہوئے مصنوعی دکھ سے پوچھنے لگتی۔

"بی بی میں اس ایکٹنگ پر تمہیں پرائیڈ آف پرفارمنس نہیں دینے والا۔" وہ دل ہی دل میں محظوظ ہوکر اسے ٹوک دیتا۔

"کمال ہے، یہ تم پر ایاز کا رنگ کیسے چڑھ گیا، وہ بھی یوں بات کرتے کرتے پینترا بدل لیتا ہے۔ اچھا اب بتاؤ نا، بیویاں اتنی فرمائشیں کرتی ہیں تمہارے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں ہوتی جو تم مجھ سے منوانے کی کوشش کرو۔" اس نے ایک روز بہت اصرار سے پوچھا تھا۔

"اصل میں جب آپ میرے ساتھ ہوتے ہیں تو مجھے کچھ سوچنے کا وقت نہیں ملتا اور جب آپ آفس چلے جاتے ہیں تو میرا دھیان آپ کے آنے جانے کے حساب کتاب پر لگا رہتا ہے۔ اب ایسے میں میرے پاس کچھ اور سوچنے کا وقت کہاں؟" بڑی سنجیدگی سے شانے اچکا کر اس نے بتایا تو ساحر لاپروا تاثرات سے سجے سادہ سے چہرے والی اس لڑکی کو دیکھتا چلا گیا۔ جس کی زندگی کا مرکز و محور وہ خود تھا۔

چاہنے والے ہمیشہ چاہے جانے کی طلب رکھتے ہیں اور یہی ان کی فتح ہوتی ہے۔ مگر ساحر کا دل چاہتا، وہ اس کی محبت کا اعتبار کرے۔ اس کی محبت حمرہ کا مان بنے، اس کی محبت سے وہ زندگی کی ڈھیروں خوشیاں کشید کرے۔ یہی اس کی فتح ہوگی اور اس جیت کے چکر میں حمرہ کا دل اس کے گرد چک پھیریاں کھانے لگا تھا۔ اس کا مشاہدہ تو یہی تھا کہ اگر کوئی نچلے طبقے کی عورت باحیثیت مرد سے شادی کرے تو اس کی دولت اڑانے اور دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے کی خواہش مند ہوتی ہے۔ مگر یہاں معاملہ اس کے بالکل الٹ تھا۔ مرید پور میں نکاح نامے کے مندرجات پُر کرتے ہوئے ایاز نے مہر کی رقم دس لاکھ لکھی تھی۔ شاید اسے حمرہ کے بھائی کا لالچی انداز بہت برا لگا تھا اور دانستہ طور پر اس نے ازالہ کرنا چاہا تھا۔ تب پاس بیٹھے ساحر نے یوں ہی مذاق میں کہنی مار کر اس سے استفسار کیا تھا۔

"یہ ٹیکہ کیوں لگا رہے ہو؟"

"اصل میں تم اسپیشل قسم کے مریض ہو، ایسے مریضوں کو ایسا انجکشن ضرور لگنا چاہیے۔" اس نے ہنوز اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔ ہنی مون پر جانے سے پہلے جب ساحر نے حمرہ کا اکاؤنٹ کھلوانے کے لیے بینک فارم اسے سائن کرنے کے لیے دیا تھا۔ تو اس کے پوچھنے پر ساری بات من و عن ہنستے ہوئے بتائی تھی۔

"اچھا تو آپ کو برا لگا تھا کہ ایاز بھائی نے اتنی رقم کیوں لکھی ہے۔ چلیں میں خود ہی ہاتھ جوڑ کر یہ رقم آپ کو معاف کرتی ہوں۔ آپ میرے ہیں، یہ اطمینان میرے لیے کافی ہے۔" وہ سکون سے کہتی ہوئی فارم ایک طرف رکھ کر اٹھ گئی تھی۔

"ارے نہیں بھئی، اتنے بھی برے حالات نہیں۔ وہ تو میں یوں ہی مذاق کا بتا رہا تھا۔ ورنہ تو اس روز مجھ سے کوئی جان بھی مانگ لیتا تو میں خوشی خوشی دے ڈالتا۔" تب ساحر کے اصرار پر اس نے سائن تو کردیے تھے۔ مگر اپنے اکاؤنٹ نمبر، بینک یا چیک بک کے بارے میں کوئی خبر نہ لی تھی اور ڈاکٹر صوفیہ کے کلینک میں جس طرح اس نے بات کی تھی اس سے ساحر کو لگا تھا کہ ٹینشن میں ہے۔ مگر شاید اسے بات یاد ہی نہ تھی۔ مگر جب وہ ڈاکٹر صوفیہ کے ساتھ اسپتال سے ڈسچارج ہوکر آرہی تھی تو ساحر نے اسے چیک بک لا دی تھی۔ یہ سوچ کہ وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کرتی تھی۔ کم از کم رقم کے معاملے میں خود کو قلاش محسوس نہ کرے۔

آفس میں جب پہلی مرتبہ وہ اس کے سامنے آئی تھی۔ تو اس کے باوقار انداز نے بلاشبہ ساحر کو چونکایا تھا۔ بعد میں اس کی یہ اٹریکشن شدید محبت میں بدل گئی۔ مگر جب وہ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تو ساحر نے جانا کہ جیسے وہ نظر آئی تھی اس سے کہیں زیادہ پیاری اور اچھی عادتوں کی مالک تھی۔ ایک بھرپور لگژری لائف کا حصہ بن کر بھی اس کے زیادہ تر انداز وہی رہے۔ حتیٰ کہ لباس کے معاملے میں اس نے اپنا چولا بالکل نہیں بدلا تھا۔ پہلے کی طرح اسکارف لیتی تھی

یا بڑے بڑے دوپٹے پھیلا کر ہی لیا کرتی تھی اور یہ اس کا کوئی پوز نہیں تھا کہ اکثر کچن میں نیک بابا کے سامنے جاتے ہوئے بھی وہ سر کو ڈھانپ لیتی تھی۔ ساحر جب اپنے سرکل میں عورتوں کے آدھے ادھورے لباس دیکھتا تو باپردہ اور باحیا بیوی کے ساتھ پر اسے فخر محسوس ہونے لگتا تھا۔

حمزہ کی شخصیت میں کوئی جھول نہیں تھا۔ وہ تو کھلی کتاب کی مانند اس کے سامنے تھی۔ پھر وہ کیوں اس سازش کا اس قدر کامیابی سے شکار ہو گیا تھا؟ وقتی طور پہ غصہ آنا ایک فطری اور لازمی بات تھی۔ مگر بعد میں وہ اس کی بات سن سکتا تھا۔ پھر۔۔۔؟

حمزہ اپنے دل کی بھڑاس خوب نکال لینے کے بعد نماز پڑھ کر سو گئی تھی۔ مگر وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھ کر گزرے وقت کے حساب کتاب میں الجھا پچھتاووں میں گھرا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

مسز شاہ مزید پانچ ماہ سندس کے پاس گزار کر واپس لوٹی تھیں۔ گھر واپس آکر پہلے تو انہیں اس بات سے حیرت ہوئی کہ ڈرائیور ریسیو کرنے آیا تھا۔ دوسرا دھچکا گھر پہنچ کر اس وقت لگا جب نیک محمد نے انہیں بتایا کہ ساحر صاحب صرف مہینے کے شروع میں ملازمین کی تنخواہیں دینے آتے ہیں۔ فون پر تو بزنس کے بارے میں اور دیگر امور پر نارمل طریقے سے بات کرتا تھا۔ ہاں حمزہ کا ذکر اس کے بعد جان بوجھ کر انہوں نے کبھی نہیں چھیڑا تھا کہ اس گزرے قصے سے انہیں کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ پھر ساحر خود ہی تو کہہ چکا تھا کہ وہ اس کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تو بات ختم ہو چکی تھی۔ مگر اب گھر نہ آنے کا کیا جواز؟ حد تو یہ تھی کہ وہ ماں کی اتنے ماہ بعد واپسی پر بھی ان سے ملنے نہیں آیا تھا۔

انہیں صغراں پر شدید تاؤ آنے لگا۔ جس نے حمزہ کے جانے کا تو بتایا تھا، مگر ساحر کی اس روٹین کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ خیر اتنا بڑا کام انہوں نے اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق انجام دے لیا تھا تو ساحر کب تک گھر سے بے زار رہتا۔ مگر ساحر پر غصہ بھی آرہا تھا۔ بھلا ایسا بھی کیا خود کو روگ لگا لیا ہے جو اس کے جانے کے بعد وہ گھر کا راستہ بھولنے لگا ہے۔ شاید اپنی زندگی سے اسے نکال کر پچھتا رہا ہے۔ انہوں نے دل ہی دل میں قیاس آرائی کی تھی۔ اب اسے لیلیٰ کے لیے منانے کا نسبتاً" کم دشوار مرحلہ درپیش تھا، پھر تو اس جیسی ایکٹیو اور تیز طرار لڑکی کا ساتھ پا کر ماضی کو خود بخود بھول جائے گا۔ انہوں نے ایک فیصلہ کرتے ہوئے خود کو تسلی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

وقت کی گردش سے چند گھنٹے بعد وہ دن پلٹ کر آنے والا تھا۔ جب دو سال پہلے وہ مرید پور گیا تھا اور حمزہ احمد اس کی زندگی میں آئی تھی ۔ وہ بہت دیر تک لاؤنج میں بلا مقصد ہی لائٹ آن کیے بغیر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر ٹیرس پر چلا آیا تھا۔ سامنے والی بلڈنگ کے ایک فلیٹ پر کوئی فنکشن ہو رہا تھا۔ شاید کوئی مہندی وغیرہ کی تقریب تھی۔ کتنی دیر جگمگ کرتی روشنیوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔ حمزہ بھی سرِشام ہی اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے غافل ہو گئی تھی۔ سنّاٹے پر نیند نے غلبہ پانا شروع کیا۔ اٹھ کر بیڈ روم میں چلا آیا تھا اور پھر بہت دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد سونے میں کامیاب ہوا تھا۔

شدید پیاس کے احساس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ لائٹ جانے کی وجہ سے کمرے کی کولنگ بھی خاصی کم تھی۔ موبائل کی لائٹ آن کر کے وہ پانی پینے کچن میں اٹھ آیا تھا۔ مگر واپس اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ٹھٹک گیا تھا۔ پورا فلیٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جبکہ حمزہ کے کمرے کے نیم وا دروازے سے نظر آنے والی مدھم روشنی بھلا کیسی تھی؟ اس نے آہستگی سے دروازے کو دھکیل کر کمرے میں جھانکا اور ساکت رہ گیا تھا۔ وہ صوفے پر دونوں پاؤں چڑھائے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ساکت بیٹھی تھی اور اس کے سامنے۔۔۔ اس کے سامنے ٹیبل پر کیک دھرا تھا۔ جس

کے اوپر جلتی دو موم بتیاں اپنا سفر تمام کرنے کو تھیں ساحر کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ اس نے بے اختیار موبائل کی اسکرین پر ٹائم دیکھا سوئیاں چار کے ہندسے کو کراس کر چکی تھیں گویا وہ ساری رات سے یونہی بیٹھی رہی تھی وائٹ شیفون کے سفید سوٹ میں ملبوس اپنی اس سلیبریشن کی وہ اکلوتی مہمان اور میزبان چہرے پر بے تحاشا اداسی اور حزن کا رنگ لیے اس وقت کوئی بھٹکی ہوئی روح لگ رہی تھی یا پھر پتھر کی کوئی مورتی جو صدیوں سے اسی زاویے سے رکھی کسی جاپ میں مگن ہو۔

وہ چند قدم آگے بڑھ کر صوفے پر اس کے قریب جا بیٹھا تو اس نے چونک کر نظریں اس کی سمت اٹھائی تھیں۔ سرخ آنکھیں اور بھاری پپوٹے اس بات کے غماز تھے کہ وہ بہت روتی رہی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو کب تک مجھ سے اس طرح بدلہ لو گی۔" ساحر کو شدید غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔

"نہیں میں بدلہ نہیں لے رہی، میں ادھوری ہوں اور کوئی اس ادھورے پن میں حصہ دار نہیں بن سکتا۔"

"حمزہ، میں تمہارے بغیر ادھورا ہوں تم۔۔۔ تم تو میری زندگی ہو۔" ایک جذب سے کہہ کر ساحر نے اسے خود سے لگا لیا تھا۔ اس کا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ تب ہی موم کی کسی گڑیا کی مانند ذرا سا رخ موڑنے پر اس کے شانے پر سر رکھ کر آنسو بہانے لگی تھی۔

"کیک کاٹیں؟" مطلع قدرے صاف ہوا تو ساحر نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"میں منہ دھو کر آتی ہوں۔ آپ کچن سے چھری لے آئیں۔" پہلے تو اس نے ذرا شرارت سے اس کی آستین کی شرٹ سے آنکھیں صاف کیں اور پھر باتھ روم کی طرف مڑتے ہوئے مخاطب ہوئی تھی۔ درد ابھی بھی دل کا مکین تھا، مگر اب وہ اس کی مجرم بن کر خدا کی گناہ گار نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بڑی دیر کی مہربان آتے آتے۔" اس نے صوفیہ بھابھی کا فون ملایا تو سلام دعا اور حال احوال کے بعد انہوں نے مصرعہ داغا تھا۔

"کیا مطلب بھابھی میں تو۔۔۔"

"مطلب کی بچی! میرا تو دل چاہتا تھا کہ تمہیں جا کر دو چار ایسی ٹھوکوں کہ ہوش ٹھکانے آجائیں مگر ساحر ہر مرتبہ فیور کر جاتا تھا۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آئی کہ میرے دیور کے دل میں تم نے ایسا کون سا موم کا ٹکڑا فٹ کر دیا جو تمہارے لیے پگھلتا ہی رہتا ہے۔ ادھر تو یہ حال ہے کہ چوبیس گھنٹے مریضوں کا خیال رکھو اور صاحب کے معاملے میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو دونوں منہ کے زاویے ہی ٹھیک نہیں ہو پاتے۔ کوئی ٹوٹکا مجھے بھی بتاؤ بھئی۔" یہ خراج تحسین گویا ساحر کو تھا سو اس نے نظرانداز کر دیا تھا۔

"بھابھی ایاز بھائی سے تو مجھے کچھ زیادہ امید نہیں تھی، مگر آپ نے بھی چیٹنگ کی؟" اس کا شکوہ ہنوز دل میں دبا تھا سو اظہار کر دیا۔

"کون سی چیٹنگ؟ ہم نے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کی کوشش کی اور مسلمان بھی کون؟ میاں بیوی! واہ! شیطان تمہارے سر پر سوار ہو کر تالیاں پیٹ رہا تھا اب ہم پر دانت پیس رہا ہو گا۔" انہوں نے خود کو داد دے کر اس کی بات کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

"ویسے حمزہ! تمہیں ساحر سے اتنا لمبا پنگا نہیں لینا چاہیے تھا۔ میرا تو دل ہولتا رہا تمہاری اس بے وقوفی پر۔" آخر میں وہ قدرے سنجیدہ ہو کر اسے سمجھانے لگی تھی۔

"تمہارے اسٹاف کی بھی ڈیمانڈ تھی اور میرا بھی خیال تھا کہ اپنے گھر شفٹ ہونے کی خوشی میں ایک گیٹ ٹو گیدر رکھ لیتے ہیں، مگر ایاز کہنے لگے جب تک مسٹر اور مسز ساحر اکٹھے آنے پر راضی نہیں ہوتے تب تک نہیں۔"

"اچھا! مگر میں تو ایاز بھائی سے ناراض ہوں۔" ان کے خلوص پر شک نہیں تھا، مگر یونہی منہ سے نکل گیا۔

"تم جانو اور ایاز۔۔۔ ذرا کسی روز دن کے وقت

میرے پاس آنا میں نے تمہارے کچھ ٹیسٹ لینے ہیں۔"

"کیوں؟" ڈاکٹر صوفیہ کے کہنے پر اس کا سانس رک گیا تھا۔

"بھئی میں جانتی ہوں فنافٹ سے دو چار بچے پیدا کرکے اپنی ساس کو دو ــــ انہیں پتا تو چلے اس لڑکی کو اپنے بیٹے کی زندگی سے نکالنے کی انہوں نے کتنی کوشش کی ہے مگر قسمت ـــ" حمرہ نے لرزتے ہاتھوں سے کھٹ سے فون بند کردیا تھا اور وہیں بیٹھ کر آنسو بہانے لگی۔ کسی کو جلانے کے لیے نہیں، دکھانے کے لیے نہیں، اپنی زندگی کو آباد کرنے کے لیے کاش خدا مجھے صرف ایک دفعہ اس نعمت سے سرفراز کردے، اب جب میں سب کچھ جانتی ہوں تو پھر اس لاحاصل کی امید میں کیوں پڑوں؟

☼ ☼ ☼

"صوفیہ بھابھی کتنے دن سے تمہیں بلا رہی ہیں کیا چلنا ہے؟" چند روز بعد ڈائننگ ٹیبل پر ساحر نے ذکر چھیڑا تو وہ ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"کیا صوفیہ بھابھی نے میری طرح ساحر کو بھی لاعلم رکھا ہوگا؟" اس نے بغور ساحر کے چہرے پر کچھ تلاشنا چاہا تھا۔

"مجھے ہی وہ دونوں عقل سے پیدل سمجھتے ہیں۔ ساحر سے بھلا کیوں چھپاتے۔" اس نے خود ہی جواب تلاشا تھا۔

"میں کل آفس سے جلدی گھر آؤں گا پھر چلیں گے۔" اس کی خاموشی کے جواب میں وہ خود ہی کہنے لگا تھا۔

"نہیں مجھے نہیں جانا۔" اس نے قطعیت سے انکار کردیا تھا۔

"کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"جب کہہ دیا مجھے نہیں جانا تو پھر نہیں جانا۔" چمچ زور سے پلیٹ میں پٹختے ہوئے وہ کرسی دھکیل کر اٹھی اور تقریباً "دوڑتے ہوئے بیڈروم میں بند ہوگئی تھی۔

ساحر کی حیران پریشان نظروں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ پچھلے چند ماہ فرسٹریشن کے نکال دیے جاتے تو حمرہ نے کبھی اس کے ساتھ اس انداز میں بات نہیں کی تھی۔ سو وہ خود سے الجھتے ہوئے بیڈروم میں چلا آیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے تکیے پر پیشانی ٹکائے حمرہ کا چہرہ سامنے کرنا چاہا تھا۔

"میں بہت پریشان ہوں مجھ سے بات نہیں کریں۔" وہ تلخی سے کہہ کر رخ موڑ گئی۔

"کوئی ریزن بھی ہوگا یار۔" اس نے کھینچ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"کوئی ریزن نہیں ہے پلیز آپ جاکر کھانا کھائیں۔"

"اس قدر پریشان کرکے اب ٹھونسنے کا بھی آرڈر۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

"بیگم صاحب آپ کا شیف، آپ کا سرونٹ کھانا لیے حاضر ہے۔" تھوڑی دیر میں وہ کھانے کی ٹرے لیے اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"اٹھ جاؤ ورنہ یہ ٹرے میں اپنے سر پر دے ماروں گا۔" اس کے ٹس سے مس نہ ہونے پر دھمکی دی تھی۔

"دیکھیں بیگم صاحب آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں، اتنی بے رخی نہ برتیں بے شک میری آدھی تنخواہ کاٹ لیں۔" اس پر کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر اتنے مسکین انداز میں کہا کہ مضمحل سی مسکراہٹ لیے حمرہ کو اٹھنا پڑا تھا۔ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ بغور اس کا چہرہ جانچتا رہا۔

"اب میں سو جاؤں۔" چند لقمے بمشکل لینے کے بعد اس نے جس طرح اجازت مانگی ساحر کو یوں لگا گویا اتنی دیر سے اس نے حمرہ کو باندھ رکھا تھا۔ سرہلا کر وہ ٹرے اٹھا کر کچن میں رکھنے چلا گیا اور پھر اپنے لیے چائے کا مگ لیے واپس آیا تو وہ سر سے پیر تک چادر اوڑھے سو رہی تھی۔ بیڈ کے دوسری طرف نیم دراز چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے حمرہ کے رویے کو سوچتے ہوئے اس نے ایک سرسری نظر اس کے سوئے ہوئے

وجود پر ڈالی جو ہلکے ہلکے جھٹکے کھا رہا تھا۔

مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر چادر کو کھینچا اور گول مول کرکے صوفے پر اچھال دیا تھا۔

"رونا کس بات پر ہے؟" وہ درشتی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ ہنوز خاموش پڑی رہی۔

"میں بہت پریشان ہو رہا ہوں۔" ساحر اس پر جھک کر پوچھنے لگا۔ اسے یوں روتا دیکھ کر اس کے لہجے میں ملال اترنے لگا تھا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ بس یوں ہی دل بوجھل ہو رہا ہے۔" اس نے پلکیں موندلی تھیں۔

"دل بوجھل ہونے کی بھی کوئی وجہ ہوا کرتی ہے۔" وہ سو گئی، مگر ساحر بہت دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے سوچتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"ساحر! میں اتنی دیر سے کچھ بکواس کررہی ہوں۔" مسز شاہ کے لہجے میں طیش در آیا تھا۔

"جی۔" ساحر نے سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

"کہاں دھکے کھاتے پھرتے ہو؟ گھر کیوں نہیں آتے۔" اب کے انہوں نے قدرے نرمی سے کہا تھا۔

"ماما میں گھر میں رہتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے بہت ٹھنڈے ٹھار لہجے میں جواب دیا تھا۔

"کس کے گھر میں رہتے ہو؟ میں اپنے گھر کی بات کررہی ہوں۔" وہ تنک کر کہہ رہی تھیں۔

"ماما گھر وہ ہوتا ہے جہاں انسان کی عزت محفوظ ہو اور میں جہاں رہ رہا ہوں، وہاں میری عزت محفوظ ہے لہٰذا میں اسی کو اپنا گھر سمجھتا ہوں۔"

"تمہاری باتیں میرے تو پلے نہیں پڑ رہیں، چلو میرے ساتھ گھر۔" وہ قدرے ٹھنک کر نارمل ہوتے ہوئے پھر اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"آپ نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد بھی اس بات کی گنجائش نکلتی ہے کیا؟" وہ زیادہ دیر تک اپنا نارمل انداز برقرار نہ رکھ سکا، سو بھڑک کر پوچھنے لگا تھا۔

"میں نے کیا، کیا ہے بیٹا؟" وہ ازحد حیرت اور بھولپن سے پوچھ رہی تھیں۔ ساحر کچھ کہے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"دکھ تو اس بات کا ہے ماما! آپ میری خوشی کا خیال نہ رکھتیں، مگر آپ نے میری عزت کا بھی خیال نہیں کیا؟ وہ لڑکی جسے آپ نے ایک غیر شخص کے ساتھ سڑک پر تماشا بنایا، وہ آپ کے بیٹے کی بیوی تھی۔ اس کی نفرت میں آپ یہ بھی بھول گئی تھیں کیا؟" اس نے ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی دکھ بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا ساحر۔ وہ تو میں نے ایک آنکھوں دیکھی ـــ"

"ایک منٹ ماما پلیز۔" ساحر نے استہزائیہ انداز میں ماں کو دیکھتے ہوئے موبائل کے بٹن پریس کیے اور موبائل ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ مسز شاہ فق ہوکر موبائل سے ابھرنے والی آوازیں سن رہی تھیں۔ ان کا چہرہ ایک لمحے کے لیے تاریک پڑ گیا تھا۔ مگر اگلے پل ہی وہ خود کو سنبھال کر جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں نے جو کیا، ٹھیک کیا۔ وہ لڑکی جس کا نہ آگا، نہ پیچھا اس قابل تھی کہ ہمارے خاندان کا حصہ بنتی۔ تمہاری بیوی کہلاتی، صرف ولیمہ پر ہی میں نے لوگوں سے کیا، کیا بہانے بنائے تھے۔ اس کے پیرنٹس باہر گئے ہوئے ہیں۔ ساحر وہ لڑکی ہمارے اسٹیٹس سے میچ نہیں کرتی تھی۔ آخر کو یہ بات خود تمہارے نالج میں ہونی چاہیے تھی۔ تم اتنے بے وقوف کب سے ہوگئے تھے کہ اس دو ٹکے کی لڑکی کو نکاح کرکے گھر لے آئے اور سر پر بٹھالیا۔ اسے تمہاری زندگی سے نکالنے کا میرے پاس یہی ایک آپشن رہ جاتا تھا۔" وہ انتہائی ڈھٹائی سے کہہ رہی تھیں۔

"او تو ولیمہ پر آپ بہت کانشس فیل کرتی رہی تھیں۔ مجھے بتائیں میں ریسپشن پر کھڑے ہوکر

لوگوں کو بتاتا کہ میں اسے پانچ لاکھ کے عوض خرید کر لایا ہوں۔ کیونکہ وہ اتنی قیمتی تھی کہ مفت میں مل نہیں سکتی تھی۔" اس نے اطمینان سے ماں کو جواب دیا تھا۔

"اچھا چھوڑو اس ذکر کو' جو ہوا سو ہوا' اب تو وہ لڑکی تمہاری زندگی سے جا چکی' لکیر پیٹنے کا کیا فائدہ' اسے بھول جاؤ' میں تمہاری شادی لیلی سے کر رہی ہوں۔ اس کا ساتھ پا کر تمہیں یاد بھی نہیں رہے گا کہ کوئی حمرہ کبھی تمہاری زندگی میں آئی تھی۔" انہوں نے ساحر کے ہاتھ کو محبت سے تھاما تھا اور ساحر الجھ کر ماں کا چہرہ دیکھنے لگا۔ (او تو ماما یہ سمجھ رہی ہیں کہ وہ میری زندگی سے جا چکی ہے۔)

"وہ آپ کے گھر سے جا چکی ہے' مگر میری زندگی سے نہیں' کیونکہ میری زندگی سے اور میرے دل سے حمرہ احمد کا جانا اتنا آسان نہیں ہے۔" ساحر نے ماں کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا اور تیزی سے آفس سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"کمال ہے' یہ ساحر تو بالکل پاگل ہو گیا ہے۔ وہ کلموہی جا کر بھی اس کے دل و دماغ سے نکل نہیں رہی۔" مسز شاہ نے اس کی بات کو دیوانے کی بڑ خیال کرتے ہوئے قدرے پریشان ہو کر خود سے قیاس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح سویرے ایک ماسی آتی تھی جو صفائی اور ناشتے کے بعد لنچ بھی تیار کر جاتی' حمرہ کا موڈ ہوتا تو خود بھی کچھ نہ کچھ کبھی کبھار بنا لیتی تھی۔ ساحر آفس جانے کے بعد تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو اسے سرو کر کے اپنے لیے سلائس پر جیم لگایا اور بے دلی سے کھانے لگی تھی۔ طبیعت میں بھاری پن محسوس کر کے آدھا کھایا سلائس پلیٹ میں واپس رکھا اور جوس لانے کا ارادہ کر کے اٹھی تھی۔ مگر اگلے ہی قدم پر کمرے کی ہر چیز گویا گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے ڈائننگ چیئر اور دوسرے ہاتھ سے ساحر کا بازو تھامنا چاہا' مگر کچھ بھی ڈھنگ سے ہاتھ نہ لگا تھا۔

"کیا ہے بھئی؟" چائے کی چسکیاں لیتے اخبار پوری طرح منہ کے سامنے کھولے ساحر نے سرسری سا استفسار کر کے اس کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسے تھامنا چاہا' مگر تب تک وہ نڈھال سی زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ کچن سے یہ منظر دیکھتی ماسی بھی بھاگی آئی تھی۔ اس کی مدد سے وہ حمرہ کو بیڈ تک لایا اور بغور پریشانی سے دیکھنے لگا تھا۔

"آنٹی! ذرا ڈائننگ ٹیبل سے میرا موبائل لا دیں۔" ماسی سے کہہ کر وہ پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ایاز لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی کے چینل سرچ کرنے لگا تھا' جبکہ صوفیہ اس کے ساتھ روم میں تھی۔ اسے چیک کرنے کے بعد ڈاکٹر صوفیہ نے جو خبر سنائی وہ ساحر کے لیے بے انتہا خوشی کا باعث بنی' جبکہ حمرہ حیرت سے ساکت رہ گئی تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟" صوفیہ نے اس کی حیرت بھانپ کر پوچھا تھا۔ ساحر لاؤنج میں جا چکا تھا۔

"مگر بھابھی... آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" تھوک نگلتے ہوئے وہ بمشکل کہہ پائی تھی۔ اسے تو ڈر لگ رہا تھا کہ اس خواب سے کہیں آنکھ نہ کھل جائے۔

"میں نے کہا تھا... مگر کب؟" صوفیہ کو اس سے بھی زیادہ حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"جب میں آپ کے اسپتال میں ایڈمٹ ہوئی تھی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ یا میری یادداشت اتنی کمزور ہو گئی ہے؟" جواباً حمرہ خاموش رہی۔

"اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو بھلا اب یہ خوش خبری تمہیں کہاں سے سننے کو ملتی۔" ڈاکٹر صوفیہ نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپکا تھا۔ "میں نے اپنے روم میں دو نرسوں کو خود بات کرتے سنا تھا۔"

"او خدایا..." صوفیہ نے گویا سر پکڑ لیا تھا۔

"وہ کون سی منحوس نرسیں ہیں جو یوں افواہیں پھیلاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہاری رپورٹس آنے سے

پہلے میں نے ایسے کسی خدشے کا اظہار کیا ہو' مگر ہنڈرڈ پرسنٹ کوئی بات ہوتی تو میں تمہیں اور ساحر کو اندھیرے میں کیوں رکھتی۔"

"اچھا... میں سمجھی شاید مجھے پریشانی سے بچانے کے لیے آپ نے یہ بات نہیں بتائی۔" اس نے اتنے عرصے سے دل میں رکھی بات کو زبان دی تھی۔

"آئی تھنک میرے اتنی دفعہ بلانے پر بھی تم ٹریٹ منٹ کے لیے اسی لیے اسپتال نہیں آئی تھیں؟" کچھ سوچ کر ڈاکٹر صوفیہ نے قیاس کیا تو اس نے سر ہلا دیا تھا۔

"بے وقوف... میں تمہیں اس لیے بلاتی تھی کہ جب تم دوبارہ پریگننٹ ہو تو بیڈ ریسٹ کی نوبت نہ آئے۔ کچھ ایسی میڈیسن ہوتی ہیں جو ویک نیس تو ختم کر دیتی ہیں' بہرحال اب رہو بیڈ پر' جب تک تمہارے اسپتال میں کچھ ٹیسٹ نہیں ہو جاتے' تب تک بیڈ سے چپکی رہو۔"

"جیسے آپ کا حکم۔" اس نے ہنس کر تابعدار لہجے میں کہا تھا۔

"ساحر' ایاز اور صوفیہ کو چھوڑنے گاڑی تک گیا تھا۔ وہ پچھلے چند ماہ کو سوچنے لگی اور ساحر کے ساتھ اپنا رویہ یاد کر کے دل کو پشیمانی نے آن گھیرا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کتنا اچھا تھا۔ جبکہ وہ خود ایک غلط فہمی کو دل میں رکھ کر اس سے کس طرح لاتعلق ہو گئی تھی۔ ساحر کے واپس آنے تک آنکھوں میں دھند اترنے لگی تھی۔

"یار مجھے ایک اچھی سی مبارک باد دیں۔" ساحر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے تھام کر نہ جانے کیا کہنے لگا تھا۔ مگر حیران ہو کر رک گیا۔

"خیریت... یہ بے موسم کی برسات کیوں؟" اس نے تشویش سے پوچھا تھا۔ جواباً وہ اس سے لپٹ کر زور و شور سے رونے لگی تھی۔

"آئم سوری ساحر! میں نے آپ کے ساتھ بہت برا کیا نا۔ میں کتنا عرصہ آپ سے ناراض رہی۔ آپ کی بالکل پروا نہیں کرتی تھی۔ دراصل میں یہ سمجھتی رہی کہ اب میں آپ کو کوئی خوشی نہیں دے پاؤں گی۔ اس لیے ہاسٹل میں جانے کا سوچ لیا تھا۔" ساحر نے ایسی از خود وارفتگی پر اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"یا اللہ اتنی چھوٹی موٹی سی بیوی کو چھوڑ کر گیا تھا۔ اتنی سی دیر میں اتنی بولڈ خاتون کہاں سے آ گئیں۔ اللہ نے چھت پھاڑ کر دے دی۔ نہیں اوپر تو اتنی فیملیز آباد ہیں۔ کھڑکی سے اندر پھینکا ہو گا۔ چوٹ وغیرہ تو نہیں آئی۔"

"ارے ہٹیں' میں بیڈ ریسٹ پر ہوں' پتا ہے نا بیڈ ریسٹ کا کیا مطلب ہوتا ہے۔"

"یہی کہ ادھر ادھر منہ اٹھا کر پھرنے کی ضرورت نہیں۔ کمرے میں رہ کر مجھے اچھی سی کمپنی دو۔"

"ہیں... میری تو کوئی کمپنی نہیں ہے۔ نہ چائے بنانے والی' نہ سگریٹ بنانے والی' نہ دوائیوں کی کمپنی۔ آپ نے کمپنی کے لالچ میں مجھ سے شادی کی ہے تو بھول جائیں۔ اگر میری کوئی کمپنی ہوتی تو میں آپ کی طرح آفس نہ جاتی۔ گھر میں بیٹھ کر مکھیاں کیوں مارتی۔" اس نے بے حد حیران ہو کر جس طرح شرارتی انداز میں اسے ہری جھنڈی دکھائی' ساحر بے اختیار اسے دیکھتا چلا گیا۔ آج کتنے عرصے بعد پہلے والی حمرہ اسے دکھائی دی تھی۔ جو ہنستی مسکراتی' باتوں باتوں میں چکروتی شاہ ہاؤس میں کسی تتلی کی مانند پھرا کرتی تھی۔

"تھینک گاڈ... پچھلے چار ماہ سے سوچ سوچ کر میرا دماغ دکھنے لگا تھا کہ نہ جانے اس لڑکی کو ایسی کون سی بات پریشان رکھتی ہے' جس کا وہ پتا نہیں دیتی' یہ بات تھی تو مجھ سے شیئر کیوں نہ کی۔" ساحر ریلیکس ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"مجھے لگتا تھا۔ میں آپ سے یہ بات کروں گی۔ تو آپ دوسری شادی کا ذکر چھیڑ دیں گے۔" وہ چہرہ صاف کرتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"یہ تو کون سا بڑی بات ہے۔ شادی تو بہت اچھی بات ہوتی ہے اور پھر ایک سے دو بھلے' تم نے وہ محاورہ نہیں سنا کیا؟" ساحر کے اطمینان سے کہنے پر حمرہ نے

اسے گھورا اور اگلے پل ایک زوردار مکا اس کے سینے پر دے مارا تھا۔

"آئے ہائے عین دل کے اوپر مارا ہے' توڑ دیا میرا پیارا دل جس میں تم خود رہتی تھیں۔ اب رہو گی کہاں؟ نان سینس لڑکی اپنا شیلٹر بھی کوئی تباہ کرتا ہے بھلا؟" وہ لوٹ پوٹ ہو کر اسے کوسنے لگا تھا۔

"اس شیلٹر میں کسی اور کو لانے کی خواہش پیدا ہوئی تو تباہ کر دوں گی مگر کسی اور کو گھسنے نہیں دوں گی۔" حمرہ نے سخت تیوروں کے ساتھ آگاہ کیا تھا۔

"آج میں اتنی خوش ہوں ساحر! مجھے سب کچھ بھول گیا ہے' اپنی ساری پریشانیاں اور ساری تکلیفیں۔" کچھ سوچ کر حمرہ نے مسرت کا اظہار کیا تھا۔

"تم بھول سکتی ہو مگر میں کبھی نہیں بھولوں گا اور خاص طور پر وہ جو تمہیں خفقان کا مرض لاحق ہوا تھا میں سمجھا تھا تم اچھی پڑوسن کی طرح میری تیمارداری کرو گی۔ مگر تم... تم نے جو کیا وہ میں کبھی نہیں بھولوں گا... کبھی نہیں۔" ساحر نے اس کے دوپٹے کا پلو گول مول کر کے زاروقطار آنسو پونچھتے ہوئے کسی پرانی فلم کی ہیروئن کا خاص لب و لہجہ اختیار کیا تھا۔

"آپ کو کچھ بھی بھولنے کی ضرورت نہیں ہے اور مجھے بھی بالکل پروا نہیں ہے۔ میرا رب مجھ پر اس قدر مہربان ہے تو...." حمرہ نے جھٹکے سے اپنا پلو کھینچ کر بے رخی دکھائی تو ساحر آنکھیں کھول کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجازی خدا راضی نہ ہو تو خدا بھی ناراض ہو جاتا ہے بے وقوف لڑکی۔" ساحر نے دانت پیس کر اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"مگر مجھ سے تو خدا راضی ہے۔ تب ہی اتنا مبارک' اتنا خوب صورت دن دکھایا ہے۔" حمرہ نے شانے اچکا کر کہا اور ریموٹ اٹھا کر پردے سمیٹ دیے' تو گلاس ونڈو سے باہر کا منظر نظر آنے لگا' جہاں اوائل مئی کا تپتا سورج خاصا اوپر آچکا تھا۔ اس کی کرنیں کھڑکی کے شیشوں سے چھن چھن کر اندر آنے لگیں۔ مگر حمرہ کو یہ سب کچھ بہت بھلا لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ماما یہ ساحر کب تک روٹھی حسینہ بنا بیٹھا رہے گا۔ میرے سسرال والے میرا سر کھا رہے ہیں۔" سنبل ایک بار پھر تپی ہوئی بیٹھی تھی۔

"بیٹا اسے سنبھلنے کے لیے تھوڑا وقت تو چاہیے نا۔" مسز شاہ نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔ درحقیقت وہ ساحر کے رویے سے خود بھی بہت پریشان تھیں۔ پہلے تو خیر انہیں زیادہ فکر نہیں تھی۔ مگر اپنی سازش کا پول کھلنے کے بعد سے یہ پریشانی ضرور لاحق ہو گئی تھی کہ نہ جانے ساحر لیلیٰ کے لیے ہاں کرتا ہے یا نہیں۔

"میں نے کنیز چچی سے یہی بات کہی تھی۔ مگر وہ تو الٹا اعتراض کرنے لگیں کہ ساحر کوئی عورت تو ہے نہیں جس کے لیے طلاق کے بعد عدت پوری کرنا ضروری ہو۔"

"ان کی بات اپنی جگہ درست ہے۔ مگر...."

"اگر مگر کچھ نہیں ماما۔ بس آپ کسی طرح بھی ساحر کو منائیں۔ کوئی بیماری وغیرہ کا ڈرامہ کریں۔ کسی ڈاکٹر سے ملی بھگت کر کے دو چار روز اسپتال میں ایڈمٹ ہو جائیں تو خود ہی مجبور ہو جائے گا۔ میں نے تو کنیز چچی سے کہہ دیا ہے وہ بے فکر ہو کر شادی کی تیاریاں کریں۔ اب ہم ساحر کو کہیں نہیں جانے دیں گے۔"

"آئیڈیا تو تمہارا بھی اچھا ہے مگر اس سے پہلے میں ایک دفعہ ڈاکٹر ایاز اور اس کی بیوی کی خبر لینا چاہتی ہوں۔ وہی ساحر کو الٹی پٹیاں پڑھاتے ہیں۔"

"ماما جو بھی کرنا ہے جلدی کریں۔ بس اب مزید دیر نہیں کرنی۔ ورنہ یہ ساحر صاحب پھر رسیاں تڑا جائیں گے۔" سنبل پر کچھ زیادہ ہی عجلت سوار ہو رہی تھی۔ مسز شاہ نے اس کی بات پر سر ہلا کر ٹیلی فون اپنے قریب کھسکایا اور نمبر ملانے لگیں۔

"صوفیہ میں مریم شاہ بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف ڈاکٹر صوفیہ ہی لائن پر تھی۔ سو خاصے روکھے پھیکے انداز میں انہوں نے تعارف کروایا تھا۔

"جی آنٹی کیسی ہیں آپ؟" صوفیہ نے خوش دلی سے پوچھا تھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں' یہ تم اور تمہارے میاں کے ساتھ کیا پرابلم ہے۔ کیا چاہتے ہو تم لوگ؟" ان کا سوال صوفیہ کو ٹھٹک جانے پر مجبور کر گیا تھا۔

"آنٹی آپ کو کوئی غلط فہمی ہے...."

"غلط فہمی؟ یہ غلط فہمی ہے کہ تم لوگ ساحر کو بہکا رہے ہو۔ پہلے تمہارا شوہر اسے پکڑ کر کلر کہار لے گیا اور اس کلموہی کے متھے لگا دیا۔ اب بمشکل اس سے جان چھوٹی ہے تو...."

"آنٹی ساحر کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ اپنا اچھا برا خود سمجھتا ہے۔" صوفیہ نے تپ کر ان کی بات کاٹی تھی۔

"اپنا اچھا برا خود سمجھتا ہے تو تم لوگوں نے اسے گھٹنے سے کیوں لگا رکھا ہے۔"

"آنٹی! میں پھر کہوں گی کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہے۔"

"کیسی غلط فہمی بھئی؟ پانچ مہینے سے تمہارے فلیٹ پر رہ رہا ہے۔ کیا سمجھتے ہو تم لوگ' میں اس بات سے بے خبر ہوں۔"

"آنٹی ساحر نے وہ فلیٹ خود ہائر کیا ہے۔ ہم تو اپنے گھر شفٹ ہو چکے ہیں۔ ان ہی دنوں ساحر کوئی ریزیڈنس ہائر کرنا چاہ رہا تھا۔ کیونکہ حمرہ شاہ ہاؤس میں نہیں رہنا چاہتی تھی تو ساحر اس کے ساتھ ادھر شفٹ ہو گیا۔ ہمارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"حمرہ کا وہاں.... کیا تعلق.... وہ.... بھی.... ساحر کے ساتھ رہ رہی ہے۔" مسز شاہ کی زبان حیرت کی زیادتی سے لڑکھڑانے لگی تھی۔

"کمال کرتی ہیں آنٹی آپ؟ بیوی شوہر کے پاس ہو گی۔ شوہر' بیوی کے ساتھ ہو گا' یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے بھلا؟" ڈاکٹر صوفیہ نے کمال انجان پن سے کام لے کر انہیں حقیقت سے روشناس کروایا تھا۔ اب کے لائن پر دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

"اگر آپ اس بات سے واقف نہیں تھیں تو یقیناً اس بات سے بھی لاعلم ہوں گی کہ آپ دادی بننے والی ہیں۔" ڈاکٹر صوفیہ کے کہنے پر انہوں نے کچھ کہے بغیر ٹھک سے ریسیور رکھا اور بدحواس سے انداز میں سامنے بیٹھی سنبل کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوا ہے ماما؟ کیا کہہ رہی ہے صوفیہ؟" انہیں سنبل کو یہ بتانے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے کہ ان کی سازش کے سارے مہرے پٹ گئے تھے۔ ان کی فتح شکست میں بدل چکی تھی۔ سچ جھوٹ پر غالب آگیا تھا کہ سچ کو جیتنا ہی ہوتا ہے۔

فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجی تو اس نے انڈا پھینٹ کر فرائنگ پین میں ڈالتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا اور کپڑے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ تب ہی بیل ایک مرتبہ پھر بج اٹھی تھی۔ آنے والا ہوا کے گھوڑے پر سوار لگ رہا تھا۔

"آ تا ہوں بھئی' ذرا صبر تو کرو۔" آواز لگاتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تو سامنے باقی کھڑا تھا۔

"باقی تم۔۔۔؟ اس وقت؟ میں ناشتا بنا رہا ہوں۔ کچن میں ہی آجاؤ۔ ایک کپ چائے کا مل جائے گا۔" حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے وہ واپس مڑا تھا۔ باقی نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور اگلے ہی لمحے وکی کی قمیص کا کالر اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ارے۔۔۔ ارے یہ کیا کر رہے ہو؟" وکی اس افتاد پر بوکھلا گیا تھا۔

"نکالو میرے تین لاکھ روپے۔ جن کی ڈیل میں نے تمہاری یقین دہانی پر کی تھی۔ اب تمہاری آنٹی اور اس کی چلتر بیٹی نے مجھ کو جواب دے دیا ہے۔ پہلے وہ مکار عورت مجھے یہ کہہ کر ٹرخاتی رہی کہ اس کی ماں کو ایمرجنسی میں امریکہ جانا پڑ گیا ہے۔ واپس آئے گی تو۔۔۔ اور اب ان کا کہنا ہے کہ جب میں نے کوئی کام کیا ہی نہیں تو پیسے کس بات کے۔" باقی نے مسلسل وکی کو جھنجوڑتے ہوئے دو چار زوردار ہاتھ بھی جڑ دیے تھے۔

"باقی بات سنو میری' میری غلطی ہے۔ میں تمہارے پیسے بھرنے کو تیار ہوں۔" وکی نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے باقی کے ہاتھ پکڑ کر عاجزی سے کہا تھا۔

"جب لڑکی اس شہر میں موجود ہی نہیں تھی تو میں کہاں سے اٹھواتا اور پھر میں نے تیری آنٹی کے کو پچاس پچاس ہزار ایڈوانس دیے تھے۔ جنہیں میں اس کام کے لیے ساتھ لے کر گیا تھا۔" باقی نے خاصی بھاری بھرکم گالی کا استعمال کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے مجھے ان کی گارنٹی نہیں دینی چاہیے تھی اب میں تمہارا نقصان پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔" وکی دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں لینا چاہتا تھا سو نرمی سے کہنے لگا۔

"صرف ایک لاکھ روپے نہیں' میں اپنی ڈیل کی پوری رقم ان ماں بیٹی سے وصول کروں گا اور وہ بھی سیدھے ہاتھ سے نہیں بلکہ الٹے ہاتھ سے۔" باقی اس کی عاجزی دیکھ کر ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہ لڑکی کون تھی جسے یہ دونوں عورتیں منظر عام سے ہٹانا چاہتی تھیں۔" باقی کا دماغ نہ جانے کس نقطے پر کام کر رہا تھا جو اس نے وکی سے تفصیل جاننا چاہی۔

"وہ لڑکی مسز شاہ کی بہو تھی اس کے بیٹے نے ماں کی مرضی کے خلاف اس سے شادی کی تھی اس کا تعلق غالباً"لوئر کلاس" سے۔۔۔"

"ایک منٹ۔" باقی نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

"تمہیں کچھ جلنے کی بو آرہی ہے؟" اس نے زور زور سے سانس لیتے ہوئے پوچھا تھا۔ وکی اٹھ کر کچن کی طرف بھاگا جہاں فرائنگ پین میں انڈا جل کر دھواں ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"لوگ اتنے دیالو کب سے ہوگئے کہ خود سے چل کر ہمیں ملنے آگئے۔" علیزہ نے گلے لگاتے ہوئے اس کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔

سنبل کی اس سے ملاقات جم میں ہوئی تھی جو بعد ازاں اچھی دوستی میں بدل گئی تھی۔ علیزہ اس کے گھر کئی مرتبہ آچکی تھی۔ مگر اس کے بے حد اصرار کے باوجود وہ پہلی مرتبہ اس کے ہاں آئی تھی۔

"چلو میرے کمرے میں بیٹھتے ہیں تم کوئی مہمان تو نہیں ہو جو ڈرائنگ میں بٹھا کر تمہاری تواضع کی جائے۔" وہ اسے اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔

"تم بیٹھو میں ریفریشمنٹ کا بندوبست کر کے آتی ہوں۔" سنبل نے وقت گزاری کے لیے ریک پر رکھا البم اٹھا لیا تھا۔ علیزہ ٹرالی دھکیلتی اندر آئی تو جوس کا ٹن اسے پکڑا کر خود بھی بیڈ پر بیٹھ کر اسے البم سے

متعارف کرانے لگی۔ بے دھیانی سے صفحے پلٹتے ہوئے سنبل کی نگاہ ایک تصویر پر جم کر رہ گئی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر علیزہ کو دیکھا اور دوبارہ تصویر پر جما دی تھی۔

"یہ میری بیسٹ فرینڈ اور (پڑوسی) نگہت کی تصویر ہے ہمارے بیٹے اور اس کی بیٹی کی برتھ ڈے ایک روز ہوتی ہے تو ہم اکٹھے ہی سلیبریٹ کرلیتے ہیں۔ دونوں بچے کیک کاٹ رہے ہیں۔ یہ اس کے ہزبینڈ زبیر اور یہ نگہت۔" سنبل کا جی چاہا وہ چیخ چیخ کر کہے یہ تو اس کا محبوب ہے اس کا شوہر۔ مگر اس کی ساکت نگاہیں صرف تصویر کو گھورتی رہیں۔ اس نے خوف زدہ سی نگاہ علیزہ پر ڈالی جو ابھی بھی کچھ کہہ رہی تھی۔ مگر سنبل کو اس کے ہلتے ہونٹ دکھائی دے رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ہوٹل میں ایک چائنیز ڈیلیگیشن کے ساتھ کچھ مشینری امپورٹ کرنے کے سلسلے میں ان کی میٹنگ تھی۔ ابھی میٹنگ ہونے میں کچھ وقت تھا سو وقت کا اندازہ کر کے اس نے نیوز پیپر سامنے کیا اور سرخیوں پر نظر دوڑانے لگا تھا۔ جب اس کی ٹیبل پر پڑے انٹرکام کی بیل بجی تھی۔

"یس" اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

"سر کوئی باقی صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" سیکریٹری نورین نے بتایا تھا۔

"باقی صاحب۔" اس نے پرسوچ انداز سے دہرایا۔

"سر وہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی بزنس میٹر نہیں ہے ایکچوئلی وہ کسی پرسنل ایشو پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"اوکے بات کروا دیں۔" اگلے پل باقی لائن پر تھا۔

"ساحر اسپیکنگ فرمائیے۔"

"میرا نام فرمان باقی ہے میری مسز شاہ اور مسز زبیر سے ایک ڈیل ہوئی تھی۔ مگر کام ادھورا رہ جانے کی وجہ سے وہ مجھے پے منٹ کرنے سے انکار کر رہی ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے یہی مناسب لگا کہ آپ سے بات کرلوں۔" باقی نے انتہائی معصومیت سے اپنا مسئلہ بیان کرنا شروع کیا تھا۔

"کیسی ڈیل؟" ساحر حیران ہوا اور جواباً باقی اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا جسے سن کر ساحر سن سا ہو گیا تھا۔ پھر اسے خیال آیا۔ آیا یہ وہی شخص ہے جس نے حرہ کو گھر کے گیٹ پر ڈراپ کیا تھا۔

"آپ ایک منٹ ہولڈ کیجیے میرے موبائل پر ارجنٹ کال آرہی ہے۔" باقی سے کہہ کر اس نے سعد کا نمبر ملایا در اصل وہ اسے ٹریس کرنے کے لیے سعد کو الرٹ کرنا چاہتا تھا مگر بدقسمتی سے سعد کا نمبر بزی آرہا تھا۔

"جی باقی صاحب کہیے۔" اس نے دوسری لائن پر باقی بات کرنی چاہی مگر تب تک وہ فون رکھ چکا تھا۔

"یا خدا یا ماما سنبل اس حد تک گر سکتی ہیں۔" دل و ذہن سے اٹھتی اذیت کی شدید لہر کو دباتے ہوئے جبڑے بھینچ کر کرسٹل ٹیبل پر زوردار مکا دے مارا تھا۔ اس بات سے بے نیاز کہ کرسٹل کی کرچیاں اس کے ہاتھ کو لہولہان کردیں گی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے چنی آنکھوں والے ہمارا انتظار نہیں کریں گے ہمیں ان سے پہلے پہنچنا ہے۔" سعد بولتا ہوا آفس میں داخل ہوا۔

"ساحر یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟" اچانک اس کی نظر ساحر کے دیوانگی بھرے انداز اور خون سے آلودہ آستین پر پڑی تو وہ لپک کر اس کے پاس آیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے' جاؤ تم یہاں سے' لیو می الون۔" زور سے چیختے ہوئے اس نے سعد کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"پاگل ہوگئے ہو تم' کیوں خود پر ظلم کر رہے ہو۔" سعد نے چیئر پر جھولتے ہوئے ساحر کو دونوں کندھوں سے تھاما اسسٹنٹ منیجر قریشی کسی کام سے اندر داخل ہوا تو اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"اٹھو یہاں سے' ادھر صوفے پر بیٹھو۔" سعد نے زور دے کر کہا اور قریشی کی مدد سے بمشکل اسے صوفے پر آنے پر رضامند کیا۔ کیونکہ جس طرح وہ

ریوالونگ چیئر پر جھول رہا تھا عین ممکن تھا کہ چیئر ہی الٹ جاتی۔

"ساحر تمہیں میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلنا ہوگا تمہارے ہاتھ سے بہت خون بہ رہا ہے۔" سعد نے چار پانچ ٹشو پیپر اکٹھے اس کے ہاتھ پر رکھے جو چند سیکنڈوں میں ہی خون تر بتر ہو گئے۔

"مجھے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے تم لوگ جاؤ یہاں سے۔" اس نے ایک مرتبہ پھر اسے جھاڑ دیا تو سعد تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کافی دیر سے راکنگ چیئر پر مسلسل جھول رہی تھیں۔ اس نئی خبر نے ان کے دماغ کو بھی ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ سنبل ابھی ابھی روتی ہوئی ان کے پاس سے گئی تھی۔ وہ مسلسل انہیں اور ساحر کو مورد الزام ٹھہرا رہی تھی۔ اس کے خیال میں اگر وہ چاہتے تو اس کا گھر بچا سکتے تھے۔ ان کی سوچ کا دائرہ ایک ہی سمت میں حرکت کر رہا تھا۔ کیا واقعی ان کا قصور تھا یا پھر اس کی قسمت کا؟ اگرچہ اس خبر کی مکمل تصدیق نہیں ہوئی تھی۔ مگر تردید کا بھی کوئی پہلو نہیں نکلتا تھا۔ موبائل کی بجتی بیل پر انہوں نے دیکھا اسکرین پر کوئی اجنبی نمبر چمک رہا تھا۔ انہوں نے کال اٹینڈ کیے بغیر موبائل آف کر دیا اور زبیر کے متعلق پھر سے سوچنے لگیں۔ یہ سب کچھ تو بہت پہلے سے واضح تھا اپنے دوست کے ساتھ ریزیڈنس شیئر کرنے کا بہانہ' سنبل کے اصرار کے باوجود مختلف حیلوں بہانوں سے اسے ساتھ نہ رکھنا' پھر کراچی میں بزنس کرنا' اس سب کے باوجود اگر سنبل انجان رہی تو یہ قصور اسی کا تھا۔

"بیگم صاحبہ' بیگم صاحبہ" صغراں کی بوکھلائی ہوئی بلند آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی اور پھر دھاڑ سے دروازہ کھلا تھا۔

"وہ دفتر سے کسی آدمی کا فون آیا ہے صاحب نے خود کو زخمی کر لیا ہے اور۔۔۔ اور۔" صغراں کی آواز پھول گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

گاڑی سے اتر کر تقریباً" دوڑتے قدموں سے وہ آفس میں داخل ہوئیں اور اسی رفتار سے ساحر کے آفس کا دروازہ کھول کر اس کی طرف لپکی تھیں۔ جو صوفے پر بہت ہی نڈھال سے انداز میں نیم دراز تھا۔

"ساحر بیٹا یہ کیا ہوا ہے اور تم ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں۔۔۔"

"مر گیا آپ کا بیٹا۔" اس نے تنفر سے ان کا ہاتھ جھٹکا تو خون کے چھینٹے کارپٹ اور صوفے کے سامنے پڑی کرسٹل ٹیبل پر جا گرے تھے۔

"مار دیا آپ نے اپنے بیٹے کو۔" وہ رو رہا تھا۔

"میں واقعی آپ کا بیٹا ہوں؟ میں آپ کا بیٹا ہو تا تو آپ مجھے زندہ دفن کرنے کا پلان کرتیں؟"

"ساحر تم ڈاکٹر کے پاس چلو' تمہارے زخم کی ڈریسنگ۔۔۔" انہوں نے اس کا زخمی ہاتھ پکڑ کر کندھوں سے تھام لیا۔

"اتنے سے زخم سے نہیں مرنے والا میں۔ بہت کچھ سہہ کر بھی زندہ ہوں۔ آپ کی بیٹیوں نے اپنی زندگی کے فیصلے اپنے مرضی سے کیے تھے۔ میں نے ایسا کر لیا تو کیا جرم کیا؟ جو آپ اس حد تک چلی گئیں؟"

"ساحر بیٹا میں نے کچھ نہیں کیا تم۔۔۔ تم اٹھو ڈاکٹر کے پاس چلو۔" انہوں نے راستے میں ایاز کو فون کر دیا تھا مگر نہ جانے کیوں وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ اگرچہ زخم اتنا بڑا نہیں تھا مگر شاید کرسٹل کا کوئی ٹکڑا کسی رگ کو کاٹ گیا تھا تبھی اس کے ہاتھ سے بھل بھل بہتا خون لائٹ بلو شرٹ کو داغ دار کرتا مسز شاہ کے دل کو وحشت زدہ کر رہا تھا۔

"مجھے چھوڑیں' باقی کو جا کر وہ قیمت ادا کریں جو آپ نے مجھے زندہ دفن کرنے کی طے کی تھی۔ ورنہ وہ خاندان کے تمام لوگوں سے فرداً" فرداً" رابطہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے' اس کا کہنا ہے کہ اب وہ طارق چچا اور زبیر بھائی سے بات کرے گا۔ کیا عزت رہ جائے گی آپ کی

بیٹی کی اس کے سسرال میں۔ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں جیوں یا مروں مگر آپ کو اپنی شکل زندگی بھر نہیں دکھاؤں گا اور اگر آپ میرے سامنے آئیں تو خود کو شوٹ کر لوں گا۔" مسز شاہ کانپ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"آپ آج اس وقت کیسے آ گئے؟" کمرے میں ساحر کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی حمرہ کمبل سے سر نکال کر پوچھنے لگی۔

"بس یوں ہی۔" مختصر سا جواب دے کر وہ بیڈ کے دوسری طرف نیم دراز ہوا تھا البتہ زخمی ہاتھ اس نے پہلو میں لٹکا رکھا تھا تاکہ حمرہ کی اس پر نظر نہ پڑے۔

"ایاز بھائی آپ کے ساتھ آئے ہیں؟"

"ہوں!" باہر سے ایاز کی آواز آ رہی تھی۔ وہ شاید کچن میں ملازمہ سے کوئی بات کہہ رہا تھا۔

"یہ لیجیے۔۔۔ گرما گرم دودھ پئیں۔" ایاز تھوڑی دیر بعد ٹرے سامنے رکھ کر کہہ رہا تھا۔

اپنے لیے چائے کا مگ لے کر وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"ساحر آپ کی شرٹ کہاں ہے۔" حمرہ کو خیال آیا ہاف سلیوز بنیان کے اوپر سے اس کی شرٹ غائب ہے۔

"وہ میری شرٹ۔۔۔" وہ قدرے گڑبڑا کر رک گیا تھا۔

"راستے میں گن پوائنٹ پر ڈاکوؤں نے اتروالی ہے۔" جواب اس کے بجائے ایاز نے دیا تو ساحر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ڈاکوؤں نے شرٹ اتروالی؟" حمرہ نے حیرت سے ٹیبل پر پڑے ساحر کے موبائل اور والٹ کو دیکھا۔

"کیوں شرٹ کے ریشے کوئی سونے سے بنے ہوئے تھے۔" ایاز کی بات بات میں مذاق کرنے والی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھی سو کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

"اچھا بھئی میں تو چلا۔" ایاز خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"حمرہ تمہیں یاد ہے ایک دفعہ تم نے سنگاپور میں مجھ سے کہا تھا کہ تم ہوٹل کے بند کمرے میں پریشان نہیں ہو کم از کم محفوظ تو ہو؟"

"جی!" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تم نے ایسا کیوں کہا تھا؟" اس وقت جس بات پر وہ الجھا تھا اب تقریباً" سمجھ آ چکی تھی مگر پھر بھی پوچھنے لگا۔

"سنبل آپی جب بھی آتی تھیں میری طرف ایسے دیکھتی تھیں جیسے وہ میرے ساتھ کچھ کر گزریں گی۔"

"مثلاً"؟"

"مجھے ایسے لگتا تھا جیسے وہ کچن میں گیس کھول کر مجھے زبردستی جلا دیں گی یا پھر ٹیرس سے نیچے پھینک دیں گی یا پھر۔۔۔ اچھا چھوڑیں نا اب گزری باتوں کا کیا ذکر۔" حمرہ کسی سوچ سے ڈوب کر ابھرتے ہوئے نارمل انداز میں کہنے لگی تو ساحر خاموشی سے اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

یہ لڑکی جو اس کی محبت پر شریعت کی مہر لگنے کے بعد بھی کتنی حواس باختہ رہی تھی۔ اگر اس کا واسطہ شاہ ہاؤس میں اپنے ہی گھر میں اپنے کمرے میں جرائم پیشہ مردوں سے پڑتا تو اس کی کیا حالت ہوتی' اور اگر وہ اسے اپنے ساتھ سنگاپور نہ لے جاتا تو آج یہ کہاں ہوتی؟ ساحر جبڑے بھینچ کر چشم تصور سے متوقع منظر دیکھ رہا تھا۔

"ساحر آپ مجھے اتنے غصے سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔" حمرہ کو اس کی آنکھوں میں اس قدر طیش نظر آیا کہ وہ پریشان ہو گئی۔

"نہیں میں تمہیں غصے سے نہیں دیکھ رہا۔" وہ چونک کر سیدھا ہوا اور بے دھیانی میں ٹرے اٹھانے کے لیے وہ ہاتھ بڑھایا جو اتنی دیر سے چھپا رکھا تھا۔

"ساحر یہ۔۔۔ یہ آپ کے ہاتھ پر زخم کیسے آیا؟ کیا واقعی آپ کو راستے میں ڈاکو ملے تھے؟" ساحر کا ٹوٹا بکھرا مضمحل سا انداز اور یہ زخمی ہاتھ' حمرہ خوف زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگی تو ساحر کے ہونٹوں پر نفی میں سر ہلاتے

ہوئے پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ ساحر اتنی دیر سے کہاں غائب ہے؟" کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اپنے پہلو میں سوئے ننھے وجود میں مگن تھی۔ جب ڈاکٹر صوفیہ کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔

"مسیج چھوڑ کر گئے ہیں کہ کنٹریکٹ پر سائن مار کر کے آتا ہوں شاید سعد بھائی نے ایمرجنسی میں بلوایا ہے۔"

"نکما انسان آج اپنی مصروفیت کم نہیں کر سکتا تھا۔" ڈاکٹر صوفیہ کو اعتراض ہوا۔

"تمہاری ساس تشریف لا رہی ہیں۔ انہیں میں نے مبارک باد کا فون کیا ہے۔" کچھ سوچ کر صوفیہ اسے بتانے لگی۔

"انہوں نے مجھ سے ایک سفارش کی ہے کہ تمہیں اور ساحر کو گھر چلنے کے لیے رضامند کروں۔"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ساحر سے بھی کہہ دوں گی۔" وہ فوراً "مان گئی تھی۔

"ارے واہ۔ چلو اچھا ہی ہے اب ان کے بھی سارے کس بل نکل چکے ہیں۔" صوفیہ نے اس کی وسعت قلبی پر داد دیتے ہوئے تائید کی تھی۔

"بھابھی، آج میری فتح کا دن ہے اور فتح کے دن میں نے دشمنوں کو معاف کر دیا ہے۔ پھر میں سوچتی ہوں جب میرا رب مجھ پر اتنا مہربان ہے تو میں اس کی مخلوق سے بغض کیوں رکھوں، چاہے کسی نے میرے ساتھ برا ہی کیوں نہ کیا ہو۔" حمرہ نے اپنی سوچ بیان کی تھی۔

"یہ بھی درست کہا تم نے میں ذرا ساحر کا تو پتا کرلوں۔" صوفیہ اسے کہہ کر کمرے سے نکلنے لگی تبھی ساحر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

"بھابھی میرا بیٹا کہاں ہے۔" اس نے کمرے میں چاروں طرف یوں نظر دوڑائی جیسے بیٹا کہیں کھڑا ہوا نظر آجائے گا۔

"ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا کہ پاپا کہہ کر تمہارے گلے لگ جائے۔" صوفیہ نے اس کی ایکٹنگ پر ہنس کر اس کی کمر میں ایک دھپ رسید کی تھی۔

"یہ تو بہت چھوٹا ہے۔" بیڈ کے پاس آکر آریان پر جھک کر اسے پیار کرتے ڈاکٹر صوفیہ سے پوچھنے لگا تھا۔

"اچھا! چلڈرن وارڈ سے تین چار سال کا بچہ لا دوں، تمہاری انگلی پکڑ کر گھر جاسکے گا اور مفت میں میرے اسپتال کی پبلسٹی بھی ہو جائے گی۔" صوفیہ کو ان کی حیرت پر ہنسی آگئی۔

"ہوں! آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن پولیس کے سامنے میرا نام تو نہیں لیں گی" وہ سر ہلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"دیور بھابھی حوالات کی سیر اکٹھے ہی کرنے جائیں گے۔"

"نہیں، نہیں، یہی ٹھیک ہے اس کو بڑا کرلیں گے کیوں حمرہ؟" اس نے حمرہ سے رائے لے ڈالی تھی اور حمرہ بھلا کیا رائے دیتی بس ان کی نوک جھوک سنتی مسکراتی رہی۔

"بے وقوف پیدائش کے وقت بچے اس سے بھی کم وزن کے ہوتے ہیں۔ تمہارا بیٹا تو ماشاء اللہ کافی صحت مند ہے۔" ڈاکٹر صوفیہ اسے تسلی دے کر باہر چلی گئی تو وہ اسٹول کھینچ کر بیڈ کے پاس بیٹھ گیا۔

"سندس کو فون کیا آپ نے؟" حمرہ نے پوچھا تھا۔

"صبح کروں گا اب تو وہاں آدھی رات ہوگی۔"

"نہیں صبح وہ بہت ناراض ہوگی کہ اتنی دیر سے کیوں بتا رہے ہیں۔" حمرہ کو اس کی عادتوں کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا سو فوراً" کہنے لگی۔

"ساحر! ماما آرہی ہیں؟" حمرہ نے مسز شاہ کا ذکر چھیڑا تھا۔

"ہاں تو آئیں نا کس نے منع کیا ہے۔" وہ آریان کی بند مٹھی کو کھولنے کی کوشش میں مصروف سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اب ہم گھر جائیں گے؟"

"ہم گھر سے آئے تھے گھر ہی جائیں گے۔" وہ اس کی بات سمجھ کر بھی پہلو تہی کر رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے ہم شاہ ہاؤس جائیں گے مجھے اپنا کمرہ بہت یاد آتا ہے۔ میرا اس فلیٹ میں بالکل دل نہیں ہے۔"

"وہ جوتے یاد نہیں آتے جو وہاں تم نے کھائے تھے۔" یک دم ہی وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"دل چاہ رہا ہے کہ تمہارے منہ پر اتنے زور سے تھپڑ ماروں کہ آئندہ زندگی کے لیے تمہیں یہ سبق مل جائے کہ کوئی بھی بے تکی بات کرنے سے پہلے سوچا جاتا ہے۔" حمرہ اس کے اس قدر شدید رد عمل پر حیران رہ گئی تھی۔ "ساحر جو ہوا اسے بھول..."

"پہلے جو کچھ ہوا تمہارے لیے کافی نہیں ہوگا مگر میرے لیے بہت ہے۔ تمہیں وہاں جانا ہے تو شوق سے جاؤ مگر میں اور میرا بیٹا وہاں ہرگز نہیں جائیں گے اسٹوپڈ لڑکی تمہیں میری زندگی سے نکالنے کے لیے... اگر آریان کو کوئی نقصان پہنچا تو؟"

"ماما ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟ آریان ان کا کچھ نہیں لگتا کیا؟" حمرہ اس کی بات سن کر زرد پڑ گئی بے ساختہ ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ آریان کے اوپر یوں رکھا اسے فی الفور کوئی خطرہ درپیش ہو، اور اس کی اس حرکت پر ساحر کو ہنسی تو بہت آئی مگر وہ ضبط کر گیا۔ اس کے ساتھ اسے یہ بھی یقین ہو گیا کہ اب اگر وہ حمرہ بی بی کے پاؤں پکڑ کر بھی شاہ ہاؤس چلنے کو کہے تو وہ راضی نہیں ہوگی، اور کانپ تو دروازے کے باہر کھڑی مسز شاہ بھی گئی تھیں وہ خوشی خوشی پوتے کو دیکھنے آرہی تھیں مگر اب ان کے قدم ڈگمگا گئے تھے۔

"مجھے کیا پتا وہ کیا کر سکتی ہیں اور کیا نہیں؟ مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وہ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔" ساحر نے ہنوز بگڑے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"اچھا آج تو مجھ سے ناراض نہ ہوں۔" حمرہ نے موضوع کو لپیٹتے ہوئے قدرے مسکین انداز اختیار کیا تھا۔

"کیوں آج تم ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی کو ہاتھ لگا آئی ہو؟" ساحر اس کے انداز پر مسکرایا تھا۔

"وہ بھی بھلا کوئی کام ہے۔" حمرہ نے کندھے اچکا دیے۔

"یہ تم نے اسے سلا کیوں دیا ہے مجھے اس سے باتیں کرنی ہیں۔"

"میں نے خود اس سے بہت امپورٹنٹ میٹرز ڈسکس کرنے ہیں مگر یہ محترم لنچ کرتے ہی خواب خرگوش کے مزے لینے لگے۔" حمرہ کو ساحر کی بات پر بہت زور سے ہنسی آئی تھی۔

"میں اسے جگانے لگا ہوں۔" ساحر نے مچل کر اسے دھمکی دی تھی۔

"یہ روئے گا تو نہیں؟" اگلے پل وہ پوچھ رہا تھا۔

"آپ اسے جگائیں تو... میں پوچھتی ہوں اس سے کہ تم روئے گے تو نہیں؟" حمرہ اس کی بے تابی پر ہنستے ہوئے کہنے لگی تو ساحر اس کی آنکھوں میں چمکتی روشنیاں بغور دیکھتا چلا گیا۔

کسی خوش نگاہ سی آنکھ نے یہ مجھ پہ کمال کرم کیا
مری لوح جاں پہ رقم کیا
وہ جو اک چاند سا حرف تھا جو اک شام سا نام تھا
وہ اک پھول سی بات پھرتی تھی دربدر
اسے گلستان کا پتا دیا
میرا دل تھا کہ شہر ملال اسے روشنی میں بسا دیا
مری آنکھ اور مرے خواب کو کسی ایک پل میں
مرے آئینوں پہ جو گرد تھی مہ و سال کی
وہ اتر گئی
وہ جو دھند تھی میرے چار سو
وہ بکھر گئی
سب ہی روپ عکس جمال کے
سب ہی خواب شام وصال کے
جو غبار وقت میں سربسر تھے اٹے ہوئے
وہ چمک گئے
میری بے گھری کو پناہ دی
میری جستجو کو نشاں دیا
جو یقین سے بھی حسین ہے مجھے ایسا گماں دیا
اسے ایک نظر میں بہم کیا
کسی خوش نگاہ سی آنکھ نے
یہ مجھ پہ کمال کرم کیا

☼ ☼ ☼

دستک دے کر صوفیہ اور ایاز اندر داخل ہوئے تھے۔

"آیئے ڈاکٹر صاحب ان سے ملیے یہ ہیں ہمارے برخوردار آریان' مجھے یقین ہے انہیں آپ سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوگی۔" ایاز کے قریب آنے پر ساحر نے اسے اسٹول پیش کرتے ہوئے تعارف کرایا تھا۔

"غلط اندازے کا شکریہ' میں ان سے مل چکا ہوں' میں نے ہی انہیں مسلمان گھرانے میں آمد کی خوش خبری دی تھی اور انہوں نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے آنکھیں مٹکا مٹکا کر پسندیدگی کا اظہار بھی کیا تھا۔" ایاز نے اسے مفصل جواب دیا۔ تب ہی صوفیہ نے آریان کو اٹھا کر ایاز کی گود میں لا ڈالا تھا۔

"میرا خیال ہے یہ تم دونوں پر نہیں گیا' کچھ پیارا پیارا سا لگ رہا ہے میری طرح۔" ایاز نے اسے احتیاط سے بازوؤں میں لے کر پیار کیا اور پھر معصومیت سے اظہار رائے کیا تھا۔

"دیکھو ڈاکٹر' تم اس کے ماما پاپا کی انسلٹ کر رہے ہو یہ تمہاری پٹائی کردے گا مجھے تو لگتا ہے مکا مارنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔" ساحر نے ذرا سا جھک کر آریان کی بند مٹھی کو کھولا جو پھر سے بند ہو چکی تھی۔

"صوفیہ ان بے چارے لوگوں کے لیے روم سیٹ کردیا ہے؟" ایاز اس کی دھمکی کو خاطر میں نہ لا کر ڈاکٹر صوفیہ سے پوچھنے لگا تھا۔

"نہیں ایاز بھائی' ہم اپنے گھر۔"

"کون سے اپنے گھر بی بی؟ تم لوگوں کا تو گھر ہے نہیں' کرائے کے فلیٹ میں دھکے کھاتے پھرتے ہو' اپنے ساتھ اتنے چھوٹے سے بچے کو بھی خوار کرو گے" ایاز نے حمرہ کی بات کاٹ دی تھی۔

"اتنے چھوٹے بچے کی کیئر کرنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ اسے بھوک لگے گی تب بھی روئے گا' پیاس لگے گی تب بھی' کان میں خارش ہو' سر میں کھجلی یا خدانخواستہ بیماری میں یہ صرف رو کر اظہار کرسکتا ہے اور تمہیں کیا پتا چلے گا کیوں رو رہا ہے؟"

"وہ ایک آیا کا بندوبست۔"

"اتنے چھوٹے بچے کی دیکھ بھال آیا کرے گی۔ تمہیں کیا پتا کہ وہ ٹھیک سے اسے سنبھال رہی ہے یا نہیں۔ چلو' چند دن ادھر رہو' اگر ہمیں لگا کہ تمہیں ٹھیک سے بچے کو سنبھالنا آتا ہے تو گھر جانے کا شوق بھی پورا کرلینا۔" ایاز کے کہنے پر وہ خاموش رہی تھی۔

"صوفیہ آریان کے کمرے میں ہیٹر آن کردو میں اور آریان اوپر آرہے ہیں۔" ڈاکٹر ایاز نے صوفیہ سے یوں کہا گویا باقی سب بھاڑ میں جائیں۔

"حمرہ یہ بے ایمان ڈاکٹر تو ہمارے بچے پر قبضہ کرکے بیٹھ گیا ہے اب ہم کیا کریں گے۔" ساحر نے بے حد پریشانی سے استفسار کیا تو وہ مسکرا دی۔ تبھی آریان نے کسمسا کر آواز نکالی تھی۔

"دیکھو ڈاکٹر قبضے' یہ بھی احتجاج کر رہا ہے ہمیں واپس کردو۔" ساحر نے اسے وارن کیا۔

"نہیں میں اسے چپ کرالوں گا۔" ایاز ہنستے ہوئے اٹھ کر باہر کی طرف چلا تھا۔

"حمرہ ہم بھی ان کے ساتھ چلتے ہیں موقع دیکھ کر نکل جائیں گے۔" ساحر اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"آئیں میڈم' میں آپ کو اوپر لیے چلتی ہوں۔" ڈاکٹر صوفیہ کے کہنے پر ایک نرس اسے لینے چلی آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کسی کے مقدر کا ستارہ نوچ کر کوئی دوسرا اپنی زندگی کو تابناک کیسے کرسکتا ہے۔ وہ رحیم و کریم جو تقدیر لکھنے پر قادر ہے وہ رحیم و کریم جب کسی کی پیشانی پر کوئی تحریر کندہ کردیتا ہے تو وہی اس لوح محفوظ کے سائے میں زندگی گزارتا ہے۔ پھر میں نے ایسا کیوں کیا؟" پچھتاوے کے ساتھ واپسی کے سفر میں مسز شاہ خود ہی سوچ رہی تھیں۔ "ساحر اگر اپنی خوشی سے حمرہ کو زندگی میں شامل کر بھی لایا تھا تو کیا ہوا اچھے کردار اور سچے اوصاف رکھنے والی پڑھی لکھی اور باشعور ان کی

آئندہ نسلوں کی ضامن بننے جارہی تھی۔ دولت نہیں تو کیا ہوا؟ اس کے ہونے سے ساحر کی زندگی میں خوشیاں تھیں سکون تھا۔ اور میں نے اس کی خوشیوں کو تاراج کیا۔ اس کی غیرت پر چوٹ لگا کر اس کے سکون کو تہہ و بالا کیا۔ صرف سنبل کا گھر بسانے کی خاطر۔ وہ گھر جس کی بنیاد بے حد کمزور تھی۔"

سنبل کی شادی سے پہلے اڑتی اڑتی خبریں سننے میں آئی تھیں کہ زبردستی کسی کلاس فیلو سے شادی کا خواہاں ہے۔ سنبل کے لیے کون سا رشتوں کی کمی تھی مگر وہ زبیر کو گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ وقت نے فیصلہ کیا کہ سنبل کا فیصلہ غلط تھا۔ اس کی بیٹی کی اسکولنگ کلاس کو دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس نے سنبل سے پہلے شادی کی تھی یا تمہت سے۔ اور جب سنبل آدھی رات کو ماں کو فون کرکے اس بات کو ڈسکس کرتی تو ان کا دل چاہتا وہ اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں۔ اپنی ادھوری سلطنت بچانے کے لیے ڈاکٹروں سے مایوس ہو کر اب وہ پیروں فقیروں کی طرف مائل ہو رہی تھی۔ گاڑی گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی تبھی ان کے موبائل پر سندس کی کال بجنا شروع ہوئی اس وقت جب امریکہ میں آدھی رات تھی وہ انہیں کال کیوں کر رہی تھی یقیناً "ساحر نے پردیس میں بیٹھی بہن کو اپنی خوشی میں شریک کیا تھا۔ ان کا دل مزید بوجھل ہوا۔ اندر کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے نظر وسیع و عریض شاہ ہاؤس پر ڈالی۔ جانے کب ساحر لوٹ کر آئے۔ پتا نہیں یہ گھر کبھی آباد بھی ہوگا یا نہیں۔ تھکے تھکے قدم اٹھاتی وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

وقت تین سال آگے سرک گیا تھا۔ مسز شاہ کی آریان سے پہلی ملاقات تب ہوئی جب وہ چار ماہ کا ہوچکا تھا۔ بچہ عقیقے کی تقریب میں شامل ہونے کے لیے انہیں صوفیہ اور ایاز نے بار بار فون کیا مگر جب ساحر نے ہی ماں کو یاد کرنا گوارہ نہیں کیا تو وہ اس کی خوشیوں میں حصہ دار ہونے کا دعویٰ کیونکر کرتیں؟ چند ماہ بعد سندس کا پاکستان آنا ہوا۔ وہ کچھ دن ساحر کے پاس رہی۔ کبھی ان کے ساتھ رہنے چلی آتی اور تھوڑا وقت سنبل کے ساتھ گزارا۔ ایک روز وہ حمرہ کے ساتھ آریان کو ان سے ملوانے چلی آئی۔

"ماما میں نے کہا جن لوگوں کا آپس میں جھگڑا ہے وہ بے شک ناراض رہیں۔ مگر آریان کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ سو اسے تو میں اس کی دادی سے ملوانے جارہی ہوں۔ بھابھی خود ہی تیار ہوگئیں۔" آریان کو ان کی گود میں دیتے ہوئے سندس نے اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔

تو کیا حمرہ اس لیے چلی آئی ہے کہ وہ آریان کو اکیلے نہیں بھیجنا چاہتی تھی۔ آریان کو پیار کرتے ہوئے ان کے ذہن کو کھٹکا ہوا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بھی یہ سوال مسز شاہ کے ذہن میں کلبلاتا رہا۔

"ساحر کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" اگرچہ یہ پوچھنے کی بات تو نہیں تھی کہ جس طرح سندس بار بار اس کی طرف چکر لگاتی تھی۔ یقیناً "ان کا سلوک اچھا ہی ہوتا ہوگا۔ مگر ایک روز یہ سوال ان کی زبان پر آگیا تھا۔

"ماما میرے بھائی ہیں مجھ سے ان کا رویہ بدل سکتا ہے بھلا؟" جواباً" وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"میرے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ کی طرح ہے بہت لونگ بہت کیئرنگ۔ اور بھابھی ان سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہیں۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر آپ لوگوں کے درمیان ایسا کیا کلیش ہے جو میری سمجھ سے باہر ہے اور مجھے کوئی بتاتا بھی نہیں۔ خیر اب میں آئی ہوں تو بھائی کی خوب خبر لوں گی شرم نہیں آئی ماما کو اکیلا چھوڑ کر علیحدہ گھر بسائے بیٹھے ہیں۔" وہ کچھ جوش سے کہہ رہی تھی۔ مگر جب دو دن گزار کر واپس آئی تو اس کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ بلکہ وہ بے حد الجھی ہوئی بھی تھی۔ کئی بار بات کرتے کرتے رک کر ماں کا چہرہ دیکھنے لگتی۔

"ماما آپ کسی یاں کو جانتی ہیں؟" اس کے پوچھنے پر مسز شاہ ٹھٹک گئیں۔

"ماما پلیز بتائیں نا کیا آپ اس نام کے کسی شخص کو

جانتی ہیں۔ بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے۔" مسز شاہ کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہ تھا سو خاموشی سے نظریں چرا گئیں۔

"ماما آئی کانٹ بلیو اٹ' جب بھائی نے مجھے بتایا تو مجھے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ مگر آپ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ وہ غلط نہیں کہہ رہے۔ ماما آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اگر بھائی اپنی مرضی سے شادی نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ناکہ آپ لیلیٰ کو بہو بنا لاتیں۔ اور چاچا کی فیملی تو کبھی ہم سے مخلص نہیں رہی۔ سنبل آپی کی زندگی کا انہوں نے کیا حشر کیا۔ حمرہ بھابھی میں کون سی کمی تھی بھلا کیا خامی تھی یہی کہ وہ کسی بہت ویل آف فیملی سے بی لانگ نہیں کرتی تھیں تو دولت کی ہمارے پاس کون سی کمی تھی۔ بھائی نے اتنی مخلص' اتنی اچھی لڑکی کا انتخاب کیا یہ ہماری زندگی کا پلس پوائنٹ تھا۔ مگر آپ آپی کی پڑھائی پٹیاں ہی از بر کرتی رہیں۔ وہ اپنے لیے درست فیصلہ نہ کر سکیں۔ مگر اپنی سازشوں سے بھائی کو آپ سے اس قدر دور کر دیا کہ شاید وہ کبھی بھی لوٹ کر یہاں نہ آسکیں۔" سندس بے حد افسوس سے کہتی چلی گئی اور ان کے دل کا بوجھ سوا ہوتا چلا گیا۔

پھر سندس کے جانے کے بعد انہوں نے وقفے وقفے سے تین چکر ساحر کی طرف لگائے' دو مرتبہ تو وہ گھر پر موجود ہی نہیں تھا ایک دفعہ آمنا سامنا ہوا تو سلام اور مختصر حال احوال کے بعد کسی کام سے چلا گیا جس کے لیے وہ شاید پہلے سے ہی تیار کھڑا تھا۔

تکیوں کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ننھا گڈا انہیں دیکھ کر غوں غاں کرتا' مسکراتا' کبھی قلقاریاں مارتا' جب وہ اسے اٹھا کر پیار کرتیں تو غور سے ان کا چہرہ دیکھ کر انہیں پہچاننے کی کوشش کرتا۔ مسز شاہ کو یوں لگتا جیسے حمرہ انہیں آریان کے پاس چھوڑ کر بظاہر کسی نہ کسی کام میں مگن دراصل ارد گرد یوں چکراتی جیسے اسے آریان کے حوالے سے کوئی خدشہ ہو۔

تب پہلی بار انہیں غصہ نہیں آیا' اپنے لیے دکھ محسوس نہیں ہوا بلکہ اس پر ترس آیا تھا۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے جب وہ ایک مرتبہ اسے بہت محبت' مان' اعتبار کے ساتھ بے خبری میں زک پہنچا چکی تھیں تو وہ ان پر کیوں اعتبار کرتی اور وہ بھی اپنے جگر گوشے کے معاملے میں جبکہ ساحر اس کی توجہ اس طرف مبذول بھی کرا چکا تھا۔ اس کے بعد وہ بہت چاہنے کے باوجود بھی آریان سے ملنے نہ جا سکیں۔ کوئی فاصلہ نہ ہونے کے باوجود دوری کا احساس ہونے پر ان کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ یوں تین سال بیت چکے تھے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے ڈاکٹر صوفیہ سے ملنا ہے چیک اپ نہیں کروانا میں اس کی۔"

"جی آپ اندر چلی جائیں ڈاکٹر صوفیہ روم میں ہی ہیں۔" مریضوں کو ان کی باری پر بھیجتا وارڈ بوائے شاید انہیں پہچانتا تھا اس لیے اندر جانے کو کہہ دیا تھا۔ وہ معمول کے چیک اپ کے لیے ایاز سے فارغ ہو کر یونہی صوفیہ سے سلام دعا کرنے چلی آئی تھیں۔ مگر اندر داخل ہوتے ہی ایک غیر متوقع منظر دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"یہاں درد ہو رہا ہے۔ اور (ادھر) درد ہو رہا ہے۔" ڈاکٹر صوفیہ کے پاس ایک چھوٹی سی چیئر پر براجمان تین سالہ آریان اپنے ساتھ ٹیبل پر پڑے بھالو کو نقلی اسٹیتھسکوپ سے چیک کر رہا تھا۔

"اچھا تم رو نہیں' میں تم کو چاکلیٹ دوں گا تم اچھے ہو جاؤ گے۔" آریان نے ٹیبل پر پڑے لفن باکس میں سے چاکلیٹ نکال کر ریپر بھالو کے گلے میں اٹکایا اور چاکلیٹ خود کھانے لگا تھا۔

"بے ایمان ڈاکٹر۔" مسز شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"میری ماما کہتی ہیں جو بچے دودھ پیتے ہیں وہ جلدی بڑے ہو جاتے ہیں۔" وہ چاکلیٹ کھاتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔ چاکلیٹ کھا کر دودھ کے فوائد گنوائے جا رہے تھے۔

"بھلکڑ ڈاکٹر۔"

"آریان' اب میں لکھ رہی ہو آپ بھی لکھو۔" ڈاکٹر صوفیہ مریضہ کے معائنے سے فارغ ہو کر تیزی سے پیڈ پر لکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس بات پر آریان نے ٹیبل سے کاپی اٹھائی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر اوپر کاپی کو سیٹ کرنے لگا تھا۔

"آنٹی میں جی نہیں لکھوں گا" کاپی پر نظر ڈال کر وہ منہ بسور کر کہہ رہا تھا۔

"جی" (G) نہیں لکھو گے تو ڈاکٹر کیسے بنو گے؟ ڈاکٹر بن کر تو "G" لکھنا پڑتا ہے۔

"میں آدمی رکھ لوں گا۔" گویا ڈاکٹر بن کر بھی "G" لکھنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

"آریان اب میں آپ کو ماروں گی۔" صوفیہ نے اسے دھمکی دی۔

"میں آپ کو سرنج لگا دوں گا۔" آریان نے بھی جواباً" دوبدو دھمکی دی تو جہاں ڈاکٹر صوفیہ کی بے ساختہ ہنسی نکلی' وہیں مسز شاہ نے آگے بڑھ کر ہنستے ہوئے آریان کو گود میں اٹھا لیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟"

"ارے آنٹی آپ۔" ڈاکٹر صوفیہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اس کے روم کی سیٹنگ کچھ اس طرح تھی کہ دروازہ بائیں ہاتھ پر ہونے کی وجہ سے اب تک ان پر نظر نہیں پڑ سکی تھی۔

"بیٹھیں پلیز۔ پہلے میں آریان کی شرارتوں پر انجکشن لگانے کی دھمکی دیتی تھی۔ اب یہ سرنج کا نام لے کر مجھے دھمکانے لگا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر بننا سیکھ رہا ہے۔ کہتا ہے پڑھنا لکھنا کچھ نہیں ہے۔ یوں ہی ڈاکٹر بننا سیکھ لے گا۔ اس کی بھی ہاؤس جاب چل نکلی ہے آج کل۔" آریان ان کی گود میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے اتنا معتبر بن کر بیٹھا تھا۔ گویا ہاؤس جاب کیا اسپیشلائزیشن بھی کر لیا ہو۔

"یہ تمہارے پاس ہوم ورک کرنے کیوں آتا ہے۔" مسز شاہ اس کے صوفیہ کے پاس اکیلے بیٹھنے پر کچھ حیران سی تھیں۔

"ویسے تو یہ ہمارے پاس رہنے کا عادی ہے۔ لیکن آج کل اس کی ماما آرام فرما رہی ہیں۔ آیا کے ہوتے ہوئے بھی یہ اسے بہت تنگ کرتا تھا۔ اپنے سارے کام اس سے کرواتا ہے' تو میں نے ہی ساحر سے کہا کہ اسکول سے اسے یہاں چھوڑ جایا کرے۔ شام کو میں اور ایاز اسے چھوڑ آتے ہیں۔"

"اچھا تمہیں تو یہ بہت تنگ کرتا ہو گا۔ میں اسے ساتھ لے جاؤں' فارغ جو ہوتی ہوں۔" بے ساختہ ہی ان کے منہ سے نکلا تھا۔

"کیوں نہیں آنٹی' ویسے بھی اس کی وجہ سے میری سیٹ خطرے میں ہے۔ کل مجھے کہہ رہا تھا آپ میرے دوست کو چیک کریں۔ میں آپ والے لوگوں کو چیک کرتا ہوں۔" صوفیہ نے ان کے لہجے کی حسرت کو محسوس کر کے ہلکا پھلکا انداز اپنایا اور انٹرکام پر آریان کی آیا کو بلانے اور چائے بھیجنے کا آرڈر دینے لگی۔

"آپ میرے ساتھ چلو گے۔ میں آپ کو چاکلیٹس لے کر دوں گی۔ پلے لینڈ بھی لے کر جاؤں گی اور آپ کو G بھی نہیں لکھنا ہو گا۔" انہوں نے گود میں بیٹھے آریان کو مخاطب کیا تھا۔ وہ سر اٹھا کر کچھ کہے بغیر ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ مریضوں کو دیکھنے کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لیے روک کر صوفیہ چائے پیتے ہوئے ان کے ساتھ گپ شپ کرتی رہی۔

"آریان منہ صاف کرو۔" صوفیہ نے ہاتھ بڑھا کر ٹشو پیپر نکالا اور آریان کی طرف بڑھایا تھا۔

"ارے صوفیہ۔" مسز شاہ کچھ ششدر سی اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ تم تو خود اتنی صحت مند ہو گئی ہو اتنی بڑی خوشی کی خبر مجھ سے کیوں چھپائی۔" سو ذرا سا اٹھنے پر انہیں صوفیہ کے سراپے میں تبدیلی کا احساس ہوا تو خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں پوچھنے لگی تھیں۔

"آنٹی میں ابھی آپ کو بتانے ہی والی تھی۔" وہ کچھ جھینپ کر کہہ رہی تھی۔

"تو بیٹا آپ کو بھی ریسٹ کرنا چاہیے۔"

"آنٹی ابھی کافی ٹائم ہے اور پھر میری تو روٹین

ہے۔ ویسے ہم نے ایک نئی ڈاکٹر اپائنٹ کی ہے۔ اس لیے تو میرے پاس رش بہت کم ہے۔" میں نے ایک دن آپ کے پوتے کو بتایا کہ آپ کی بہن آئے گی۔ آپ اس سے کھیلا کرنا۔ پہلے تو پریشانی سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا ٹھیک ہے۔ میں اس کو سمندر میں پھینک آؤں گا۔ صوفیہ نے ہنستے ہوئے بتایا تھا۔

"بے بی گرل کنفرم ہے؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ ڈاکٹر صاحب کو بیٹی کی خواہش ہے۔ پہلے مجھے تسلی دیا کرتے تھے کہ قسمت میں اولاد ہوئی تو اللہ کرم کرے گا۔ مگر اب مجھے دھمکی دیتے ہیں بیٹی نہ ہوئی تو میں دوسری شادی کرلوں گا۔" صوفیہ کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ کتنے خوش تھے۔

"میں تو کہتی ہوں میرا بیٹا تو ہے نا آریان۔۔۔ میرے دل کا ٹکڑا۔" اس نے پیار بھری نظر آریان پر ڈالی تھی۔

"آنٹی آپ کے کان میں ایک بات بولوں۔" آریان اپنی آپا کو ساتھ لے کر مسز شاہ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوا' پھر کنفیوژ سا رک گیا تھا۔

"ہاں بولو۔۔۔" صوفیہ ذرا سا جھکی۔

"یہ بکنے (پکڑنے) والی آنٹی تو نہیں ہیں؟" وہ ایڑیاں اچکا کر اس کے کان کے پاس با آواز بلند سرگوشی کرکے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ ہی مسز شاہ کو کنفیوز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں بیٹا بالکل بھی نہیں۔" صوفیہ نے اس کا منہ چوم کر تردید کی۔

اصل میں ہم نے اسے بتایا ہوا ہے اسکول کے اندر یا باہر کسی بندے سے کوئی چیز لے کر نہیں کھانی اور نہ کسی دوسرے بندے کے ساتھ جانا ہے۔ وہاں بچوں کو پکڑنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ مشکوک ہو رہا ہے۔" صوفیہ نے انہیں بتایا تو ان کے ہونٹوں کی مسکان چھن گئی' یہ فاصلے تو ان کے اپنے پیدا کردہ تھے۔

بہرحال ڈاکٹر صوفیہ کے سمجھانے پر وہ اسے ہاتھ ہلا تا ان کے ساتھ چلا تو مسز شاہ کی گویا عید ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آریان! آریان بیٹا کیا کر رہے ہو؟" ساحر نے ٹیرس پر کھلنے والے دروازے میں کھڑے ہو کر اسے پکارا۔ مگر وہ کوئی جواب دیے بغیر ریلنگ سے سر ٹکا کر نہ جانے نیچے اندھیرے میں کیا تلاش کر رہا تھا۔

"آریان!" ساحر نے پاس جا کر ایک مرتبہ پھر اپنی طرف متوجہ کیا۔

"پاپا آپ جیا کو نکال دیں۔" اس نے شکایتی انداز میں اپنی آپا کی طرف اشارہ کیا جو اطمینان سے چیئر پر بیٹھی تھی۔

"کیوں نکال دیں؟ یہ اس کا گھر نہیں ہے کیا؟ ایسے نہیں کہتے بیٹا۔" ساحر نے اسے سرزنش کی۔

"پاپا یہ میری بال لے کر نہیں آئی۔" اس نے نیچے کمپاؤنڈ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تو اس ٹائم تو سیڑھیوں پر اندھیرا ہو گا۔"

"اور (ادھر) سے ہی لا دے نا۔" آریان نے ہاتھ سے خلا میں اشارہ کیا۔

"بیٹا آپ نے ابھی اسے اتنا تنگ نہیں کیا کہ یہ ادھر سے جا کر خودکشی کرلے اور یہ کھیلنے کا کون سا ٹائم ہے۔

سونا نہیں ہے کیا؟" ساحر نے اسے اٹھا کر پیار کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں ماما کے پاس سوؤں گا۔" اس نے اقرار میں سر ہلایا تھا۔

"ٹھیک ہے' آپ ماما کے پاس بالکل چپ کرکے سو گے' کوئی بات' کوئی کھیل نہیں ہو گا۔" ساحر نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے تنبیہہ کی۔

"جیا آپ جا کر سو جاؤ' میں اس گدھے کو سلا دوں گا۔" اندر کی طرف جاتے ہوئے ساحر نے اس کی آپا کو مخاطب کیا تھا۔

"میں گدھا نہیں ہوں پاپا۔" آریان نے ٹانگیں ہلا کر احتجاج کیا تھا۔

"ساحر آپ کو پتا ہے آج آریان کہاں گیا تھا؟" حمرہ نے اپنے تئیں آریان کو سلانے کے بعد مدھم آواز میں گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"ہوں! بھابھی کا فون آیا تھا۔" اس نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

"پاپا میں بتاؤں؟" آریان فوراً اٹھ بیٹھا۔

"ساحر آپ کو اچھا لگا؟"

"نہیں۔۔۔"

"تو کیا برا لگا؟" حمرہ نے پھر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔"

"آنٹی' آریان کو خود چھوڑنے آئی تھیں۔ کہہ رہی تھیں کہ آئندہ اسکول سے لے جائیں گی اور شام کو چھوڑ جایا کریں گی۔"

"لائٹ آف کردو' ورنہ یہ سوئے گا نہیں۔" نہ انکار' نہ اقرار' اس نے سپاٹ سے انداز میں بات ہی بدل دی۔

"ماما لائٹ آف نہیں کریں' میں تو سو گیا ہوں۔" آریان کی سرگوشی پر حمرہ کا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھتا ہاتھ رک گیا۔

سنبل پہلے پہل تو آریان کو ان کے پاس دیکھ کر بے حد حیران ہوئی' مگر اس نے آریان کو مخاطب نہیں کیا۔ مسز شاہ کو محسوس تو ہوا' مگر وہ عجیب سا تنگی طبیعت کی ہو چلی تھی۔ سوائے کچھ کہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ ایک روز اس کے آنے پر مسز شاہ نیک محمد کی غیر موجودگی کے باعث کچن میں چائے بنانے چلی گئیں۔ آریان وہیں ہوم ورک کر رہا تھا۔ اس کا ایک ربٹ باہر چلا گیا تو وہ اسے پکڑنے کے لیے باہر گیا۔ تھوڑی دیر میں واپس آیا تو سردی کے باعث کان اور گال سرخ ہو رہے تھے۔

"آریان ادھر آؤ۔" سنبل نے اسے پکارا۔

"جی آنٹی!" وہ اس کے پاس آگیا۔

"آپ باہر کیوں گئے تھے۔ باہر سردی نہیں ہے؟" اس نے اونی ٹوپی کو کھینچ کر اس کے کان اندر کیے۔

"نہیں۔۔۔ میری ماما کہتی ہیں' باہر دھوپ ہوتی ہے۔ دھوپ میں گرمی لگتی ہے۔" اس نے چند ماہ پہلے کا ماما کا اقوال زریں سنایا تو سنبل کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"آنٹی آپ روز ہمارے گھر کیوں آتی ہیں؟" وہ خاصی لاپروائی سے پوچھنے لگا۔ سنبل کے تصور میں یاد کا در وا ہوا اور اسے حمرہ کے ساتھ کی گئی گفتگو یاد آگئی۔

"میں۔۔۔ میں روز اس لیے آتی ہوں بیٹا کہ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ شاید اپنی زندگی کی محرومی پر' تنہائی پر۔

"آج تو پھوپھو' بھتیجے میں بڑی گپ ہو رہی ہے۔" مسز شاہ نے چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھی۔

"ماما میں سوچ رہی ہوں۔ اللہ جب کسی پر اپنے کرم کی بارش برساتا ہے تو دوسرے اس پر کتنی ہی چھتریاں کیوں نہ تان لیں۔ اس بارش کے کتنے ہی رخ موڑ دیں۔ مگر وہ اپنے نصیب کی بارش میں بھیگ کر ہی رہتا ہے۔" سنبل کچھ آزردگی اور رشک کے ملے جلے جذبات سے کہہ رہی تھی۔

"یہ کرم تو اللہ نے مجھ پر کیا ہے۔ تمہیں ایک بات بتاؤں سنبل آج کل میں اللہ سے لمبی عمر کی دعا کرنے لگی ہوں کہ جب میرا ننھا بیٹا بڑا ہو' اس کی داڑھی آئے' اس کی مونچھیں آئیں' اس کی شادی ہو تو یہ سب دیکھنے کے لیے زندہ رہوں۔" انہوں نے آریان کے حوالے سے اپنے خواب بیان کیے۔

"ماما میں سمجھی آپ اسے بڑا آدمی۔۔۔" سنبل ہنس کر اپنی بات مکمل کر رہی تھی۔

"دادو ان آنٹی نے آپ کو ماما کیوں بولا ہے۔" پاس کھڑا آریان اچانک تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بھئی سنبل تم نے خوامخواہ مجھے ماما کیوں بولا ہے۔" انہوں نے بازپرس کی۔

"معاف کردیں۔۔۔ غلطی ہو گئی۔" سنبل نے خاصی عاجزی سے جواب دیا تھا۔ مگر آریان کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ قبضہ سچا اور دعویٰ جھوٹا کے مصداق دادی کی گود میں بیٹھ گیا اور خاصی دیر تک کبھی اپنے کوٹ کے بٹنوں سے کھیلتا' کبھی ان کی سویٹر کے بٹن گنتا۔ اس

آنٹی کے جانے کا انتظار کرتا رہا جو اس کی دادو کو ماما کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

چند ہی روز میں ساحر کے ساتھ ان کے تعلقات میں کھنچاؤ ختم ہو گیا تھا۔ مسز شاہ میں ننھے کھلونے کو پا کر زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ انہوں نے اپنی سوشل ایکٹیویز کم کر دی تھیں۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو آریان کو ساتھ لے کر جاتے ہوئے ان کے اندر فخر بھر جاتا تھا۔

اس کی غیر موجودگی میں ان کا دھیان لاشعوری طور پر آریان کی طرف رہتا۔ بے اختیار وہ اس کی معصوم سی بات کو یاد کر کے مسکرا دیتیں۔ اپنے بچوں کے جو کام انہوں نے خود نہیں کیے تھے۔ وہ اس کے اپنے ہاتھوں سے کر کے وہ بے تحاشا خوشی محسوس کرتیں۔ کبھی کبھار صوفیہ اور ایاز آریان سے ملنے آتے تو اس کی پچھلی باتوں کو دہرا کر ا بجولٹے کرتے تب مسز شاہ کے اندر احساس زیاں جاگنے لگتا۔ جب ان کا یہ شہزادہ پہلی دفعہ مسکرایا ہو گا اس نے پہلی بار کوئی لفظ ادا کیا ہو گا۔ وہ ان لمحوں کی خوشی سے محروم کیوں رہیں؟ آریان کو چھوڑ کر واپس جانے لگتیں۔ تو وہ بہانے بہانے سے انہیں روکنے کی کوشش کرتا۔ دراصل اس کا معصوم ذہن یہ وضاحت نہیں کر پاتا تھا کہ وہ سب کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور جب وہ اس کی خواہش کو محسوس کر سکتی تھیں تو بھلا حمرہ اور ساحر کیسے انجان رہتے ہوں گے۔ ساحر آؤٹ آف سٹی گیا ہوا تھا۔ وہ آریان کو چھوڑنے آئیں ' مگر اس کے اصرار پر رات وہیں رکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حمرہ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے اپنے گزشتہ رویے اور غلطیوں پر معذرت کی تھی۔

"آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے ماما۔ میں سب کچھ بھول چکی ہوں۔ اللہ نے مجھے اتنی خوشیاں دی ہیں کہ مجھے کچھ یاد نہیں اور میں تو ساحر سے بھی کہتی ہوں کہ سب کچھ بھلا کو ہم پہلے کی طرح اکٹھے رہیں۔" حمرہ کے کہنے پر ان کے سر سے کوئی بوجھ سرک گیا تھا۔ جب وہ اٹھ کر آریان کو سلانے اس کے کمرے میں چلی گئیں تو حمرہ نے انہیں جاتے دیکھ کر سوچا تھا۔

"میں کیسے بھول سکتی ہوں ' وہ بے بسی ' وہ بے کسی ' وہ ذلت ' میرے کردار پر اس وقت بھی کوئی چھینٹا نہیں پڑا ' جب میں کمانے کے لیے سنسان رستوں پر چلا کرتی تھی اور آپ نے مجھے محفوظ سائبان سے نکال کر میرے کردار پر کس طرح تہمت دھر دی۔ میرے سر سے آسمان اور میرے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ مگر جب بھی مجھ پر کوئی مصیبت آئی تو میرے رب کی مدد نے مجھے تھام لیا۔ اس نے مجھ پر اتنا احسان کیے ' اتنے کرم کیے کہ میں اس کے احسانوں کا شکر بجا لانے کے قابل نہیں ہوں۔ اس نے مجھے آریان دیا۔ میں ساری عمر بھی سجدہ شکر۔ بجا لاؤں تو آریان کے پاؤں کے برابر بھی شکر ادا نہ کر سکوں اور جب میں جانتی ہوں کہ اس کے احسان ' اس کا کرم بہت بڑا ہے اور میرا یہ شکر بہت چھوٹا ' بہت کم اور بہت مختصر ہے ' تو میں یہ تو کر سکتی ہوں۔ ان کے ساتھ اچھا کروں جنہوں نے میرے ساتھ برا کیا تو میرے رب کے نزدیک میرا یہ عمل یقینا" زیادہ پسندیدہ ہو گا۔ وہ سب مجھے اس لیے بھی بھلا دینا ہو گا کہ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر ماں کا نافرمان ہو کر صرف دنیا کی کامیابی کا حصہ دار بنے۔ میرے رب نے میرا دامن خوشیوں سے بھر کر میرے ساتھ انصاف تو کر دیا ہے۔ وہ بہتر حساب کرنے اور انصاف کرنے والا ہے۔"

آریان کو تھپکتے ہوئے مسز شاہ سوچ رہی تھیں۔ جو کچھ میں نے کیا بے شک غلط تھا۔ مگر اب جدائی کی طویل سزا کاٹ چکی۔ ان شاء اللہ اب نئے مہمان کا عقیقہ شاہ ہاؤس میں ہی ہو گا۔ چاہے مجھے ساحر کی کتنی ہی منت کیوں نہ کرنی پڑے۔ آخر کار وہ مان ہی جائے گا کہ اس کے پیچھے کوئی بہکانے والا ہاتھ نہیں ہے۔

"دادو میں کرکٹ کھیلوں گا۔" آریان اپنے موجودہ کھیل سے کچھ بے زار ہو کر کہہ رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے میرا بیٹا کرکٹ کھیل لے۔" انہوں نے پیار سے اسے اجازت دی ' وہ کمرے میں جا کر بیٹ اور بال اٹھا لایا تھا۔

"میں چوکیدار سے کہتی ہوں۔ وہ آپ کے ساتھ کرکٹ کھیلے گا۔"

"نہیں میں آپ کے ساتھ کرکٹ کھیلوں گا۔" اس نے اطمینان سے فرمائش کی۔

نہ انہیں بیٹنگ کرنا آتی تھی ' نہ ہی آریان کو ٹھیک سے بالنگ کرانا آتی تھی ' مگر کھیل کامیابی سے جاری رہا۔ اگرچہ بیٹ اور بال پلاسٹک کے تھے۔ مگر انہوں نے یہ سوچ کر بیٹنگ کرنا اپنے ذمہ لی کہ کہیں بال آریان کو نہ لگ جائے۔ مگر آریان بال پھینک کر گنتی گن رہا تھا۔ غالبا" وہ اس طرح اپنے رنز گن رہا تھا۔ گیٹ سے گاڑی اندر آنے کی آواز آئی۔ مگر کھیل کا خیال کر کے انہوں نے توجہ نہیں دی۔ بال کبھی مشرق تو کبھی مغرب کو جا رہی تھی۔ وہ ایک جگہ بیٹ ٹھونک کر اسے دل میں شکر کرتا دیکھ رہی تھیں۔

"دادو آپ کھیل نہیں رہیں"ایک ' دو مرتبہ بھاگ کر بال اٹھاتے ہوئے اس نے پوچھا بھی۔ "بیٹا کھیل تو رہی ہوں"انہوں نے بیٹ ہوا میں لہرایا اور لان کا تنقیدی جائزہ لینے لگیں۔

"دادو میں جیتوں گا کب؟" بھاگ بھاگ کر خود ساختہ رنز کرتے آریان نے پوچھا۔ یعنی یہ بھی پہلے سے طے ہو چکا تھا کہ جیتنا بھی اسی نے ہے۔

"جب آپ کی کاؤنٹنگ پوری ہو جائے گی۔" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"دادو میں جیت گیا۔ میں جیت گیا۔" ففٹی تک رنز بنا کر وہ بھاگ کر ان کے پاس آیا اور گلے لگ گیا تھا۔ یوں اس احمقانہ میچ کا اختتام ہوا۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ جیتنے کے بعد گلے ملتے ہیں۔"

"انکل نے۔" اس نے خوش ہو کر بتایا تھا۔

"ماما ' بابا۔" ان کے کندھے سے پرے آریان کی نظر پڑی تو وہ چلایا تھا۔ مسز شاہ نے مڑ کر دیکھا اور سرشار ہو گئیں۔ لاؤنج کے اس طرف کھلنے والے دروازے کے باہر حمرہ اور ساحر کھڑے تھے۔

"شیطان بچے آپ نے دادو کو ہرا دیا ' شرم نہیں آتی۔" آریان بھاگ کر ان کے پاس گیا تو ساحر نے اسے پیار کرتے ہوئے شرم دلائی۔

"نہیں بابا میں جیت گیا ہوں۔" آریان کو اس بات سے غرض نہیں تھی کہ ہارا کون۔

"آج میرے بچے اپنے گھر کا راستہ کیسے بھول گئے۔" مسز شاہ نے ساحر کے بال بکھیرے۔

"ماما۔ حمرہ کا آؤٹنگ کا موڈ ہو رہا تھا تو اس نے آپ کو اور آریان کو سرپرائز دینے کا پروگرام بنا لیا۔"

"بابا میں آپ کو اندر لے چلوں۔" آریان اچھا میزبان ثابت ہو رہا تھا۔

"ہاں یار۔ ضرور۔ ورنہ پھر کہیں راستہ بھول کر گیٹ کی طرف نہ نکل جائیں۔" ساحر نے اسے رہنمائی کا پورا موقع دیا۔

"ماما اندر چلیں۔" ان دونوں کو اندر کی طرف جاتے دیکھ کر حمرہ ' مسز شاہ کی طرف متوجہ ہوئی ' جو بھیگی آنکھوں میں ڈھیروں تشکر لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تم بہت اچھی ہو حمرہ ' تمہارا ظرف بہت بڑا ہے۔" انہوں نے سچے دل سے تعریف کی۔

"ماما میں سوچتی ہوں۔ میں آریان سے دور نہیں رہ سکتی ' تو کوئی بھی ماں اپنے بیٹے سے کیوں دور رہے۔"

"تمہارا گھر اجاڑنے کی ہر کوشش کرتے ہوئے میں نے ایسا کیوں نہیں سوچا تھا؟" مسز شاہ کے دل میں ڈھیروں ملال جاگا۔

"میری دعا ہے رب تمہیں ڈھیروں خوشیاں عطا کرے۔ تمہیں ہمیشہ اس گھر میں آباد رکھے۔ تم رانی بن کر یہاں راج کرو۔"

"اس گھر کی مالکن وہ ہو گی جو میری مرضی سے آئے گی۔ میں تمہیں دوسرے شہر میں سیٹل کروا دوں گی۔ کوئی نیا بر ڈھونڈ لیتا۔" کہہ کر بڑے تنفر اور یقین کے ساتھ اس کی تقدیر اپنے ہاتھ سے لکھنے والی مسز شاہ آج اس کی خوشیوں کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعاگو تھیں۔ حمرہ مسکرا کر ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے اسے گلے لگاتے ہوئے بہت محبت اور خلوص کے ساتھ اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

☼ ☼

غزالہ جلیل راؤ

جذبوں کی دہلیز پر کھڑی اپنے اطراف بکھرے ان پھولوں کو رنگ و بو کے ساتھ مہکتے دیکھ رہی تھی جو اس کے دل کے گلشن میں ارحم کی محبت نے اگائے تھے۔ وہ کچی کلیوں کو ہاتھوں میں لیے دیکھ رہی تھی جو اب پھول بن گئی تھیں۔

وہ ان کلیوں کے سرہانے پر سر رکھے ان چھوٹی کلی کی طرح مسکرا رہی تھی وہ اس تلخی کو بھولنے کی کوشش میں تھی جو اس کے اور ارحم کے بیچ پیدا ہو گئی تھی۔

سرمست ہوائیں، خوشگوار جھونکے، بارش کی بوندیں کالی گھٹائیں بھی اس کی افسردگی کم کرنے میں معاون ثابت نہیں ہو رہی تھیں۔ اس کی سوچوں کی بیساکھی ٹوٹتی اور وہ پھر سے جوڑ لیتی۔ پھر اس کے ہاتھ سے پھسلتی اور دور جا گرتی۔ جیسے چکنے فرش پر تیل بکھر کر بہتا چلا جاتا ہے۔

کوئی شریر سی بوند اس کے اوپر گرتی اور وجود میں گدگدی کرتی گزر جاتی۔ وہ بے ساختہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ہنسنے لگتی۔ عجیب سے احساس نے اس کے اندر سر اٹھایا پھر جیسے اس کے خیالوں کو چھیڑتا ہوا گزر گیا۔

"زارش تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟"

ارحم کے جملے کی گونج بوندوں کی طرح ٹپ ٹپ گونجنے لگی۔ اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سچے موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کے اندر کی ایکدم شریر سی بچی جاگ اٹھی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ میں نے اپنے آپ سے محبت کی ہے۔ ہر خوب صورت چیز مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے جیسے۔"

"جیسے میں...؟" ارحم نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی میری پوری بات سنو۔ پھول، خوشبو اور رنگ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ برسات کے موسم میں جب گھٹاؤں کی آغوش میں بجلی چمکتی ہے یا دل جب ایک دوسرے سے ٹکرا کر گرجتے ہیں اور موسلادھار بارش زمین کی ہر چیز کو سیراب کر دیتی ہے تو یہ سارے منظر میری آنکھوں کا نور بڑھا دیتے ہیں۔ فطرت سے مجھے پیار ہے۔ حسین چیزوں سے بھی محبت کرتی ہوں۔"

"اوہ، میں نے تمہیں منظر کشی کے لیے تو نہیں کہا تھا۔ فطرت سے ہر شخص پیار کرتا ہے۔ میرا مقصد کچھ اور تھا۔"

"اچھا تمہارا اشارہ اس محبت سے ہے جو مجھے تم سے ہے؟"

"ہاں۔"

"اور جب چاند ڈر کر بادلوں میں منہ چھپا لیتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے کہ وہ ڈر کر محبوب کی آغوش میں چھپ جانا چاہتا ہے۔"

"زارش... کیا کہہ رہی ہو تم؟" اپنی بات پوری کر کے وہ خوب ہنسی۔ کھلکھلا کر جیسے وہ اس کی بات کا مذاق اڑا رہی ہو۔

"سوری ارحم... میں مذاق کر رہی تھی۔" اس کا

سوری کرنا ارحم کے آگ جیسے غصے پر پانی کا کام کر گیا، وہ مسکراہٹ لبوں میں دبا کر بولا۔

"میں نے کچھ پوچھا تھا تم سے؟"

"وقت آنے پر بتاؤں گی۔"

اس کی ایسی ادائیں، شوخیاں اور مسکراہٹیں ارحم کو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ اس کی قربت اسے مسحور کر دیتی تھی۔

زارش بہت سنجیدہ لڑکی تھی اور اس حادثے کے بعد تو اور بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اس روز بھی نہ جانے کیسے وہ اتنا مذاق کر گئی جو ارحم کو بہت برا لگا، لیکن اس کی سوری نے جلتی ہوئی آگ پر پانی کا کام کیا، مگر پھر پے در پے ایسے واقعات ہوتے چلے گئے کہ ان کے بیچ تلخی بڑھتی گئی اور اس آگ کو پیٹرول دکھانے کا کام سائرہ نے کیا۔ جس نے فوراً "آگ پکڑلی۔

مرد کی محبت بارش کی بوندیا شبنم کا قطرہ ہوتی ہے جو مٹی میں گرتے ہی جذب ہو جاتا ہے۔ محبت سے گرے تو جذبوں میں گلشن کھلا دیتا ہے۔ اگر نفرت سے تو گلشن کو بھی خار بنا دیتا ہے۔

زارش بھی تو اس کی لپیٹ میں آئی تھی' اس کی ہنستی مسکراتی زندگی ارحم کی نفرت اور فریب کی نذر ہو گئی تھی۔ وہ نڈھال سی ہو گئی۔ کسی سے شیئر کیا نہ محسوس ہونے دیا۔ اندر ہی اندر گھل رہی تھی۔ وہ یہ سب بتا کر ایک بار پھر قیامت برپا نہیں کرنا چاہتی تھی اپنے گھر کے۔

"ارحم! کیا تم یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو؟"

"اس میں مذاق والی کون سی بات ہے زارش؟"

"ارحم۔ ارحم۔" الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

"ہاں جلدی سے کہو' جو بھی کہنا ہے۔ ایک ضروری اپائنمنٹ ہے۔ دیر ہو رہی ہے مجھے۔ اور تم ہر وقت وجہ بے وجہ فون مت کیا کرو مجھے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"مطلب کیا ہو۔ بھئی آدمی کو اپنی ذات کے لیے خاصا وقت چاہیے ہوتا ہے!"

"ارحم۔ کیا تم کچھ غلط نہیں کہہ رہے؟ تمہارا ہی دعوا تھا کہ تم' تمہارے شب و روز' تمہاری سوچیں' سب کے سب میرے ہیں۔" اس نے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"کبھی بے وقوفی میں کہہ دیا ہوگا' لیکن اس وقت مجھے کچھ یاد نہیں اور میں یاد کرنا بھی نہیں چاہتا اور نہ ہی ان فضول باتوں کے لیے میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے۔ تم فون بند کرو۔ مجھے کہیں بات کرنا ہے۔"

"نہیں کروں گی جب تک تم میری بات کا جواب نہیں دو گے۔ مجھے مطمئن۔"

"تو کیا ہوا میں کال ڈراپ کر دوں گا تم مزے سے رابطہ کیے رہنا۔" اس نے حد درجہ بے گانگی اور لاپروائی سے کہا اور سچ مچ کال ڈراپ کر دی۔ وہ پھر سے نمبر ری ڈائل کرنے لگی۔ اس نے پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو۔ سمجھ نہیں آتا تمہیں کیا کہا تھا میں نے؟" اس نے تلخی سے کہا۔ جواب میں وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ ابھی تک اس کی بے رخی کا اثر دل پر تھا۔

"ہیلو۔ ہیلو۔" اس نے موبائل کان سے ہٹا کر دیکھا اور سگنل چیک کیے۔ کال چل رہی تھی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔ پلیز ارحم دیکھو۔ دیکھو مجھے ستا' رلا کے تمہیں کیا ملے گا۔" وہ اس کی عادتوں سے بخوبی واقف تھی۔

"کچھ نہیں' نہ میں تمہیں ستانا چاہتا ہوں اور نہ ہی آئندہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ اس لیے تمہیں اس طرف سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے اپنے دل سے خدشے' واہمے نکال دو۔ اس سب کے بدلے میں صرف آزادی کا طلب گار ہوں۔ زندگی کا ایک سیٹ اپ چاہتا ہوں۔ اسی کوشش میں لگا ہوں اور میرا خیال ہے یہ کوئی جرم نہیں۔ تم بھی اپنے معاملوں میں آزاد ہو۔ شوق سے جو چاہے کرو۔ بس میرے راستے سے ہٹ جاؤ' میری راہیں صاف کر دو۔ سنا تم نے؟" اسے خدا حافظ کیے بنا لائن کاٹ دی۔ چند لمحے وہ موبائل ہاتھ میں لیے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر ایک دم ہی خزاں سی اتر آئی تھی۔

"کیا بات ہے زارش' یہ تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ خیریت' سب ٹھیک تو ہے؟"

"ہاں' بس ویسے ہی۔" اس نے ہلکے سے کہا۔

"کیا تم ارحم سے بات کر رہی تھیں؟"

"ہاں۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ اس نے رخ دوسری جانب پھیر لیا۔ اپنی کیفیت چھپانے کو۔

"اب کیا ہوا ہے؟" وہ خاموش رہی۔

"آج سے پہلے تو اس سے بات کرتے ہوئے تمہارے چہرے پر قوس و قزح کے رنگ بکھرے ہوتے تھے اور آج تاریکی کے بادل چھائے ہیں۔ کہیں کوئی جھڑپ تو نہیں ہو گئی؟"

"ارے نہیں۔ بس ویسے ہی۔" وہ صاف چھپا گئی۔

"اور تم نے اتنی جلدی فون بند کر دیا ورنہ فون بزی رکھنے میں تو تم دونوں ہی مشہور ہو۔ میرا خیال ہے' جتنی باتیں کرتی ہو تم اس سے۔ تم تھکی نہیں زارش۔؟"

"نہیں۔ بس اسے کہیں جانا تھا۔ دیر ہو رہی تھی۔" سائرہ نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"ویسے زارو اللہ کا شکر ہے' میں تو اس مہلک بیماری سے بچی ہوئی ہوں۔ میری جندا زندگی اتنی فضول چیز نہیں ہے کہ اسے جل کڑھ کر گزار دی جائے اور وہ بھی کسی اجنبی کے نام۔ میرے نزدیک جیسے زندگی بے وفا ہے۔ جانے کون سے لمحے دغا دے جائے اسی طرح محبت سب سے ناقابل اعتبار چیز ہے۔" سائرہ نے ایک ناصح کے انداز میں کہا۔

"ہر لڑکی زندگی کسی نہ کسی کے نام کرتی ہے۔ بندھن محبت کے ساتھ جوڑا جائے تو حرج کیا ہے؟"

زارش نے اپنی پریشانی چھپانے کی سعی کی۔

"توبہ کرو۔ شوہر ہونا ہی ایک بڑا عذاب ہے۔ وہ شوہر محبوب بھی ہو تو بات ذرا کٹھن سی ہو جاتی ہے۔ زندگی ناز و نخرے اٹھانے میں ہی گزر جائے گی۔"

"ناز اٹھوانے والے ناز اٹھاتے بھی ہیں۔" ہما نے لقمہ دیا۔

"ہم تو ناز اٹھوانے والوں میں سے ہیں۔ اٹھانے والوں میں سے نہیں۔ ویسے میری مانو تو ان ارحم صاحب کو ہری جھنڈی دکھا دو۔ کسی نہ کسی بہانے تمہیں پریشان ہی رکھتے ہیں۔ تمہاری محبت کی گہرائیاں ناپتے رہتے ہیں کہ کتنی محبت ہے۔ زمین کے اندر ہے اور کتنی باہر۔" سائرہ نے اسے مشورہ دیا۔

"ویسے یہ ہری جھنڈی کے علاوہ' سفید' نیلی' پیلی اور سرخ بھی تو دکھائی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں تو سرخ دکھانی چاہیے۔ خطرے کا الارم' جاؤ میاں عیش کرو۔ سگنل بدل گیا ہے۔ کسی اور ٹرین میں چڑھ جاؤ۔"

ہما نے ہنستے ہوئے سارہ کو آنکھ دبا کر کہا۔ اس کا مقصد زارش کو تنقید کا نشانہ بنانا تھا جو ارحم کے سامنے تو کسی دوسرے کو کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی۔ بس ارحم' ارحم' ارحم۔ ایک ہی نام کی تسبیح کرتی اور اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتی۔

"اچھا زارش ہم جا رہے ہیں' شام میں چکر لگاؤں گی۔" وہ گھر چلی آئیں۔ چند فرلانگ کا فاصلہ تھا ان کے گھر کے بیچ ان کے جاتے ہی زارش اپنے کمرے تک خود کو بمشکل تمام گھسیٹتی ہوئی پہنچی اور بستر پر گر گئی۔ ارحم کے لفظوں کی تلخی' ان سے ٹپکتی بے زاری اور آگ نے اپنے حصار میں لے لیا۔

"مجھے زندگی کا سیٹ اپ چاہیے' مجھے آزاد کر دو' میری راہیں صاف کر دو!' آزادی سب کا حق ہے۔ میں اس معاملے میں سنجیدہ ہوں۔" وہ سسکنے لگی۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکتی رہی۔

"زارش' زارش۔" ممی اسے پکار رہی تھیں۔

"اٹھو بیٹا' یوں منہ چھپائے کمرے میں بیٹھی ہو بے شک کام میں ہاتھ نہ بٹانا' لیکن کمرے سے باہر تو آجاؤ۔ ارشاد کب سے تمہارے منتظر ہیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے ممی۔"

"ارے یہ کیا بات ہوئی۔ صبح تم نے ناشتا نہیں کیا کہ دوپہر کو اپنا من پسند کھانا کھاؤ گی۔ اٹھو اور فوراً" باہر آجاؤ۔ تمہارے پسند کی بریانی' قیمہ' آلو اور مسور کی دال بنائی ہے۔ ساتھ میں ہرے مسالے کی پودینے کی چٹنی بھی۔"

"زارش بیٹا باہر آجاؤ۔" پاپا کی آواز اس کی سماعتوں نے سنی تو اس نے خود کو بے بس محسوس کیا۔

"چلو اٹھو۔" ممی نے اس کی کلائی تھامی تو چونک پڑیں۔

"ارے تمہیں تو بخار ہے' کب ہوا؟ تم نے بتایا تک نہیں۔" انہوں نے زارش کو پیار سے دیکھتے پوچھا۔ بخار کی شدت سے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ممی سب کچھ بھول بھال کر اس کے

پاس بیٹھ گئیں۔ ارشاد آئے۔

"کہاں ہو بھئی سب لوگ۔ بھوک کے مارے دم نکل رہا ہے۔"

"زارش کو دیکھیں بخار میں جل رہی ہے۔"

"بخار کب ہوا' ہمیں تو خبر ہی نہیں۔" وہ بولے۔ دونوں کھانا بھول کر اس کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔ شام کو روحی' جنید' وقار' خالد احمد کے گھر سے لوٹے تو وہ بستر میں تھی۔

"زاری کیا ہوا۔ بخار چڑھالیا اچھا بھلا سوتا چھوڑ گئے تھے تم کو۔" روحی اس کے پاس آبیٹھی۔

"روحی پلیز چپ ہوجاؤ۔ مجھے سونے دو۔" اس نے کمبل اوپر کھینچتے ہوئے خود کو چھپالیا۔

☼ ☼ ☼

ادھر سائرہ اس کی طرف جاسکی نہ زارش آئی۔ تو سائرہ نے خدا کا شکر ادا کیا اور جھٹ ارحم کا نمبر ملایا۔

"ہیلو ارحم بول رہا ہوں۔"

"تم میرے فون کے منتظر تھے؟"

"آف کورس' اتنی دیر سے کال کی' کہاں تھیں تم۔؟"

"بس وہ زارش کی طرف جانا تھا' لیکن میں جا نہیں سکی تو زارش کا انتظار کرتی رہی کہ کہیں وہ نہ آجائے۔ کیوں کہ اس کے آنے کا امکان زیادہ تھا۔"

"تو وہ نہیں آئی' اس کا مطلب ہے جسے ہم سنگی دیوار سمجھ رہے تھے وہ ریت کی بھربھری دیوار ثابت ہوئی' اشارے میں ہی ڈھے گئی۔" سائرہ ہنس دی تو وہ بھی ہنس پڑا۔

"آخر یہ سلسلہ کب تک چلے گا۔ اسے تمہاری جان چھوڑ دینی چاہیے اب تک۔" سائرہ نے ایک ادا سے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں سائرہ' مگر یہ ڈرامہ سوپ سیریل ہے۔ ڈراپ سین کے لیے سوچنا پڑے گا۔ کسی طریقے سے ہی راہ سے ہٹانا ہوگا۔"

"تم نے یہ روگ پالا ہی کیوں۔؟"

"بس دل نادان غلطی کر گیا۔ بندہ غلطی کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہے۔"

"ہونہہ جیسے سارے شہر کی لڑکیاں ختم ہوگئی تھیں کہ تم کسی ایک سے شادی کر سکو۔"

"کسی لڑکی کی کیا مجال ہم جو تمہیں جان من۔ تم ہم کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچ گئے۔ ہمیں پہنچنا ہی تھا۔"

"جی ہاں۔"

"ویسے ایک بات کہوں ڈیر۔؟"

"ہاں کہو۔"

"ہم زندگی بھر اس کے ممنون رہیں گے جس کے سبب ہم نے تمہیں پایا۔" ارحم کے لہجے میں شوخ رنگوں کی جھلک تھی۔

"ارحم ایک تو تم بہانے بہانے اس کا ذکر درمیان میں ضرور رکھتے ہو۔ بہت شوق ہے اسے یاد رکھنے کا۔" سائرہ جل سی گئی۔

"سائرہ ساتھ رہنے والے لوگ کسی نہ کسی طور یاد تو رہتے ہی ہیں۔"

"تمہاری کیا مجال کہ تم اسے یاد رکھو۔ بس میرے آنے کی دیر ہے۔ ساری چوکڑی بھول جاؤ گے تم۔ وہ بے چاری زارش کیا چیز ہے۔"

"چہ' چہ' چہ بے چاری زارش۔" ارحم کے لہجے میں جانے کیا تھا۔ سائرہ پھر ہنس پڑی۔

"صبح اس کا موڈ ایک دم آف ہوگیا۔ کیا کہا تھا تم نے اس سے؟"

"یہ تھوڑی کہہ سکتا تھا کہ میں نے سائرہ کو منتخب کرلیا ہے اس لیے تمہاری چھٹی۔ کسی نہ کسی طرح ہی دامن بچانا ہوگا۔ سائرہ وہ لڑکی مجھے سنجیدگی سے چاہتی ہے۔ میں اسے کہہ دوں کہ میں کسی اور سے پیار کرنے لگا ہوں تو وہ اسی دم مرجائے گی۔"

"مائی فٹ' ایک طلاق یافتہ لڑکی کو حق ہی کیا ہے کہ وہ ارحم جیسے لڑکوں پھانستی پھرے۔"

"یہ تو اس کی غلطی ہے' نادانی ہے۔ میں اس پر ترس کھا بیٹھا اور معاملہ ترس ہی ترس میں آگے بڑھ گیا۔"

"بس میں کہہ رہی ہوں نا تم کسی دن اسے صاف صاف کہہ دو۔"

"کہہ دوں گا بھئی کہہ دوں گا۔ ویسے کہنے کی ضرورت بھی نہیں جس دن ہم سہرا باندھے تمہارے در پہ حاضر ہوں گے ایک دنیا دیکھے گی اور زارش ارشاد تو سب سے پہلے دیکھے گی۔ تمہارے اور اس کے گھر کا فاصلہ ہی کیا ہے۔" سائرہ مسکرادی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"پہلی ملاقات کا وہ دن۔" ارحم نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔

"نہیں بھئی اس دن تو تم نے مجھے زارش کے حوالے سے دیکھا تھا۔ یاد ہے مجھے بھی وہ سفر بڑی اجنبی بنی ہوئی تھیں۔"

"میں بھی نہیں بھولی۔ تم زارش کے پہلو میں بیٹھے بڑے شاداں و فرحاں نظر آرہے تھے۔ اجنبی تو بننا ہی تھا مجھے۔"

"جی نہیں' بیک ویو مرر میں تمہارا حسین مکھڑا دیکھ کر دل امنگوں سے بھر گیا تھا۔ تمہارا زارش سے کیا مقابلہ' تمہیں دیکھ کر تو ہوش اڑ جاتے ہیں۔"

"زیادہ باتیں مت بناؤ۔"

"روک لو' روک لو' چند دن کی ہی بات ہے۔ جب ہم خیر سے مجازی خدا ہوجائیں گے تو شب و روز ہماری مرضی اور خواہش سے گزریں گے۔" ارحم کے لہجے میں شوخی اور شرارت دونوں جھلک رہے تھے۔

ہما بھی اندر آگئی۔ اشارے سے پوچھنے لگی کس سے باتیں کر رہی ہو' اس نے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود محو گفتگو رہی۔

"تمہاری ممی کب آرہی ہیں ارحم؟"

"بہت جلدی ہے تمہیں' فکر نہ کرو۔ ایئرپورٹ سے سیدھا تمہارے ہی گھر لاؤں گا۔"

"اچھا ارحم بھائی کا فون ہے۔ لاؤ مجھے دو۔ میں بھی بات کروں۔" ہما نے سیل سائرہ سے لے لیا۔

"ہیلو ارحم بھائی کیسے ہیں آپ؟ سائرہ پر آپ نے کیا جادو کردیا ہے۔ دن رات آپ کے گن گاتی ہے۔"

"اچھا ہے نا یاد کرنا چاہیے۔ یہ اس کا حق ہے بلکہ فرض ہے۔"

"لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا۔ زارش کا مسئلہ کیسے حل ہوگا۔"

"چٹکی بجاتے ابتدا تو ہم نے کردی ہے۔ کسی روز دھماکا بھی کردیں گے۔ تم اس بے چاری کی پریشانی کا براست مانا کرو۔ ایک عرصہ رفاقت رہی ہے۔ بھولنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ یہ سب اتنا آسان تو نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔"

"بہت ہمدردی ہو رہی ہے آپ کو؟"

"ہاں انسانی ہمدردی جس کے تحت میں اس کے قریب رہا۔"

"چلی تھی آپ کو پانے کے خواب دیکھنے۔ اگر اس کا نصیب اتنا ہی اچھا ہوتا تو آج اپنے گھر میں آباد ہوتی۔ خواہ مخواہ ہمدردی کے تحت گلے کا ہار نہ بنتی آپ کے۔" اس نے اچھی خاصی سنا ڈالی۔ ہما کے دل کو ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں نصیب ہی تو انسان کو ذلیل کرتا ہے۔ سارا کھیل ہی تقدیر کا ہے۔ تم بس میرے اور سائرہ کے لیے دعا کیا کرو۔ خدا ہم دونوں کے نصیب اچھے کرے۔ ہم ایک کامیاب زندگی گزاریں' خوش اور مطمئن رہیں۔"

"آمین۔" اس نے صدق دل سے کہا۔

"کرتی ہوں۔ ہر لمحہ کرتی ہوں دعا۔ میری طرف سے اللہ حافظ۔ آپ سائرہ سے باتیں کریں۔" اس نے سیل سائرہ کو تھماتے ہوئے کہا اور خود کمرے سے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد آئی تو سائرہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز آنکھیں بند کیے آپ ہی آپ مسکرا رہی تھی۔

"کیا بات ہے سائرہ۔ دولہا بھائی نے کوئی زبردست بات کہہ دی جو یوں مسکرائے جارہی ہو بے خود ہو کر۔"

"نہیں ہما بیتے دن یاد آرہے ہیں' ارحم سے ملنے کا وہ پہلا دن اور پھر بہت سارے دن۔"

"ویسے سائرہ تم مان لو۔ میری پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی۔ میں نے ہی یہ نوید سنائی تھی تم کو اور بات سچ نکل آئی نا۔ کمبخت' وہ پہلے دن سے ہی تمہارے قدموں میں دل نچھاور کر بیٹھا تھا۔ زارش تو آڑ تھی' ایک بہانہ تھی۔ ایک خوبرو' ویل ایجوکیٹڈ اور ہینڈسم نوجوان کو کیا پڑی کہ ایک مرجھائے ہوئے پھول کی خاطر ذلت مول لے۔"

"تمہیں یاد ہے ہما' جب ہم لوگ پی سی میں گئے تھے۔ ارحم زارش کے ساتھ بیٹھا تھا' لیکن اس کی نگاہوں کا حصار میرے گرد بندھا تھا۔ بار بار ایک ایک چیز مجھے پیش کر رہا تھا۔ میڈم یہ لیجیے' وہ لیجیے۔ آپ تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں۔ بس دیکھ دیکھ کر ہی پیٹ بھر رہی ہیں اور زارش' وہ ارحم کے التفات پر خوش بیٹھی رہی اور اس دن جو لانگ ڈرائیو پر گئے تھے بیک ویو مرر میں ارحم کی شریر نظریں میرے سراپے پر تھی رہیں۔"

"اچھا تب ہی تم سر پھٹی بنی جا رہی تھیں۔"

"تم بھی کمال کی باتیں کرتی ہو ہما۔ جواب نہیں تمہارا۔"

"آگے آگے دیکھتی جاؤ۔ ہوتا ہے کیا۔"

"اچھا خیر۔ آگے سنو۔ تم نے دیکھا نہیں تھا اس دن پارک میں گھومتے ہوئے اس نے زارش کو کس بری طرح جھاڑ دیا تھا۔ توہین کے احساس سے اس بے چاری کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پیر مڑ جانے سے میں رک گئی اور آواز پر مڑ کر دیکھا تو وہ زارش سے کہہ رہا تھا۔

"زارش تمہیں اپنی دوستوں کا بالکل خیال نہیں۔ میرے ساتھ بھاگی چلی آرہی ہو۔ پیچھے مڑ کر دیکھو سائرہ کی طرف جاؤ۔" تب وہ دوڑی چلی آئی۔ ارحم کی جان پر بن گئی اور وہ بے چارہ ساری تفریح بھول کر مجھے ڈاکٹر کے پاس لے آیا۔ کتنا پریشان ہو گیا تھا۔"

"یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔ میں تو جانتی ہوں سب۔ وہ تمہارے لیے دیوانہ ہو رہا تھا' میں نے ہی اطلاع دی تھی تمہیں۔"

"بہر حال زندگی گزارنے کے لیے ارحم جیسا ساتھی برا نہیں۔ کھاتے پیتے گھرانے سے ہے۔ یہ تو قسمت کی کرم نوازی ہے ورنہ میں کہاں اور وہ کہاں۔"

"ہاں سائرہ تقدیر کے سامنے سب مجبور ہوتے ہیں اور مقدر کی دیوی تم پر مہربان ہے۔"

"بس اللہ نظر بد سے بچائے۔"

"میں بہت پریشان ہوں ہما۔"

"کیوں۔؟"

"آخر یہ چھین چھپائی کب تک چلے گی ایک نہ ایک دن تو زارش کو خبر ہو جائے گی۔ وہ کیا خیال کرے گی۔"

"کہہ دینا یہ سب نصیب کی بات ہے زارش۔ اگر ہمارا جوڑا آسمان پر لکھ دیا گیا تھا تو زمین پر ملاپ تو ہونا ہی تھا۔ اس میں میرا کیا قصور۔"

"کیا وہ مان لے گی سب۔؟" سائرہ نے کہا۔

"جب سب کام ہو جائے گا۔ وہ مانے یا نہ مانے پھر کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کہہ تو تم بھی ٹھیک رہی ہو۔"

"ویسے ایک بات کہوں سائرہ۔؟"

"ہاں کہو۔" وہ گہری سوچوں میں گم تھی۔

"مرد بہت بے اعتبار شے ہے۔ مرد کے خیالات بدلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ آج اس کا' کل اس کا۔ پرسوں کسی اور کا۔" وہ ہنسی پھر بولی۔

"سائرہ خیال رکھنا۔ کہیں پرسوں وہ سچ مچ ہی کسی اور کا نہ ہو جائے اور تم ہاتھ ملتی رہ جاؤ۔"

"کیا یہ بھی تمہاری پیشن گوئی ہے۔؟" سائرہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ہاں کہہ سکتی ہو۔ میری چھٹی حس خطرے کا الارم بجا رہی ہے۔"

"اس خطرے کے الارم کی لائٹ فیوز کردو اور گرین سگنل آن کر دو۔ پھر سب ٹھیک ہی ہوگا۔ تم فکر نہ کرو اور ویسے بھی وہ دور گزر گیا جو ظالم و جابر مردوں کا ہوا کرتا

آج کا مرد عورت کا غلام ہے۔ بیوی کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ ایک نہیں ہزاروں مثالیں تمہارے سامنے ہیں۔ پاپا کو ہی دیکھ لو۔ مما کے سامنے دم مارنے کی ہمت نہیں۔ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس گھر میں صرف وہ ہی ہوتا ہے جو صرف مما چاہتی ہیں۔"

"لیکن یہ تو مما' پاپا کے آپس کا پیار ہے نا سائرہ۔"

"مجبوری کا نام شکریہ اسی کو کہتے ہیں۔"

"دیکھ لینا کیسے رکھتی ہوں ارحم کو۔ میرے پیچھے دم ہلاتا نظر نہ آئے تو نام بدل دینا۔" سائرہ سنجیدہ تھی۔

"تو ارحم صاحب کا مستقبل بہت تاریک ہے! وہ ہر دم ہاتھ باندھے تمہاری حاضری میں کھڑے ہوں گے' لیکن یہ یاد رکھنا وہ ایک بگڑا ہوا امیر زادہ ہے اور تمہاری سوچوں کے مطابق تمہیں ایک زر خرید غلام کی ضرورت ہے۔ محبت کی نہیں۔"

"تو محبت کس کافر کو ہے۔ بھلا شوہر بھی کوئی دل لگانے کی چیز ہے پاگل لڑکی۔ وہ ایک معاشرتی اور معاشی ضرورت ہے جس سے اپنی عقل مندی کی مدد سے فیض اٹھایا جا سکتا ہے۔"

"تو گویا تمہیں شوہر نہیں ایک ربوٹ چاہیے۔"

"تمہاری مرضی ہے' کچھ بھی سمجھ لو تم۔"

"سمجھ تو میں بہت کچھ رہی ہوں' لیکن آنے والا وقت بتائے گا ہوگا کیا اور تمہاری حاکمانہ سوچوں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔" سائرہ اسے گھورتے ہوئے ہنس پڑی پھر دونوں کا قہقہہ کمرے میں گونج رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

روحی اس کے پاس بیٹھی گہری سوچوں میں گم تھی۔ اس کی سوچیں زارش کی آواز پر ٹوٹیں۔

"پانی۔" اس نے نقاہت سے کہا۔

"لو پی لو۔" اس نے زارش کو سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ ایک سانس میں ہی اس نے گلاس خالی کر دیا۔ لگتا تھا وہ صدیوں سے پیاسی ہو۔ روحی نے تکیوں کے سہارے اسے بٹھا دیا۔ وہ اک دم ہی زرد پھول کی طرح ہو گئی تھی۔ جیسے اس کے بدن سے خون کا ایک ایک قطرہ بھی نچوڑ لیا ہو۔ اس حالت میں زارش کو دیکھ کر اس کا دل کٹ گیا' مگر وہ خاموش تھی چند لمحوں بعد وہ بولی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟ کیا محسوس کر رہی ہو؟"

"بہتر محسوس نہیں کر رہی۔" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ہمت سے کام لو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لگا لیتی ہو۔ ایسی کیا بات ہو گئی تھی کہ اس حالت تک پہنچ گئی ہو؟"

اس نے ہونٹوں کو مضبوطی سے ایک دوسرے میں جکڑ لیا اور دانتوں سے چبانے لگی جس سے اس کی ذہنی انتشار کا اندازہ ہو رہا تھا۔ روحی نے ایک ٹھنڈی سانس لی' مگر بولی کچھ نہیں۔ وہ اس کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ ابھی وہ ٹھیک نہیں تھی۔ اس کی باتوں سے مزید الجھنوں کا شکار ہو سکتی تھی۔

"روحی۔"

"وہ آئے تھے؟"

"کون' ارحم بھائی۔ نہیں تو۔"

"کال بھی نہیں آئی ان کی؟"

"نہیں۔"

"تم فون کر کے انہیں بتا دو۔ انہیں تو خبر ہی نہیں کچھ۔ پھر شکوہ کیسا۔"

"کیا بتاؤں ان کو۔ اگر انہیں احساس نہیں تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ بتاتی پھروں ان کو جس روز خیال آئے گا تو خیریت معلوم کر لیں گے تو میں بھی بتا دوں گی۔" اس نے سخت اور تلخ لہجے میں کہا۔

"اگر میں ٹھیک ہوتی تو میں خود بتا دیتی۔ وہ پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"جب اتنی بات کر سکتی ہو تو اطلاع بھی کر دو۔ رہی بات پریشان ہونے کی تو یہ تمہارا وہم ہے۔ اگر اتنا ہی خیال ہے تمہارا تو خود معلوم کرتے کہ تم کہاں غائب ہو' لیکن تم تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہو۔ پتا نہیں ایسا

کون سا جادو کر دیا ہے تم پر۔ اس حالت میں بھی ان کا ہی خیال۔ بس رہنے دو زارش۔ رحم کرو خود پر۔ پاگل ہو گئی ہو ارحم کے لیے۔ اگر اسے تمہارا خیال نہیں تو تم بھی مت کرو۔ جب تمہاری یاد آئے گی تو بات کر لینا اور یہ یاد چند دنوں میں بھی آ سکتی ہے، ہفتوں اور مہینوں میں بھی۔" اس کے لفظوں سے نفرت چھلک رہی تھی اور لبوں پر زہریلی مسکراہٹ۔

"روحی پلیز۔" وہ روحی کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کی آنکھوں اور لہجے میں التجا تھی۔ وہ سر کو جھٹکتی ہوئی سیل لے کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔ اس کی انگلیاں ارحم کا نمبر ملا رہی تھیں۔

"السلام علیکم! ارحم بھائی۔"

"او ہو۔ کیسی ہو روحی..."

"اچھی ہوں۔ آپ ہماری طرف آئے نہ ہی فون کیا۔"

"کیا کرنے آتا...؟"

روحی کے ہاتھوں سے موبائل گرتے گرتے بچا، لیکن اگلے لمحے وہ سنبھل گئی۔

"زارش بیمار ہے۔" اس نے بیمار پر خاصا زور دیا۔

"خدا صحت دے، میں کوئی ڈاکٹر تو نہیں ہوں۔ تم نے کسی ڈاکٹر کو فون کیا ہوتا۔"

"ارحم بھائی آپ مذاق کے موڈ میں ہیں اور وہ واقعی بیمار ہیں۔"

"میں نے کہا نا میری ساری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔"

"تو پھر کب آ رہے ہیں آپ؟" روحی نے جیسے سنی ان سنی کر دی۔

"سوری روحی۔ میں نہیں آ سکوں گا۔ میرے اور اس کے بیچ ایسا ناتا ہی نہیں رہا کہ میں اس کی بیماری پر دوڑا چلا آؤں۔ یہ بات زارش بھی اچھی طرح جانتی ہے۔"

روحی کو غصہ آ گیا، لیکن وہ بڑی رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔ غصہ پی گئی۔

"ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔" اس نے کال ڈراپ کر دی۔ وہ غصے میں بل کھاتی ہوئی سائرہ کے گھر کی طرف چل دی۔ آج کا دن جیسے اس کے لیے برا ثابت ہوا تھا۔ ارحم کے بعد دوسری طرف سے بھی مایوسی اس کی منتظر تھی۔ دونوں بہنیں شاید شاپنگ کر کے لوٹی تھیں۔ سامان اپنے سامنے پھیلائے تبصرہ کر رہی تھیں۔

"آؤ، آؤ روحی۔ کیسے آنا ہوا، خیریت؟"

"خیریت ہے بھی اور نہیں بھی۔" روحی کو ان کا یوں چونک جانا سوچ میں ڈال گیا۔ بجائے اس کے وہ اس کا حال احوال معلوم کرتیں، اس کے آنے سے جیسے پریشان ہو گئی ہوں۔ فوراً "خیریت" معلوم کرنے لگیں۔

"زارش کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ زارش کا خیال ہے تم لوگوں کو اس کی طبیعت کی خرابی کا پتا نہیں تو خبر کر دوں۔"

"اوہ کب سے، ہمیں تو کچھ خبر ہی نہیں۔" دونوں بہنوں نے معصوم سے انداز میں کہا، لیکن روحی ان لفظوں میں چھپے طنز کو سمجھ گئی۔

"ارحم کو اطلاع دی؟" سائرہ نے کن انکھیوں سے روحی کو دیکھا۔

"ہاں۔"

"پھر تشریف لا رہے ہیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں...؟"

"ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ دے رہے تھے۔"

"تو لے جاؤ نا۔ ارے ہاں روحی ہماری شاپنگ تو دیکھ لو بیٹھو تو سہی یار۔ سائرہ کے جہیز کی ہے۔"

"اچھا سائرہ کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔" روحی سب بھول کر ان کی چیزیں دیکھنے لگی۔

"ہاں بہت جلد۔ بس دولہا بھائی کی والدہ کا انتظار ہے۔"

"ارے بہت بہت مبارک، لیکن اتنی بھی راز داری کیا ہمیں دولہا کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں۔"

"سب پتا چل جائے گا۔ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔" ہما حد سے زیادہ خوش تھی۔

"لیکن ہما یہ دولہا بھائی آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے اگے ہیں کہ اچانک ہی وارد ہوئے ہیں۔"

"دیکھ کر اندازہ لگاتی رہنا کہ کیسے آئے دنیا میں۔" دونوں بہنیں معنی خیز انداز میں ہنس دیں۔

"اچھا زارش کو بتا دینا شام کو آئیں گے ہم۔ اس کی بیمار پرسی کو۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"زارش ارحم بھائی کا نمبر آف ہے، لیکن میسج چھوڑ دیا ہے میں نے ان کے لیے۔"

اس نے سنجیدگی سے کہا کیوں کہ اس میں بہن کا دل توڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس لیے اس نے جھوٹ بول دیا، لیکن وہ جھوٹ بول کر بھی مطمئن تھی۔ زارش خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے صورت حال کا اندازہ لگانے میں کوئی دیر نہ لگی۔

"اور ہاں سائرہ، ہما شام کو آئیں گی۔"

☼ ☼ ☼

بہت سارے دن گزر گئے۔ بخار سے زیادہ اس کے دل پر ارحم کی بے رخی کا اثر تھا۔ کتنے دنوں سے وہ نہیں آیا تھا۔ اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس نے روحی کو بتائے بغیر ایک کارڈ پر چند الفاظ لکھے اور بھیج دیا۔

وہ آفس کے لیے نکل رہا تھا جب مبین نے وہ کارڈ اسے تھمایا لفافے کی پشت پر لکھے ایڈریس کو دیکھ کر وہ جان گیا کہ کارڈ کس نے بھیجا ہے۔ اس نے غصے سے لفافہ پھاڑ ڈالا اور ایک خوب صورت گلاب کے پھولوں والا جن کی پتیوں پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے کارڈ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

خیال تیرا ہے سانس جیسا
جو یہ نہ آئے تو مر نہ جاؤں

اس نے کارڈ ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتی ہو میرا۔" وہ بڑبڑایا۔

"کس کا کارڈ تھا ارحم بھائی۔" دروازے میں ماریہ کھڑی تھی اس نے ایک دم ماریہ کو دیکھا۔

"کسی کا نہیں۔" ارحم کا موڈ بری طرح خراب تھا۔

"تو ارحم بھائی یوں ہی پھاڑ دیا آپ نے ہو سکتا ہے میری کسی دوست کا ہو۔"

"تمہاری دوستیں میرے نام کارڈ بھیجیں گی۔"

"اوہ، سوری۔ ہاں یاد آیا۔ وہ صبح کوئی لڑکی آپ کا پوچھ رہی تھی۔"

"کون تھی وہ؟"

"نام تو نہیں بتایا بس کہہ رہی تھی اگر وہ اب تک سو رہے ہیں تو انہیں کہہ دیں زیادہ سونا صحت کے لیے اچھا نہیں۔" ارحم خاموش ہی رہا۔

"کس کو اتنی ہمدردی تھی مجھ سے نام پوچھ لیا ہوتا۔"

ارحم کال کرنے لگا۔ ماریہ پاس ہی کھڑی تھی۔

"ہیلو سائرہ، یار بڑی فکر کرتی ہو میری۔ صبح جگانے کا بے حد شکریہ۔"

"سوئے ہوئے کو جگانا ہی چاہیے۔ وہ لڑکی کون تھی؟" وہ ہنسا اور بولا۔

"ہاں وہ میری بہن تھی ماریہ۔"

"جلدی آ جاؤ سائرہ تاکہ یہ سونے، جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے کا سارا انتظام تم سنبھال لو۔ تنہا بندہ کتنی غلطیاں کر سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے روزمرہ کی روٹین میں۔"

ماریہ پاس کھڑی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ وہ فون بند کر کے پلٹا تو ماریہ کو اپنے پیچھے ہی کھڑا پایا۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟"

"جی۔"

"یوں کسی کی باتیں سننا اخلاقی جرم ہے۔"

"اور یوں کسی کو دھوکا دینا بھی اخلاقی جرم ہے۔"

"ماریہ جب تم کچھ جانتی نہیں تو بہتر ہے خاموش رہو۔"

"یہ سائرہ کون ہے ارحم بھائی؟" اس نے حیرانی

سے پوچھا۔

"ایک اچھی لڑکی جلد ہی تمہاری بھابھی بن جائے گی۔"

"یہ سب کیا ہے ارحم بھائی...؟"

"جو بھی ہے تمہارے سامنے ہے۔ تیار رہنا کسی دن لے جاؤں گا ملانے کے لیے۔ ویسے مما کے آنے کی دیر ہے۔ معاملہ طے ہو جائے گا۔" اس نے بریف کیس ہاتھ میں پکڑا اور باہر چل دیا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

"مگر ارحم بھائی' وہ زارش بھابھی۔ ان کا کیا ہو گا۔"

"جو بھی ہو گا تمہیں اس سے دلچسپی نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی یہ تمہارا سردرد ہے کہ سوچ سوچ کر پریشان ہو جاؤ۔"

"ارحم بھائی..... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ارحم بھائی' آپ نے تو سارے گھر والوں سے لڑ جھگڑ کے ہزاروں دکھ اٹھا کر اپنا آپ ان کے نام کر دیا تھا۔ انہیں نئی زندگی دے دی تھی۔"

"انسان سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ اسے میری غلطی سمجھ لو۔ نادانی یا بھول۔"

"نہیں ارحم بھائی یہ سب جھوٹ ہے۔ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ فضول باتوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ صبح ہی صبح کس منحوس کا ذکر لے کر بیٹھ گئی ہو۔" وہ کھٹ پٹ کرتا چلا گیا۔

ماریہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ حیران و ششدر۔ بے شک ارحم اس کا بھائی تھا' لیکن بہرحال ایک مرد تھا اور مردوں کے متعلق ماریہ کے خیالات کچھ زیادہ نیک نہ تھے۔ رادیہ بھابھی ہمایوں بھائی کو چھوڑ کر واپس آئیں تو وہ اسی طرح کھڑی تھی۔

"خیر تو ہے ماریہ' یہاں چپ چاپ کیوں کھڑی ہو۔"

"ہوں' ہاں' کچھ نہیں۔ بس یوں ہی۔"

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہے ورنہ ماریہ اور یوں پریشان ہو نا ممکن سی بات ہے۔"

"میں زارش آپی کے ہاں جاؤں گی۔ بڑے دنوں سے گئی نہیں۔"

"تو ارحم کے ساتھ چلی جاتیں۔ وہ تو ویسے بھی وہاں جانے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔"

"نہیں بھابھی' انہیں شاید وہاں جانے کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ بجھی بجھی تھی۔

"وہ کیسے' تم رونی صورت بنائے کھڑی ہو۔ کیا بات ہے۔" وہ سچ مچ رونے لگی۔

"بھابھی' یہ مردوں کی قوم بڑی بے ایمان قوم ہے۔ کل کے دن یہ ارحم بھائی مرے جا رہے تھے۔ زارش آپی کے لیے۔ آج کوئی اور لڑکی ان کو پسند آگئی ہے۔ آج کسی اور لڑکی سے عہد و پیماں کر چکے ہیں۔"

"امپاسبل۔ ارحم ایسا نہیں ہے۔ تم بہن ہو کر الزام لگا رہی ہو جانتی ہو وہ زارش کے معاملے میں کتنا سنجیدہ ہے۔ وہ ان کی زندگی میں آنے والی سچ مچ پہلی لڑکی ہے۔" رادیہ بھابھی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ وہ ہرگز ماننے کو تیار نہ تھیں کہ ارحم نے ایسا کیا ہے۔

"بھابھی میں نے خود اپنے کانوں سے سب کچھ سنا ہے بلکہ انہوں نے خود مجھ سے کہا ہے۔ وہ سائرہ نامی کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"شیطان کی حدوں کو چھو رہا ہے وہ۔"

"ہاں' ہاں' بھابھی سچ کہہ رہی ہوں۔ بھائی گھر پر نہیں ہیں تو میں خود چلی جاؤں گی۔ جا کر معلوم تو کروں آخر ایسی کیا بات ہو گئی کہ نوبت تعلق ختم کرنے تک آگئی۔"

"نہیں ماریہ' ابھی مت جاؤ پہلے ارحم سے بات کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تمہاری جلد بازی سارا کھیل بگاڑ دے۔ زارش تو ویسے بھی بہت چھوٹے دل اور معصوم سی لڑکی ہے حساس اتنی ہے کہ بیمار پڑ جائے گی۔ ہو سکتا ہے یہ بات اسے زیادہ دکھ دے۔"

"ٹھیک ہے بھابھی۔ مجھے آپ کی رائے سے اختلاف نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی کچھ ہو گا' لیکن زارش آپی کی طرف ضرور جاؤں گی ایک بار چاہے کچھ

بھی ہو۔" وہ کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

سائرہ اور ہما پیغام ملنے کے بعد بھی اس کی عیادت کو نہ آئی تھیں۔ زارش کے دل میں طرح طرح کے خیال آرہے تھے۔ وہ نقاہت کے باوجود سائرہ کی طرف چل پڑی۔ ویسے بھی ایک سڑک ہی تو درمیان تھی ان دونوں کے گھروں میں۔

سائرہ کے گھر پر خاموشی کا راج تھا۔ گھر پر کوئی نہیں تھا شاید۔ وہ اس کمرے کی طرف چل پڑی۔ اندر سے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ شاید اندر چلی بھی جاتی' لیکن ایک لفظ نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا۔ اس کے کان اس آواز پر لگ گئے جو یقیناً" سائرہ کی ہی تھی۔

"تم بھی حد کرتے ہو۔ ارحم جی۔"

"ہاں' ہاں پھر اس بے چاری کو بے وقوف بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ اکڑفوں' ادائیں اسے جچتی بھی کب ہیں۔ اتنی ہی اچھی ہوتی تو وہ اسے طلاق کیوں دیتا۔ آخر ایک اچھی پوسٹ پر تھا۔"

"چلیے چار دن کا ہنسی مذاق' دل لگی سمجھ کر معاف کیے دیتی ہوں آئندہ احتیاط کرنا۔ میری موجودگی میں یہ سب ناممکن ہو گا۔ ایک دم لائن کلیئر ہونی چاہیے۔ ویسے میں حیران ہوں ایک عرصہ یہ چکر چلتا ہی رہا۔ تم اسے بے وقوف بناتے رہے اور وہ تم کو امیز نگ۔"

"اچھا دونوں ہی ہنستے رہے۔ ویسے ارحم وہ تو یہ خواب دیکھ رہی ہے کہ تم اس سے سچ مچ شادی کرو گے۔ ایسی لڑکیوں کو شرم آنی چاہیے جنہیں اپنی عزت کا خیال ہوتا ہے نہ اپنے والدین کی۔"

جواب میں ارحم نے کیا کہا تھا کہ وہ ہنس پڑی۔

زارش سے کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ کمزوری نے اس کی پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ بات اس کو آسمان سے زمین پر گرا دینے کے لیے کافی تھی۔ اور وہ ایک بار پھر سیڑھی پر قدم رکھنے کی کوشش میں زمین پر منہ کے بل گری تھی۔

"اچھا بابا' جمعرات کو شام سات بجے ہم سب تمہارا انتظار کریں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی اور ہو بھی جائے تو کیا ہے۔ چوری تو نہیں کی اور نہ ہی ڈکیتی ہے۔ سب نصیب کی باتیں ہیں۔ تم نے ہوش و حواس کے ساتھ مجھے پرپوز کیا ہے۔ تم زارش کی جائیداد تھوڑی ہو کہ بٹوارے کا ڈر ہو اور میں ڈروں' ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہونہہ۔"

زارش نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ کیا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ اس نے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ تلخ حقیقت اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ اس سے کھڑے ہونا مشکل ہو گیا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا' لیکن زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکی۔ سائرہ کا کھنکتا' پراعتماد لہجہ' اس کی پرجوش آواز اس کا دل جلا رہی تھی۔ وہ بمشکل تمام خود کو گھسیٹتی ہوئی اس کے گھر سے نکلی اور اسی طرح خود کو کھینچتی ہوئی گھر پہنچی۔

شکستہ قدموں کے ساتھ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ ارحم کی بے وفائی کا احساس وجود کو چھلنی کر رہا تھا۔ ٹھکرائے جانے کا دکھ' صدمہ' غم بہت جان لیوا تھا۔ دھوکہ دینے والی کوئی اور نہیں اس کی اپنی دوست تھی جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ آستین کا سانپ ثابت ہوئی۔ وہ اسے کیا سمجھتی رہی اور وہ کیا نکلی۔

☼ ☼ ☼

ارحم کی دھوکا بازی اس کی زندگی کا سب سے بڑا دکھ تھی اس کے بعد زندگی گزارنا ایک بے کار سی بات تھی۔

"اف یہ مرد لوگ کتنے بہروپیے ہوتے ہیں۔ میرے وجود کی آڑ میں وہ محبت کے کھیل دوسروں سے کھیلتا رہا زندگی کے لیے کسی اور کو منتخب کرنا تھا تو دل کے لیے میں ہی ملی تھی اسے۔ نہیں' نہیں۔ یہ سب کچھ دھوکا نہیں ہوتا۔ جو کچھ ارحم نے میرے ساتھ کیا۔ وہ دھوکا نہیں ہو سکتا' مگر مگر میں نے اپنے کانوں سے سائرہ کی

باتیں سنی ہیں میری سماعتیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ یقین نہ کرنا بے وقوفی ہے اور یقین کرنا بھی موت ہے۔ ارحم یہ اذیت مجھ سے میرا وجود چھین لے گی۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ تم مجھے میری ذات کے زندان میں قید رہنے دیتے کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا۔ کیوں دی مجھے اتنی بڑی سزا؟ کیا اس کی حق دار تھی میں۔۔۔ اگر یوں ہی تڑپنے کے لیے چھوڑنا تھا تو میری آنکھوں کو اپنے ساتھ کے خواب کیوں دکھائے تھے۔ زندگی کی حسین تتلی میری ہتھیلی پر کیوں رکھ دی تھی اور۔۔۔ اور پھر اس رنگین پروں والی تتلی کو دونوں ہتھیلیوں کے بیچ رکھ کر مسل دیا۔ اس کے کچے رنگ پانی کی چند بوندیں بہالے گئیں۔"

وہ بستر پر پڑی اپنی بے بسی اور ناکامی کا ماتم کر رہی تھی کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ آواز ماریہ کی تھی۔

"آنٹی زارش آپی کہاں ہیں؟"

"ادھر اپنے کمرے میں ہی ہے۔" امی کی آواز آئی۔

"دن چڑھے تک اپنے کمرے میں۔۔۔ اس سے پہلے تک تو وہ کبھی اپنے کمرے میں نہیں ملیں؟"

"کئی دن سے بخار ہے۔ ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔"

"بخار۔۔۔؟"

"ارے تمہیں خبر نہیں میں تو دل ہی دل میں سب سے خفا تھی کہ کسی نے مزاج پرسی کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہاں کئی دنوں سے ارحم بیٹا بھی نہیں آئے تو تمہیں کیسے خبر ہوتی۔" زارش نے خود کو سمجھا لینے کی کوشش کی۔ ماریہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

"ارے زارش آپی۔ کیا ہوا آپ کو۔ اتنی کمزور ہو رہی ہیں رنگت دیکھیں کیسی زرد ہو رہی ہے اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔ کمال ہے اتنی بیمار اور ہمیں خبر ہی نہیں۔ یہ غیروں والا رویہ۔۔۔ سمجھ نہیں آئی مجھے۔" ماریہ نے سخت حیران ہوتے ہوئے تیز آواز میں شکوہ کیا، مگر زارش کی نگاہیں جھکی رہیں۔

"خبر کرنے کی ضرورت اور تعلق کہاں رہ گیا ہے ماریہ!"

"کیوں۔۔۔؟" ماریہ کی پیشانی پر شکنوں کا جال بن گیا۔ زارش خاموش رہی، لیکن اس کی جھکی جھکی نگاہیں پانیوں سے بھر گئیں۔ وہ پانی اتنا شفاف تھا کہ اس کے اندر کی کیفیت عیاں کر رہا تھا، لیکن وہ تصدیق چاہتی تھی۔

"زارش آپی۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ آپ رو کیوں رہی ہیں۔" وہ اس کے قریب آئی اور اسے اپنے شانے سے لگا لیا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ تم سناؤ کیسی ہو۔ گھر میں سب کیسے ہیں۔ بڑے دنوں سے راویہ بھابھی نے بھی چکر نہیں لگایا۔ کیا کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہم لوگوں سے؟"

"آپی ایسا مت بولیں۔ آپ اتنی پیاری اور اچھی ہیں کہ کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتیں۔ کوئی آپ سے خفا نہیں ہے۔ بس میں ایک مسئلے کی وجہ سے بہت پریشان ہوں اور راویہ بھابھی مما کی غیر موجودگی کی وجہ سے خاصی مصروف ہیں۔ ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ادھر نہ آتیں۔ ہاں زارش آپی آپ کی ان دو جنوں دوستوں کا کیا حال ہے جو آپ کے آڑے وقت آپ کے ارد گرد ہوتی ہیں۔"

"سب ٹھیک ہیں۔ کیوں خیریت؟"

"مجھے آپ کی دوستوں سے ملنا تھا۔"

"کیوں کچھ بتاؤ سہی؟"

"ہاں سب خیریت ہے۔ بس کام تھا۔"

"دوستیں تو کئی ایک ہیں۔ کیا خبر تم کس سے ملنا چاہ رہی ہو، لیکن ماریہ تم ان سے مل کر کرو گی کیا؟"

"جو کچھ ارحم بھائی چاہتے ہیں وہ ہی کچھ۔"

زارش نے بے یقینی سے ماریہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے آپ بھی ان کی سرگرمیوں سے ناواقف نہیں ہیں اور یہ سب ان پر ہی منحصر ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ اپنا ہر فیصلہ وہ خود کرتے ہیں اور بہنیں تو سدا بھائیوں کے احساسات کا تحفظ کرتی ہیں۔ سو

مجھے بھی سائرہ صاحبہ کو دیکھنا ہے ملنا ہے کہ میرے بھائی کی نئی پسند کیسی ہے۔ ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں اس میں کہ وہ آپ کو نظر انداز کر گئے۔"

وہ ماریہ کے طنز کو نہ سمجھ سکی۔ پلکوں پر اٹکے موتی ٹپ ٹپ کر کے گرنے لگے۔

"تو یہ سچ ہے ماریہ، ارحم سائرہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"آپ جانتی ہیں؟" اسے حیرت کے جھٹکے لگتے محسوس ہوئے۔

"ہاں۔" اس نے مختصر کہا۔

"اور آپ خوش ہیں؟" وہ ابھی تک حیرت میں تھی۔ زارش خاموش رہی۔ کہتی بھی کیا۔

"وہ تو آپ کی جاں نثار قسم کی دوست تھی۔۔۔ وہ دوستی کہاں چلی گئی۔ محبت کو موت کیسے آ گئی؟"

"ہر چیز فنا ہے۔ ہر چیز کو زوال ہے۔ تو پھر محبت ہی کیا حیثیت رکھتی ہے۔"

"لیکن حقیقت بھی تو معلوم ہو؟"

"جانے دو ماریہ، ساری بات تقدیر کی ہوتی ہے۔ میں اسی میں بھی راضی ہوں۔ سہاگن وہ ہی جو پیا من بھائے۔"

"آپ پلیز میرے ساتھ کسی کو بھجوا دیں۔ میں سائرہ کے گھر جانا چاہتی ہوں تاکہ مما کے آنے تک راستہ ہموار ہو جائے۔"

"ہاں ماریہ تمہاری بات ٹھیک ہے۔ اگر مجھے وہ بتا دیتا تو مجھے اس کی راہ میں آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں تو بس بے وقوفی کر گئی۔ اس نے اپنی مرضی کا فیصلہ کر لیا ہے تو مجھے اس میں خوش ہونا چاہیے۔ ویسے بھی زبردستی تو نہیں کی جا سکتی کسی بھی معاملے میں۔ خاص طور سے زندگی کے بارے میں۔ کیوں کہ دنیا میں انسان ایک بار آتا ہے اور اسے پورا حق ہے کہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔"

میں جا رہی ہوں۔ کچھ دیر میں آ جاؤں گی، خدا حافظ۔" وہ زارش کے دکھوں میں اضافہ کر کے چلی گئی۔ وہ خالی دل و دماغ سے کمرے کی در و دیوار کو تکتی رہ گئی۔ کیا کہتی کیا سوچتی۔ سب کچھ ایک بے درد سنگدل پتھر انسان نے چھین لیا تھا۔

وہ بھربھری ریت کی طرح ڈھے گئی۔ ریت اس کے آنکھوں میں چبھنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کے خاندان میں بزرگوں، رشتوں کا، حقوق کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ تب ہی تو دادا جان نے اسے پیدا ہوتے ہی کامران سے وابستہ کر دیا تھا۔ کامران اس کا فرسٹ کزن تھا۔ میٹرک کے بعد ہی تایا جان نے اسے مزید تعلیم کے لیے لندن بھجوا دیا تھا۔ ان دنوں وہ ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ چھ سات سال بعد وہ لوٹا تو بھرپور جوان تھا۔ ایک دم سرخ و سپید، بھورے بال، سفید موتیوں جیسے چمکتے دانت۔ وہ ایک خوبرو نوجوان تھا۔ وہ تھرڈ ایئر میں تھی جب کامران ایک کامیاب انجینئر بن کر وطن لوٹ آیا اس کے طرز زندگی میں مغرب کے انداز رچ بس گئے تھے جن سے ہٹنے کے لیے وہ ایک انچ بھی تیار نہ تھا، لیکن زارش ایک خالص مشرقی لڑکی تھی۔ شرم و حیا کا پیکر، کامران کے آتے ہی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی اور دادا جان نے کامران سے اس کا پردہ کروا دیا۔ آنے کے بعد کامران نے اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا اور پھر کچھ دنوں بعد وہ دلہن بن کر اپنے تایا جان کے گھر میں جوان کے گھر سے ملحق تھا۔ اتر آئی۔ زارش کے دل میں چاہت تھی، پیار تھا، سپنے تھے، ارمان تھے۔ حجلہ عروسی میں کامران سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی جسے اس نے سدا اپنی ملکیت سمجھا تھا۔ وہی کامران اس کے سامنے تھا۔

"زارش یہ بندھن مبارک ہو۔" اس نے پہلی بار زارش کو مخاطب کیا تھا۔ اس کا سر جھک گیا۔

"کیسی انوکھی بات ہے، شرم اسی سے جس کے ساتھ عمر گزارنے کا عہد و پیمان اور تمام جملہ حقوق کاغذوں پر اپنے نام لکھوا چکا ہوں جن کاغذوں کے

نا لیے ہم شرعی اور قانونی طور پر ایک مقدس بندھن میں بندھ چکے ہیں' نکاح کے ان تین لفظوں سے تم نے اپنا آپ میری سپردگی میں دینے کا عہد ہی تو کیا ہے پھر یہ شرم و حیا' یہ رسمی تکلفات بے کار ہیں اور تم جانتی ہو میں تکلفات کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔ مجھے تیز رفتار دنیا میں ساتھ دینے والی بیوی کی ضرورت ہے یہ ڈیکوریشن پیس نہیں' یوں سج دھج کر سامنے آؤ تو میں ایسی صورت دیکھ کر جھنجلا پڑوں اور تم خفا ہو جاؤ۔ تم ان لغویات سے چھٹکارا پا کر انسان بن کر آؤ۔"

وہ اس کو بھاری گھونگھٹ کی اوٹ سے دیکھنے کی ہمت بھی نہ کر سکی۔ اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں وہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکی اور اسی انداز میں خود میں سمٹی بیٹھی رہی۔

"میرا خیال ہے تم نے میری بات سن لی ہے۔ ہری اپ' آئی وانٹ ٹو ٹیک سم ریسٹ۔"

جانے کیا ہوا کہ وہ بے جان قدموں سے چلتی ڈریسنگ روم تک آ گئی۔ نائٹ ڈریس پہنے' بھاری زیوروں کی قید سے آزاد' میک اپ سے دھلا نکھرا صاف ستھرا چہرہ لیے اس کے سامنے تھی۔

اور کامران بیڈ پر نیم دراز تھا۔ بے نیاز سا۔ جیسے آج کوئی اہم واقعہ نہ ہوا ہو۔ جیسے زارش کے وجود کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور ضبط کرنے کی کوشش میں سینے میں درد سا اٹھ رہا تھا جسے دبانے کی کوشش میں ناکام ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شادی پر کامران پندرہ دن کی چھٹی لے کر آیا تھا۔ جیسے تیسے یہ دن کٹے اور وہ اسے لیے دبئی آ گیا۔ زارش کے لیے زندگی بہت مشکل ہو گئی تھی۔ بہت زیادہ مشکل اور دشوار ترین۔ اس کی مصروفیات گھر اور کالج تک محدود تھیں' لیکن کامران اسے گھر سے نکال کر غیر ملک تو لے ہی آیا تھا اور یہاں الگ سوشل زندگی بھی ان کی منتظر تھی جبکہ وہ اس زندگی کی عادی نہ تھی۔ آئے دن' دعوتیں' پارٹیاں' کلب' مختلف قسم کی تقریبات۔ آفس سے آتا تو کہیں نہ کہیں جانے کا پروگرام ہوتا۔ مخلوط محفلیں' شراب' جوا' عورت تینوں انتہائی مہذب انداز میں ان لوگوں کی زندگی میں شامل تھے۔ زارش وہی سادہ سے ماحول میں پرورش پانے والی لڑکی تھی۔ اس کی وہ ہی سادگی برقرار رہی۔ وہ اکثر سادہ لباس میں اس کے ساتھ چلنے کو بادل ناخواستہ تیار ہوتی۔

"زارش بیگم۔ لوگ تمہیں میرے حوالے سے جانتے پہچانتے ہیں خود کو بدلو' آکورڈ لگتی ہو اس گز بھر کی چٹیا کے ساتھ اور یہ لباس کوئی پہننے کا ہے وہ ڈریسز کہاں ہیں جو تمہیں لا کر دیے تھے۔ میک اپ کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا تو بیوٹی پارلر چلی جایا کرو۔ کیا ہو گا خرچ میں تھوڑا سا اضافہ ہو جائے گا' لیکن عزت تو رہ جائے گی۔ جیسے تم تیار ہو کر جاتی ہو تو ایک نگاہ بھر کر دیکھنے کو دل نہیں چاہتا جب میرا یہ حال ہے تو باقی لوگوں کا تو منہ کڑوا ہو جاتا ہو گا۔"

وہ کبھی بھی اس ماحول کا حصہ نہیں بن سکتی تھی اور نہ ہی وہ کامران کا مغربی انداز اپنا سکتی تھی۔

اس گھر میں آئے اسے چھ ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا تھا۔ کامران کی شخصیت کے کئی پہلو کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ مغربی طرز معاشرت نے اس سے کردار کی ساری خوبیاں جو ایک مسلمان مرد کی ذات کا حسن ہوتی ہیں چھین لی تھیں۔ وہ خود دن میں متعدد لڑکیوں سے بات کرتا۔ کئی ایک سے راہ و رسم رکھتا ایک آدھ سے اپنی شام کا رنگین تصور رکھتا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی بھی اسی انداز کو اپنا لے تاکہ دوست اس کی بیوی کے حسن سے مرعوب ہوں۔ اس کے اخلاق سے متاثر ہوں اور اسے ایک سوشل عورت سمجھیں' لیکن زارش ان خیالات سے سمجھوتا نہیں کر سکتی تھی۔

اس کا تعلق ایک ایسے گھر سے تھا جہاں لڑکیاں

اپنے بھائیوں سے بھی ایک حد کے اندر رہ کر بات کرتی تھیں۔ جہاں کزنز سے ان کا تعلق صرف سلام کی حد تک تھا۔ جہاں والد یا والدہ کے سامنے اونچی آواز میں بھی بات کرنے کا دستور نہ تھا۔ باہر نکلتے وقت خود کو سیاہ چادر کے لبادے میں چھپا لینے والی زارش خود کو غیر مردوں کے سامنے بے پردہ کیسے کر دیتی۔ اس بات نے اختلاف کی صورت اختیار کر لی اور اختلاف نے فاصلے بڑھانے شروع کر دیے۔ روز بہ روز ان فاصلوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ فاصلے خلیج بن کر دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔ ان ہی دنوں ایک نیا خاندان ترکی سے آ کر دبئی میں آباد ہوا اور اس کے ساتھ ہی وفا اور کامران پہلی ملاقات میں ہی ایک دوسرے کے اسیر ہو گئے۔

اب کامران زارش کو کلب جانے کو نہ کہتا' فیشن کا اصرار نہ کرتا۔ دوستوں کو بھی گھر پر نہ بلاتا۔ اس کے دن تو ملازمت کے سلسلے میں باہر گزرتے تھے۔ شامیں اور رات کا بیشتر حصہ باہر ہی گزرنے لگا۔ زارش کسی ناکارہ شے کی طرح اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی۔ گھر بھی بہت کم بات ہوتی اور جب ہوتی تو لمحہ بھر کی ہلچل زندگی کا پتا دے جاتی۔ وہ دن آخری دن ثابت ہو گیا جس دن وفا نے صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر وہ زارش کو طلاق دے دے تو وفا اس سے شادی کر سکتی ہے۔

زارش کو اس کی خبر نہ تھی' لیکن کامران نے ایک منصوبے کے تحت اسے پاکستان بھجوانے کے انتظامات مکمل کر لیے۔

"زارش میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" زارش استری کر رہی تھی اس کے ہاتھ ایک دم استری کے ہینڈل پر رک گئے۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے کامران کے چہرے کو دیکھا جو سنجیدگی کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"یہاں رہ کر تم کافی بور ہو چکی ہو۔ کچھ دن پاکستان رہ آؤ۔ میں چند ماہ میں آ جاؤں گا۔"

"لیکن میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ نہ ہی آپ سے پاکستان جانے کا اظہار کیا پھر ایک دم کیوں۔۔۔؟"

"گھر سے باہر نکلنا تمہیں پسند نہیں' تقریبات میں شریک ہونا تمہارے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے تو خود بتاؤ کیا یہ سب ٹھیک ہے۔ ہر وقت گھر میں قید رہتی ہو جبکہ میری طرف سے تم پر ایسی کوئی پابندی نہیں' مگر تم خود ہی اپنی دشمن بن گئی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں ہر طرح سے سمجھایا' لیکن اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکا ہوں' تمہاری سوچ میں نہ بدلی۔ تو ایسی صورت میں نے سوچا تمہیں پاکستان بھجوا دوں تاکہ فریش ہو کر یہاں لوٹو۔ دل و دماغ پر کوئی بوجھ نہ ہو اور ہو سکتا ہے یہ عارضی دوری ہمیں ایک دوسرے کے قریب اور فاصلے ختم کرنے میں معاون ثابت ہو۔ ہماری کوئی بہتری ہی ہو۔ کچھ اچھا ہی ہو جائے اور تمہاری نیگیٹو سوچیں مثبت رخ اختیار کر لیں۔"

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔ چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی اور پھر سے اپنے کام میں مگن ہو گئی۔

"تم اپنی تیاری کر لو اور چاہو تو میرے ساتھ چلنا کچھ شاپنگ کر لینا اور سب کے لیے گفٹس لے لینا۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ بہت سارے ڈریسز میرے پاس ان چھوئے پڑے ہیں۔"

"اور گفٹس۔۔۔؟"

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔" اس نے اسی طرح نارمل لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے تمہارے گھر والوں کو ضرورت نہ ہو' لیکن میرے گھر والے ضرور غصہ ہوں گے مجھ پر۔ بہرحال میں خود ہی لے آؤں گا کچھ نہ کچھ۔ تم اپنی تیاری رکھو۔ کسی وقت بھی جا سکتی ہو۔"

اس نے ایک بار پھر غور سے کامران کی بات سنی اور اس کے چہرے کو دیکھا اور سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

زارش اپنے بھول پن اور سادگی سمیت اپنے گھر واپس آ گئی۔ تایا جان اور تائی جان اس کی آمد پر بہت خوش ہوئے۔ امی زارش کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

ارشاد کو تشویش ہوئی۔ وہ صحت مند چاق و چوبند سرخ و سپید زارش کے بجائے ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی۔

"کیا ہوا' اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو؟ میکا یاد آتا رہا' اب وہوا راس نہ آئی۔ کیا بات ہے' کیا ہوا' آخر کیا ہوا؟ کامران نے تمہارا خیال نہ رکھا۔ تم خوش تو ہو اس کے ساتھ یا پھر کوئی اور بات ہے؟"

"تمہاری گود بھی ابھی تک سونی ہے۔ کہیں یہی وجہ تو نہیں؟"

"آخر کچھ بتادگی تو معلوم ہوگا۔"

یہ سوال اس کے ارد گرد منڈلاتے رہتے اور وہ خاموشی سے سنتی رہتی۔ کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا اس کے پاس۔ یہ مسئلہ کیسے حل ہونا تھا وہ تو خود الجھی رہتی 'لیکن کچھ سمجھ نہ آتا سے۔

پھر جلد ہی سب کی سمجھ میں آگیا۔ الجھی گتھیاں سلجھ گئیں کامران کا خط ارشاد صاحب کے نام تھا۔ کامران کا خط طلاق نامہ اور ساتھ میں مہر کی رقم کا ڈرافٹ۔

خاندان بلکہ زارش کے گھر والوں پر بم کے دھماکے کی طرح پھٹا تھا کہ پورے خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

کامران نے اس کی ذات کے آئینے کو ایک ٹھوکر میں کرچی کرچی کردیا تھا۔ طلاق نامہ کیا تھا ان تین لفظوں میں اس کے ناکردہ گناہوں کی ایک کہانی تھی۔

کامران نے اس پر بد چلنی کا الزام لگایا تھا۔ اس کے کردار پر کاری ضربیں لگائی تھیں۔ اپنے دوستوں سے اس نے اس کی بے حیائی کے قصے منسوب کیے تھے۔ اس نے لکھا تھا کہ ایک غیرت مند مرد ہونے کے سبب وہ یہ سب برداشت کرنے سے قاصر تھا۔ لہٰذا اس نے آسان راہ اختیار کرتے ہوئے زارش کو طلاق دے دی۔

اس دن گھر میں ماتم برپا تھا۔ ارشاد ایک کونے میں منہ چھپائے آنسو بہا رہے تھے۔ امی بین کوئی کررہی تھیں۔ بیٹی طلاق کا کلنک لیے دہلیز پر آن بیٹھی تھی۔ روحی حیران تھی جنید اور وقار کم عمر تھے 'لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں بھی نہیں آرہی تھی۔ دادا جان بے چارے صدمے سے گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ دادی جان نے کامران کو کوسا۔ تایا جان شرمندہ تھے 'لیکن تائی جان کسی کی سننے کی روادار نہ تھیں۔ سارے عیب انہیں زارش میں نظر آئے۔ زارش کا دل جل گیا۔ دادا جان نے تایا جان سے قطع تعلق کرلیا۔ ارشاد دل برداشتہ ہو کر یہ گھر ہی چھوڑ گئے۔ انہوں نے دوسرے شہر ٹرانسفر کروالیا۔ سرکاری رہائش گاہ ملنے پر بیوی بچوں کو بھی وہیں بلوالیا۔

☆ ☆ ☆

پورے ایک سال زارش صدمے سے بستر سے نہ اٹھ سکی۔ یہ حادثہ جان لیوا تھا۔ معاشرے میں طلاق یافتہ عورت کی اہمیت سے وہ آگاہ تھی۔ پھر لوگوں نے اس کی طلاق سے قصے وابستہ کیے تھے۔ وہ تو اسے مار ڈالنے کو کافی تھے۔ کسی نے کامران کو قصوروار نہ ٹھہرایا تھا۔ ہر ایک کا خیال تھا۔ عیب زارش کی ذات میں تھے۔ نئے شہر' نئے لوگوں میں آکر ان باتوں سے نجات مل گئی تھی۔ دل کے زخم تھے تو سہی 'لیکن ان پر کھرنڈ آگئے تھے ای نے اسے سنبھالا۔

روحی نے حوصلہ بخشا۔ جنید اور وقار نے اپنی خوب صورت باتوں سے اس کا دل بہلایا 'لیکن اس کا ٹوٹا دل پھر نہ جڑ سکا۔ ارشاد نے فیصلہ کیا کہ دل بہلانے کو اپنی ادھوری تعلیم کا سلسلہ پھر سے شروع کرے اور روحی کے ساتھ کالج جانا شروع کردے 'لیکن زارش نے کہا کہ وہ بی اے پرائیویٹ کرے گی اس کے بعد مزید تعلیم ریگولر حاصل کرے گی اور اس مقصد کے لیے اس نے اکیڈمی جوائن کرلی اور اس نے بی اے بہت اچھے نمبروں سے پاس کرلیا اور اب ایم اے میں داخلے کے لیے ارشاد صاحب نے ہی اصرار کیا بلکہ اس کے لیے داخلہ فارم بھی لے آئے۔

وہ جاب کرنا چاہتی تھی 'لیکن ایک بار پھر پاپا کے اصرار پر اس نے فیصلہ کرنے اور عمل کرنے میں ہی چین پایا۔ اس نے ماس کمیونی کیشن میں ایڈمیشن لے

لیا۔ ساتھ ہی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کردیا۔

وہ بیڈ منٹن کی بہت اچھی کھلاڑی تھی اور اس نے ہمیشہ اپنے اسکول' کالج کو فرسٹ پرائز سے ہی نوازا تھا۔ شادی کے بعد تو وہ سب کچھ جیسے بھول ہی گئی تھی' لیکن یونیورسٹی جوائن کرتے ہی اس کے اندر کی سوئی کھلاڑی لڑکی پھر سے بیدار ہو گئی اور وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی۔

یونیورسٹی جانے پر اس کے شب و روز میں تبدیلی آگئی تھی۔ وہ کتابوں اور اپنے کھیل میں گم ہو گئی۔ سب کچھ دل سے کھرچنے' بھلا دینے کی کوشش میں اس نے کتاب زندگی سے کامران کی سنگت میں گزرے دنوں کے ذکر کے اوراق ہی پھاڑ ڈالے۔ والدین اپنی نظروں میں مجرم بنے ہوئے تھے۔ زندگی کا اہم فیصلہ انہوں نے بزرگوں پر چھوڑتے ہوئے اپنی بیٹی اور کامران کے مزاج و عادات کے فرق کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔ جس کا نتیجہ ایسی ہولناک تباہی کی صورت ملا۔

سب کچھ اپنی جگہ درست 'لیکن ستم پر ستم تو ایک اور ہوا تھا' دشمن دغا دے تو صدمہ اتنا جان لیوا نہیں ہوتا جو دوستوں کی جفا لیا کرتی ہے۔ راہزن لوٹ لے تو معمول کی ایک حرکت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہوش تو تب لٹتے ہیں جب راہبر لوٹ لینے کی ٹھان لیں۔ کامران نے نہیں دھوکہ تو ارحم عرفان نے کیا تھا۔ زبردست دھوکہ محبت کے حسین جذبوں میں لپٹا ہوا دھوکہ۔

ارحم سے اس کی پہلی ملاقات ایک ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی آخری پریڈ فری تھا۔ سو وہ گھر چلی آئی راستے میں سڑک پر وہ اس کی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ گاڑی کے بریک چرچرائے۔ شاید اس نے گاڑی تیزی سے واپس لا کر اس کے قریب روکی تھی۔

"محترمہ مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو خود ہی مرتی رہیے کسی غریب کو اپنے ساتھ کیوں گھسیٹتی ہیں کیوں کہ اس غریب نے ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔" اس نے ایکدم اسے دیکھا۔

"جی' کیا ہوا؟"

"بہت کچھ ہو جاتا بس خدا کی مہربانیاں ساتھ تھیں ورنہ آپ نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ کسی فلاسفر کی روح آپ میں سمائی ہے۔ تو کوئی کونا کھدرا سنبھالیے گھر کا۔ دنیا کا' کسی پارک کا' یہ سڑکیں آپ کے فلسفے کا بار نہیں سہہ سکتیں۔ دھرا رہ جائے گا سارا فلسفہ اور آپ تشریف لے جائیں گی اگلی دنیا میں۔" وہ سخت غصے میں تھا جو منہ میں آیا کہہ گیا۔

"معذرت خواہ ہوں' غلطی میری ہے' آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"ہونا بھی نہیں چاہیے۔ دیکھیے نا محترمہ مجھے تو مرنے کا شوق نہیں۔ کئی دل جلے اس دنیا سے عاجز ہوں گے چڑھا دیں گے آپ پر گاڑی اور اور..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"معاف کیجیے۔ میں نے خوا مخواہ ہی فرض کرلیا کہ آپ کو مرنے کا شوق ہے اگر ایسا نہیں ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ بہرحال اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔ سڑک سوچ بچار کی جگہ نہیں ہے۔"

"آپ کی اطلاع کا بے حد شکریہ۔ سڑک واقعی سوچ بچار کی جگہ نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں ازحد سنجیدگی تھی۔ وہ قدم بڑھا کر چلنے لگی۔ اس نے اپنی راہ لی ایک دو دن گزر گئے۔ روحی کا بخار اتر گیا تو وہ بھی ساتھ ساتھ آنے لگی اسی سڑک پر وہ دوسری بار مل گیا۔ گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے اس نے قریب آکر با آواز بلند کیا۔

"میری نصیحت پر عمل کرنے کا بے حد شکریہ۔ ورنہ کسی دن آپ کی جان چلی جاتی اور مجھے خواہ مخواہ دکھ ہوتا۔" وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ گاڑی دور نکل گئی تھی۔

بہت سارے دن گزر گئے اس سڑک پر وہ اکثر نظر آجاتا کبھی آتے ہوئے کبھی جاتے ہوئے 'لیکن زارش

نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔ یونیورسٹی کی ایک تقریب میں وہ مہمانوں کی قطار میں نظر آیا۔

تقریب ختم ہوگئی۔ رات ہوجانے کے ڈر سے وہ جلد گیٹ کی طرف آگئیں۔ وہ اپنی سیاہ کرولا ریورس کر رہا تھا جو گاڑیوں کی قطار میں پھنسی کھڑی تھی۔ وہ سڑک پر آگئیں۔ ٹیکسی کے انتظار میں۔

"کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"یہیں نزدیک ہی۔" روحی بول اٹھی۔

"برا نہ لگے تو آیئے میں آپ کو ڈراپ کردوں۔"

"معاف کیجیے مسٹر' گھر جانے کے لیے ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں' ہمیں اپنے گھر کا راستہ معلوم ہے۔" زارش کے لہجے میں تندی تھی۔

"ویری ویل لا پیک' میں نے تو اخلاقی طور پر بلکہ انسانی ہمدردی کے تحت کہا تھا۔ آپ کی مرضی نہیں تو نہ سہی۔" اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔

"تم حد سے زیادہ بد اخلاق اور بد مزاج ہو۔" روحی نے غصے سے کہا۔

"بد مزاجی کی کیا بات ہے۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہے لڑکوں سے لفٹ لینے کا اور آج کل لڑکے تو ویسے ہی بہانے ڈھونڈتے ہیں راہ و رسم بڑھانے کے۔"

"ارے کون سی تفریح حاصل کرلیتا ہم سے۔ ذرا دیر میں گھر پہنچ جاتے' لیکن نہ جانے کیوں تم اتنی دقیانوسی — ہو۔"

"اگر وہ ہمیں کہیں اور لے جاتا تو۔۔۔؟"

"کہاں لے جاتا۔۔۔؟" روحی کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

"صورت تو ایسی نہیں ہے۔ دیکھا نہیں۔۔۔"

"صورتوں پر مت جاؤ۔ اکثر بھولی صورتوں والے ہی غضب ڈھاتے ہیں۔ منہ مومنوں کے اور کام شیطانوں کے۔"

"دلوں کے بھید خدا بہتر جانتا ہے۔" روحی نے پھر دھیرے سے کہا۔

"تو پھر تم ضدمت کرو۔" زارش اس بار تلخ ہوگئی۔

"اچھا بابا' بہت ہوگیا۔ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی میں۔"

"شکر ہے۔ جان تو چھوڑی اس بے چارے کی۔ اب تک تو وہ اپنی مطلوبہ جگہ بھی پہنچ گیا ہوگا۔"

"ابھی کہیں سڑک پر ہی گاڑی دوڑا رہا ہوگا کہ کوئی حسینہ لفٹ کرائے۔"

"ہاں مل جائے گی کیوں کہ آج کل کی لڑکیوں نے خود ہی گرایا ہے خود کو ورنہ ان مردوں کی یہ مجال۔"

"اور تم کیا کرنے چلی تھیں محترمہ۔"

"لو باتوں ہی باتوں میں گھر آگیا۔ یہی تو میں چاہتی تھی۔ اس کی برائیاں کرتے ہوئے سفر کٹنے کا پتا ہی نہیں چلا۔"

"ہونہہ۔" زارش کو غصہ آگیا اور وہ گھر میں داخل ہوگئیں۔

☆ ☆ ☆

سلسلہ شب و روز چلتا ہی رہا وہ ایم اے کے فائنل ایئر میں آگئی کہ پنجاب اسپورٹس گیم کا آغاز ہوگیا۔ جس میں پنجاب بھر سے اسکولز' کالجز اور یونیورسٹیز نے بھی شرکت کی۔ زارش نے والدین کی مرضی سے یونیورسٹی کی طرف سے ان گیمز میں حصہ لیا اور اس وقت نہ صرف اس کے والدین بلکہ یونیورسٹی کا اسٹاف بھی حیران رہ گیا۔ جب اس نے بیڈمنٹن کے مقابلے میں پنجاب بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ وہ ایک دم پرنٹ میڈیا' الیکٹرونک میڈیا کی نظروں میں آگئی۔ اسے فل کوریج دی گئی۔ اس کے والدین' بہن بھائیوں کے خوشی سے زمین پر پاؤں نہیں ٹک رہے تھے۔ بہت ساری کامیابیاں اور انعامات کے ساتھ وہ گھر لوٹی تو ماں باپ نے اسے گلے سے لگالیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کتنی کٹھن دشواریوں کے بعد آج وہ حقیقتاً" خوش تھی۔

اسی شام جب زارش کی کلاس فیلوز اسے مبارک باد کہنے کے لیے اس کے گھر جمع تھیں کہ ان کے گھر کے چھوٹے سے گیٹ پر سیاہ کرولا آن رکی۔

"ہیلو مس زارش ارشاد۔" گاڑی والا نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"اس کامیابی پر مبارک باد کہنے سے پہلے اپنی حیرانی کا اظہار ضرور کروں گا یقین نہیں آتا کہ بارہا میری گاڑی سے ٹکرانے اور خودکشی کرنے کی کوشش کرنے والی ایک لڑکی اس قدر اچھی کھلاڑی ہوگی۔ بائی گارڈ دیکھنے میں آپ اس قدر ذہین اور اچھی اسپورٹر نظر نہیں آتیں۔

میں آپ کے شہر کے ایک کثیر الاشاعت روزنامے میں جز وقتی جاب کرتا ہوں اور آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں آپ سے انٹرویو کے لیے وقت لینے آیا ہوں۔ کیا اس وقت میری آپ کے والد صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"

زارش نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"بندہ ناچیز کو ارحم عرفان کہتے ہیں۔ ہوسکے تو والد صاحب سے عرض کیجیے کہ "روزنامہ حقائق" کی طرف سے ارحم ملاقات کا متمنی ہے۔"

"اندر آجایئے میں پاپا سے کہتی ہوں!"

"وہ اس کے پیچھے چلا آیا۔ اسے دیکھ کر زارش کی کلاس فیلوز کا گروہ اس کی طرف لپکا۔ زارش گھبرا گئی۔ ان کے ڈرائنگ روم کا دروازہ باہر نہیں تھا بلکہ ڈرائنگ روم تک پہنچنے کے لیے گھر کے اندر سے ہو کر جاتے تھے اور اس وقت زارش کی فرینڈز صحن میں بیٹھی تھیں۔

"یہ ارحم ہیں۔ "روزنامہ حقائق" کے سب ایڈیٹر۔" نائلہ کی معنی خیز مسکراہٹ دم توڑ گئی۔ سائرہ کی نظروں میں اچانک در آنے والی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔

لڑکیاں اسے دیکھ کر کھسر پھسر کرنے لگیں۔ وہ اسے لیے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ اسے بٹھا کر باہر آگئی۔ پاپا کو دیکھنے گئی تو وہ نماز عصر کی ادائیگی میں مصروف تھے۔ وہ ممی کو بتا کر اپنی دوستوں کے پاس آ گئی۔ ان سب نے اس سے ملنے کی خواہش کی اور وہ بھی زارش سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ممی کی اجازت سے وہ ان کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

ارحم نے ایک نظر اس گروپ پر ڈالی اور بڑے اعتماد سے بیٹھا رہا۔ تو نائلہ نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"تو ایک پوزیشن ہولڈر لڑکی کا انٹرویو کرنے آپ خود بہ نفس نفیس تشریف لائے ہیں۔"

"جی ہاں کیونکہ ایسے لوگ مجھے از حد اپیل کرتے ہیں۔"

"اور وہ بھی — لڑکی۔" زوردار قہقہہ پڑا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ اتنے میں زارش کے پاپا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ جہاں زارش' اس کی دوستیں' ارحم اور فوٹو گرافر موجود تھا اور جب روحی مختلف کھانے پینے کی چیزوں سے بھری ٹرالی کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اس نے زارش سے سرگوشی میں کہا۔

"لو نکل آیا نا شریف زادہ۔ تم اس پر اعتبار کرنے کو تیار نہ تھیں۔ کسی اخبار کا سب ایڈیٹر کوئی غنڈہ بدمعاش نہیں ہوتا۔" وہ خاموش رہی وہ اسے لے کر کمرے میں آئی اور بولی۔

"میرا خیال ہے۔ ڈریس چینج کرلو اور ہلکا سا میک اپ بھی۔ اچھے انداز میں تمہاری تصویریں آنی چاہئیں۔"

"پاگل ہو تم۔ مجھے کسی فیشن شو میں جانا ہے۔"

"میں چاہتی ہوں ارحم صاحب تمہاری اسپورٹس کے ہی نہیں حسن کے بھی قائل ہوجائیں۔"

"اتنا بڑا دھوکا کھانے کے بعد ایک بار پھر دھوکا کھالوں میں۔ اس حادثے کے بعد میں جینے کے لائق بھی نہیں رہی تھی روحی تم سب کی وجہ سے تم سب کی خاطر زندہ ہوں۔ تم میری بہن ہو کر مجھ سے مذاق کرتی ہو۔ طنز کرتی ہو مجھ پر۔ مجھے ایسی باتیں پسند نہیں۔ اس کامیابی نے جو تھوڑی سی خوشی میرے حصے میں لکھی ہے تم اس کا احساس مجھ سے چھین لینا چاہتی ہو۔۔۔ مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اپنی تعلیم مکمل کر کے جاب کروں گی اور پاپا کا ہاتھ بٹاؤں گی۔ ممی پاپا کا بوجھ ہلکا کروں گی تم لوگوں کا مستقبل سنواروں گی۔ بس میری زندگی کا اہم مقصد یہی ہے۔"

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ پاپا تمہارے لیے بہت فکر مند رہتے ہیں۔ تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ تم نے دنیا میں دیکھا بھی کیا ہے۔ پاپا کھلے دل کے مالک ہیں۔ فرسودہ رسم و رواج سے انہیں نفرت ہے۔ دیکھا نہیں نئے شہر میں آکر کتنی تبدیلیاں آئی ہیں ان کے اندر۔ وہ تمہیں اپنے گھر میں خوش باش دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ سوچ غلط بھی نہیں ان کی اور ہو سکتا ہے یہ کامیابی قسمت کے دروازے کھول دے تم پر۔ اس کے گھر سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ دیر ہے اندھیر نہیں۔ اگر ایک چیز چھینتا ہے تو اس سے کئی گنا زیادہ بہتر اور مناسب عطا کرتا ہے۔ تم کیوں بھول رہی ہو اس کو۔"

"چھوڑو روحی تم بھی کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو اور والدین اولاد کی محبت کے سامنے مجبور ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اولاد کی خاطر خواب دیکھیں۔ لیکن میں نے ایسا کوئی خواب اپنی آنکھوں میں نہیں سجایا۔ یہ معاشرہ جس میں ایک کنواری لڑکی کی شادی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ تو ایسے میں ایک طلاق یافتہ عورت کی دل جوئی کیسے کر سکتا ہے اور مجھ پر تو بڑے بڑے الزام ہیں روحی۔ آوارگی' بدچلنی کے۔"

"صرف اس شخص کے لگائے الزامات' جو خود بھی اس کردار کا مالک ہے اور دنیا اندھی تو نہیں کہ اس کی جھوٹی باتوں پر عمل کرے۔ تمہارا کردار اتنا صاف اور مضبوط ہے کہ آئینے میں دیکھ اور پرکھ سکتی ہے دنیا۔ آئینے پر گرد جم جانے سے آئینہ دھندلا نہیں ہو جاتا اور نہ ہی خراب ذرا سا ہاتھ سے صاف کریں تو سارے عکس صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ ندی کے شفاف پانی کی طرح ہو تم۔ دل سے سارے خیالات نکال دو اور بھول جاؤ گزری زندگی کے واقعات۔"

"کوئی کسی کے باطن میں نہیں جھانکتا روحی۔ سب ظاہر دیکھتے ہیں۔ تم یہ ذکر چھوڑ دو۔"

وہ روحی کی کوئی بات مانے بغیر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور سادہ سے حلیے میں نکھرے نکھرے چہرے اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ اس کے دوستیں باہر نکل آئیں۔

انٹرویو ہوا' روحی نے چائے اور دیگر لوازمات سے ان سب کی تواضع کی اور جب ارحم واپس جا رہا تھا۔ تو زارش اسے خدا حافظ کہنے باہر تک چلی آئی۔

"مس زارش ارشاد۔ یہ کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ خوب صورت بھیگی بھیگی آنکھیں اور نامور کامیاب لوگ مجھے بہت اپیل کرتے ہیں۔ اور خدا نے آپ کو دونوں چیزوں سے نوازتے ہوئے اپنا خاص کرم کیا ہے۔ آپ کی آنکھیں اور آپ کی کامیابی ہر دم یاد رہے گی مجھے۔"

☆ ☆ ☆

زندگی کے شب و روز پھر اپنی روٹین پر آگئے۔ ارحم یونیورسٹی آنے لگا تھا۔ وہ اکثر اسے مل جاتا۔ اصل میں جرنلزم کے شعبے سے متعلق طلباء کے آرٹیکل اکثر اس کے اخبار کے خاص ایڈیشن کی زینت بنا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں وہ یونیورسٹی آیا کرتا تھا۔ اس سے سامنا ہو جاتا تو سلام دعا ہو جایا کرتی۔ ارحم بات بڑھانے کی کوشش کرتا لیکن زارش موقع نہ دیتی۔ اکثر اس کے ساتھ 'ہما' سائرہ اور نائلہ ہوتیں۔ جن سے زارش کی دوستی' بے تکلفی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ ارحم ان سے گپ شپ کرتا' ذو معنی باتیں کرتا اور رخصت ہو جاتا۔

ایک دن میں وہ عقبی لان میں اپنی دوستوں کے ساتھ براجمان تھی۔ لڑکیاں بے فکری سے قہقہے لگا رہی تھیں۔ جب ارحم اچانک وارد ہوا کتنی دیر دور کھڑا ان کی سنتا رہا اور جب زارش کی نظر اچانک اس پر پڑی تو ان طرف لپکا۔

"ہیلو مس زارش ارشاد۔ ہیلو ایوری باڈی۔"

لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ زارش اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیسے ہیں آپ ارحم صاحب۔؟"

"اچھا ہوں' بلکہ بہت اچھا۔ شاید اتنی خوشی کبھی مجھے نہ ملی ہو۔"

"ایک زحمت دینا تھی آپ کو۔ اگر گوارا کر سکیں تو۔"

"جی فرمائیے۔"

"اصل میں میں نے مقابلے کا امتحان پاس کیا ہے سنٹرل گورنمنٹ کا اور قریبی ضلعی ہیڈ کوارٹر۔ میرا مطلب ہے' ضلعی مقام پر انکم ٹیکس کے آئی ٹی کی حیثیت سے تعینات کیا گیا ہوں۔ میرے والد صاحب نے اسی خوشی میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا ہے۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اپنے دوست احباب کو شریک کروں۔ لیکن ایک اچھی اسپورٹس گرل نہ جانے کیوں مجھے دوست لگی اور میں مدعو کرنے چلا آیا۔"

اس کے لہجے میں زمانے بھر کی سادگی تھی۔ خلوص تھا۔ زارش جو کامران سے قطع تعلقات کے بعد بے اعتباری کے صحراؤں میں کھو گئی تھی۔ اسے اس خلوص اور سادگی پر بھی شبہ تھا بلکہ اسے اس التفات کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ اس گومگو میں تھی کہ ارحم کی طرف سے بڑھایا گیا کارڈ لے یا نہ لے۔ کہ نائلہ نے وہ کارڈ لے لیا۔

"زہے نصیب کہ آپ مع اس کارڈ کے تشریف لائے۔ اس گونگی لڑکی کی طرف سے شکریہ میں ادا کرتی ہوں جناب اور اس کی شرکت کی ذمہ داری خود ہی اپنے سر لیتی ہوں۔"

زارش نے احتجاجی نظروں سے اسے دیکھا لیکن نائلہ نے اس کی ایک نہ سنی۔ اور کہے گئی جو بھی منہ میں آیا۔

"زارش میں بصد شوق و انبساط آپ کا انتظار کروں گا۔" اس نے سب کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ زارش خاموش رہی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر واپس چلا گیا۔

وہ گھر پہنچی تو پاپا بھی آئے ہوئے تھے۔ ممی کچن میں تھیں۔ روحی کھانا چن رہی تھی۔

"تمہاری ممی کیا کر رہی ہیں؟" ارشاد نے پوچھا۔

"آخری روٹی ڈالی ہے توے پر ابھی۔"

"بھئی کنیز جلدی آؤ۔ ایک زبردست خبر ہے۔" انہوں نے اونچی آواز میں بیگم کو آواز دی۔ پاپا بہت خوش نظر آرہے تھے۔ ممی فارغ ہوتے ہی چلی آئیں۔

"آج میرے آفس میں تمہارے بھائی آئے تھے۔"

"میرے بھائی۔۔۔؟" ممی حیران تھیں۔

"ہاں بھئی وہ تمہارے ماموں زاد۔ انہوں نے خود ہی مجھے پہچانا' خود ہی تعارف کرایا۔ وہ اے سی صاحب کو کسی تقریب کا دعوت نامہ دینے آئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ خود ہی بتایا کہ مجھے ان کا بہنوئی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ہمیں تو خبر ہی نہیں وہ روزنامہ حقائق کے مالک ہیں۔ بیٹے کو اعلا سروس مل جانے کی خوشی میں ایک دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ انہوں نے ہمیں بھی مدعو کر دیا۔ بھئی زارش' روحی آج کا دن نئے رشتہ داروں کی نذر۔ تیار ہو جانا شام کو جانا ہے۔ تمہارے ان ماموں صاحب نے کہا تھا نہ آئے تو خود لینے آجاؤں گا۔"

"مگر نہیں۔۔۔ وہ' وہ ہی سب ایڈیٹر تو ان ماموں جان کے بیٹے نہیں۔" قبل ازیں وہ کوئی بات کہتی۔ ارشاد نے خود ہی اس کی مشکل آسان کر دی۔

"دور کیوں جاؤ تمہاری زارش کا انٹرویو کرنے والا تمہارے بھائی کا بیٹا ہی تھا۔ لیکن اس نے جتایا نہیں۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بچے کو بھلا خواب آجاتا کہ ہم اس کے رشتہ دار ہیں۔ خالد بھائی اپنی مصروفیات میں ایسے گم ہوئے کہ اپنے شہر کی راہ ہی نہ لی انہوں نے' بچے عزیز و اقارب کو کیسے پہچانتے۔"

ممی جھٹ اپنے میکے کی حمایت میں بولنے لگیں۔ ارشاد مسکرا دیے۔

تنہائی پاتے ہی روحی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہرے' وہ بندہ جسے تم شریف کہنے کی روادار نہ تھیں۔ اپنا رشتہ دار بھی نکل آیا۔ اب تو تم جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکو گی۔"

"ہشت' خاموش رہو' میں اس تقریب میں نہیں جاؤں گی۔ تم چلی جانا اور میری طرف سے اجازت ہے۔ اگر وہ شخص تمہیں بہت اچھا لگتا ہے تو۔۔۔"

"آگے کچھ بھی نہیں کہنا۔ اس سے وابستہ خوب صورت جذبے تمہاری ذات کے سبب ہیں۔ ورنہ کچھ

بھی نہیں اور شام میں تمہیں ہر حال میں چلنا ہے۔ تمہاری حیثیت تو وی آئی پی کی ہو گئی ہے۔ وہ دو کارڈز کے سبب۔" زارش ہنس دی۔

شام روحی بڑے اہتمام سے تیار ہوئی۔ زارش نے اپنے لیے سادہ سے گرے سوٹ کا انتخاب کیا۔ وہ تیار ہو کر شرکت کے لیے روانہ ہو گئے۔ خالد احمد اور ارحم دونوں ہی گیٹ پر موجود تھے۔ ارشاد کی گاڑی کا دروازہ خالد احمد نے خود کھولا۔

"آئیے ارشاد۔" ارحم بھی آگے بڑھا۔

"یہ خوشی کہ آپ میری عزیزہ بھی ہیں۔ چار گھنٹے پرانی ہو چکی ہے۔ لیکن اظہار پھر بھی فرض بنتا ہے۔ موسٹ ویلکم مائی کزنز میرے گھر کا دروازہ خوشی کے ساتھ آپ کا منتظر ہے۔"

ممی نے ملاقات کی اس رسم کے بعد تحفہ ارحم کی طرف بڑھا دیا اور سب اندر چلے آئے۔ ضیافت کا اہتمام شاندار تھا اور زارش کا خاندان تو اب رشتہ داروں کی فہرست میں شامل تھا۔ سو سب لوگ اندر چلے آئے۔ لان میں معززین شہر کے لیے انتظام تھا۔

ارشاد خالد احمد کے ساتھ باہر چلے گئے۔ اندر تعارفی مراحل طے ہونے لگے۔ ماریہ نے زارش اور روحی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ارحم سے بڑے عدنان بھائی کی موہنی سی بیوی راویہ سب سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں کافی خواتین جن کے کسی نہ کسی طور اس گھر سے تعلقات تھے۔ اندر موجود تھیں۔ زارش ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ "سرمئی شام اور آپ دونوں ہی خوب صورت اور قابل توجہ ہیں۔" سرگوشی پر اس نے پیچھے دیکھا۔ دریچے کے قریب ارحم کھڑا تھا۔

"میری دعاؤں میں اتنا اثر ہوگا اس کا مجھے گمان تک نہ تھا۔ شکر گزار ہوں کہ مالک نے کئی خوشیاں ایک ساتھ میری جھولی میں ڈال دیں۔"

"ارحم صاحب پلیز... میں ایسی گفتگو پسند نہیں کرتی۔"

"میں بھی... لیکن سوچتا ہوں کہ آپ سے نہ کہہ سکا تو عمر بھر ایک پچھتاوا میرا ساتھ رہے گا۔ میں آپ کو..."

"اللہ ارحم بھائی... یہ کوئی چھپ جانے کا وقت ہے۔ کیا کر رہے ہیں آپ؟ چلیے پاپا بلا رہے ہیں۔ سب سے آپ کا تعارف کرانا ہے۔" ماریہ نے مداخلت کی۔ ارحم چلا گیا۔

سب نے کھانا کھا لیا۔ مہمان رخصت ہو گئے۔ خالد احمد اور ان کے اہل خانہ ارشاد فیملی سے باتیں کرنے لگے۔ ماریہ زارش اور روحی کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ ایک اخبار کے مالک کی بیٹی بھی خاصا سیاسی اور ادبی ذوق رکھتی تھی۔ زارش اس کی لائبریری میں کھو گئی۔ جب کہ روحی اور ماریہ اپنے پسندیدہ گلوکاروں کی ویڈیو دیکھنے میں لگی تھیں۔ ارحم زارش کی طرف آنکلا۔

"زارش مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے آئیے دو منٹ باتیں کر لیتے ہیں۔" زارش نے جو ورق گردانی کر رہی تھی کتاب بند کر دی۔

"میں بھی آپ سے بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ ارحم صاحب اور میرا خیال ہے کہ کہنے سننے کا یہ موقع بہترین ہے۔"

ارحم نے ناقابل یقین انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ اور صوفے پر ٹک گیا۔ زارش کھڑی رہی۔

"اب فرمائیے کہ کہنے کا موقع مجھے دیں گی یا پہلے آپ کہیں گی۔"

"آپ تو شاید کہی ہوئی بات کو دہرائیں گے لیکن میں نئی بات کہوں گی۔ اس لیے کہنے کا حق پہلے مجھے ہے۔"

"جی میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"ارحم صاحب! آپ میرے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"یہی کہ آپ ہماری پھوپھو زاد ہیں۔ قدرت نے آپ کو کئی خوبیوں سے نوازا ہے اور وہ ساری خوبیاں اتفاق سے ہمارے اس خاکے سے ملتی ہیں۔ جو ہم نے ایک جیون ساتھی کے لیے ذہن میں بنا رکھا ہے اور

بس..."

"آئی ایم سوری کہ آپ بہت سی باتیں نہیں جانتے۔"

"کیسی باتیں۔ پلیز آپ ان سے آگاہ کر کے میری اگلی نسلوں پر احسان فرما دیں۔"

"مجھے انسانوں کی پرکھ کا نہ کوئی تجربہ ہے نہ کوئی دعوا لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔ آپ روز اول سے مجھ سے کچھ کہنے کی سعی کر رہے ہیں۔ اس کا جواب میں تفصیلی طور پر دینا چاہتی ہوں اور اس وقت اس تفصیل میں جانا مناسب نہیں۔"

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو مجھے یونیورسٹی میں مل لیں۔"

"نہیں ارحم صاحب ایسا ہرگز نہیں۔"

"چلیے فون پر بات کر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ میرا خیال ہے۔ ہم دونوں آسانی سے اپنی اپنی بات کہہ سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"میں شام سے رات تک گھر میں ہی ہوتا ہوں۔ آپ فون کر لیجیے گا یا اجازت دیں تو میں رنگ کر لوں گا۔"

"نہیں میں خود ہی کر لوں گی رنگ۔"

"اوکے۔" ارحم کے لبوں پر بڑی ذو معنی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور وہ رخ پھیر گئی۔

پوری رات وہ اپنے بارے میں سوچتی رہی۔ ارحم کے بارے میں سوچتی رہی۔ اور ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔ جو وقت ارحم نے بتایا تھا اس وقت ارشاد صاحب گھر پر ہوتے تھے اور اس دوران میں وہ ارحم سے بات نہیں کر سکتی تھی کیونکہ کسی نہ کسی کام سے اسے ہی پکارتے تھے۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے سائرہ کے گھر کی طرف رخ کیا۔ ایک دوست کی حیثیت سے وہ اس کے بے حد قریب تھی۔ کہ سائرہ کے گھر پی ٹی سی ایل سے وہ ارحم کے پی ٹی سی ایل پر با آسانی اور اچھی طرح بات کر سکتی تھی۔ سو اس نے سائرہ کی اجازت سے ارحم کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ گویا فون کا انتظار کر رہا تھا۔

جھٹ ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو ارحم از آن دی لائن۔"

"زارش بول رہی ہوں۔"

"زہے نصیب۔ کیسی ہیں؟"

"اچھی ہوں۔"

"میں بھی اچھا ہوں لیکن تھوڑا سا تذبذب کا شکار ہوں۔ کل سے آپ کے لبوں سے ادا ہونے والے الفاظ کے بارے میں فرض کیے جا رہا ہوں۔ خدارا کوئی ایسی بات نہ کہیے گا۔ جو میری خوشیوں پہ کوئی کاری ضرب لگا دے۔"

"خدا آپ کو خوشیاں دے ارحم صاحب۔"

"لیکن آپ کے دم کے ساتھ۔" وہ بے باکی سے بولا۔ زارش کے لبوں پر اداس مسکراہٹ رینگ گئی۔

"ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔"

"مجھے سونا نہیں چاہیے اور میں تو ویسے ہی بہت ہی زیادہ چمک دمک سے الرجک رہتا ہوں۔ ابھی تک سرمئی شام کی بھول بھلیوں میں الجھ رہا ہوں۔ کھویا ہوا ہوں اس کے سحر میں۔"

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

"کل سے ہی منتظر ہوں کہ جانے کیا کہیں گی۔"

"میں... وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے آپ جیمز بانڈ کے سلسلے کا کوئی پراسرار کردار بھی نہیں ہیں۔" وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔

"لیکن معاشرے کا عضو معطل ضرور ہوں۔"

"کیا مطلب...؟"

"ارحم صاحب اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی رکھنا میری بے وقوفی ہوگی۔ میں ایک طلاق یافتہ عورت ہوں۔ ٹھکرائی ہوئی جسے ایک مرد نے الزامات کی بھرمار کے ساتھ گھر سے نکال دیا۔"

"نو... ناٹ ایٹ آل۔"

"آف کورس ارحم صاحب۔ کوئی اپنی ذات بھی زمانے کی ٹھوکروں میں رکھتا ہے بھلا۔ یہ ایک سچ ہے

۔میری زندگی میں کسی ثابت و سالم خوشی کو ویلکم کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ آپ کی منزل کوئی ٹوٹی پھوٹی عورت نہیں۔ پلیز آپ اس پہ غور کیجیے گا پلیز۔"

ارحم کتنی دیر خاموش رہا۔ شاید کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"کیا یہ سچ ہے زارش؟ لیکن میں یقین کرنے کو تیار نہیں۔"

"آپ کے یقین نہ کرنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ وہ تو یوں ہی رہے گی پیشانی کا کلنک بن کر۔"

"مگر ابھی تو آپ پڑھائی کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے تو کب پیش آیا؟" اسے اپنی آواز کسی پاتال سے آتی محسوس ہوئی۔

"یہ پڑھائی تو میری ذات کی ٹوٹی کرچیاں جوڑ کر مجھے ایک شکل دینے کی کوشش ہے۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ تو۔" اس۔۔۔ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"روحی کو آپ سے انسیت اور لگاؤ ہے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے آپ۔۔۔ آپ۔" آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

ارحم ہنس دیا۔ یہ ہنسی بے حد پراسرار تھی۔

"میں ہر بات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہر بات کی مجھے خبر ہے۔ شاید آپ کو خبر نہ ہو کہ میری اس سے تفصیلی بات چیت بھی ہو چکی ہے۔"

"کیا اس نے اور باتوں کی ساتھ آپ کو میرے بارے میں نہیں بتایا؟"

"وہ بچی ہے۔۔۔ ڈرپوک۔۔۔ زمانے سے ناآشنا شاید اسے یہ خیال آتا ہو کہ اس کے بعد میں آپ کا تصور کرنا چھوڑ دوں۔"

"اور آپ کو ایسا ہی کرنا ہو گا۔"

"یہ سوچنا میرا کام ہے۔ آپ کا نہیں انسان کو پہچاننے کے لیے ایک نظر بعض اوقات کافی رہتی ہے۔ لیکن زندگی کے فیصلے چاہے ایک پل میں کیے جائیں۔ ان پر غور کرنا نظرثانی کرنا، بہت ضروری ہوتا ہے۔ میں بھی ایک دو دن سوچوں گا پھر آپ سے بات کروں گا۔ اپنا نمبر مجھے دے دیجیے۔"

"ارحم صاحب میں اپنے گھر کے بجائے اپنی دوست سائرہ کے گھر سے بات کر رہی ہوں۔ بات کرنا اس لیے ضروری تھا کہ آپ ایک بے نام منزل کی طرف آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔"

"تو اس نمبر پر بات کر لوں گا۔ بات کرنا ایسا بھی معیوب نہیں، بس دو دن کی مہلت چاہتا ہوں۔ او کے خدا حافظ۔"

وہ کچھ کہنے کی کوشش میں لبوں کو بھینچ کر رہ گئی۔ کیونکہ وہ خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ چکا تھا۔

سائرہ اس کے قریب بیٹھی بظاہر ایک میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ لیکن اس کے کان ان ہی باتوں میں لگے تھے۔ اس نے ریسیور نیچے رکھا۔ سائرہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"زارش ڈونٹ مائنڈ اگر ایک بات پوچھوں تو۔۔۔" وہ پہلے ہی اداس سی تھی۔ سائرہ کی توجہ نے اسے اور بھی رنجیدہ کر دیا۔

"تم شادی شدہ ہو۔ مجھے یقین نہیں آتا؟" جواب میں زارش نے سب کچھ اسے بتا دیا۔ جو پچھلے دو سالوں میں کبھی نہ بتا سکی تھی۔ اسے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو کندھا میسر آ گیا۔ جی بھر کے روئی۔ پھر اس نے ارحم کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ سائرہ نے بہت غور اور توجہ سے سنا۔

"یہ تمہارے حق میں بہتر ہو گا کہ اسے سکون تسلی سے سوچنے دو۔ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ جلد بازی میں غلط فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے سے دل پر سکون اور مطمئن رہے گا اور سوچ بچار کے بعد وہ تمہارا دامن تھامنے کو تیار ہو تو ایک پل بھی دیر نہ کرنا۔ اس کا ہاتھ تھام لینا۔ قسمت مہربان ہو رہی ہے تو اس کو ٹھکرانا ناشکری ہے۔"

"نہیں سائرہ میں خود کو اس قابل نہیں پاتی۔"

"یہ تمہارا نہیں ارحم کا فیصلہ ہے۔ بس تمہیں اس کے فیصلے پر سر جھکانا چاہیے۔ زندگی کا بند دروازہ کھل رہا ہے تو اسے دوبارہ اپنے ہاتھوں سے بند نہ کرو۔ پھر شاید ہی قسمت اتنی مہربان ہو۔"

"لیکن سائرہ کامران کے اس سلوک کے بعد میرا مردوں کی ذات سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔"

"ساری دنیا ایک جیسی نہیں ہوتی۔ تم فکر نہ کرو۔" اس نے تسلی دی۔

تیسرے دن حسب وعدہ اس نے فون کیا۔

"زارش بہت کچھ سوچ بچار کے بعد بھی فیصلہ وہی رہا جو پہلے دن تھا۔ میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ ہر قیمت پر۔ زمانہ تمہیں دنیا کی انتہائی پستی کا ساتھی بنا دے اور مجھے انتہائی بلندی پر کوئی مقام بخش دے۔ میں تمہاری چاہ میں، تمہاری تلاش میں ان پستیوں تک آ پہنچوں گا۔ بہت جلد مما اور پاپا تمہارے گھر آئیں گے۔ تم انکار مت کرنا۔ فار گاڈ سیک۔ تمہیں محبت کے ان بے لوث جذبوں کی قسم جو دلوں کو آپ ہی آپ اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ زارش پریشان ہو گئی۔ سائرہ نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ اسے تسلی دیتے ہوئے فوراً "ارحم کا نمبر ملایا۔

"ارحم بھائی آپ نے خبر نہیں کن الفاظ کے سہارے زارش کو اپنی محبت کا یقین دلایا ہے۔ لیکن بخدا ان الفاظ پر زندگی بھر قائم رہیے گا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔ اور دوسری بار دھوکا کھانے کی سکت نہیں ہے اس میں، امید ہے جس چاہ کے ساتھ آپ نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ کبھی بدعہدی نہیں کریں گے؟"

"ویری گڈ، ویری گڈ۔ بڑی بڑی ہستیاں محترمہ زارش ارشاد کی طرف دار ہیں۔ آپ یقیناً" سائرہ ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"اطمینان رکھیے۔ وفا کے راستے پر کبھی آپ کی دوست کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ وفا کے راہی ہیں۔ وفا کے ہر امتحان میں فرسٹ کلاس، فرسٹ پوزیشن لے لیں گے ہمیشہ ان شاءاللہ۔"

"یہ نہ ہو یہ سارے دعوے دھرے رہ جائیں اور ان وعدوں کے غباروں سے ہوا نکل جائے۔"

"آزما لیجیے سائرہ صاحبہ۔"

"گڈ۔" وہ ہنس پڑی تو۔ زارش بھی اس کے ساتھ مسکرانے لگی۔

ارحم نے اگلے روز ہی زارش سے شادی کرنے کا دھماکا کر دیا۔

یہ فیصلہ کسی کو بھی قبول نہ تھا۔ مما، پاپا، عدنان بھائی اور نہ راویہ بھابھی کو۔ ساریہ فیصلے کرنے کی اہل نہ تھی۔ گھر والوں کو زارش کی ذات نہیں اس سے وابستہ حالات اس فیصلے کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے۔

خالد احمد کا خیال تھا۔ ارحم ایک جذباتی لمحے کی زد میں آ کر اس سے شادی کا فیصلہ کر بیٹھا ہے۔ مما کا خیال تھا اس نے ارحم کو پھانس لیا ہے۔ راویہ بھابھی عورت ہونے کے ناتے عورت کے حق میں تھیں۔ عدنان بھائی کی سوچ میں یہ احمقانہ سوچ تھی۔ ان کو یقین تھا کہ بقول عدنان بھائی شادی کے بعد ارحم کو اپنی حماقت، غلطی کا احساس ہو گا۔ تب وہ پچھتائے گا۔ تب ایسا بھی ہو سکتا ہے زارش کو ایک بار پھر طلاق کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

ماریہ کے خیال میں بھی ارحم بھائی ایک طلاق یافتہ لڑکی سے شادی کے لیے بضد تھے جبکہ کسی طور یہ ممکن نہیں تھا اور یہ عجیب سی بات تھی۔ لیکن اسے کون سمجھاتا۔ ارحم کے سر پر تو زارش کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسے زارش کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے لیے وہ جان دینے کو بھی تیار تھا۔

خالد احمد نے ارحم سے تنہائی میں بات کی۔ عدنان بھائی نے سمجھایا۔ راویہ بھابی نے کئی مثالیں سامنے رکھیں اور دلائل دیے۔ ممی نے سختی کی۔ دودھ نہ بخشنے کی دھمکی بھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی ڈھاک کے وہی تین پات۔ ارحم اپنے فیصلے پر سختی سے پابند رہا۔ اور جتنا وہ اسے فورس کر رہے تھے اس کے فیصلے میں اتنی ہی سختی اور مضبوطی آ رہی تھی۔ وہ اٹل رہا اپنے ارادے پر۔

سب سمجھا سمجھا کر تھک گئے لیکن وہ کسی کی ماننے کو تیار تھا نہ سننے کو۔ اس کی ایک ہی ضد تھی زارش

سے شادی کرے گا۔

یہ خبر ارشاد صاحب کی فیملی تک نہ پہنچی تھی۔ صرف زارش کو اس کی خبر تھی۔ خالد احمد کا آنا جانا اس گھر میں بڑھ گیا۔ کبھی کبھار مما بھی اس طرف آجاتیں۔

بازار آتے جاتے بھابھی اور ماریہ بھی چکر لگا لیتیں۔ ارشاد صاحب کی فیملی اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ لیکن دراصل وہ لوگ اس گھر کے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ اسی اوھیڑبن میں ایک ماہ اور نکل گیا اور جب زارش اپنی اور ارحم کی گفتگو ایک جذباتی نوجوان کی دل لگی سمجھ کر بھول جانے کو تھی۔

اسی شام خالد احمد اپنے اہل خانہ کے ساتھ آکر منٹوں میں ارشاد کو اپنی بہن کو قائل کرکے کچھ قرابت داری کا پیار بھرا رعب جما کر زارش کے ہاتھ میں ارحم کے نام کی انگوٹھی پہنا گئے۔

ارحم اپنے وعدوں میں سچا اور کھرا ثابت ہو گیا تھا۔ زارش کی آنکھوں میں حسین خوابوں کے عکس جھلملاتے۔ لبوں پر پھیلی مسکراہٹ آسودگی کی خبر دیتی۔ وہ خوابوں کی انگلی تھام کر ارحم کے ساتھ حقیقی منزل کی طرف گامزن ہو گئی۔

زندگی ایک دم ہی بہت حسین اور خوب صورت ہو گئی تھی۔ دل سے سارے خوف' خدشے اور واہمے نکل گئے تھے۔ ارحم کے نام کی انگوٹھی انگلی میں پہن کر حقیقت کی پہلی سیڑھی پر پیر رکھ دیا تھا۔ اس کے گھر والے اور وہ جتنا رب کا شکر ادا کرتے کم تھا۔ زارش اپنی قسمت پر نازاں تھی۔ قدرت نے کامران کا نعم البدل بہت اچھا دیا۔ اس کے صبر کا پھل ارحم کی صورت میں ملا تھا۔

وہ بے فکری ہو کر حسین رنگوں کی دنیا کی رنگینیوں میں کھو گئی۔

☼ ☼ ☼

دوسری صبح یہ خبر زارش کے پورے ڈپارٹمنٹ میں پھیل گئی۔ لڑکیوں نے کھڑے کھڑے اس خوشی میں ٹریٹ کا مطالبہ کر دیا اور زارش کو دینا پڑی۔

سائرہ کے سوا کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ منگنی اس کی دوسری شادی کی طرف پہلا قدم ہے۔ تبھی سب نے اسے معمول کا ایک واقعہ سمجھا تھا اور جن لڑکیوں نے ارحم کو دیکھ رکھا تھا انہیں اس خوب صورت سی جوڑی کے ملاپ پر بے حد خوشی تھی۔ دوسری طرف ارحم جس نے زارش کی انگلی میں اپنے نام کی انگوٹھی کو اپنے جذبوں کی فتح سمجھا تھا۔ وہ ایمانداری سے وفا کی راہ کا مسافر بننا چاہتا تھا۔ ایسا مسافر جسے زندگی بھر سفر ہی درپیش رہے۔ اسے کسی سے چھپانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ زارش کو جاننے کے لیے اسے چند لمحے کافی رہے تھے۔ وہ اس سے کچھ پوچھ کر اس کے زخم ہرے کرنے کے حق میں نہ تھا۔ اسے سب کچھ روحی بتا چکی تھی۔ روحی' زارش کی بہن جو اسے بڑے بھائی کی حیثیت دے کر اس سے احترام بھری محبت کرنے لگی تھی۔ اسی روحی کے توسط سے وہ فاصلے گھٹانا چاہتا تھا۔ اپنے اور زارش کے درمیان موجود فاصلے۔ وہ زارش کو اپنی زندگی میں لانے سے قبل اسے اپنی محبت کا اعتماد بخشنا چاہتا تھا۔

انگوٹھی پہن لینے کے بعد سے اب تک ارحم سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ جبکہ ارحم ایسا موقع تلاش کرنے میں لگا تھا۔ اس کے لیے اس نے جھٹ سائرہ اور ہما کا سہارا لیا۔ ان کا نمبر ملایا۔ اپنا مدعا ان پر واضح کر دیا۔

روحی سے اس نے ذکر تک نہیں کیا۔ کیونکہ وہ کبھی اسے ایسا نہیں کرنے دیتی۔ اس لیے وہ دونوں ہی زارش کو اپنی ہمدرد اور راز دار نظر آئیں اور یہ رازداری' ہمدردی اس کے گلے پڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کی دوستیں دشمن بن جائیں گی۔ آستین کا سانپ بن کر ڈس لیں گی۔

سائرہ بہلانے سے زارش کو اپنے گھر بلا لائی۔ ارحم کافی دیر اس سے باتیں کرتا رہا۔

"ارحم مجھے بارہا احساس ہوتا ہے میں نے کسی کا حق چھین لیا ہے۔ کسی کا قیمتی سرمایہ چرا لیا ہے۔ میں چرائی ہوئی چھینی ہوئی چیزوں سے خوشیاں حاصل کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ایک دم پاگل اور بے وقوف ہو۔ اس میں چرا لینے یا چھین لینے والی بات ہی کیا ہے۔ تم خوش نصیب ہو زارش۔ میں تمہارے دل کے زخم اپنی محبت سے مٹا دوں گا۔ میں تمہیں پوری ایمان داری سے اپنی زندگی کا شریک بنا رہا ہوں زارش اور مجھے امید بھی ہے کہ تم خوب صورت آنکھوں اور دماغ کے سبب ہی نہیں اپنی دوسری خوبیوں کے سہارے مجھے مکمل طور پر جیت لو گی۔ ایک تمہارے فائنل ایئر کی فکر ہے۔ ورنہ منگنی کی انگوٹھی کی جگہ تمہارے گلے میں میری عمر بھر کی غلامی کا حسین طوق ہوتا۔" وہ شرارت پر اتر آیا۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔" وہ بولی۔

"ہاں یہ ہی تو کہہ رہا ہوں۔"

زارش نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اسے گھورا۔ تو وہ ہنس دیا اور وہ بھی ہنس پڑی۔

☼ ☼ ☼

دونوں گھرانے اس بندھن کے بعد ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ آئے دن ماریہ' زارش کے پاس موجود ہوتی۔ خالد احمد فرصت کے کسی لمحے اپنی بیگم کے ساتھ آجاتے۔ رات گئے تک گپ شپ رہتی۔ عدنان بے حد مصروف بندے تھے۔ البتہ رادیہ دو چار دنوں بعد ایک بار ضرور چکر لگاتیں۔ قربت نے فاصلے مٹائے تو چھپی باتیں بھی عیاں ہوئیں۔ خالد احمد پورے خاندان کو کسی نہ کسی بہانے اپنے گھر مدعو کر لیتے۔ زارش کے سوا سب لوگ چلے جاتے اور ان لمحوں میں جب زارش گھر پہ تنہا ہوتی۔ ارحم فون کے سہارے حال دل اس تک پہنچانے کی سعی کرتا۔ کبھی کبھار ماریہ کے ساتھ ان کے گھر آدھمکتا۔ لیکن آنے کے بعد اسے سخت سبکی ہوتی۔ ارشاد بے چارے اپنی محبت کے اظہار کے طور پر بھرپور توجہ دیتے چائے اور پر تکلف لوازمات سے اس کی تواضع کرتے۔ ماریہ' زارش اور روحی کے ساتھ باتیں کرتی رہتیں اور وہ تھک ہار کر واپسی کی ٹھان لیتا۔

بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے زارش کی قربت کے لیے ایک اور بہانہ ڈھونڈ لیا۔ ان دنوں فائنل امتحان نزدیک تھے۔ زارش چھٹی کے بعد دیر تک لائبریری میں موجود رہتی۔

پچاس کلو میٹر کا فاصلہ وہ گھنٹے میں طے کر کے دوڑا چلا آتا۔ اسے گھر چھوڑنے کے بہانے طویل سڑکوں پہ آہستہ روی سے گاڑی چلاتا۔ اس سے دنیا جہان کی باتیں کرتا۔ لیکن وہ اس کی قربت میں سہمی رہتی۔ دل کھول کر مسکرا بھی نہ سکتی۔ درمیان میں جو فاصلے حائل تھے وہ منگنی کی انگوٹھی نہ مٹا سکی تھی۔ ارحم نے نفسیات بے شک نہ پڑھی تھی لیکن وہ جذبوں کو پڑھنے پر قادر تھا۔ انسانوں کے احساسات سمجھتا تھا۔ وہ زارش کا سہارا بن کر ایک اخلاقی فرض بھی نبھا رہا تھا اور اپنے جذبوں کی تکمیل بھی جس کی اس جیسے کھلنڈرے سے اور بے پروا شخص سے کسی کو امید بھی نہ تھی اور اسی سبب گھر والوں نے اس کی تجویز کی مخالفت کی تھی۔

ارحم اس کے دل میں اتر کر اس مقام تک پہنچ گیا۔ جسے محبت کی معراج کہنا بے جانہ تھا۔ تبادلہ خیالات نے دونوں کو ہم آہنگی کا پتہ دیا۔ ایک جیسی پسند' زندگی کے متعلق ایک جیسا نقطہ نظر۔ ارحم میں خود اعتمادی بلا کی تھی۔ جبکہ زارش میں اس کا زبردست فقدان تھا۔ صرف اس کی خاطر وہ پچاس کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے گھر لوٹ آتا۔ شام کو ارشاد گھر پہ ہوتے تو ایسی صورت میں سب سے الگ بیٹھ کر ارحم سے بات کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ کیونکہ روحی کچھ دنوں کے لیے دادا کی طرف گئی ہوئی تھی اور ایسے میں بابا بار بار کام کے لیے اسے ہی پکارتے۔ اس نے ایک حل نکالا اس کا۔

کمبائن اسٹڈی کا بہانہ کرکے سائرہ کے گھر جانے لگی اور ارحم سے باتیں کرتی۔ فون تو ارحم ہی کرتا تھا۔ وہ صرف بیل دیا کرتی تھی' بات فون سے آگے بڑھی اور

دوسری تیسری شام باہر ملنے لگے اور یہاں بھی سائرہ نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ اس کے ساتھ ہولی۔ ممی کو معلوم تھا وہ ارحم کے ساتھ جاتی ہے بس ان دونوں کا علم نہیں تھا پہلے پہل تو ارحم کو ان کی موجودگی کھلی۔ لیکن زارش کے دلائل نے اسے چپ رہنے پر مجبور کر دیا۔ ارحم بے رکھ رکھاؤ کا بے حد قائل تھا۔ سائرہ اور ہما کی موجودگی میں تو معاملہ تکلفات تک جا پہنچا۔ کبھی کھانا ہوٹل میں کھایا جاتا۔ کبھی آئس کریم پر اکتفا کیا جاتا۔ کسی نہ کسی تفریحی مقام کو منزل بنایا جاتا۔ جہاں چند لمحے فراغت کے ارحم کے لیے حاصل حیات بن جاتے۔

فاصلے ختم ہوئے تو تکلفات کی دیوار بھی گر گئی۔

☼ ☼ ☼

ارحم زارش کو شاپنگ کے لیے لے کر آیا تھا۔ ایک سوٹ کے ڈیزائن اور رنگوں پر تبصرہ کر رہے تھے۔ زارش نے فیروزی کلر کے ڈیزائن والا سوٹ پسند کیا تھا اور ارحم اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ کہ وہ کچھ اور چیزیں دیکھنے کے لیے پلازہ کے دوسرے حصے میں چلی گئی۔ ارحم اس کے آنے کا منتظر تھا کہ ایک دم اس کی بیک پر جانی پہچانی آواز ابھری۔

"یو آر اے گریٹ ارحم صاحب۔" سائرہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔

"جی' آپ یہاں۔۔۔؟"

"ادھر سے گزر رہے تھے کہ ہما نے آپ کو دیکھ لیا تو سوچا ہیلو ہائے کرتے جائیں۔"

"بہت شکریہ۔"

"ایسے نصیب تو ہزاروں خوبیوں کی مالک لڑکیوں کے بھی نہیں ہوتے۔ زارش تو پھر بھی۔۔۔"

"آپ نے سچ کہا۔"

"اور کیا ہم تو گھر میں بھی اکثر آپ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ آپ جیسے لوگ دنیا میں کم کم ہی پائے جاتے ہیں۔"

"شکریہ۔"

"شادی کا ارادہ کب تک ہے؟"

"ایگزام کے بعد۔"

"لیکن ارحم صاحب ایک بار پھر سوچ لیجئے گا۔ شادی عمر بھر کا بندھن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ زارش بے چاری ایک بار پھر سے۔۔۔"

فقرہ ادھورا رہ گیا۔ زارش سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

ارحم تھوڑا سا گھبرا گیا۔ سائرہ ہما سے کچھ کہنے لگی۔ ارحم سب سے نظریں چرائے نکل آیا۔ زارش نے بھی اس کی تقلید کی۔ واپسی میں بھی خاموش رہا۔ ورنہ وہ ہنستا بولتا آتا تھا۔ زارش نے محسوس کیا۔ لیکن خاموش رہی۔

کئی دنوں بعد وہ ایک دوپہر یونیورسٹی آگیا اور آتے ہی زارش کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

"آج تمہاری خاطر ہاف ڈے کر کے آیا ہوں۔"

"مگر میں تو مصروف ہوں۔" اس نے عذر تراشا۔

"لعنت بھیجو مصروفیت پر۔ میں پریشان ہوں۔"

"خیریت۔۔۔؟"

"چلو کسی پرسکون جگہ چل کر بیٹھتے ہیں پھر بتاؤں گا۔" بہت مشکل سے وہ راضی ہوئی۔ گاڑی میں آ بیٹھی۔

"زارش لوگ تعلقات کو جانے کس پیمانے سے پرکھتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"میں تمہاری دوستوں کو نہیں سمجھ سکا۔ خلوص کے پردے میں ان کے دلوں میں حسد اور جلن بھری ہے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ارحم۔ ان کا تعاون نہ ہوتا تو میں اس منزل تک نہ پہنچ پاتی۔ میں نے تو انہیں بھی وہ اہمیت ہی نہیں دی ــــــ جو وہ ڈیزرو کرتی ہیں۔"

"کیسی اہمیت۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کسی کو ضرورت سے زیادہ سر چڑھانا اپنے حق میں برا ثابت ہوتا ہے۔"

"تم مرد لوگ اتنے شکی اور تنگ نظر کیوں ہوتے ہو۔ کیا نقصان پہنچایا ہے میری دوستوں نے تمہیں؟"

"کوئی بھی نہیں۔ پھر بھی میرا مشورہ ہے۔ تم کوشش کیا کرو کہ یہ لوگ نہ ہوا کریں تمہارے ساتھ ہر وقت دم چھلے کی طرح لگی رہتی ہیں' تمہاری وجہ سے خوش اخلاقی دکھانا پڑتی ہے اور۔۔۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"میں نے وجہ بتا دی تو تمہارا دل خراب ہو جائے گا۔"

"بتادو کیا وجہ ہے؟"

"تم جانتی ہو نا زارش' میں جدید تہذیب کی پروردہ لڑکیوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ ان میں شرم و حیا' ایثار' خلوص کی کمی ہے۔ کئی دنوں سے میں محسوس کر رہا ہوں۔ میرے بارے میں وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"ہاں' ہاں زارش۔ انہیں میرے بارے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ جب کہ میں ان سے خلوص سے پیش آتا ہوں تمہاری دوست سمجھ کر۔"

"نہیں' نہیں' تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ جانتے ہو یونیورسٹی میں کئی لڑکے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ اس نے کبھی کسی کو گھاس نہیں ڈالی۔ وہ اتنی کم ظرف نہیں ہے۔ پلیز ارحم آئندہ ایسا ذکر بھی مت کرنا۔"

"اور میں کہتا ہوں کہ آئندہ تم ان سے کبھی نہ ملنا۔"

"بغیر کسی قصور کے میں نے کبھی کسی کو سزا نہیں دی۔"

"یہ میں کہہ رہا ہوں۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"وجہ تم سننا ہی نہیں چاہتی ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ لیکن تم نہیں ملو گی ان سے۔ بس۔"

"اور اس وقت مجھے ایسی کئی کہانیاں یاد آرہی ہیں جن میں شوہر بیوی کی دوستوں سے بظاہر اجتناب برتتے۔"

ارحم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کیا سمجھتی ہو تم۔ میں اجتناب کے پردے میں کوئی کھیل کھیلنا چاہ رہا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" زارش مسکرائی۔ اس کا مقصد صرف مذاق تھا۔ مگر ارحم سنجیدہ تھا۔

"بہرحال مجھے ایسی لڑکیاں تمہاری دوستوں کی حیثیت سے بھی قبول نہیں انڈر اسٹینڈ۔"

"اور میں تمہاری طرح بدگمانی کی عادی نہیں ہوں۔ جب تک آنکھوں سے نہ دیکھوں' کانوں سے نہ سنوں یقین نہیں کر سکتی۔ مجھے تمہاری کم ظرفی پر افسوس ہے۔ ارحم تمہیں اتنی بری رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ شاید تمہیں خبر نہ ہو ان سب نے مل کر ہی مجھے یہ حوصلہ دیا کہ میں تمہیں قبول کر سکی۔ بہرحال اب مجھے جانا ہے۔ امید رکھوں کی تم اپنی رائے بدل لو۔"

"مطلب تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو۔ میری بات کا یقین نہیں۔"

"کیا کب کہا میں نے؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"ڈھکے چھپے لفظوں میں یہی مطلب تھا۔"

"پلیز ارحم۔۔۔"

"میں بدل لوں' تم نہیں بدلو گی خود کو؟"

"تم۔۔۔ ارحم۔۔۔ تم۔"

"ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں سائرہ کے گھر کسی قسم کی بات چیت کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کیا اعتراض ہے نہ کرنا۔" زارش نے اپنی دھن میں کہہ دیا۔

"چاہو تو مجھ سے' کہیں بھی' کوئی بات نہ کرنا۔ ملنا بھی نہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ مجھے تمہاری بات نے دکھ دیا۔"

وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔ ارحم اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ خاموشی سے سفر کٹا۔ وہ اسے گھر کے گیٹ پر اتار کر چلا گیا۔

زارش بہت اچھے سچے دل کی مالک تھی۔ کسی پر شک کرنا اس کی فطرت میں تھا نہ عادت۔ ہر ایک کو اپنی نظر سے دیکھتی اور سب اچھے سچے ہی نظر آتے۔ ارحم اسے سچ سمجھا رہا تھا۔ لیکن وہ اپنی سادگی کی وجہ سے ان شاطر دوستوں کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ اس روز

بھی اس نے شاپ میں کچھ نہیں سنا تھا۔ کیونکہ جب وہ ان کے قریب پہنچی تھی تو سائرہ اپنی بات مکمل کر چکی تھی۔ اپنی صاف طبیعت کی وجہ سے ہی کسی کھوج میں نہیں گئی اور یہیں نقصان اٹھا گئی وہ۔ بہت بڑا نقصان

☼ ☼ ☼

ارحم سے یہ اس کی آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد وہ ایک پل کے لیے بھی اپنا نہ لگا۔ مسلسل پندرہ دن وہ انتظار کرتی رہی۔ آخر اسے ہی قدم آگے بڑھانا پڑے اور ارحم نے اسے بری طرح جھڑک کر' دھتکار کر اس کی عزت نفس کو پارہ پارہ کر دیا۔

اور... اور

سائرہ سے اس کی گفتگو سن کر وہ عرش کی بلندیوں سے فرش پر آ رہی' اس کا جسم' اس کی جان' اس کے دل و دماغ سب کے سب اس حادثے کی نذر ہو گئے۔ سائرہ کی طنزیہ گفتگو حقارت بھرے الفاظ سارے مل کر اس کی پور پور میں نشتر چبھونے لگے۔ ہاتھ کی انگلی میں پڑی ہیروں کی چمک والی انگوٹھی اسے اذیت دینے لگی۔ یہ دکھ اس دکھ سے کہیں بڑا تھا جو اس سے قبل وہ اٹھا چکی تھی۔

کامران نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔ وہ صرف اس کا شوہر تھا۔ محبت کے بلند و بانگ دعوے تو نہ کیے تھے اس نے اور ارحم نے ارحم نے تو زمانے بھر کے دکھ محبت کے نام پر اس کی جھولی میں ڈال دیے تھے۔

شاید اس نے اس کی بے بسی کا خوب صورت انداز میں مذاق اڑایا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آیا تھا۔ ارحم کی قربت میں گزرے سارے لمحے جن میں سائرہ بھی اس کی شریک ہوتی تھی۔ وہ سب سے خوش دلی سے بات کرتا تھا۔ کبھی کسی لمحے اس کی بے زاری اور نفرت کا پتا نہ چلا تھا۔ کئی بار اس نے باتوں باتوں میں سائرہ کی تعریف بھی کر ڈالی تھی۔ متعدد بار کھانا کھاتے ہوئے اس نے زارش کے بجائے اس کی دوستوں کا خیال رکھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی کئی باتیں ارحم کی بے وفائی کے ثبوت بن کر سامنے آنے لگیں۔ اور جو کچھ اس نے آج سنا تھا۔ وہ تو حرف آخر ہی تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے ارحم کا نمبر ملایا تھا۔

"سوری مس زارش میں اتنا فارغ نہیں ہوں کہ بے کار کی فضول گفتگو میں کھویا رہوں۔ مجھے بہت سے ضروری کام کرنے ہیں۔"

"ارحم... صرف چند منٹ... میں۔"

"میں نے کہہ دیا نا میں مصروف ہوں۔"

"ارحم میں تمہاری مصروفیت میں حائل نہیں ہونا چاہتی۔"

"تو کیا چاہتی ہو؟"

"صرف ایک وضاحت۔"

"کیسی وضاحت۔"

"تم نے میرے ساتھ کھیل کیوں کھیلا۔ اگر تمہیں یہی کچھ کرنا تھا تو راستے دشوار تو نہ تھے۔"

"تمہیں خبر ہے نا پندرہ دن بعد میری شادی ہے اور ابھی تک گھر مکمل نہیں ہو پایا۔ یہ چھٹی میں نے تم جیسی لڑکی سے باتوں کے لیے نہیں۔ اپنے لائف سیٹ اپ کے لیے لی ہے۔ خدا حافظ۔" وہ تو ایک پل کو بھی شناسا نہ لگا تھا۔

"ہیلو... ہیلو۔"

وہ ریسیور رکھ کر جا چکا تھا۔ زارش سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

بھابھی جب عالیہ پھوپھو کو سب معلوم ہو گا اور گھر آ کر سب پوچھیں گی تو کیا ہو گا۔ کیا جواب دے سکیں گے ہم۔ جہاں تک مجھے اندازہ ہے۔ ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں ہے یا پھر زارش آپی نے ذکر نہیں کیا کوئی؟"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ دونوں صورتیں ہی قابل غور ہیں۔ اگر عالیہ پھوپھو کو کچھ خبر ہوتی تو وہ ضرور آتیں۔ اس کا مطلب ہے زارش نے اپنے تک ہی رکھا ہے سب...۔"

"تو پھر کیا' کیا جائے بھابھی۔ حالات سنگین نظر آ رہے ہیں!"

"پاپا سے بات کرتی ہوں۔ باقی کے حالات ممی کے آنے پر رکھتے ہیں۔"

بات ہی ایسی تھی۔ خالد صاحب سنتے ہی غصے میں آ گئے۔

"تم نے یہ بات اس سے کیوں نہیں پوچھی۔ خواہ مخواہ کسی شریف لڑکی پر اپنے نام کا ٹھپا لگا دیا اور اب منگنی ختم کرنے اور شادی سے انکار کر رہا ہے۔ دوسری بار اس بچی کو عذاب سے گزار رہا ہے۔ کیوں کر رہا ہے وہ ایسا؟ پہلے ضد کر کے منگنی کروائی اور اب بغیر کسی وجہ کے انکار میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ میں تو ارشاد کو منہ نہیں دکھا سکتا۔ اگر اسے زارش سے شادی نہیں کرنی تھی یا اب اس کا نظریہ بدل گیا ہے تو یہ سارا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب کیوں اس کے دماغ میں کیڑا رینگ رہا ہے۔ اس کا حل اسی سے مانگو۔ میں کیا جواب دوں؟"

"اس کے پاس تو ایک ہی حل ہے کہ انکار کر دو۔"

راویہ نے دھیرے سے کہا۔ کیا کرتی وہ۔

"اس کا تو اب یہ حال ہے کہ زارش کو فون کرتا ہے نہ گھر جاتا ہے۔ ان کی پیشانی پر ناپسندیدگی کی تیوریاں صاف نظر آتی ہیں۔ ہم خود شرمندہ ہیں۔ کیا بات کریں۔ کیا جواز بنا کر جواب دیا جائے گا۔ ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں ان باتوں کی خبر زارش کی فیملی میں کس کس کو ہے۔"

"تم ارحم سے بھی بات کرو۔ بلکہ عدنان کو بھی کہو اور پھر ارشاد کی طرف ایک چکر لگا کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ پھر ہی کچھ کر سکیں گے۔"

"میں نہیں چاہتی پاپا کہ وہ لڑکی والے ہو کر ہمارے گھر کے چکر لگائیں۔ کتنی مجبوریاں ہوتی ہیں بیٹی والوں کے ساتھ۔ وہ بھی زارش کے ساتھ ایک حادثے کے بعد۔"

"راویہ بیٹا اب یہ گتھی تم لوگوں کو ہی سلجھانا ہے۔ ارحم کو اعتماد میں لے کر' پیار پیار سے پوچھو آخر وہ ایسا کیوں چاہتا ہے۔" وہ اٹھ گئے اور ماحول پر سناٹا چھا گیا۔

☼ ☼ ☼

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"ٹھیک ہوں۔ بس سر میں درد تھا۔ طبیعت بھی عجیب سی ہو رہی تھی اس لیے کھانا نہیں کھایا۔"

"اچھا میں چائے لاتی ہوں۔ جب تک فریش ہو جاؤ۔"

"بہت شکریہ۔"

وہ کمرے سے نکل کر کچن میں گئیں۔ ملازمہ جو پہلے ہی چائے تیار کر رہی تھی' سے ایک کپ لے کر وہ اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"یہ لو چائے اور ساتھ میں پین کلر بھی۔" وہ انہیں دیکھ کر مسکرایا۔ بڑی تھکی تھکی سی مسکراہٹ تھی۔

"تھینک یو بھابھی۔" وہ چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے بولا۔

"تکلفات تو بہت ہو گئے۔ یہ بتاؤ کچھ آرام محسوس ہوا۔"

"ہاں جی۔"

"جانتے ہو میں تم سے سخت ناراض ہوں۔"

"جی اور ماریہ بھی۔"

"تم نے ہی خفا کیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں' منا لوں گا۔"

"اور میں...؟"

"آپ ناراض رہ ہی نہیں سکتیں کیونکہ اگر خفا ہوتیں تو ذرا سی بات پر پریشان نہ ہو جاتیں اور میں جانتا ہوں اس ناراضی کے پیچھے آپ کی بے پایاں محبت چھپی ہے۔ میری کوتاہیوں کو معاف کر دیجیے گا بھابھی۔" وہ کچھ اداس سا ہو گیا۔

"ایک شرط پر تمہیں معافی ملے گی۔" راویہ مسکرا دیں۔ "فرمایئے۔"

"ارحم خدا کو منافقت پسند نہیں۔ سچ بولو مگر جھوٹ جٹ لپیٹ کر نہیں۔ آج میں تمہارے منہ سے پورا سچ سن کر جاؤں گی۔"

"تم شادی کرو یا نہ کرو۔ میں بھی زبردستی کی قائل نہیں۔ لیکن میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی۔"

تب ارحم نے فرار کا کوئی راستہ نہ دیکھ کر آہستہ آہستہ سب کہانی سنادی۔

"بھابی مجھے اندازہ تو پہلے ہی تھا لیکن میں ادھورے انداز کے ساتھ نہیں پورے سچ کے ساتھ اصلیت کھلتے دیکھنا چاہتا تھا۔ اور حقیقت بہت تلخ اور میری سوچ کے مطابق نکلی۔ پھر بھی مجھے دھچکا لگا کہ یہ لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں۔ جنہیں اپنی عزت کا پاس نہیں رہتا۔ پس ایسی لڑکیوں کو صرف اچھے خوب صورت اور خصوصاً" دولت مند لڑکوں کی تلاش ہوتی ہے اور جو بہت خوبی سے اپنے جال میں پھانس لیتی ہیں۔ لیکن میں ایسا نہیں تھا اور وہ بے چاری ہاتھ ملتی رہ گئی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ فیصلہ اس کے حق میں ہوگا لیکن "

"کیا تمہیں اس سے محبت ہوگئی تھی؟" وہ چونک پڑا۔

"نہیں۔" اس کے لہجے میں بہت سختی تھی۔

"لیکن اس کے دل میں میرے لیے ایک اچھا مقام بن گیا اور اسے مجھ میں اپنے خوابوں کی تعبیر پوری ہوتی نظر آئی۔ لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ میں ایسی چلتر باز لڑکیوں سے آج تک متاثر نہیں ہوا۔ میرے دل میں اس کے لیے پہلے بھی بے زاری تھی اب بھی وہ سمجھتی تھی مجھے بے وقوف بنا رہی ہے۔ لیکن ایک سچ جو بہت کھرا ہے کہ ایسی لڑکیاں کسی سے محبت نہیں کرتیں۔ ان کا دین ایمان پیسہ اور اپنا مطلب نکالنا ہے۔ اگر میں نہیں تو اور سہی اور نہیں تو اور سہی تو بھلا میں ایسی کسی لڑکی کو اپنی زندگی میں داخل کر سکتا ہوں۔ جو چور دروازے اور کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے کسی معصوم کے جذبوں کو روند کر اپنی زندگی کی خوشیاں حاصل کرے۔"

رادیہ خاموشی سے سنتی رہیں۔ لیکن انہیں بھی بڑا دکھ تھا۔ آج کل کی لڑکیوں کی ذہنیت پر صرف پیسے کی خاطر اپنی عزت تک کو داؤ پر لگا دیتی ہیں۔

یہ تو ارحم تھا کہ سب جان گیا ورنہ بہت سے معصوم اور معقول آدمی غیر سنجیدہ لڑکیوں کی نامعقولیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ رادیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"گڈ میں تمہیں جانتی ہوں اور تمہارے جذبات بھی سمجھتی ہوں۔ تم آرام کرو اور اپنے ذہن سے سب کچھ جھٹک دو اور اس بات پر یقین رکھو کہ ہر لڑکی "اس" جیسی نہیں ہوتی۔ یہ تو دنیا ہے جہاں بھانت بھانت کے لوگ اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ سب کے رنگ اور مزاج جدا جدا ہوتے ہیں۔ بلاشبہ بعض طبیعتیں صرف منفی کردار میں تسکین پاتی ہیں۔ غلطی تمہاری بھی تھی کہ تم نے اسے اعتماد میں لیا ہوتا لیکن تم بغیر سوچے سمجھے "اس کا خیال کیے بنا اپنی پلاننگ میں لگ گئے۔ تھوڑی سی سزا تو بہرحال تمہیں بھی ملنی چاہیے۔" وہ مسکرائیں۔

"خیر جو ہوا سو ہوا۔ لیکن اب ساری ذمہ داری تمہاری ہے تم اس معاملے کو کس طرح ہینڈل کرتے ہو۔ لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ لیکن میرا تعاون ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔"

"اتنے گن تو ہیں آپ کے دیور میں کہ مسئلے کو چٹکیوں میں حل کرلوں۔ اور کسی کو اپنا بنا سکوں۔ چاہے اسے بے وقوف ہی بنا رہا ہوں۔"

"اور بے وقوف بھی بن رہے ہو۔"

بھابی نے مسکرا کر اپنے دیور کو پیار سے دیکھا۔ جو انہیں بھائیوں کی طرح ہی عزیز تھا۔

"یہ جوہر تو تب کھلیں گے جب ہماری دیورانی تمہاری زندگی میں آئے گی۔"

"یہ میرا وعدہ ہے۔ سات سلام کریں گی آپ۔ دن رات خطروں سے کھیلنا شغل ہے ہمارا۔"

"اچھا۔ مگر زندگی کے سب سے بڑے خطرے سے نمٹ کر دکھانا پھر مانوں گی۔"

"آپ دیورانی تو لانے کے انتظامات کریں پھر کوئی جوہر دکھاؤں گا۔"

"یہ بھی ہو جائیں گے بے فکر رہو۔ ممی آنے والی ہیں۔"

"بہت درست بیٹھے گا۔"

"ارے اتنی جلدی، بے قراری بے چینی۔"

"ہاں بہت سے حساب ہیں۔ جن کا مقروض ہوں۔ پوری دیانت داری سے ادا ہو جائیں یہ ہی خواہش ہے۔"

"اگر وہ ضد پر اڑ گئی تو۔۔۔"

"یہ مجھ پہ چھوڑ دیں۔"

"دیکھ لو دیور جی، یہ من پسند بیویاں بہت ناز نخرے اٹھواتی ہیں تب کہیں جا کر بات مانتی ہیں۔ بہت دلیلوں کے بعد۔"

"کہا نا بھابھی جی یہ اپنے دیور پر چھوڑ دیں اگر اعتبار ہے تو۔"

"اعتبار۔۔۔ بلکہ اعتبارات، اعتماد بھروسہ، یقین سب کچھ ہے۔"

"تو بس پھر وقت کا انتظار کیجیے اور ایک بات یہ سب کچھ آپ کے اور میرے بیچ رہے گا۔"

"وعدہ۔" تو دونوں مسکرا دیے۔

☼ ☼ ☼

صبح سے گھر میں ایک ہلچل مچی تھی۔ ادھر کی چیزیں ادھر، ادھر کی ادھر سائرہ ابھی بیوٹی پارلر سے فیشل کرا کے آئی تھی۔ بالوں کی تراش خراش بھی بلکہ ہلکے کھنے رکٹنگ بھی کروالی۔ آج کے لیے اس نے خاص لباس منتخب کیا تھا۔ آج ارحم کی مما بات پکی کرنے کے لیے آرہی تھیں۔ ایک بجے ارحم کا فون آیا تھا۔

"ہیلو سائرہ ڈیر۔۔۔"

"ہیلو۔"

"کیا ہو رہا ہے۔"

"آپ ہی کا انتظار ہے۔"

"خوش نصیبی کے سوا اور کیا ہے۔"

"ممی نے کھانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ رات سے پہلے واپسی ناممکن ہے۔"

"ہم تو آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ جو حکم دیں گی ماننا ہوگا۔" سائرہ ہنس دی۔

"زارش تو نہیں آئی تھی۔"

"کیا کرنے آتی۔ آپ کی مرضی اس کے لیے کافی رہی۔"

"اگر آج ہمارے ہوتے ہوئے وہ آگئی تو۔"

"اچھا ہے۔ اسے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ خود ہی جان جائے گی۔ ویسے ایک بات پوچھوں۔"

"ایک نہیں سو باتیں۔"

"آپ نے اس میں دیکھا کیا تھا۔"

"اصل میں اس سے پہلے کوئی نہیں دیکھی تھی۔ کاش یہ تعلق صرف تم سے ہی جڑا ہوتا۔ سائرہ کیا تم میری یہ خطا معاف کرسکو گی۔"

"بھول کو معاف کرنا اعلا ظرفی کی دلیل ہوتی ہے۔"

"اچھا یہ خوبی لڑکیوں میں ہی ہوتی ہے۔ یعنی بھول کو معاف کردینے کی چلو۔ اس بات نے اطمینان بخش دیا ہے ورنہ پریشانی ہوتی۔" سائرہ پھر ہنس دی۔

"آپ بہت جولی ہیں۔"

"آج تو بہت کچھ یاد آرہا ہے ہمیں۔ سوچتے ہیں تم نے اظہار میں پہل نہ کی ہوتی تو ہم تم جیسی شریک زندگی سے محروم رہ جاتے۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا تھا آپ زارش سے رشتہ جوڑ کر پچھتا رہے ہیں۔"

"ارے تم انسانوں کے دل کا حال بن بتائے جان لیتی ہو ونڈر فل۔"

"اچھا اب اگر آپ اجازت دیں تو مہربانی ہوگی۔ مما نے شامی کباب بنانے کی ذمہ داری مجھے سونپی ہے۔"

"چلو تم کچن میں جاؤ۔ ہم تمہارے ہاتھوں کے ذائقے کے تصور میں لطف لیتے ہیں۔ اوکے شام پانچ بجے ملاقات ہوگی۔"

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ جان۔" ارحم نے اس کے جواب میں کہا اور فون بند کردیا۔

☼ ☼ ☼

نائلہ نے اسے ایک جھٹکے سے بستر سے اٹھایا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ یہ بستر کیوں سنبھال رکھا ہے؟"

زارش اسے دیکھ کر ایک دم رونے لگی۔ شام کے پانچ بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔

"مجھے تو آثار پہلے ہی دن سے نظر آرہے تھے۔ ان

لڑکیوں کا اور کلم بھی کیا ہے۔ کسی کی خوشی ان سے برداشت نہیں ہوتی۔ مجھ سے زیادہ نفرین تو اس پر بھیجنی چاہیے۔ جس نے تمہاری آڑ میں سائرہ کا انتخاب کیا۔ کیا ضرورت تھی اسے تمہیں دکھ دینے کی یہاں بیٹھی ماتم کررہی ہو۔ احتجاج کیوں نہیں کرتیں تمہیں خبر ہے آج وہ اپنی ماں کے ساتھ سائرہ کے گھر آرہا ہے۔ میں تو مرنے مارنے کا پروگرام بنا کر آئی ہوں وہیں سارے لوگوں میں بے عزتی نہ کی تو نام بدل دینا۔“

”چھوڑو نائلہ جو جارہا ہے اسے جانے دو۔ مجھے تو ویسے بھی کسی خواب کی تعبیر پر یقین نہیں تھا۔ اب تو خوشیاں خوابوں میں مشکل نظر آتی ہیں۔ وہ اسی بات پہ آمادہ ہے تو ٹھیک ہے۔“

”واہ کیسے ٹھیک ہے؟ تم آج اسے آنے دو۔ سائرہ نے مجھے فون پر بتایا تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایسی دیدہ دلیری' خدا کی پناہ۔ یہ ظلم نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ویسے زارش تمہارے بابا کو بھی خبر ہے کہ نہیں۔“

”نہیں' انہیں تو کچھ پتا نہیں ہے۔ جانتی ہو بابا کو کتنا دکھ اور تکلیف ہوگی۔“

”لیکن یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ ارحم کے والد شہر کے معزز آدمی ہیں۔ کیا انہوں نے بھی ارحم کو ایسی ذلیل حرکت کی اجازت دے دی۔“

”مرضی ماموں کی نہیں ارحم کی چلے گی۔“

”خیر کچھ بھی ہو' آج ارحم کی میرے ہاتھوں بے عزتی کا منظر بھی ایک زمانہ دیکھے گا۔ وہ' وہ سناؤں گی کہ سائرہ بھی ساری عمر یاد رکھے گی۔ شرم نہ آئی اسے تمہارے حق پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے۔ کس نے کہا تھا۔ اپنے ہر معاملے میں اسے شریک کرو۔ دوستیں تو اکثر ہی جان کا وبال بنتی آئی ہیں۔“

روحی کمرے میں داخل ہوئی تو نائلہ نے اسے مخاطب کیا۔

”روحی تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ ابھی اور اسی وقت چلو۔“

وہ اسے تقریباً” گھسیٹتی باہر لے گئی۔ زارش دروازے کی طرف آئی اوپر کی منزل کے اس کمرے سے سائرہ کے گھر کالان با آسانی نظر آتا تھا۔

ارحم کی گاڑی بڑی شان سے گھر کے گیٹ پر آکھڑی ہوئی تھی۔ نائلہ اور روحی مزے سے ارحم سے باتیں کررہی تھیں۔ اسے ساری دنیا ہی بڑی مکار نظر آئی۔ درمیان میں موجود فاصلے کے باوجود نائلہ کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ ارحم نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھادیا۔ جو اس نے تھام لیا۔ روحی وہ کھول کر دیکھ رہی تھی پھر وہ تینوں اندر چلے گئے۔ گاڑی سے نکلنے والی ماریہ تھی۔ اس کی مما شاید اندر جاچکی تھیں۔

آنسو جو دوسروں کی موجودگی میں بہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ بہے چلے جارہے تھے۔ نیچے جنید اور وقار نے شور مچا رکھا تھا۔ رات کے کھانے کے لیے زبردست اہتمام ہو رہا تھا ارشاد اپنے دوستوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں باتوں میں مصروف تھے۔ ممی کچن میں تھیں اور زارش جو بھرے جہان میں خود کو تنہا سمجھ رہی تھی اور بھی رنجیدہ ہوگئی۔

روحی ایک روز پہلے ہی تو دادا جان کے یہاں سے آئی تھی ساری صورت حال سے ناواقف تھی۔ زارش اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی گھلتی رہی مگر کسی کو ہوا نہ لگنے دی اور اب نائلہ نے آکر اس کے دل کا حال معلوم کرلیا۔ سب راز افشا ہوگئے تھے۔

☼ ☼ ☼

”اے جھوٹی لڑکی۔ تونے خوامخواہ ہمیں ذلیل کیا۔“ نائلہ ہنستی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ چہرے پر رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

”توبہ ہے زاری۔ تم نے تو میرا خون خشک کردیا۔“

”وہ بے چارا' شریف زادہ تو شادی کارڈ بانٹتا پھر رہا تھا۔“

”کس کی شادی کے؟“

”اپنی شادی کے اور کس کی ہوتی۔“

”اتنی جلدی بات بھی فائنل ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے سائرہ نے تم سے جھوٹ بولا تھا ــــ معاملہ پہلے

ہی طے ہوچکا تھا۔“

”کیسا معاملہ ــــ؟ کس سے معاملہ ہے۔ منگنی کو دو سال ہونے کو آچکے ہیں۔ شادی ناگزیر ہی تھی۔ سائرہ کو کارڈ ارحم نے اپنے دست شفقت سے عنایت کیا۔“

”میں سمجھی نہیں' ارحم کی مما اور ماریہ۔“

”ہاں ہاں آخر معاملہ پورے شہر میں کارڈ دینے کا ہے۔ سب کا موجود ہونا ضروری تھا۔ سائرہ کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ وہ ہکا بکا ہم سب کا منہ دیکھ رہی تھی۔ ارحم کھانے کی میز پر ڈٹ گیا۔ کہ لائیے سائرہ بیگم کھانے کو جو بھی ہے۔ میز انواع و اقسام کے کھانوں سے پر تھی۔ ہم سب اس پر ٹوٹ پڑے خوب مزے لے کر کھایا۔ سائرہ' ہما کے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ نہ نگلتے بنے نہ اگلتے۔ ارحم نے کہا۔

”میں آپ سب کی پر خلوص شرکت کا منتظر رہوں گا۔“

”اور ہاں نیچے وہ سب لوگ آئے بیٹھے ہیں۔ تم اچھی بچیوں کی طرح یہیں چھپی رہنا' آج سے تمہارا سب سے پردہ۔ ماریہ کو بھی نزدیک نہ لگنے دینا۔“

زارش کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

یہاں تک کہ وہ دلہن بن کر ارحم کے کمرے میں اتر آئی۔ سب لوگ اس کے اردگرد تھے۔ ان میں سائرہ اور ہما بھی موجود تھیں۔ چہرے پر ایک نئی ہمدردی کا ماسک چڑھائے۔ سائرہ اس سے سرگوشیوں میں باتیں کررہی تھی۔

”میں کہتی نہ تھی زارش۔ ارحم میں بے وفائی کی جرات نہیں۔ والدین کان سے پکڑ کر لے آئیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ لے آئے نا۔ جفا کرنا بھی کوئی اتنا آسان نہیں۔ ویسے ایک بات کہوں ہمیشہ پلو سے باندھ کے رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ پچھ ــــ“

”ارحم کی کیا مجال' کوجی۔ راہ میں لاکھوں لڑکیاں بھی آجائیں تو آنا انہیں زارش کے پاس ہی تھا۔“ ماریہ نے کہا تو سائرہ خاموش ہو کر رہ گئی۔ مارے خفت کے کچھ نہ کہہ سکی۔ زارش اس سارے ڈرامے سے دم بخود تھی۔ اسے تو ایک معمول کی طرح دلہن بنادیا گیا تھا۔ نکاح کے فارم پر دستخط کرتے وقت گویا ہوش و حواس اس کے تھے ہی نہیں اور اب دلہن بن کر اس گھر میں لے آیا گیا تھا۔ اردگرد مہمانوں کا ہجوم تھا۔ جو ہاتھوں میں تحفے لیے اسے دیکھنے چلے آرہے تھے۔ ان میں تایا جان' تائی جان دادا جان اور پھوپھیاں' سب لوگ تھے۔

☼ ☼ ☼

رات کے جانے کتنے پہر گزر گئے۔ روشنیوں اور رنگوں نے وقت کی لگام کو تھام رکھا تھا۔ وہ تھک چکی تھی۔ لڑکیاں اسے اس کی اوپر کی منزل میں موجود خواب گاہ میں لے آئیں۔ سامنے ہی ارحم کی تصویر دکھائی دی۔ جس میں وہ بڑی ادا سے مسکرا رہا تھا۔ زارش نے منہ پھیرلیا۔ جل کر رہ گئی۔ اس نے دل ہی دل میں ارحم کو سزا دینے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ جانے کب لڑکیاں گئیں اور ارحم کمرے میں داخل ہوا۔

”اپنے گھر' کمرے میں آمد پر بندہ ناچیز مبارک باد کہتا ہے۔“ وہ خاموش رہی۔

”محترمہ زبان گھر گروی رکھ آئی ہو؟“ وہ بل کھا کر رہ گئی۔ مگر لبوں کے قفل نہ ٹوٹے۔

”کہو کیسی رہی میری اسکیم۔ تمہارے فائنل ایئر کے ادھورے رہ جانے کا قطعا” افسوس نہیں مجھے۔“

”ہوں' اسکیم تو تمہاری فیل ہوگئی۔“ اس نے سوچا۔

”کچھ سنا نہیں ــــ؟“

”ارحم صاحب میں مذاق کے موڈ میں قطعا” نہیں ہوں۔“

”اور میں بھی حد درجہ سنجیدہ ہوں۔ ایسے لمحوں میں کون کافر غیر سنجیدہ رہ سکتا ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ آپ کی تمام باتوں کے جواب میں تمہیں میری بے گانگی ہی ملے گی۔“

”کیوں ــــ؟“

”وہ اس لیے مسٹر ارحم صاحب کہ میں تمہاری بے وفائی کی خود گواہ ہوں۔“

”کیا مطلب ــــ؟“

"سب مطلب بتا ہیں تمہیں اتنے معصوم مت بنیے۔"

"وہ تو جانے کیا بات ہوئی تم نے مجھ سے شادی کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ ورنہ تمہیں سائرہ جیسی لڑکی کی شدت سے ضرورت تھی۔"

"ہاں وہ تمہاری دوست جو تھی اس لیے۔"

"میری دوستی' مت نام لیجیے۔ تمہیں تو اس کے کردار سے نفرت تھی۔ اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر اسی سے محبت کرنے لگے۔" ارحم نے قہقہہ لگایا۔

"کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔ لیکن تمہارے کہنے سے کیا ہوگا۔ میں نے سب کچھ اپنے کانوں سے سنا تھا۔ جو کچھ تم نے اس سے کہا۔"

"غلط جو اس نے مجھ سے کہا' وہ سنا تم نے۔"

قانون اور شریعت نے مجھے تمہاری بیوی بنا دیا ہے مگر میرا دل... میرے دل میں تمہارے لیے نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں نے اپنی ذات کو الزام سے بچانے کے لیے تم سے شادی کرلی ہے۔ ورنہ میرے پاپا ممی یہی سوچ لیتے۔ میں پہلے بھی خطاوار تھی۔ میں نے یہ زہر اپنی عزت نفس بچانے اور ماں باپ کو دکھ نہ دینے کی خاطر پی لیا ہے اور یہی بات تمہارے حق میں فائدہ مند ثابت ہوئی ہے۔"

"میری بات تو سنو۔"

"اور کیا... کیا سنوں۔ تم نے یہ سلوک کرکے مجھے احساس دلایا ہے کہ میں واقعی ہی تمہارے قابل نہ تھی۔ تم کو یہ اختیار اب بھی رہے گا کہ مجھے میری معاشرتی حقیقت یاد دلا کر جوتی کی نوک پر رکھو۔ بات بات پر مجھے پچھلی زندگی کا طعنہ دو تو پھر کیا یہ بہتر نہیں کہ میں تم سے کسی قسم کی توقع ہی نہ رکھوں۔"

"زاری پلیز... میری بات۔"

"میں نے سنجیدگی کے ساتھ یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ میں تمہاری راہ میں دیوار نہیں بنوں گی۔ مگر اس سب کے بدلے میرے ماں باپ مجھے اس گھر میں آباد دیکھ کر خوش رہیں گے۔ اس گمان میں مبتلا رہیں گے کہ ان کے سر سے بوجھ ہٹ گیا ہے۔ یقین کرو میری کوئی امید کوئی آرزو' کوئی امنگ تمہاری ذات سے وابستہ نہیں تم اپنے معاملوں میں آزاد ہو۔"

"زرش یہ سب کچھ... تم کہہ رہی ہو۔ ہوش میں تو ہو تم۔"

"ہوش میں تو اسی دن آگئی تھی جس روز سائرہ سے باتیں کرتے سنا تھا۔ جب وہ میرا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ تمہارے قہقہوں کے جواب میں بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ تم جرات نہیں کرسکے لیکن تم فکر نہ کرو میں تمہارے گھر والوں کو کہہ دوں گی کہ وہ تمہیں' سائرہ کو اپنانے کی اجازت دے دیں۔ اور اگر تمہیں میری ذات کی دیوار نظر آئے تو مجھے طلاق دے دینا۔ مزید ایک گناہ میرے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ چند دن اور لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھالیں گے اور بس اس کی ذمے داری تو تم پر عائد نہیں ہوتی۔ ایسی اچھی ہوتی تو وہ اتنا بڑا فارن کوالیفائیڈ انجینئر ہی میرا رہ جاتا۔"

"ارے... ارے... ارے لگتا ہے معاملہ تو بہت سنگین ہو گیا ہے۔ ایک لڑکی کے کہنے پر کہ لڑکیاں بھول معاف کردیتی ہیں۔ ہم نے فرض کرلیا تھا۔ تم ہمیں معاف کردو گی۔ بخدا مجھ پر یقین کرو۔ میں بے وفائی کا مجرم نہیں ہوں۔ ——— یقین کرو زارش۔ تم جو بے اعتباری کے صحراؤں میں بھٹک رہی تھیں۔ تمہیں سزا دے کر میں تمہیں تمہاری اہمیت کا اندازہ لگوانا چاہتا تھا جان من۔"

"تبھی ہی تم سائرہ سے عشق کی پینگیں بڑھاتے رہے۔ خوب صورت الفاظ سے اس کا دل بہلاتے رہے۔" ارحم قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"ہم اس الزام سے اپنا دامن نہیں بچا سکتے لیکن زارش میری زندگی... وہ تو صرف ڈبل کراس تھا۔"

"ڈبل کراس...؟"

زارش نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"ہاں' ہاں تمہیں سائرہ پر بھروسا تھا نا ہم تمہارے

بھروسے کو غلط ثابت کرنے کے لیے بہت آگے نکل گئے اور تم سے خفگی کا ڈرامہ ہمیں اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کو کھیلنا پڑا۔ اس نے خود ہی آفر کی تھی۔ تمہیں بھول جانے کی ہدایت کی تھی اور تمہیں بھول جانے کا بہانہ کرکے ہم اسے حوصلہ دیتے رہے کہ تمہاری وہ خیر خواہ دوست ہمارے سامنے پوری طرح عیاں ہو جائے۔ اس غریب نے ہمارے ڈرامے کو سچ سمجھا۔ اس میں ہمارا کیا قصور... ہم تو خدا کی قسم مزاح کے موڈ میں تھے۔ ورنہ لڑکیوں کی اس فطرت سے تو ہم پہلے ہی واقف تھے۔ یہی واقفیت تو ہمیں تم جیسی سیدھی سادی لڑکی کے قریب لے آئی۔ بھلا اس خود غرض لڑکی کی خاطر ہم تمہیں کھو دیتے۔ نا ممکن تھا۔ لڑکیاں تو قدم قدم پر ہاتھوں ہاتھ لینے کو تیار نظر آتی ہیں۔ جو زندگی بھر اپنی چالاکیوں سے مردوں کو تگنی کا ناچ نچاتی ہیں۔ ہمیں تو ایک بے ریا اور سچے ساتھی کی ضرورت تھی۔ تم ہماری کائنات ہو خدا کے لیے اب تو خود کو اس معاشرے کا ایک اہم جزو سمجھ لو کہ تمہیں ایک ایسے بندے نے منتخب کیا ہے جس کی خواہش سینکڑوں لڑکیوں کے دلوں میں تھی۔" ارحم نے پھر پر مزاح سا لہجہ اختیار کیا۔

"خدا کے لیے زندگی کی ابتدا اس یقین سے کرو کہ ہم تمہارے ہیں اور ہاں کل ولیمہ میں تمہاری دوست سائرہ بیگم نظر آجائے تو اس سے خوش دلی سے ملنا۔ تاکہ بے چاری کا یہ بھرم قائم رہ جائے کہ تم اس حقیقت سے واقف نہیں ہو۔ یہاں ہر ہاتھ ملانے والا دوست نہیں ہوتا لیکن ہر ایک سے مسکرا کے ملنا اچھے انسان کی نشانی ہوتی ہے۔ دوست سے تو اس لیے ملا جاتا ہے کہ وہ دوست ہے۔ دشمن سے خندہ پیشانی سے ملنے والا ہی بے غرض انسان ہوتا ہے اور پھر بے چاری اپنے غلط اعتماد کے ہاتھوں زبردست شکست سے دوچار ہوئی ہے۔ اس کی دل جوئی تمہارا فرض ہے۔ بے چاری نے ہمیں بہت بڑی خوشی بخشی ہے۔ اس کا وجود درمیان میں نہ ہوتا تو ہم ایک بہت بڑے یقین سے محروم رہتے۔ ہمارے بغیر ہمارا یہ دوست مٹنے چلا تھا۔ اے دوست! ہم تمہارے مٹنے سے پہلے ہی لوٹ آئے۔ وعدہ کرتے ہیں۔ زندگی میں ایسا کوئی گناہ نہیں کریں گے یعنی ڈبل کراس قسم کا اور تم بھی وعدہ کرو۔"

"کیسا وعدہ...؟"

"ہمیں کسی اور کے رحم و کرم پر نہ چھوڑنے کا۔ میرا مطلب ہے...."

"جی ہاں جیسے اس بات کو تو بھول ہی جاؤں گی۔"

"میاں بیوی کا رشتہ بنیادی طور پہ اعتماد کا رشتہ ہوتا ہے۔ اعتبار کرو اس رشتے کا۔ عورت کے دل میں تو بہت گنجائش ہوتی ہے۔ بہت بڑا دل ہوتا ہے۔ وہ شوہر کی ہر خطا معاف کردیتی ہے۔ اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو اپنے اندر جھانک کے دیکھ لو۔ تم بھی میری حکم عدولی نہیں کرو گی۔ مجھ سے ناراض نہیں رہ سکو گی۔ اور تم بھی نہیں چاہو گی کہ خواہ مخواہ دلوں میں گرہیں پڑ جائیں۔ زندگی تو بہرحال تمہارے ساتھ ہی گزارنی ہے۔"

"ہوں۔" وہ کہہ کر رہ گئی۔

"مجھے معاف کردو زاری میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں کردیا نا معاف؟"

یہ کہتے ہوئے اچانک ارحم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ زارش نے مسکرا کر ارحم کی طرف دیکھا دکھ اور مایوسی کے بادلوں سے اچانک اپنا روشن چہرہ دکھا کر اس کی کائنات منور کر گیا تھا۔

"تم میرا آئینہ ہو زاری۔ تمہاری ذات' تمہارا کردار' تمہاری شفاف آنکھیں' میں ان میں اپنا آپ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

دو بازو آگے بڑھے اور اسے تھام کر سینے سے لگا لیا۔ وہ تڑپی مچلی' آنسو بھرا چہرہ اٹھایا....

"نہونہ' اب نہیں پلیز زاری۔"

وہ اس کے سینے سے لگ کر شانت ہو گئی۔ ارحم کا وجود اس کی ذات کو بہار کے خوشبو بھرے پہلے جھونکے کی طرح معطر کر گیا۔

☼ ☼

بقیہ سروے

لے آئی مگر جب وہ کمرے کی دہلیز تک پہنچا تو اس کے انداز بدلے سے لگے' اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا وہ کمرے کے وسط تک جا پہنچا اور اپنے پیچھے اپنے ہونے کے نشاں چھوڑ آیا تھا سارے فرش پر اس کی مینگنیاں بکھر گئیں' اب ہم نے بہت کوشش کی کہ وہ واپس چلا جائے مگر موصوف وہیں استراحت فرما ہوگئے مجبوراً" ایک روٹی کے ٹکڑے کا لالچ دے کر اسے کمرے سے باہر نکال کر کمرا دھویا۔ لہٰذا اب جب بھی ہمیں اپنی "رفیق القلبی" یاد آتی ہے تو ہونٹوں پر ہنسی بکھر جاتی ہے۔

بینش اشرف جنجوعہ..... ککھڑ سی

1 - جی ہاں عید کا تہوار ہمیں ایثار و قربانی کا درس دیتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ اسے قربانی دینی پڑتی ہے۔ مجھے کسی بھی چیز کی کتنی ضرورت ہو یا کوئی چیز کتنی اچھی لگے۔ کوئی دوسرا مانگ لے یا کہہ دے کہ کتنی پیاری ہے۔ میں اسے دے دینے کو ترجیح دیتی ہوں کہ یہ بہتر اور سنبھال کر رکھیں گے۔

اللہ کے دیے میں سے ہی دینا ہوتا ہے۔ ہم نے کون سا پلے سے دینا ہوتا ہے۔ کسی کو دیتے وقت یہ نہ سوچو کہ یہ اس کا حق دار نہیں۔ بہت سی چیزوں کے تم بھی حق دار نہیں۔ جو تمہارے پاس ہیں۔

یہ بھی قربانی ہی کی ایک شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے راستے میں ہر چیز قربان کرنے کی توفیق دے۔ آمین

2 - گوشت کے پکوان تو بنتے ہیں۔ عید کے دن ان لوگوں کے گھر جنہوں نے اپنے گھر میں فریج میں گوشت رکھا ہوتا ہے۔ (ہاہا) ہم تو تینوں حصے ہی بانٹ دیتے ہیں۔ لو جی آپ نے اب پتا نہیں ایک ترکیب پوچھی ہے یا زیادہ۔ پر مجھے تو ایک ہی آتی ہے وہ بھی میں نے شعاع یا خواتین میں پڑھی تھی۔ وہ لکھ رہی ہوں۔ یہ ڈش مغز کی طرح کے ذائقہ والی بن جاتی ہے۔

انڈے	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سبز مرچ	دو عدد بڑی
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
آئل	تلنے کے لیے
بادام	10 عدد
سرخ مرچ	حسب ضرورت
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچہ
سفید مرچ	پسی ہوئی حسب ذائقہ

سب سے پہلے انڈے فرائی کریں۔ اس کے بعد ٹماٹر کو گرم کریں اور اس کا چھلکا اتار لیں۔ پھر توے پر یا فرائی پین میں آئل ڈال کر ٹماٹر بھون لیں۔ کہ اس کا پانی خشک ہو جائے۔ اس کے بعد انڈے اس کے اوپر ڈال دیں اور سارے مسالے ڈال کر جتنا پکانا چاہیں پکالیں۔ آئل چھوڑ دے تو اتار لیں اور اس کے بعد بادام سے سجاوٹ کرلیں اور گرم گرم کھائیں۔

2 - ہائے یہ تو ان باجیوں کو معلوم ہو۔ یا ان آنٹیوں کو جو قربانی کا گوشت رکھتی ہیں۔ ہم تو ہاتھ جھاڑ کے ہی اٹھتے ہیں۔

3 - بکرے کے حوالے سے بہت سے واقعات ہیں۔ جن میں سے چند حاضر خدمت ہیں۔ ایک دفعہ بکرے نے مجھے گھر سے باہر نکال دیا اور جب اندر آنے کی کوشش کرتی۔ تو میں میں کرکے ٹکریں مارنے لگتا۔ پھر گھر والوں نے بکرے کو پکڑا تو میں اندر گئی۔

عید کے دن بکرے صاحب اپنی رسی کھول کر آزاد ہوگئے اور پورے گھر میں آزاد گھوم رہے تھے۔ ہم سب بہنوں نے کچن کا دروازہ بند کرلیا۔ باقی سارے دروازے کھلے تھے۔ گیٹ بند تھا۔ بکرے صاحب کبھی ایک کمرے میں' کبھی دوسرے والے کمرے میں۔ کبھی صحن میں' کبھی ادھر' کبھی ادھر بھائی اور ابو عید کی نماز پڑھ کر آئے اور بکرے کو پکڑا۔

پچھلی عید پہ بکرا ذرا "دکھرے ٹائپ" کا تھا۔ "لاڈلا" سا۔ ویسے تو سارے قربانی کے جانور لاڈلے ہوتے ہیں کہ اللہ نے ان کو خاص کام کے لیے چنا ہوتا ہے۔

☆ ☆

آسیہ آفتاب جی

ادارہ

س - "آپ کا پورا نام۔ گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

ج - "پورا نام بھی آسیہ آفتاب ہے۔ مختلف رشتوں کے لحاظ سے کانوں میں مختلف آوازوں کی پکاریں آتی ہیں تاہم "گھر والے" کی پیار اور غصے دونوں میں ایک ہی پکار ہوتی ہے موٹو! موٹو!!"

س - "کبھی آپ نے آئینے سے یا آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟"

ج - "آہ! اب تو مدت ہوئی اتنی فرصت سے آئینے سے گفت و شنید کیے ہوئے۔ تاہم آئینہ یہ کہتا ہے۔"

کبھی خوبصورت تھے اب خوب سیرت بھی نہیں رہے
رفتہ رفتہ خوبیاں ساری زمانہ لے گیا!!!

س - "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج - "میرا اللہ پر مکمل بھروسا اور کامل یقین۔"

س - "اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

ج - "میری زندگی کے دشوار ترین لمحے وہ تھے جب میرے بے حد قریبی رشتے مجھے دائمی مفارقت دے گئے۔ اس پر دشوار کہ میرا قلم آج بھی ان لمحوں کو احاطہ تحریر میں نہیں لا سکتا۔ میں نے بہت چاہا بہت کوشش کی کہ میں کرن کے سلسلہ "ماں جی" میں لکھوں مگر میرا قلم میرا ساتھ نہیں دیتا۔"

س - "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج - "محبت ہی تو وہ الوہی اور بے غرض جذبہ ہے جس کی بدولت یہ دنیا آباد ہے۔ اگرچہ سچی محبت نایاب

ہے۔"

س ۔ "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"

ج ۔ "میری رات دن رب کائنات سے دعا ہے کہ وہ اپنے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے گھر کی زیارت کرا دے۔"

س ۔ "پچھلے سال کی کوئی کامیابی' جس نے آپ کو مسرور اور مطمئن کردیا؟"

ج ۔ "میرا اطمینان اب اپنے بچوں کی تعلیمی مدارج کی کامیابیوں سے مشروط ہے۔ کنزہ اور طہ کے بورڈ کے امتحان میں ۸۵ نمبر حاصل کرنا دل کو خوش کر گیا جبکہ کنزہ نے 99 فیصد نمبر لے کر "ہمارا" میں انعام وصول کیا جہاں اس کے ساتھ ساتھ میں اور اس کے بابا بھی مدعو تھے۔ ان لمحوں نے اندر تک سچی خوشی عطا کی۔"

س ۔ "آپ اپنے گزرے کل' آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

ج ۔ "سوال بہت بڑا ہے "ایک" لفظ میں اس کا جواب میرے لیے دینا ممکن نہیں۔"

س ۔ "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج ۔ "بناوٹ' ریاکاری اور تصنع سے دور! اندر اور باہر سے ایک۔"

س ۔ "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوں؟"

ج ۔ "میں تو ہمہ وقت ہی بہت سے خوفوں کی زد میں رہتی ہوں۔"

س ۔ "آپ کی کمزوری اور آپ کی طاقت؟"

ج ۔ "ہر اچھی چیز میری کمزوری ہے جبکہ طاقت کو کبھی خود پر سوار نہیں کیا سب طاقتیں اللہ رب العزت کی ہیں۔"

س ۔ "آپ خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"

ج ۔ "بچوں کے ساتھ گھوم پھر کر کسی اچھی سی جگہ پر کھانا کھا کر یا پھر اپنے میاں صاحب کے ساتھ لونگ ڈرائیو پہ جا کر۔"

س ۔ "آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟"

ج ۔ "دولت اگرچہ انسان کا امتحان ہے تاہم اس ٹھوس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زندگی کے لیے بہت ضروری بھی ہے۔"

س ۔ "گھر آپ کی نظر میں؟"

ج ۔ "گھر سکون اور آسودگی میسر ہو تو دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جنت۔"

س ۔ "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کردیتی ہیں؟"

ج ۔ "رب معاف کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے یہ سوچ کر معاف کردیتی ہوں مگر آسانی سے بھول نہیں پاتی۔"

س ۔ "اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں؟"

ج ۔ "میرے مالک کا کرم' میرے ماں باپ کی دعائیں' ساس سسر کی دعائیں اور اب میاں صاحب اور بچوں کا تعاون۔"

س ۔ "کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟"

ج ۔ "کامیابی ہی وہ روشن راستہ ہے جس پر چل کر آپ چاہیں تو ستاروں پر کمند ڈال سکتے ہیں۔"

س ۔ "سائنس کی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کردیا ہے کیا یہ واقعی ترقی ہے؟"

ج ۔ "سائنس کی ترقی نے تو ہر انسان کو متحرک کردیا ہے۔ آج کے دور میں ان مشینوں سے انحراف ممکن ہی نہیں۔"

س ۔ "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"

ج ۔ "کسی دوسرے ملک کی یونیورسٹی میں اردو ادب اور مغل ہسٹری پڑھاؤں۔"

س ۔ "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

ج ۔ "وقت اور حالات پر منحصر ہے۔ گرمیوں میں نہا بھی لیتی ہوں بارش میں' کبھی گرما گرم چائے کے مگ کے ساتھ بس کھڑکی یا ٹیرس سے نظارہ کرکے اور کبھی

میاں صاحب کے ساتھ سیر کر کے تاہم پہلی فکر یہ دامن گیر ہوتی ہے۔ چھت پہ کپڑے تو نہیں ہیں۔"

س ۔ "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب۔"

ج ۔ "جب میرے میاں یہ کہتے ہیں کہ عورت گھر کی منسٹر ہوتی ہے اس کو گھر کی سلطنت پر حکومت کرنے کا اختیار دینا چاہیے۔"

س ۔ "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

ج ۔ "احساس ذمہ داری اور وعدے کی پاسداری"۔

س ۔ "کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ چاہتی تھیں؟"

ج ۔ "الحمدللہ مجھ حقیر' ناچیز پر میرے رب کے بے انتہا احسان ہیں' مگر ایک خلش' ایک قلق زندگی کی آخری سانس تک رہے گا کاش! میرا شمار' میرا نام بہترین استادوں اور بہترین ادیبوں کی صف میں ہوتا۔"

س ۔ "اپنی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کردیتی ہے؟"

ج ۔ "میں بہت ذمہ دار ہوں یہ میری خوبی ہے زندگی سلیقے اور قرینے سے ہمکنار دیکھنا چاہتی ہوں۔ بے ترتیبی اور غلط رویوں پر غصہ آتا ہے یہ میری خامی ہے۔"

س ۔ "کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کردیتا ہے؟"

ج ۔ "اللہ ایسے وقت سے بچا کر رکھے۔"

س ۔ "کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہوتی ہیں؟"

ج ۔ "نہ انجوائے کرتی ہوں' نہ خوف زدہ ہوتی ہوں' میرا موقف اصول پر ہوتا ہے۔"

س ۔ "متاثر کن کتاب' مووی' مصنف؟"

ج ۔ "بہت سی کتابیں ہیں' بہت سے مصنفین ہیں' کس کس کا نام لوں؟ انڈیا کی فلم "باغبان" اچھی لگی۔"

س ۔ "آپ کا غرور؟"

ج ۔ "اس خرافات سے کوسوں دور ہوں اور خدا دور ہی رکھے۔"

س ۔ "کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کردیتی ہو؟"

ج ۔ "کوئی نہیں۔ اللہ بنی ہوئی عزت کی حفاظت کرے۔"

س ۔ "کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟"

ج ۔ "حسد تو نہیں کرتی۔ مگر جو لوگ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو خوب ٹھونس کر کھاتے ہیں' پھر بھی جلے بھنے رہتے ہیں' ان کو دیکھ کر سچے دل سے آہیں ضرور نکلتی ہیں۔"

س ۔ "مطالعہ کی اہمیت آپ کی نظر میں؟"

ج ۔ "دل' دماغ اور روح کی غذا۔"

س ۔ "آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی کیا ہے؟"

ج ۔ "زندگی اللہ رب العزت کی عطا کردہ بیش قیمت نعمت ہے۔ اس کی قدر کریں' اس سے پیار کریں' جدوجہد' لگاتار محنت' نیک نیتی' خلوص اور انتھک محنت سے اپنی زندگی کو اور خوب صورت بنائیں۔"

س ۔ "آپ کی پسندیدہ شخصیت؟"

ج ۔ "شیر شاہ سوری' جس نے ستر برس کی عمر میں اقتدار سنبھالا اور چھا گیا۔"

س ۔ "ہمارا سارا پاکستان خوب صورت ہے۔ آپ کا پسندیدہ مقام؟"

ج ۔ "اپنا لاہور۔"

☼ ☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل ــــــــــ ثمن عابد
میک اپ ــــــــــ روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافر ــــــــــ موسیٰ رضا

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

قربانی کرنے والوں کے لیے مسنون ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جس آدمی کے پاس (قربانی کا جانور) ذبح کرنے کے لیے ہو تو جب وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے تو وہ اس وقت تک اپنے بالوں اور ناخنوں کو نہ کٹوائے جب تک کہ قربانی نہ کرلے۔"
601 (صحیح مسلم شریف)

صغریٰ یاسین..... کراچی

مقبول حج کا ثواب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "حج اور عمرہ پے درپے کیا کرو' کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح ختم کردیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے' سونے اور چاندی کے میل کو ختم کردیتی ہے اور مقبول حج کا بدلہ صرف جنت ہی ہے۔ 708
(جامع ترمذی شریف)

کشور منیر۔ کراچی

پڑوسیوں کا حق

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے فرمایا۔ "کیا تم لوگوں نے میرے یہودی ہمسائے کو اس بکری کے گوشت میں سے کچھ ہدیہ بھیجا ہے یا نہیں؟؟"
گھر والوں نے کہا نہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اس میں سے کچھ گوشت ہدیہ کے طور پر بھیج دو۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سمجھا کہ اس کو ورثا کا حصہ دار بنادیں گے۔"

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑپکا

چاہت

چاہا تو چاہتوں کی حدوں سے گزر گئے
نشہ محبتوں کا اترنے نہیں دیا
اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی
میں نے عدیم اس کو مکرنے نہیں دیا

ثریا شاہ۔ کہروڑپکا

انمول موتی

☆ انسان دکھ اور غم تو لمحوں میں حاصل کرلیتا ہے۔ لیکن خوشیاں تلاشتے تلاشتے زندگی تمام ہوجاتی ہے۔
☆ دعا ایک ایسی چیز ہے جس سے بڑی سے بڑی آرزو کی تکمیل میں مدد ملتی ہے۔
☆ زندگی ایک ہار کا نام ہے جس کا ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور ہارے گی تو کیوں نہ ہم پہلے ہی اس ہار اور حقیقت کو تسلیم کرلیں۔
☆ دل کی بات ماننے کے بجائے فیصلے دماغ سے کیے جائیں تو زندگی آسان و سہل ہوجائے گی۔

اسماء خان..... کے جی ایم

ہیرے میرے ہاتھ میں

☆ اگر آپ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو بہت کچھ کریں' تب کہیں جاکر آپ بھی کچھ کرسکیں گے۔
☆ دنیا میں کہیں بھی آپ کی سیرت پر آپ کی صورت کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔
☆ استاد بادشاہ نہیں ہوتا' لیکن بادشاہ بناتا ہے۔
☆ اگر آپ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کچھ بھی نہیں تو جان لیں کہ آپ بہت کچھ ہیں۔
☆ عاقل پہلے قلب سے پوچھتا ہے' پھر منہ سے بولتا ہے۔
☆ جس درخت کی لکڑی نرم ہو اتنی ہی اس کی شاخیں گھنی ہوتی ہیں۔
☆ جس کی تعلیم صحیح ہو وہ آنکھ سے بھی دیکھتا ہے دماغ سے بھی اور دل سے بھی۔
☆ اعتماد ربت کا پتھر ہے' اگر ایک بار یہ اکھڑ جائے تو پھر نیچے ہی آتا ہے۔
☆ جو شخص ہوش میں ہو' وہ غرور نہیں کرتا۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑپکا

موتی مالا

☆ محبت جنہیں یاد کرتی ہے' انہیں سدا سفر میں دوڑائے پھرتی ہے محبت صرف جوگ ہے۔
☆ ہم کسی کو اپنی مرضی سے چاہ تو سکتے ہیں' لیکن کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ نہیں کہہ سکتے تم بھی مجھ سے محبت کرو۔
☆ جو زندگی اندر مرچکی ہو اسے جھوٹ موٹ جینا کتنا دشوار ہے۔
☆ جو دکھ کو گلے کا ہار بنالیتے ہیں وہ کبھی دکھ سے نجات نہیں پاتے۔
☆ پہلی محبت ان دیکھی سرزمین کے لیے جانے والے سفر کی طرح ہمیشہ ہماری یادوں میں تازہ رہتی ہے۔
☆ محبت کتنی آنکھوں کے آنسو پیتی ہے' پھر بھی یہ کھاری بدذائقہ نہیں ہوتی' لوگ اسے امرت سمجھ کر پی لیتے ہیں۔
☆ جو چیز خواہش بھی ہو اور ضرورت بھی ہو' محبت ہے۔
☆ جڑیں سلامت ہوں تو ٹنڈ منڈ درختوں پر بھی موسم بدلتے ہی پھول آجاتے ہیں۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑپکا

برسات

ہم سے پہیے درد کے قصے
ہم سے پہیے رنج کی بات
ہم پر بیتے کیا کیا موسم
تنہا دل' لاکھوں آفات
آج دل' کچھ ٹھہرا تھا
اور آج ہی آنکھیں خشک سی تھیں
آج ہی ظالم ٹوٹ کے برسی
موسم کی پہلی برسات

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

بریک فیل

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔
"میری گاڑی کے بریک فیل ہوگئے ہیں' اس لیے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے سے بغیر جلد از جلد گھر پہنچ جاؤں۔"

وجیہہ رحمن۔ کراچی

بڑھاپا

بڑھاپا جوانی کی پیروڈی ہے۔ بندہ چاہتا ہے۔ وہ جوان ہو تو اسے کوئی نہ پوچھے اور جب وہ بوڑھا ہو تو ہر کوئی اسے پوچھنے والا ہو۔ بوڑھے تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو جوان ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ جو ابھی جوان ہوں گے اور تیسرے وہ جو کبھی جوان نہیں ہوئے۔ خواتین کو جہنم سے ڈرانا ہو تو یہ کہتے ہیں۔ وہاں آپ بوڑھی کھوسٹ ہوں گی۔
بہرحال یہ حقیقت ہے کہ بوڑھوں کی عمریں جوانوں سے لمبی ہوتی ہیں۔ کوئی نوجوان سو سال تک زندہ نہیں

نہ سکتا۔ بوڑھا نہ ہو سکتا ہے۔ ویتنام کی جنگ کے بعد وہاں ایک سروے رپورٹ شائع ہوئی جس کے مطابق جنگ کے بعد وہاں لوگ بوڑھے ہونے بند ہو گئے۔ صرف جوان ہی ہوتے۔ کیونکہ جنگ نے بوڑھے ہونے کے لیے جوان چھوڑے ہی نہ تھے۔

(ڈاکٹر محمد یونس بٹ کی نوک جوک سے اقتباس)

افشاں یاسر۔ اٹاوہ

زاویہ

☆ اچھی بات تو سب کو اچھی لگتی ہے جب تمہیں کسی کی بری بات بھی بری نہ لگے تو سمجھ لینا تمہیں اس سے محبت ہے۔

☆ تجربہ انسان کو غلط فیصلے سے بچاتا ہے مگر تجربہ غلط فیصلے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

☆ عزت دل میں ہونی چاہیے لفظوں میں نہیں ناراضی لفظوں میں ہونی چاہیے دل میں نہیں۔

☆ خوش نصیب وہ نہیں جس کا نصیب اچھا ہے' بلکہ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پہ خوش ہے۔

عظمیٰ۔ کوئٹہ

سہ رنگا پوسٹر

محبت وہ شخص کر سکتا ہے جو اندر سے خوش اور مطمئن ہو اور ہر باش ہو' محبت کوئی سہ رنگا پوسٹر نہیں کہ کمرے میں لگا لیا۔ سونے کا تمغہ کہ سینے پر سجا لیا۔ پگڑی نہیں کہ خوب کلف لگا کر باندھ لی جائے اور بازار آ گئے طرہ چھوڑ کر۔ محبت تو روح ہے۔ آپ کے اندر کا اندر ہے آپ کی جان کی جان ہے۔ محبت کا دروازہ صرف ان لوگوں پر کھلتا ہے جو اپنی انا' اپنی ایگو' اپنے نفس سے جان چھڑا لیتے ہیں۔

(اشفاق احمد من چلے کا سودا)

شکیلہ شہزادی شالو۔ ملکوال

مقصد

مقصدیت نہ صرف انسان کو توانا کر دیتی ہے' بلکہ اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بھی بے دار کر دیتی ہے۔ منزل چاہے ان دیکھی ہو' لیکن جب منزل کا تعین کر کے اس کی راہ پر گامزن ہوا جاتا ہے تو پھر زادِ راہ کی بھی سمجھ آ جاتی ہے اور راستوں کی رکاوٹ بھی خود بخود دور کرنا آ جاتا ہے۔ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو شے چاہیے ہوتی ہے وہ ہے خلوص۔ یہ عنقا ہو تو پھر ہر کوشش بے مقصد ہو جاتی ہے۔

(عشق کا قاف سے اقتباس)

آمنہ امداد۔ سرگودھا

قلیل بندے

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بیت الحرم کا طواف کر رہے تھے۔ اتنے میں انہوں نے سنا ایک اعرابی رب کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔

"یا اللہ! مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنا دے۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ متوجہ ہوئے اور بولے
"اس شخص کو میرے پاس لے آؤ۔"
جب وہ سامنے آیا تو فرمایا۔
"اے اعرابی! ایسی نرالی دعا میں نے آج تک نہیں سنی اس کا مطلب کیا ہے؟"
اعرابی نے کہا۔
"کیا آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت نہیں پڑھی...؟ "میرے بندوں میں بہت کم شکر گزار بندے ہیں۔" لہٰذا میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے شکر گزار بندوں میں شامل کر دے اور چونکہ شکر گزار بندے کم ہیں لہٰذا اپنے کم یعنی قلیل بندوں میں شامل کر دے۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا۔
"سچ کہا تو نے اب تو جا سکتا ہے۔"
پھر آپ نے فرمایا۔
"ہر شخص عمر سے زیادہ عالم اور واقف ہے۔"

نائیلہ طارق ——— ضلع لیہ

☆ ☆

پیغامِ دوست

ادارہ

نوشابہ منظور کا پیغام سرگودھا میں مقیم اپنی پیاری دوست عروج مصطفیٰ کے نام

عروج جسے میں پیار سے نوٹا کہتی ہوں کرن کے ذریعے سے میں تم سے کچھ کہنا چاہوں گی تمہارے ہونے سے کبھی مجھے بہن اور دوست کی کمی محسوس نہیں ہوئی تم میرے لیے کیا ہو شاید کبھی نہ جان سکو آخر میں اک دعا تمہارے لیے۔

دعا

میں نے چاہا
کہ ایسا تحفہ تیری نذر کروں
جسے تو عمر بھر یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ نے
میرے ہاتھ بلند کیے
کچھ لفظوں کے پھول دعاؤں کے پنچھی
دل کی گہرائیوں میں آزاد کیے
کہ آنے والے موسموں میں
غم کی گھٹائیں کبھی تیرے قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے دیے سدا چمکیں
خدا تیرا دامن ہمیشہ مسرتوں سے ہمکنار کرے
کبھی جو تو زندگی کی کڑی دھوپ میں
ڈھلتی عمر کی شام میں پلٹ کر دیکھے تو
بہت سی خوش رنگ یادیں
بیتے لمحوں کی چاندنی تیرے دل کو بہلائے
تو گزرتے لمحوں سے پیار کرے
تو خدائے لم یزل تیری عمر دراز کرے

ثناء شہزاد کا پیغام سوڈان میں مقیم اپنی دوست حنا کے نام

یار صبا مجھے تمہاری بہت یاد آتی ہے۔ میں ان دنوں کو بہت مس کرتی ہوں جب ہم نانی کے یہاں اکٹھے ہوتے تھے خوب انجوائے کرتے تھے ساری رات جاگ کر باتیں کرتے تھے تم مجھے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی تھیں۔ یار تم واپس آ جاؤ' ہم سب تمہاری کمی محسوس کرتے ہیں۔ فوزی کو بھی آخری بار نہیں دیکھ سکیں تم اب عظیم ماما کی شادی سے پہلے پہلے آ جانا۔ ایمان اور جنت کو پیار کرنا میری طرف سے بہت سارا اور اپنا خیال رکھنا۔

ثمینہ اکرم کا پیغام شہر خموشاں میں سوئے اپنے پیارے شہزادے معیز اکرم کے نام

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

شہید معیز اکرم تمہیں بچھڑے دو برس ہونے کو ہیں تمہیں دیکھنے کو پل پل میری آنکھیں ترستی ہیں۔ کبھی تو اپنی غمزدہ ماں کے خواب میں آ جاؤ کہ اس کے بے قرار دل کو قرار نصیب ہو۔ اللہ پاک تمہیں شہادت کے بلند درجے پر فائز فرمائے۔ (آمین)

11 نومبر 2014ء کو معیز اکرم کی دوسری برسی ہے' آپ سب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆

☆

بشریٰ محمود

راقی، کی ڈائری میں تحریر
اقبال عظیم کی غزل

سفر میں عمر کٹی اور دھوپ میں بھی چلے
مگر نہ پیر ہمارے تھکے نہ پاؤں جلے

قدم اُٹھے ہیں تو منزل بھی مل ہی جائے گی
سفر طویل و مسلسل سہی چلے تو چلے

تم اپنی بزم کی رونق کا اہتمام کرو
ہمارے گھر کے چراغوں کا کیا جلے نہ جلے

جو ذرہ خرید محبت بھی خوش نصیبی ہے
تو خوش نصیبوں سے جیسے ہم بدنصیب بھلے

تمہارے بعد چراغوں کا کام ہی کیا تھا
نہ تم ہی لوٹ کے آئے نہ پھر چراغ جلے

کسی کا بوجھ کوئی اور کیا اٹھائے گا
سسک رہا ہے زمانہ خود اپنے بوجھ تلے

نہ جانے کون سی منزل سے کارواں لوٹا
کوئی نہیں جو مرے ساتھ دو قدم بھی چلے

صابرہ یار محمد، کی ڈائری میں تحریر
گلزار کی نظم

خانہ بدوش،

چار تنکے اُٹھا کے جنگل سے
ایک بالی اناج کی لے کر
چند قطرے بلکتے اشکوں کے
اور کچھ فاقے سوکھے ہونٹوں کے
مٹھی بھر اپنی قبر کی مٹی
مٹھی بھر آرزوؤں کا گارا

ایک تعمیر کی لیے حسرت
تیرا خانہ بدوش بے چارہ
شہر میں در بدر بھٹکتا ہے
اک سہارے کی راہ تکتا ہے
تیرا کاندھا ملے تو سر ٹیکے

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
عدیم ہاشمی کی غزل

تعلق توڑتا ہوں تو مکمل توڑ دیتا ہوں
جسے میں چھوڑتا ہوں مکمل چھوڑ دیتا ہوں

محبت ہو کہ نفرت ہو بھرا رہتا ہوں شدت سے
جدھر سے آئے یہ دریا اُدھر ہی موڑ دیتا ہوں

یقین رکھتا نہیں ہوں میں کسی کچے تعلق پر
جو دھاگا ٹوٹنے والا ہو اس کو توڑ دیتا ہوں

مرے دیکھے ہوئے سپنے کہیں لہریں لے نہ جائیں
گھروندے ریت کے تعمیر کر کے چھوڑ دیتا ہوں

میں شیشہ گر نہیں، آئینہ سازی تو نہیں آتی
جو دل ٹوٹے تو ہمدردی سے اس کو جوڑ دیتا ہوں

عدیم اب تک وہی بچپن وہی تخریب کاری ہے
قفس کو توڑ دیتا ہوں پرندے چھوڑ دیتا ہوں

شگفتہ سلیمان

نمرہ ــــــــ کراچی
اس بچے کی عید نہ جانے کیسی ہوگی
جس کی جنت ننگے پاؤں پھرتی ہے

اقرا ــــــــ گوجرہ
اس سے کیا حاصل دلوں میں شوق کا جذبہ نہ تھا
بت دہ برو عید ملنا تو کوئی بے جا نہ تھا

صائمہ سلیم ــــــــ اسلام آباد
اک مسرت میں رہے تجھ کو خیال
عید کے دن بھی ہیں کچھ دل پُر ملال

آسیہ جاوید ــــــــ علی پور چٹھہ
اس مہرباں کی نظر عنایت کا شکریہ
تحفہ دیا عید پہ ہم کو فراق کا

عذرا ناصر ــــــــ کراچی
اسلام کا انقلاب نہ آیا تھا جب تلک
عیدین میں یہ تمکنت و دلبری نہ تھی

اقصیٰ ناصر ــــــــ کراچی
ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی
جیسی کہ ہر اک دل میں ہے اس عید کی خوشی

صائمہ بی بی ــــــــ کے ڈی اے
افسوس صد افسوس کہ پہلے کی طرح اب بھی
عید آئی مگر عید جانی نہ گئی

تحریم فاطمہ ــــــــ فیصل آباد
امیروں کے لیے ہر روز روز عید ہے
غریب خوش ہوں تو جانیں کہ عید آئی ہے

روبینہ شریف ــــــــ کراچی
کسی کو کیا فرق پڑتا ہے یہاں ان چیتھڑوں سے
احساس ختم جذبات دفن دل ٹوٹے جاں چھوٹے

آسیہ حنیف ــــــــ کراچی
وفا کا نام بھی زندہ ہے میں بھی زندہ ہوں
اب اپنا حال سنا مجھ کو بے وفا میرے

گڑیا شاہ ــــــــ کہروڑ پکا
کیسے خبر وہ محبت تھی یا رقابت تھی
بہت سے لوگ تجھے دیکھ کر ہمارے ہوئے

سیدہ نسبت زہرا ــــــــ کہروڑ پکا
وہ جذبوں کی تجارت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دھنک رنگ ہوتے تھے
یہ اس کی عام حالت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

ندا، فضہ ــــــــ کراچی
اس کو کھونے کا بہت دُکھ ہے مگر
ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے

صدف عمران ــــــــ لاہور
خواب میں بھی تم اب نہیں آتے
مطلب نفرتیں ان دنوں عروج پر ہیں

مدیحہ نورین مہک ــــــــ برنالی
ساری عمر میری ماں نہیں سوئی تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

ارم کمال ــــــــ فیصل آباد
فلک سے توڑ لایا ہوں مگر پھر سے نئی ضد ہے
ستارے میں نہیں لیتی مجھے تو چاند لا کر دو

تمل تاج ــــــــ کراچی
اُڑ جائیں گے تصویر کے رنگوں کی طرح ہیں
ہم وقت کی ٹہنی پہ پرندوں کی طرح ہیں

حرا قریشی ــــــــ ملتان
کسی کردار کے آنسو ہیں شاید
کہانی میز پر بھیگی پڑی ہے

ماہ نور علی ــــــــ قصبہ کالونی
ابھی تو خشک ہے موسم، بارش ہو تو سوچیں گے
کہ ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بونا ہے

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

اچاری بریانی

اشیا :

- گوشت — ایک کلو
- پیاز — تین سے چار عدد
- ٹماٹر — چھ سات عدد
- دہی — ایک کپ
- خشک آلو بخارا — ایک کپ
- املی — ایک کپ
- تیزپات — تین عدد
- نمک — حسب ذائقہ
- ثابت گرم مسالا — ایک کھانے کا چمچ
- جائفل جاوتری پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
- آلو — ایک پاؤ
- رائی دانہ — آدھا چائے کا چمچ
- میتھی دانہ — آدھا چائے کا چمچ
- کلونجی — آدھا چائے کا چمچ
- سونف — آدھا چائے کا چمچ
- ثابت زیرہ — ایک چائے کا چمچ
- ثابت دھنیا — ایک چائے کا چمچ
- کٹی لال مرچ — ایک کھانے کا چمچ
- ہرا دھنیا — چوپ کیا ہوا دو کھانے کے چمچے
- پودینہ — چوپ کیا ہوا دو کھانے کے چمچے
- لیموں — دو عدد (قتلے کاٹ لیں)
- ہری مرچ — چار عدد
- زردہ رنگ — تھوڑا سا
- تیل — ایک کپ
- لہسن ادرک کا پیسٹ — ایک کھانے کا چمچ
- چاول — ایک کلو

ترکیب :

رائی، کلونجی، میتھی دانہ، زیرہ سونف اور ثابت دھنیا موٹا موٹا کوٹ لیں۔ اچاری کٹا مسالا تیار ہے۔ آلو بخارا اور املی کو پانی میں بھگو دیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز باریک کاٹ کر ڈال دیں براؤن ہونے پر گوشت ڈال دیں اور فرائی کریں جب گوشت کی رنگت ہلکی گولڈن ہو جائے تو اس میں لہسن، ادرک کا پیسٹ ڈال دیں تیزپات، گرم مسالا ڈال کر بھونیں دو ٹماٹر رکھ کر باقی کاٹ کر ڈال دیں اور بھونیں جب ٹماٹر نرم ہو جائیں تو نمک، لال مرچ اور دہی پھینٹ کر ڈال دیں جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو اچاری کٹا مسالا، املی اور آلو بخارے پانی سمیت ڈال دیں اور گوشت کو گلنے دیں۔ جب گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو جائفل جاوتری پاؤڈر ڈال کر ایک منٹ بھونیں۔

چاول 20 منٹ پہلے بھگو کر ایک کنی رکھ کر ابال لیں۔ اب دیگچی میں پہلے چاول کی تہ پھر گوشت کی تہ لگائیں۔ ہرا دھنیا، پودینہ، لیموں کے سلائس ہری مرچ اور ٹماٹر کے سلائس رکھتی جائیں۔ اس طرح پورے گوشت اور چاول کی تہ لگا دیں۔ آخر میں زردہ رنگ تھوڑے سے پانی میں گھول کر اوپر سے ڈال دیں اور دم لگا دیں مزے دار مسالے دار اچاری بریانی تیار ہے۔

سیخ کباب

اشیا :

- قیمہ — ایک کلو
- ادرک لہسن کا پیسٹ — ایک کھانے کا چمچ
- کچری پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
- سونٹھ (پسی ہوئی) — ایک چائے کا چمچ
- گرم مسالا پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
- پیاز (باریک کٹی ہوئی) — دو کھانے کے چمچے
- ثابت دھنیا (کوٹ لیں) — ایک کھانے کا چمچ
- نمک — حسب ذائقہ
- لال مرچ پاؤڈر — دو چائے کے چمچے
- کاجو (باریک چوپ کر لیں) — تین کھانے کے چمچے
- خشخاش (پیس لیں) — ایک چائے کا چمچ

ترکیب :

ایک پیالے میں قیمہ، ادرک، لہسن کا پیسٹ، کچری پاؤڈر، گرم مسالا، ثابت دھنیا، نمک، لال مرچ، کاجو، خشخاش، ناریل پاؤڈر، بیسن توے پر بھون کر اور پیاز بھی براؤن کر کے چورا کر لیں اور قیمے میں ڈال دیں اب جس طرح آٹا گوندھتے ہیں اس طرح گوندھ لیں۔ بیس منٹ کے لیے رکھ دیں پھر درمیان میں ڈبل روٹی یا پیاز کا چھلکا رکھ کر دہکتا ہوا کوئلہ رکھ دیں۔ دو قطرے تیل کی ٹپکا کر ڈھک دیں۔ اب اسے قیمے کو سیخوں پر سیخ کباب کی طرح چڑھا کر کوئلوں پر سینک لیں اور پراٹھوں یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

بالٹی کٹا نہاری

اشیا :

- گوشت (ٹونگ کا) — ڈیڑھ کلو
- بکرے کے پائے — چار عدد
- نمک — حسب ذائقہ
- لال مرچ — ایک کھانے کا چمچ
- ہلدی پاؤڈر — 1/4 چائے کا چمچ
- دھنیا پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
- لہسن ادرک کا پیسٹ — ایک کھانے کا چمچ
- تیل — ایک کپ
- پیاز (سلائس کاٹ لیں) — ایک عدد
- ثابت دھنیا — ایک کھانے کا چمچ
- سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچ

سونف	ایک کھانے کا چمچہ
سونٹھ	1/4 چائے کا چمچہ
سبز الائچی	دو عدد
تیزپات	ایک عدد
بادیان کے پھول	1/4 چائے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ
آٹا	تین کھانے کے چمچے

ترکیب :

ثابت دھنیا' سفید زیرہ' سونف' سونٹھ' سبز الائچی' تیزپات' بادیان کے پھول اور گرم مسالا پاؤڈر کو توے پر بھون لیں اور پیس لیں۔ تیل گرم کریں' پیاز ڈال کر لائٹ براؤن کرلیں۔ پسا ہوا مسالا ڈال کر دس منٹ تک بھون لیں۔ اب پائے' گوشت' نمک' لال مرچ' ہلدی' لہسن ادرک کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح بھون کر 5-6 گلاس پانی ڈال کر گلنے کے لیے رکھ دیں۔ اچھی طرح گل جائے۔ ڈیڑھ کپ پانی میں آٹا حل کرکے ڈالیں' پندرہ منٹ تک پکائیں۔ سرو کرتے ہوئے ہرا دھنیا' پودینہ' مرچ' ادرک باریک کاٹ کر ڈالیں۔

سندھی مٹن تکہ

اشیا :

گوشت (بغیر ہڈی کا)	ایک کلو
دہی	ایک کپ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کچا پپیتا (پسا ہوا)	دو چائے کے چمچے
ٹماٹر (کیوبز کٹے ہوئے)	تین عدد
آلو (کیوبز کاٹ لیں)	ایک عدد
پیاز (کیوبز میں کٹی ہوئی)	ایک عدد
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

گوشت دھو کر خشک کرلیں۔ دہی میں گرم مسالا' لال مرچ' دھنیا' ادرک پیسٹ اور کچا پپیتا ڈال کر مکس کرلیں اور گوشت کو اس آمیزے میں ڈال کر 4-5 گھنٹوں تک میرینیٹ ہونے دیں۔ اس کے بعد سیخوں میں گوشت' ٹماٹر' آلو اور پیاز کو ایک ساتھ پرو کر باربی کیو کریں۔ باربی کیو کرتے ہوئے تیل کا تڑکا بھی لگاتی جائیں۔ مزے دار مٹن تکہ تیار ہے۔

بادامی قورمہ

اشیا :

بکرے کا گوشت	ایک کلو
پیاز (باریک کاٹ لیں)	چار عدد (درمیانہ سائز)
لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لونگ	دس عدد
سیاہ مرچیں	دس عدد
بڑی الائچی	دو عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
چھوٹی الائچی	چھ عدد
دھنیا پاؤڈر	تین چائے کے چمچے
دہی	ایک پاؤ
لال مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
بادام (چھلکا اتار کر دو ٹکڑے کرلیں)	ایک کپ
تیل	ڈیڑھ کپ

ترکیب :
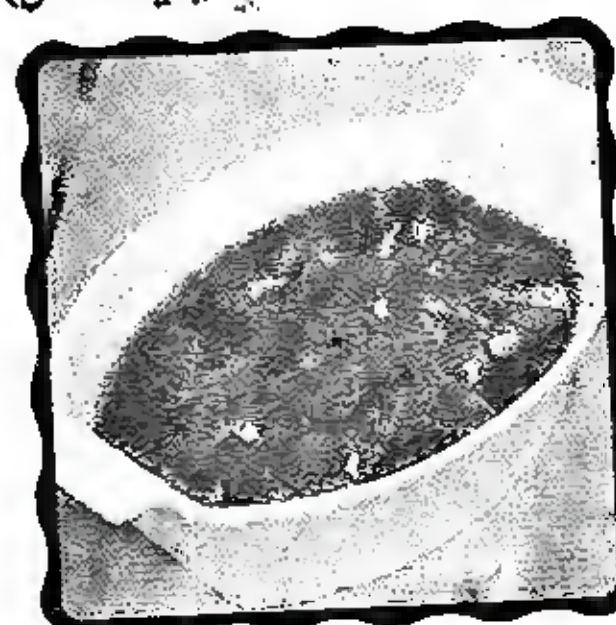
ایک دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز ڈال دیں۔ ساتھ ہی ثابت زیرہ' لونگ' سیاہ مرچیں' بڑی الائچی' دار چینی اور چھوٹی الائچی ڈال دیں جب پیاز گولڈن براؤن ہوجائے تو آدھی پیاز گرم مسالے کے ساتھ نکال لیں۔ آدھی پیاز اور گرم مسالا دیگچی میں رہنے دیں۔ اس کے بعد اس میں ادرک' لہسن کا پیسٹ اور نمک ڈال دیں۔ دو منٹ بعد دھنیا پاؤڈر تھوڑے سے بادام اور لال مرچ پاؤڈر ڈال دیں' پانی کا چھینٹا دے کر پانچ منٹ تک مسالا بھونیں۔ اس کے بعد گوشت شامل کریں' جب گوشت اچھی طرح بھن جائے تو دہی اور براؤن پیاز جو رکھی تھی کچل کر ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں جب گوشت کا پانی خشک ہوجائے اور گوشت گل جائے تو پانچ منٹ مزید بھونیں اور اپنی پسند کے مطابق شوربہ بنائیں۔ سرونگ باؤل میں نکال کر بچے ہوئے بادام ڈال دیں اور چپاتیوں کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

کشمیری پلاؤ

اشیا :

بکرے کا گوشت	ڈیڑھ کلو
چاول	ڈیڑھ کلو
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	دو چائے کے چمچے
دار چینی	ایک انچ ٹکڑا
بڑی الائچی	چار عدد
لونگ	چار عدد
سونف	دو چائے کے چمچے
ادرک لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری پاؤڈر	ایک چٹکی
دہی	ایک کپ
تلی ہوئی پیاز	ایک عدد
تیل	دو کھانے کے چمچے
بادام' کشمش	حسب ضرورت (تلے ہوئے)

ترکیب :

ایک پتیلی میں پانی ڈال کر اس میں گرم مسالا' نمک اور چاول ڈال کر ایک کنی رہ جانے تک پکالیں' اس کے بعد پانی نتھار کر چاول الگ کرلیں۔ ململ کے کپڑے میں سونف اور ثابت دھنیا ڈال کر پوٹلی بنالیں۔ گوشت میں نمک' دار چینی' بڑی الائچی' لونگ' ادرک لہسن کا پیسٹ' سیاہ مرچ پاؤڈر' جائفل' جاوتری اور مسالا کی پوٹلی ڈال کر پکائیں گوشت گل جانے کے بعد اس میں دہی ڈال کر بھون لیں۔ ایک بڑے پتیلے میں تیل گرم کریں اور اس میں ایک تہ چاول اور ایک تہ گوشت کی لگائیں اوپر تلی ہوئی پیاز' بادام' کشمش' زعفران' کیوڑہ اور زرد رنگ ڈالیں۔ دس منٹ دم پر رکھیں' مزے دار کشمیری پلاؤ تیار ہے گرما گرم سرو کریں۔

☆ ☆

پوشیدہ ٹیکس

محمود نے سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے سرفراز سے پوچھا۔ "اس دفعہ سگریٹوں پر نئے ٹیکس کیوں لگا دیے گئے ہیں؟"

سرفراز نے جواب دیا۔ "یہ ایک پوشیدہ ٹیکس ہے' اس نئے قبرستان کو ترقی دینے کے لیے' جو صرف سگریٹ نوشوں کے لیے مخصوص ہوگا۔"

عائشہ بشیر۔۔۔ پھول نگر

سرکاری ملازم

سرکاری ملازم نے معالج سے کہا۔ "براہ کرم مجھے دبلا ہونے کا کوئی موثر طریقہ بتائیں۔"

معالج نے جواب دیا۔ "بے حد آسان طریقہ بتاتا ہوں' آپ بس اتنا کریں کہ صرف اپنی تنخواہ سے کھایا کریں۔"

عرفانہ عارف۔۔۔ کراچی

ہری مرچیں

○ کیا تمہارے والد کے انتقال کے وقت ان کی جسمانی اور ذہنی حالت بالکل ٹھیک تھی؟

☆ یہ تو کل ہی پتا چلے گا جب ان کا وصیت نامہ پڑھا جائے گا۔

○ خدا کی پناہ۔۔۔! ان دونوں لڑکیوں میں کس قدر مشابہت ہے کیا یہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں؟

☆ نہیں! اتفاق سے یہ دونوں ایک ہی سرجن سے پلاسٹک سرجری کروا چکی ہیں۔

○ میں نے مکان بدل لیا ہے۔

☆ بہت خوب۔۔۔! اچھا یہ بتائیں کہ آپ کے نئے مالک پریشان ہیں یا انتہائی پریشان۔

☆ ☆ ☆

☆ مہنگائی کی گاڑی کے بریک نہیں ہوتے۔

☆ بجٹ تو آتا ہے سالانہ۔۔۔ مگر اشیاء کی قیمتیں بڑھتی ہیں روزانہ۔

☆ ہر آنے والی حکومت غربت کے لیے نہیں بلکہ غریب کے خاتمے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔

☆ نفسیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ہر پانچ افراد میں سے ایک شخص لازمی ذہنی طور پر بیمار ہوتا ہے۔ آپ اپنے دوستوں کا بخوبی جائزہ لیں' اگر ان میں سے چار بالکل ٹھیک ہوں تو پانچویں آدمی آپ ہی ہوسکتے ہیں۔

☆ عورت کی خواہش اور مرد کی تا عمر آزمائش کو شادی کہا جاتا ہے۔

☆ شادی سے پہلے آدمی کی زندگی رنگین و حسین اور شادی کے بعد سنگین و غمگین ہوجاتی ہے۔

☆ آپ یقین کرلیں کہ آپ کے راز آپ سے زیادہ آپ کے پڑوسیوں کو معلوم ہوتے ہیں۔

☆ عورت مرتے دم تک ساتھ نبھاتی ہے' مرد کا نہیں فیشن کا۔

☆ بیوی۔۔۔ پہلی ہو تو لڑتی ہے اور دوسری ہو تو لڑاتی ہے۔

☆ کھڑکی کے بند پٹ سے دور تک دیکھنے والی مائیکرو اسکوپ کا نام عورت ہے۔

☆ جب بھی دیکھو بیوی کے کان غیبتوں سے' پولیس کی جیب کرنسی نوٹوں سے جبکہ مظلوم شوہر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہتی ہیں۔

☆ شاہجہاں نے تاج محل کی ہر کھڑکی کو دیکھا' ہر دروازے' ہر جھروکے' ہر دیوار اور ہر دالان کو دیکھا۔ ایک دفعہ نہیں بار بار دیکھا اور آخر میں لمبی ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔ "ماں قسم۔۔۔ بہت خرچا ہوگیا۔"

☆ میرا گھر میرے لیے جنت سے کم نہیں ہے کیونکہ میں نے ابھی شادی نہیں کی ہے۔

☆ میرا دوست اپنی بیوی کے سامنے ہمیشہ اپنی زبان بند رکھتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ لڑنا نہیں جانتا بلکہ اس وجہ سے کہ وہ گونگا ہے۔

☆ وہ روزانہ صبح سویرے اٹھتا ہے' نماز پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ دفتر جانے سے پہلے اپنے حصے کے برتن دھونے کے لیے۔

کہکشاں انجم۔۔۔ فیصل آباد

احساس

☆ اس نے پہلی بیوی کی وفات پر اپنی سالی سے شادی کرلی کیونکہ وہ نئی ساس کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

☆ میاں بیوی لڑ پڑے۔ بیوی نے ماں کو فون کیا اور بولی۔ "اماں میں آپ کے گھر آرہی ہوں۔" ماں نے کہا۔ "نہیں بیٹی' اسے اپنے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔ میں تمہارے گھر آرہی ہوں۔"

☆ یار کمال ہے! مجھے تو یقین نہیں آرہا ہے کہ تمہاری ساس شادی کے دن سے اب تک تمہارے گھر صرف ایک مرتبہ آئی ہیں۔"

"ہاں یار! میں سچ کہہ رہا ہوں کیونکہ وہ شادی والے دن ہی آگئی تھیں اور پھر وہ گئی ہی نہیں۔"

رفعت جبیں۔۔۔ ملتان

یہ کیا ہوگیا؟

لڑکے نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ! آخر یہ کیا ہوگیا ہے۔ ہماری محبت کی دنیا کیوں اجڑ گئی؟ اب ہم نے پھولوں' کلیوں اور شبنم کے موضوع پر باتیں کریں گے؟ آخر یہ کیوں ہوگیا؟ ہماری محبت کی حسین چاندنی رات اتنی جلد کیسے ڈھل گئی؟ آؤ ڈیئر۔۔۔ اپنی محبت کی ہر نشانی۔۔۔ اپنے تحائف۔۔۔ اپنے خطوط' آخری بار جی بھر کر دیکھ لیں کہ یہ دن اب لوٹ کر نہیں آئیں گے۔"

لڑکی گھبرا کر بولی۔ "ڈیئر۔۔۔! خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔۔۔ ہم دونوں کی شادی کی خبر سن کر آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے؟"

فرح بشیر۔۔۔ بھائی پھیرو

عمر قید

ایک موکل اپنے وکیل سے۔

"کوشش کرنا عمر قید ہو سزائے موت نہ ہو۔"

مقدمے کے بعد موکل نے پوچھا "کیا بنا۔"

وکیل۔ "جناب بڑی مشکل سے عمر قید ہوئی ورنہ وہ تو رہا کرنے والے تھے۔"

مدیحہ نورین مہک۔۔۔ برنالی

جواز

ایک معمولی شکل و صورت کی عورت نے اپنے خوب صورت شوہر سے کہا۔ "تم نے ہر طرف یہ جھوٹی خبر کیوں پھیلا رکھی ہے کہ میں لاکھوں کی جائیداد اور کاروبار کی تنہا وارث ہوں۔"

شوہر نے جواب دیا۔ "تم سے شادی کرنے کا کوئی نہ کوئی جواز تو مجھے پیش کرنا ہی تھا۔"

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

امی جان

پہلا دوست "یار میں جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے شادی نہیں کی۔"

دوسرا دوست! "تم نے اسے بتایا نہیں تھا کہ تمہارے ابو کروڑپتی ہیں۔"

پہلا دوست "بتایا تھا"۔ "تو پھر! اس نے ابو سے شادی کرلی۔"

لڑکا غمگین لہجے میں بولا' پہلے میں اسے جان کہتا تھا۔

اب ای جان کہتا ہوں۔"

فوزیہ۔۔۔ گجرات

غلط فہمی

ایک صابر قسم کے شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "تمہاری والدہ تین سال سے ہمارے ساتھ رہ رہی ہیں۔ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ اب وہ اپنا الگ گھر لے کر رہنے لگیں۔"

"میری والدہ۔" بیوی حیرت سے چلا اٹھی۔

"میں تو اب تک یہی سمجھتی رہی کہ وہ تمہاری والدہ ہیں۔"

شہناز۔۔۔ پنڈی

وجہ تسمیہ

ایک صاحب کو رات سوتے وقت اچانک بہت بھوک لگی تلاش کرنے پر انہیں ایک میز کے خانے سے دو بسکٹ مل گئے انہوں نے وہ بسکٹ کھائے تو بہت لذیذ لگے۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگے کہ وہ ایسے بسکٹ اور بھی لے آئے۔ دوسرے روز ان کی بیوی بسکٹ خریدنے گئیں تو دکاندار نے کہا "آپ اتنے زیادہ بسکٹ کا کیا کریں گی' آپ کا کتا تو ایک ہی ہے۔"

بیوی نے جواب دیا۔ "میرے شوہر کو یہ بسکٹ بہت لذیذ لگتے ہیں۔"

"مگر یہ بسکٹ تو خاص طور پر کتوں کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ انسان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں"! دوکان دار نے تنبیہہ کی مگر وہ خاتون ہر روز بسکٹ لے جاتیں اور ان کے شوہر شوق سے وہ بسکٹ کھاتے ایک دن خاتون نے اس دکاندار سے کہا۔ "کل میرے شوہر کا انتقال ہو گیا۔"

دکاندار نے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ انہیں کتوں کے بسکٹ نہ کھانے دیں۔ وہ مر جائیں گے۔"

عورت نے جواب دیا۔ "مگر وہ بسکٹ کھانے سے تو نہیں مرے بلکہ وہ تو کاروں کے پیچھے بھاگنے سے فوت ہوئے ہیں۔"

فوزیہ ثمرت۔۔۔ گجرات

کامیابی

انسپکٹر نے اپنے دو ماتحتوں سے پوچھا۔ "میں نے تمہیں جس ڈاکو کو تلاش پر لگایا تھا' وہ ملا یا نہیں؟"

"سر جی! ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔" ایک ماتحت نے مستعدی سے جواب دیا۔ "ہم اسے پکڑنے میں تو کامیاب نہیں ہوئے لیکن سر جی! اس پر ہماری دہشت اتنی بیٹھ گئی ہے کہ جب ہم گشت پر ہوتے ہیں تو وہ بالکل سامنے نہیں آتا۔ یہ بھی کچھ کم کامیابی نہیں ہے سر جی!"

ثوبیہ جہانگیر' مومبر آزاد کشمیر

فلم

سردار۔ "کل رات تین گھنٹے تک ایک انگلش فلم دیکھی۔ اس میں نہ کوئی سین تھا' نہ آواز۔"

دوست۔ "فلم کا نام کیا تھا۔"

سردار۔ "No disc inserted"

رسی

ایک ٹرک دوسرے ٹرک کو رسی باندھ کر لے جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر سردار ہنس ہنس کر پاگل ہو گیا اور کہنے لگا۔

"ایک رسی لے جانے کے لیے دو دو ٹرک۔"

ثمرین خورشید' نسرین خورشید۔۔۔ خانیوال

نظام تعلیم

ویلنگٹن میں ایک تقریب تھی۔ بڑی نامی گرامی لوگ موجود تھے۔ جرمن' فرانسیسی اور پاکستانی وزیر تعلیم بھی وہاں موجود تھے۔ جرمن اور فرانسیسی وزیر محو گفتگو تھے پاکستانی وزیر بھی ان کی طرف بڑھ گئے۔ رسمی دعا سلام کے بعد پاکستانی وزیر تعلیم دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔

"آپ کے اعلا معیار تعلیم کا کیا راز ہے؟"

جرمن وزیر تعلیم نے جواب دیا "اس کی کوئی خاص وجہ نہیں' بس ہمارے طالب علم آج کا کام۔۔۔ آج ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

پھر پاکستانی وزیر تعلیم نے یہی سوال فرانسیسی وزیر تعلیم سے کیا انہوں نے جواب دیا "مختصر سی بات ہے ہمارے ہاں ایک کتاب میں کئی باب نہیں ہوتے بلکہ باب پر کئی کتابیں ہوتی ہیں۔"

اس کے بعد جرمن وزیر تعلیم نے پاکستانی وزیر تعلیم سے پوچھا۔

"آپ کا نظام تعلیم پست گردانا جاتا ہے کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

پاکستانی وزیر تعلیم نے شرمندگی چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے امتحانی پرچہ جات امتحانات سے تقریباً" ایک دو ماہ پہلے آؤٹ ہو جاتے ہیں۔"

"بہت حیرانی کی بات ہے۔" جرمن اور فرانسیسی وزیر تعلیم بیک وقت چلائے۔

"حیرانی یہ نہیں" پاکستانی وزیر تعلیم نے معصومیت سے کہا۔ "حیرانی تو یہ ہے کہ طالب علم پھر بھی فیل ہو جاتے ہیں۔"

سیدہ نسبت زہرا' کھروڑپکا

راز و نیاز

"بہت دن بعد نظر آئے' کہاں تھے؟"

"میں اسپتال میں تھا۔"

"او وہ یہ سن کر افسوس ہوا۔"

"نہیں افسوس کی کوئی بات نہیں ہے' میں نے نرس سے شادی کر لی تھی۔"

"بہت خوب' یہ تو اچھا ہوا۔"

"اچھا کہاں سے ہوا' شادی کے بعد پتا چلا کہ اس کے تین بچے ہیں۔"

"او وہ یہ تو بہت برا ہوا۔"

"نہیں کچھ ایسا برا نہیں ہوا۔ اس کے ایک کنوارے ماموں اس کے لیے بہت بڑی کوٹھی چھوڑ کر مرے تھے۔"

"چلو یہ تو اچھی بات ہے۔"

"خاک اچھی بات ہے' پچھلے دنوں آگ لگ گئی اور کوٹھی بالکل تباہ ہو گئی۔"

"او وہ یہ تو بہت برا ہوا۔"

"نہیں ایسا برا بھی نہیں ہوا' میری بیوی بھی کوٹھی میں جل کر مر گئی۔"

"چلو یہ تو اچھا ہوا۔"

"ہاں یہ واقعی اچھا ہوا۔"

سونیا۔۔۔ کراچی

از واجیات

شادی : ایک ایسا ذریعہ جس سے شوہر کو رفتہ رفتہ یہ علم ہوتا ہے کہ اس کی بیوی کیسے شوہر کی طلبگار ہے۔

شوہر : ایسا محسوس ہوتا ہے میں تنہا بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں' میری بیوی نے گزشتہ کئی سال سے سالگرہ نہیں منائی۔

جمائی : منہ کھولنے کے لیے شادی شدہ مردوں کے لیے قدرت کا عطیہ۔

کنوارہ : جو صبح کام پر جانے کے لیے صرف ایک بندے کا ناشتا تیار کرتا ہے۔

افواہ : بیوی کی لائی ہوئی اطلاع۔

عقل مندی کا تقاضا : بیوی سے بحث میں جیت جانے کے باوجود معافی مانگ لینی چاہیے۔

ماہر نفسیات نے کہا "لڑکیاں ان مردوں سے شادیاں کرنا چاہتی ہیں جس میں ان کے باپ کی صفات موجود ہوں' تبھی تو لڑکی کی شادی پہ ان کی مائیں روتی ہیں۔"

حرمت رداا کرم۔۔۔ ڈلوال

☼ ☼

حسن و صحت

ادارہ

مساج

کیا آپ مساج کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں اور کوئی مساج کرنے کے لیے آپ کو میسر نہیں ہو رہا ہے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے آپ خود مساج کر لیں۔ جی ہاں یہ کام آپ خود بھی ذرا سی بھرپور توجہ سے کر سکتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس مساج میں آپ کو وہ انجوائے منٹ نہیں مل سکے گی جو کسی دوسرے کے ہاتھ سے کیے گئے مساج میں ملتی ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ آپ کافی حد تک ریلیکس اور ٹینشن سے آزاد ضرور ہو سکتی ہیں آپ اپنے جسم کے تمام حصوں سے بخوبی واقف ہیں اور جانتی ہیں کہ کس جگہ کو مساج کی ضرورت ہے لہٰذا آپ یقیناً ”بہتر مساج کر کے اپنے جسم کے اس حصے کو ریلیکس کر سکتی ہیں۔

آپ کسی بھی وقت مساج کر سکتی ہیں اور یہ فیصلہ بھی آپ کو خود ہی کرنا ہے کہ مساج آپ کو تیز کرنا ہے یا دھیرے دھیرے۔ کام شروع کرنے سے قبل بھی خود کو تازہ کرنے کے لیے صبح مساج کیا جا سکتا ہے یا پھر تمام کاموں سے فارغ ہو کر شام کا کوئی وقت اس کام کے لیے سلیکٹ کریں آپ اپنے پیروں کا مساج ٹیلی وژن دیکھتے ہوئے بھی کر سکتی ہیں۔

کندھوں کا مساج

بہت سے لوگوں کو گردن اور کندھوں میں زیادہ کھنچاؤ محسوس ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ سر کے درد کی بھی شکایت کرتے ہیں لہٰذا کندھے اور گردن ہی وہ پرفیکٹ جگہ ہیں جہاں سے آپ مساج شروع کر سکتی ہیں اس کے علاوہ تقریباً ”ہر ایک کی پسند بھی یہی حصہ ہیں جن کی وجہ سے آپ کے پورے جسم کی موومنٹ ممکن ہوتی ہے۔

اپنے سیدھے کندھے کو الٹے ہاتھ سے آہستہ آہستہ دبایئے اپنے ہاتھ سے اپنے جسم کے وہ تمام حصے دبائیں جہاں جوڑ ہوتے ہیں اپنے سر سے مساج شروع کیجیے اور آہستہ آہستہ گردن پر آیئے پھر اپنے کندھوں کا مساج کریں اس کے بعد اپنے بازوؤں اور پھر کہنیوں

کا مساج کریں۔ یہ سلسلہ کم از کم تین بار کریں اس کے بعد جسم کے کسی اور حصے کا مساج شروع کریں۔

اپنی گردن پر موجود ہڈی کے دونوں طرف کے حصوں کو اپنی انگلی کی پوروں سے آہستہ آہستہ دباؤ بڑھا کر مساج کریں اس کے بعد دونوں کندھوں کی طرف آئیں اور آہستہ آہستہ دباؤ بڑھا کر مساج کریں اس کے بعد یہ سلسلہ اپنے بازوؤں کے ساتھ کریں۔

اپنے الٹے ہاتھ کی انگلیوں سے سیدھے کندھے پر مساج کریں اپنی کلائی کو ڈھیلا رکھیں یہ سلسلہ آپ کے خون کی گردش کے لیے انتہائی اہم ثابت ہو سکتا ہے اور آپ کی تھکاوٹ کو بہتر طریقے سے دور کر سکتا ہے یہی سلسلہ اپنے دوسرے کندھے پر بھی دہرائیں۔

دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اور آرام دہ انداز میں اپنے چہرے ”گردن“ بازوؤں اور کندھوں پر مساج کریں یہ سلسلہ اپنے چہرے سے شروع کریں اور اپنی ٹھوڑی تک مساج کا دائرہ بڑھائیں اپنی گردن کے گرد ہاتھ اس طرح باندھیں کہ آپ کا ہاتھ مخالف کندھے پر ہو آہستہ آہستہ اپنے کاندھوں پر مساج کرتے ہوئے اپنے بازوؤں کی طرف آئیں اور پھر اپنی انگلیوں کی طرف یہ سلسلہ جتنی مرتبہ آپ چاہیں اس سلسلے کو دہرا سکتی ہیں اس سے نہ صرف یہ کہ آپ کو بہت آرام محسوس ہو گا بلکہ آپ کے سر کے درد میں بھی خاطر خواہ کہ افاقہ ہو گا۔

ٹانگوں کا مساج

آپ ایکٹو زندگی گزار رہی ہوں یا پھر بے کار بیٹھی رہتی ہوں ٹانگوں کے مساج کے بارے میں جاننا دونوں ہی صورتوں میں بہت ضروری ہے۔ ٹانگوں کے مساج سے زیادہ دیر کھڑے رہنے کی صورت میں بہت زیادہ سکون ملتا ہے اور زیادہ دیر کھڑے رہ کر آپ کے مسلز جو تھک جاتے ہیں وہ اس مساج کے ذریعے بہت سکون محسوس کرتے ہیں تھوڑی سی ایکسر سائز کر کے اگر آپ کی ٹانگوں کو آرام ملتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے ریگولر مساج آپ کی رانوں کو بھی بہترین حالت میں رکھتا ہے ہم میں سے بہت سے لوگوں کا زیادہ تر وزن رانوں پر ہی ہوتا ہے اس لیے اس کے مساج سے بہت سکون ملتا ہے اور رانیں با آسانی آپ کی پہنچ میں بھی ہوتی ہیں یاد رکھیں کہ ایک ٹانگ پر پہلے مساج کریں اس سے فارغ ہونے کے بعد دوسری ٹانگ کی طرف توجہ دیں دونوں ٹانگوں کا بیک وقت مساج نہ کریں۔

اپنی ٹانگوں کا مساج آپ اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے شروع کر کے اس کا خاتمہ اپنی رانوں پر کر سکتی ہیں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی ٹانگ کے دونوں طرف بہتر انداز میں استعمال کریں ایک ٹانگ سے فارغ ہو کر دوسری کی طرف توجہ دیں یہ سلسلہ کم و بیش پانچ مرتبہ دہرائیں۔

ران کے پٹھوں کی اچھی طرح مالش کریں فرنٹ والے اور باہر والے حصے پر خصوصی توجہ دیں۔ کبھی ایک ہاتھ سے تو کبھی دوسرے ہاتھ سے آرام آرام سے مالش کریں اگر آپ ریگولر اپنی رانوں کی مالش کا سلسلہ جاری رکھیں تو نہ صرف یہ کہ انہیں ریلیکس ہونے میں آسانی ہو گی بلکہ ان کی شکل بھی اچھی ہو جائے گی۔

اس کے بعد اپنی ران کو ہلکے ہلکے اس انداز سے ہاتھ سے مالش کیجیے کہ اختتام آپ کے گھٹنوں پر ہو۔

اس عمل سے مکمل طور پر لطف اندوز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ تمام تر توجہ سے یہ کام کریں۔

اپنی رانوں کے فرنٹ اور باہر کے حصے پر مسلسل گھونسے ماریں۔ غصے میں نہیں بلکہ آرام آرام سے، یہ عمل آپ کی رانوں میں خون کی گردش کو تیز کرے گا جو بعض مرتبہ دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے رک جاتا ہے۔

اپنے گھٹنے پر ہر طرف سے مساج کیجیے پورے حصے کو آہستہ آہستہ اسٹروک لگائیے اور پھر اپنی انگلیوں کی مدد سے اپنی رانوں پر دباؤ آہستہ آہستہ بڑھاتی جائیں اختتام اپنے گھٹنوں کے پیچھے آرام آرام سے اسٹروکس لگا کر کریں۔

اپنے پاؤں کا مساج

اپنے پاؤں کا مساج خود کرنا بہت آسان ہے اگر آپ بیٹھی ہوئی ہیں تو اپنا ایک پیر اپنی دوسری ران پر رکھ لیں اگر آپ لیٹنا چاہتی ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں آپ اپنی اٹھی ہوئی ران پر اپنا پیر رکھ لیں سب سے پہلے اپنے ایک پیر کا مساج کریں اس کے بعد دوسرے پر کام کریں۔ آپ کی ذرا سی محنت اور توجہ آپ کو اپنے پاؤں کے بہت سے مسائل سے نجات دلا سکتی ہے۔ اپنے پاؤں کا روزانہ مساج آپ کو تھکن سے بھی نجات دلا سکتا ہے اور آپ اس مساج سے اپنے پورے جسم میں سکون اور تازگی بھی محسوس کر سکتی ہیں۔

اپنا ایک ہاتھ پیر کے اوپر اور دوسرا اپنے پاؤں کے تلووں پر رکھیں پھر آہستہ آہستہ اپنے انگوٹھے اور انگلیوں کی مدد سے تلووں پر مساج کریں اپنی ایڑھی سے لے کر پیروں کی انگلیوں تک خوب مساج کریں اور یہ ایکسرسائز کئی مرتبہ کریں۔

ایک ہاتھ سے اپنے پیر کو اچھی طرح پکڑ لیں اور دوسرے ہاتھ سے پیر کی ایک ایک انگلی پر مساج کریں انہیں ایک ایک کر کے کھینچے تاکہ ان میں اگر کوئی تکلیف ہو تو اس عمل سے دور ہو جائے۔

اپنے پیر کے تلوے پر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے اس طرح رکھیں کہ ایک انگوٹھا دوسرے انگوٹھے کے اوپر ہو اور آہستہ آہستہ پریشر کے ذریعہ مساج کرتے ہوئے دونوں انگوٹھوں کو پیر کے دونوں سائیڈ کی طرف لائیں پھر دونوں انگوٹھوں کو اس پوزیشن میں لائیں اور واپس دونوں سائیڈ کی طرف لائیں یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رکھیں اس سے آپ کے پیر کے تلوے بہت ریلیکس محسوس کریں گے۔

اپنے ایک ہاتھ سے اپنے پیر کو مضبوطی سے سپورٹ فراہم کریں۔ جبکہ دوسرے کو اس انداز میں ڈھیلے طور پر رکھیں کہ اس کی انگلیاں مڑی ہوئی ہوں اور با آسانی پورے تلوے پر موومنٹ کر سکیں اس سلسلے کو بار بار دہرائیں بہت سکون محسوس ہوگا۔

پھر اپنے ہاتھ سے اپنے پیر کو اس طرح پکڑے رہیں اور اپنے تلوے کو دوسرے ہاتھ سے اچھی طرح دبائیں آہستہ آہستہ دبانے سے بہت سکون ملتا ہے۔

اپنی انگلیوں کی مدد سے اپنے پیر کے انگوٹھے کے اطراف مساج کیجیے بالکل اسی طرح جس طرح آپ اپنی ٹانگ کا مساج کرتی ہیں۔ اس ایکسرسائز کا اختتام اسی طرح کریں جس طرح آپ نے اسے شروع کیا تھا۔

اپنے ہاتھوں کا مساج

یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ لوگ اپنے ہاتھوں میں ٹینشن زیادہ محسوس کرتے ہیں مگر اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں آپ جب اپنا ہاتھ مستقل استعمال کرتی ہیں تو اسے ٹینشن تو ہوتی ہے۔ زیادہ تر ہم چیزوں کو پکڑنے اور چیزوں کو اٹھانے کے لیے اپنے ہاتھ ہی تو استعمال کرتے ہیں لہٰذا آپ اپنی ہتھیلی کو کھول کر اپنی انگلیوں کو کھینچیں تو آپ کے ہاتھ کی تمام تھکاوٹ کافی حد تک دور ہو سکتی ہے۔

اپنے ہاتھ کے پچھلے حصے کو آرام آرام سے اسٹروکس لگائیے اور اپنی کلائی تک ایسا کیجیے اور پھر اسی

طرح واپس انگلیوں تک مساج کرتے ہوئے آئیے اسی طرح اپنی ہتھیلی اور انگلیوں کے درمیان والے حصے پر مساج کیجیے بہت سکون محسوس کریں گے۔

اپنی ہر انگلی کو الگ الگ کھینچیے اور اپنے انگوٹھے کی مدد سے انہیں مساج کیجیے۔

اپنے ہاتھ کے پچھلے حصے پر اپنی کلائی کے قریب کی جگہ پر اپنے انگوٹھے سے آہستہ آہستہ دباؤ ڈالیے اور یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رکھیے۔

اپنے ہاتھ کو پلٹ کر اس کے پچھلے حصے کو اپنی انگلیوں سے سپورٹ دیں اپنی ہتھیلی کے درمیان اپنے انگوٹھے سے دباؤ ڈالیں اس طرح اپنی پوری ہتھیلی اور کلائی پر مساج کا سلسلہ جاری رکھیں۔

اپنے مساج کا اختتام اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی کو دباتے ہوئے کیجیے دونوں ہاتھوں پر ایک دوسرے کی مدد سے یہ سلسلہ جاری رکھیے۔

بازوؤں پر مساج

اگرچہ اکثر خواتین اپنے بازوؤں کو فراموش کر دیتی ہیں مگر آپ اپنے بازوؤں پر مساج کر کے خود محسوس کریں گی کہ آپ کے پورے جسم سے درد اور ٹینشن کافی حد تک بھاگ گئی ہے۔ خاص طور پر آپ کو اپنے کندھوں میں بہت آرام محسوس ہوگا۔

اپنے پورے بازو کو (اپنی کلائی سے لے کر کندھے تک) اپنے دوسرے ہاتھ سے اچھی طرح دبائیے جب آپ اپنے بازو کی طرف پہنچیں تو دباؤ میں تیزی لے آئیں۔ کئی بار اس سلسلے کو دہرائیں۔

اپنے بازو کو اچھی طرح دوسرے ہاتھ سے بار بار دبائیے خاص طور پر بازو کے اوپری حصے پر خصوصی توجہ دیں اور اس کے نیچے والے حصے کو زیادہ تیزی سے دبائیں۔

اپنے پورے ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے کے ذریعے آرام آرام سے دبائیے اس میں آپ اپنی انگلیاں بھی شامل کر سکتی ہیں اپنی کہنی تک کے پورے حصے پر اس طرح بار بار مساج کریں۔

اپنے بازو کے اوپری حصے پر آہستہ آہستہ تھپکی دینے کے انداز میں دوسرے ہاتھ سے ماریں اس سے آپ کے بازوؤں کی گردش نہ صرف بہتر ہوگی بلکہ ان کو بہتر انداز بھی ملے گا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ اپنے پورے بازو پر اسٹروکس کے ذریعے مساج کیجیے۔

☆ ☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

ریحانہ شمشاد۔۔۔ کراچی

س نین جی! ہم نے تم کو دیکھا، تم نے ہم کو دیکھا کیسے؟

ج سرف میں دھلا ہوا، اجلا ترو تازہ، لکس میں نہایا ہوا، ہاشمی سرمہ لگایا ہوا۔

شمع تبسم۔۔۔ فیصل آباد

س کیا بلیک روز پر بھی تتلیاں آتی ہیں؟

ج ہم پر تو آتی ہیں۔

شہناز وحید۔۔۔ ٹنڈوالہ یار

س محبت اور سیاست میں کیا فرق ہے؟

ج سیاست میں اجتماعی طور پر دھوکا کھایا اور دیا جاتا ہے جب کہ محبت میں صرف فرد واحد ہی دھوکا کھاتا ہے۔

راحت مسعود۔۔۔ کمالیہ

س کہتے ہیں محبت خدا کا انمول عطیہ ہے لیکن جب دل پلاسٹک کے لگائے جائیں گے تو؟

ج محبتیں بھی پلاسٹک کی مل جایا کریں گی۔

سلمیٰ صدیقی جوہی۔۔۔ کراچی

س اللہ تعالیٰ نے ایک نافرمان کو شیطان کیوں بنا ڈالا کسی حور کی یہ شامت کیوں نہیں آئی؟

ج خداوند کے معاملات میں ایک گناہ گار بندہ کچھ نہیں بول سکتا۔

ثمینہ عندلیب۔۔۔ ٹیکسلا

س لوگ اپنی تعریفیں تو خوشی سے سن لیتے ہیں مگر اپنی خامیاں سننے کا حوصلہ کیوں نہیں رکھتے بے چارے لوگ؟

ج میرے علاوہ۔

ایس اختر خواجہ۔۔۔ بھیرہ

س ذوالقرنین بھیا! آپ کو کھانے میں مرغی پسند ہے یا انڈا؟

ج جب مرغی سامنے ہو تو انڈے کو دل چاہتا ہے اور جب انڈا مل جائے تو مرغی پسند آتی ہے۔

شاداں نفیس۔۔۔ کراچی

س آپ کا پسندیدہ پھول گوبھی کا یا کاغذ کا؟

ج گوبھی کا پھول اگر کاغذ پر بنا ہو۔

☆ ☆

مُدیرِ کرن

جویریہ خان، ماریہ خان۔۔۔ کراچی

اب تو میری بہن اور میں نے باقاعدگی سے شروع کر دیا ہے خط لکھنا اور جب شائع ہوتا ہے تو خوشی کی انتہا مت پوچھیں کہ بس بہت خوشی ہوتی ہے۔

سب سے پہلے ایک دوست جو کہ لاہور کی ہے۔ اس کا میسج آیا کہ کرن آگیا ہے۔ اور ہم یونیورسٹی سے واپسی پر خرید کر ہی گھر گئے۔ دور سے ہی دیکھنے میں اتنا پیارا لگا کہ بس دل چاہا اڑ کر دکان کے پاس پہنچ جائیں اور ہاتھ میں آجائے۔ جب ہاتھ میں آیا تو وہی پہلے "دل اک شہر ملال" پڑھا۔ اس دفعہ کی قسط نے تھوڑا رلایا ہے۔ ساحر کو ایک دفعہ تو سننا چاہیے تھا کہ جس پر وہ ہاتھ اٹھا رہا ہے، وہ ہے کون؟ خیر ایک اچھی بات بھی ہوئی، اس کی ماں اور بہن کی اصلیت ساحر کے سامنے آگئی۔ اب اگلی قسط کا انتظار کرنا دوبھر ہو رہا ہے بس جلدی سے آجائے۔

"شام آرزو" کی تو سمجھ ہی نہیں آتا بات شروع کہاں سے کروں اور ختم کہاں پر کروں، سنعان بے چارا۔ اب تو ترس آنے لگا ہے سنعان پر اور مزا تو تب آیا جب پتا چلا کہ عقیدت کا ٹیم پارٹنر کوئی لڑکا ہو گا۔ وہی نہ ہو جو اس کو گھورتا رہتا ہے۔ ہاہاہا عقیدت بے چاری پاگل سی۔

انٹرویوز میں فصیح باری اور عروۃ الوثقیٰ کو پہلے بھی پڑھ چکے ہیں کہ آواز کی دنیا سے صارم کو پڑھا، اچھا لگا۔

اسی طرح آواز کی دنیا سے ایک آرہے ہیں آصف ملک ریاض ہم ان کا بھی انٹرویو پڑھنا چاہیں گے، ان کا بھی انٹرویو کریں۔

اسماء خان۔۔۔ کے جی ایم

اگست کے شمارے میں اپنا نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، مگر پھر طبیعت ناساز ہونے کے باعث خط نہیں لکھ پائی پر ستمبر میں میرا نام "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس بار ٹائٹل بس ٹھیک ہی تھا۔ "اک ساگر ہے زندگی" اچھا جا رہا ہے۔ "دل اک شہر ملال" مجھے بہت پسند ہے۔ "شام آرزو" بھی بہت اچھا ہے۔ ہلکی پھلکی تحریر "ہمدم دیرینہ" نے تھوڑی دیر کے لیے ہمیں زیست کی تلخ حقیقتوں سے دور کر کے جو دل کو سکون دیا ناقابل بیان ہے۔ نبیلہ نازش راؤ کی "معتبر ٹھہرے" تحریر دل کو چھو گئی۔ "بلا عنوان" بھی اچھی تھی۔ کسی کو کھو کر جب احساس ہو تو زندگی کا روگ بن جاتا ہے۔ خدیجہ مغل نے اس جیسی اس بات کو اچھی طرح واضح کیا۔ کہنے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے، پر آپ کے پاس شاید اتنا وقت ہو نہ صفحات اس لیے اجازت دیں۔

رابعہ اسلم وڑائچ۔۔۔ رحیم یار خان

بہت عرصہ ہو گیا قلم اٹھانے کی فرصت ہی نہیں ملی تو شاید آپ مجھے بھول گئی ہوں۔ مگر میرے پاس تو کرن کے تمام شمارے موجود ہیں جن میں میرا نام ہوا کرتا تھا اور یقیناً آپ پہچان بھی گئی ہوں گی۔ شادی کے بعد بچوں کے ساتھ وقت نکالنا انتہائی مشکل ہے۔ جیسے ہی فرصت کے لمحات ملے۔ پرانی یادوں نے ذہن کے دریچوں میں تانکا جھانکی شروع کر دی۔ واہ جی کیا وقت تھا جب اسکول، کالج میں فری پریڈز میں بیٹھ کر کہانیوں پر تبصرہ کرنا۔ دو دن میں ڈائجسٹ پڑھ کر، ڈائجسٹ بھی سفر پر نکل پڑتا۔ کبھی کسی فرینڈ کے گھر کبھی کوئی ٹیچر لے جاتیں۔ کہاں گئی وہ باتیں اور کہاں کھو گیا وہ وقت۔

بہرکیف اب بھی زندگی بہت اچھی ہے اور کرن کو جگمگانے کے لیے حاضر ہو گئے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے تبصرے پر بھی فرینڈز تبصرہ کرتی تھیں، بہت پاپولر تھے میرے تبصرے۔

اب آپ سے اجازت چاہ رہی ہوں کہ مجھے میرے کرن میں جگہ دی جائے۔ میں واپس آگئی ہوں اپنی بہت سی تحریروں کے ساتھ۔ کرن ٹیم کو عید کی مبارک باد اور

کرن کا معیار بالکل بھی نہیں بدلا بلکہ بہتر سے بہترین ہوگیا ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اگلے ماہ میں اپنے بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی' اگر اب جگہ ملی تو اپنے بہت ہی قیمتی وقت میں سے اپنے قیمتی کرن کے لیے وقت نکال ہی لیں گے ہم

مہناز عرفان۔۔۔ ملکوال

آپ کے ڈائجسٹ کی مستقل قاری ہوں۔ کوئی نقطہ' کوئی جملہ میری نظر سے بچ نہیں پاتا۔ اس قدر توجہ سے پڑھنے کے بعد کئی بار خط لکھنے کو دل چاہا' مگر سستی آڑے آگئی۔ ہمیشہ یوں ہی ہوتا ہے کہ "نامے میرے نام" پڑھ کر اپنے ذوق خط کی تسکین کرلیتی ہوں۔ اب جس بات نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کردیا وہ ہے ثمینہ اکرم کراچی کا خط جس میں انہوں نے ناول "دل اک شہر ملال" پر عجیب سی تنقید کی ہے۔ ناول اچھا تھا۔ اس لحاظ سے اور بھی اچھا تھا کہ نئی مصنفہ کی کاوش تھی۔ ثمینہ نے کہا کہ حمرہ کا اوور ری ایکٹ کرنا برا لگا۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ ہم دوسروں کے دکھوں کو محسوس کرنے کے بجائے بے حسی سے رائے کیوں دیتے ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ پہلی قسط کے آخری صفحات میں نے دوپہر میں تین گھنٹے لگا کر پڑھے۔ کیونکہ بار بار میری آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے اور میں ڈائجسٹ ایک طرف رکھ دیتی تھی۔

کسی اپنے کے بچھڑنے پر کوئی انسان کتنی اذیت سے دوچار ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ سے بڑھ کر کون کرسکتا ہے۔ پھر حمرہ جیسی بن ماں کی لڑکی جس کا واحد سائبان اس کا باپ تھا۔ باپ کی موت پر وہ جتنا محسوس کرے کم ہے۔ پھر اس کے بھائی اور اس کی ماں نے اس کے ساتھ اچانک جو کرنے کا پروگرام بنایا۔ مجھے تو جیسے جھرجھری آگئی۔ ساحر کو جیسا وہ سمجھتی تھی ایسے میں اس بے چاری حالات کی ماری لڑکی نے باتھ روم میں کھڑے ہو کر اپنے لیے کوئی راہ سوچنے کی کوشش کی۔ مجھے بہت رلایا۔ آپ کے کمنٹس پڑھ کر مجھے لگا شاید مجموعی طور پر ہماری قوم اسی شدید قسم کی بے حسی کا شکار ہے۔ ہم حکمرانوں کے خوابوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ مگر اپنے تکلیف زدہ بہن بھائیوں کا کوئی درد دل میں نہیں رکھتے۔ ناول بے شک فرضی ہوگا' مگر احساس تو سچا ہوتا ہے۔ نبیلہ جی آپ اپنے نئے ناول کے ساتھ کب آرہی ہیں۔

"مسکراتی کرنیں" "آج کل بہت زبردست جارہی ہیں۔ نفیسہ سعید کا ناول اچھا ہے۔ امید ہے کہ آگے جاکر اور اچھا ہوگا۔ میرا پہلا خط ہے' شائع ہوا تو آئندہ بھی حاضری دوں گی۔

ثناء شہزاد۔۔۔ کراچی

ستمبر کا شمارہ 10 تاریخ کو ملا تو بہت زیادہ خوشی ہوئی' کیونکہ اب تو 14 تاریخ تک ملنے لگا ہے۔ پتا نہیں کرن میں ایسی کیا بات ہے کہ جتنا اس کا اور ہمارا ساتھ پرانا ہورہا ہے اتنا ہی اس کی اور ہماری محبت میں اضافہ ہورہا ہے۔

اب آتے ہیں تبصرے کی طرف' حمد و نعت ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ تھوڑا آگے بڑھے انٹرویوز میں صرف عروۃ الوثقی کو پڑھنے کا شرف بخشا۔ اس کے بعد دیکھا کہ ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ "پیغام دوست" کے نام سے۔ دیکھ کر خوشی ہوئی اور سب کے پیغام اچھے لگے۔ "مقابل ہے آئینہ" میں صدف مختار موجود تھیں۔ ان کے جوابات اچھے لگے' کیونکہ تقریباً" ہر جواب میں کسی نہ کسی خالہ جان کا ذکر تھا اور مجھے بھی اپنی خالاؤں سے بہت محبت ہے۔ افسانوں میں پانچ تو بہت اچھے لگے' البتہ دو کچھ خاص پسند نہیں آئے "بلا عنوان" اور "دل تو بچہ ہے" پانچ میں جو نمبر ون رہا وہ سمیہ عثمان کا تھا۔ "وہ مہربان ہے" اچھی تحریر تھی' موضوع بھی اچھا لگا۔ اینڈ میں بہت زبردست میسج تھا۔ سلمیٰ فقیر حسین کے ناولٹ "ہمدم دیرینہ" میں ایک جگہ تو بہت ہنسی آئی' جب وہ لمبا میاں اپنی دلہن کو رکشے میں رخصت کرواکے لے گئے' بہت خوب۔ دوسرا ناولٹ "ملن کی ساعتیں" تھا۔ اس کہانی میں ویسے تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ لیکن ارفع کا شبیر جان سے ایک دم فری ہوجانا اور بعد میں گھر والوں کے راضی نہ ہونے پر کورٹ میرج کی بات کرنا اچھا نہیں لگا' مگر شبیر جان نے جس طرح اسے سمجھایا اور اپنی محبت کو رسوا کرنے کی جو بات کی وہ من کو بھا گئی۔ رفاقت جاوید کا ناولٹ ایک تو اتنا طویل تھا اور پڑھ کر زیادہ مزا بھی نہیں آیا جو ماں کے ساتھ ہوا وہی بیٹی کے ساتھ ہوگیا' جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان الگ نصیب لے کر آتا ہے۔ مجموعی طور پر کہانی زیادہ متاثر نہ کرسکی۔ معذرت کے ساتھ۔ "کرن کے دسترخوان" میں مچھلی کے کباب ٹرائی کروں گی اور آپ سے ایک ریکوئسٹ ہے کہ چکن جلفریزی کی ترکیب بتادیں۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں فوزیہ تمریٹ اور عاصمہ ندیم کا شعر اچھا لگا۔ "یادوں کے دریچے" میں سب کے انتخاب اچھے تھے۔ "نامے میرے نام" میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی' سب کے تبصرے پسند آئے۔ نشا نورین نے کرن کے بارے میں جو بات کہی اس سے میں بھی سو فیصد متفق ہوں۔ کرن اتنا اچھا ہے کہ اسے پڑھ کر جو خراب بھی ہوا وہ بھی ٹھیک ہوجائے گا۔ کرن واقعی میں رہنمائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

الشین فاروق۔۔۔ کراچی

سب سے پہلے ٹائٹل پر بات کرنا چاہوں گی ماڈل کا ڈریس میک اپ ہیئر اسٹائل ہر چیز میں پرفیکشن کا خاص خیال رکھا گیا ہے ہاتھ میں لیتے ہی دل خوش ہوگیا۔

اس کے بعد حمد اور پھر نعت بہت اچھا لگا ایمان تازہ ہوگیا سبحان اللہ۔ اس کے بعد فصیح باری سے ملاقات بہت اچھا لگا ڈرامہ تو سب دیکھتے ہیں لیکن جس کی تخلیق ہے اس سے متعلق بھی معلومات ہونا چاہیے۔ عروہ اور صارم کا انٹرویو بھی پڑھنے میں مزا آیا۔

اب کچھ کہانیوں پر تبصرہ کروں گی سمیہ عثمان کا افسانہ "وہ مہربان ہے" پڑھ کر مزا آیا یہ ایک سبق آموز کہانی ہے ہم اپنی ذات پر تو خوب خرچ کرتے ہیں لیکن اگر کوئی اللہ کے نام کی صدا لگانے والا آجائے تو ہم بغیر غور فکر کے ٹال دیتے ہیں یا دو پانچ روپے دے دیتے ہیں۔ سلمیٰ فقیر حسین کا "ہمدم دیرینہ" پڑھ کر بہت انجوائے کیا ساری کہانی ہنستے ہنستے ختم ہوئی۔ عنیقہ ملک کا مکمل ناول "دل ایک شہر ملال" ان مردوں سے متعلق کہانی ہے جو رشتوں میں توازن رکھنا نہیں جانتے ہر بات پر آنکھ بند کرکے یقین کرلیتے ہیں محبت کرنے پر آئیں تو سب کچھ نچھاور کردیتے ہیں لیکن نفرت کرنے پر آئیں تو سب بھول جاتے ہیں ایسے مردوں کی تعداد اکثریت رکھتی ہے۔ عنبرین اعجاز کا "دل تو بچہ ہے" ایک بہت ذہین ذہن کی تخلیق ہے اس کو میں نے دو مرتبہ پڑھا اور بہت ہی انجوائے کیا۔ ایک بچے کے کیا جذبات ہوتے ہیں ہم تو اسے پیار سے چیلتے ہیں دباتے اور رگڑتے ہیں لیکن اس کی بھی پسند ناپسند ہوتی ہے۔ بچہ دل کے فیصلے ہوتے ہیں جی آخر دل تو بچہ ہے۔

عفیرہ مظفر "مکافات عمل" دل کو چھو جانے والی تحریر ہے ہماری اکثریت ماؤں کی یہی سمجھتی ہے کہ لڑکا شادی کے بعد ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا تو آنے والی چاہے بے چاری مظلوم بھی ہو تو اس کو سب مل کر دباتے ہیں اور داماد ان ماؤں کو غلام چاہیے ہوتے ہیں آنے والی بھی جذبات رکھتی ہے اس کا بھی دل ہے اپنا سب کچھ چھوڑ کر آتی ہے لیکن اس کے ساتھ غیروں جیسا سلوک اس کی دی گئی قربانیاں بے کار کردی جاتی ہیں اس کو ہر طریقے سے بددل کروایا جاتا ہے لیکن دنیا گول ہے ہم کچھ بھی کریں سب گھوم پھر کے ہمارے آگے آجاتا ہے۔ اور ہم ہاتھ ملتے رہ

جاتے ہیں۔

فوزیہ ثمرین۔۔۔ گجرات

ستمبر کا شمارہ تیرہ کی شام کو ہادی حسین نے بابا کے ساتھ لاکر دیا۔ پہلے تو اپنے پیارے بھتیجے ہادی حسین کو چوما پھوپھو جانی کا عزیز ڈائجسٹ کرن لاکر دیا۔ اور پھر اپنے پیارے

کرن کو۔

سرورق پہ ماڈل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا بلکہ گل گلزار ہو گیا۔ بھئی پسند جو بے حد آیا۔ ماڈل کی مسکراہٹ پستہ کلر کا ڈریس اور ہیئر اسٹائل سب کچھ بہت جچ رہا تھا۔
انٹرویو میں فصیح خان سے ملاقات اچھی رہی۔

"میری بھی سنیے" کافی کم عرصہ میں دونوں بھنوں نے اپنا مقام بنا لیا ہے۔ ویل ڈن۔ انسان کی محنت اس کو کبھی مایوس نہیں کرتی۔ "آواز کی دنیا سے" صارم خان کی باتیں اچھی لگیں۔ بھئی آواز اور اچھی آواز بھی ایک ساحر ہوتی ہے۔ اور یقین کریں پہلی دفعہ اس سلسلے کو دلچسپی سے پڑھا اگلے مہینے اگر آپ پرانی اداکارہ ہما نواب کا انٹرویو کردیں تو خوشی ہو گی محترمہ ایک بار پھر T.V پہ نظر آ رہی ہیں۔ "پیغام دوست" اچھا سلسلہ شروع کیا ہے۔ زندگی کے اس حصے میں جہاں دوست دوستی خواب لگتے ہیں۔ بہر کیف زندگی کی کتاب سے ہم بھی کچھ پھول نما دوست کو تلاش کر کے آپ کے ساتھ شیئر کریں گے۔
"مقابل ہے آئینہ" صدف کی باتیں اچھی تھیں۔ اتنی چھوٹی عمر میں پختہ سوچ یقیناً" زندگی میں اپنی خواہش کو حاصل کر پائے گی یہ لڑکی۔
مکمل ناول میں سب سے پہلے "دل اک شہر ملال" کو پڑھا۔ ساری کہانی اچھی جا رہی ہے مگر پتا نہیں کیوں عنیقہ صاحبہ حمرہ کے ماضی سے پردہ نہیں اٹھا رہیں۔ ساحر کا حمرہ پہ اتنا ظلم ذرا بھی پسند نہیں آیا۔ جب ساحر نے اتنی تگ و دو سے حمرہ کو حاصل کیا۔ تو اسے حمرہ پہ اعتبار بھی کرنا چاہیے تھا۔
"تیرے دل میرے مسافر" چوتھی اور آخری قسط تھی۔ مگر ابھی تک پڑھ نہیں سکی۔ "ہمدم دیرینہ" سلمٰی فقیر نے تو ہنسا ہنسا کے مار ہی دیا اور اس جملے نے تو بے تحاشا قہقہے لگانے پر مجبور کر دیا۔

جب ہیروئن ہیرو سے کہتی ہے کتنی محبت کرتے ہو مجھ سے۔ اور ہیرو کہتا ہے بے بے کہتی ہے مجھے اپنی کھوتی سے بہت پیار ہے اور میں تمہیں کھوتی سے زیادہ پیار کرتا ہوں کیا اظہار محبت ہے۔ جدید دور کا جدید اظہار محبت۔
منساح نوشین کی تحریر "یہ ملن کی ساعتیں" بہت اچھی لگی۔
"دل تو بچہ ہے" واہ عنبرین صاحبہ نے کیا آئیڈیل تراشا ہے۔ "مکافات عمل" سچ میں مکافات عمل ہی تھا۔
مستقل سلسلے اس بار اچھے تھے۔

عابدہ نوری۔۔۔ کوٹ سلطان

کرن کے ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے حمد و نعت سے دل کو منور کیا۔ انٹرویو پڑھنے کے بعد مکمل ناول پر جمپ۔

سال ہو گیا جب سے شادی ہوئی ہے کرن پڑھنا کم تو ہو گیا ہے پر ختم نہیں۔ میاں جی سے منگوایا تو اس شرط پر لا دیا کہ میرے کام مکمل ہو کر تب پڑھنا۔ اب جب ناولٹ اسٹارٹ کیا تو موصوف کو کھانا کھانا یاد آ گیا۔ جب میں نے پوچھا تھا تو انکار کر دیا کہ بھوک نہیں ہے۔ جیسے ہی کرن ہاتھ میں اٹھایا کام ہی کام یاد آ جاتے ہیں۔ جان بوجھ کر تنگ کرنا کہ کرن سے توجہ ہٹا کر ان کو ہی ٹائم دوں۔ جب میں نے جلدی جلدی کام کر دیا تو زور زور سے قہقہے لگائے کہ بیگم آؤ چائے پی لو اور اپنا کرن پڑھ لو تب سکون سے ہفتے میں مکمل کیا پہلے ایک دن میں ختم کر دیتی تھی۔

صبا خان۔۔۔ آزاد کشمیر

اس دفعہ کرن جلدی ہی مل گیا۔ ٹائٹل ٹھیک ہی تھا۔
سب سے پہلے چھلانگ لگائی "شام آرزو" کی جانب۔ فرحانہ ناز ملک کافی خوبصورتی سے کہانی آگے بڑھا رہی ہیں۔ پلیز فرحانہ جی۔ سفان اور عقیدت کی ملاقات اب کروا دیں۔ دسویں قسط تک تو لازمی کرا دیں۔ اس کے بعد نفیسہ سعید کا اک ساگر ہے زندگی پڑھا۔ ابھی تو آغاز ہے۔ اس پر تبصرہ محفوظ ہے۔ رفاقت جاوید کا مکمل ناول کافی اچھا ہے۔ ناول خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ باقی کرن ابھی پڑھا نہیں۔ مستقل سلسلے پسند آئے۔

☼ ☼